آبی وسائل

شرعی احکام وضوابط

IFA PUBLICATIONS

ایفا پبلیکیشنز

Marfat.com

بی وسائل اوران سے متعلق شرعی احکام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بیسویں فقہی سمینار منعقدہ
مؤرخہ ۵ تا ۷ رمارچ ۲۰۱۱ء کورامپور یوپی میں پیش
کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

Marfat.com

111925

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام
صفحات : ۶۸۴
قیمت : ۳۴۰ روپے
سن طباعت : فروری ۲۰۱۲ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل: ifapublication@gmail.com
فون: 26981327 - 011

Marfat.com

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷

باب اول: تمہیدی امور ۹-۱۲۸

سوالنامہ		۱۱
اکیڈمی کا فیصلہ		۱۵
تلخیص مقالات	مولانا صفدر زبیر ندوی	۱۸
عرض مسئلہ (سوال ۱-۵)	۱-مفتی راشد حسین ندوی	۹۵
عرض مسئلہ (سوال ۶-۱۰)	۲-مفتی ظہیر احمد کانپوری	۱۰۸
عرض مسئلہ (سوال ۱۱-۱۶)	۳-مولانا خورشید انور اعظمی	۱۱۸

باب دوم: تفصیلی مقالات ۱۲۹-۶۰۸

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی مسائل	مولانا محمد حذیفہ داحودی	۱۳۱
آبی وسائل-مسائل اور حل	مولانا خورشید انور اعظمی	۲۰۷
آبی وسائل سے متعلق مختلف مسائل	مفتی راشد حسین ندوی	۲۳۸
آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام	مولانا روح الامین	۲۶۸
آبی وسائل-شریعت کی روشنی میں	مفتی عبدالرحیم کشمیری	۳۰۱
آبی وسائل اور شرعی احکام	مولانا رحمت اللہ ندوی	۳۴۰
آبی وسائل-شرعی نقطہ نظر سے	مولانا محمد شاجہاں ندوی	۳۸۹

Marfat.com

آبی وسائل اوران کاشرعی حل	مفتی شاہد علی قاسمی	۴۱۵
آبی وسائل-شریعت کی نظر میں	مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی	۴۳۸
آبی وسائل وذرائع -فقہی نقطہ نظر سے	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی	۴۸۲
آبی وسائل-شرعی تناظر میں	مولانا توقیر بدر قاسمی	۵۳۹
آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام	مفتی تنظیم عالم قاسمی	۵۶۴
آبی وسائل سے متعلق شرعی ہدایات	مفتی سید باقر ارشد قاسمی	۵۸۸

باب سوم: مختصر مقالات ۶۰۹-۶۵۴

آبی وسائل اوران سے متعلق شرعی مسائل	مولانا عبدالجلیل قاسمی	۶۱۱
آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام	مفتی عبداللہ کاوی والا	۶۱۸
آبی وسائل اورشرعی نقطہ نظر	حافظ شیخ کلیم اللہ عمری	۶۲۸
آبی وسائل سے متعلق شرعی مسائل	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۶۴۳
آبی وسائل سے متعلق مختلف مسائل	مولانا شیرعلی گجراتی	۶۵۰
آبی وسائل-فقہی تناظر میں	مفتی ظہیر احمد کانپوری	۶۵۶

باب چہارم: مناقشہ ۶۶۷-۶۸۳

Marfat.com

پیش لفظ

انسان کی زندگی کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے اور بہت وافر مقدار میں مطلوب ہے، وہ ہے ہَوا اور پانی، بمقابلہ دوسرے سیاروں کے کرۂ ارض کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آکسیجن اتنی بے پناہ رکھی گئی ہے کہ ہر جگہ اور ہر جاندار کے لئے موجود ہے اور اس کی صفائی اور آمد کا مسلسل انتظام ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات خود انسان اپنے عمل سے اس قدرتی عطیہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے؛ چنانچہ مغرب نے ایسے ہتھیار تیار کر لئے ہیں کہ جب کسی علاقے میں اس کا استعمال ہو تو وہ کچھ وقفہ کے لئے آکسیجن کو ختم کر دے، ---- ہوا کے بعد دوسری سب سے بڑی ضرورت پانی ہے، پانی میٹھا ہو یا کھارا، دونوں انسان کے لئے ایک ضرورت ہے، میٹھے پانی سے ہماری پیاس دور ہوتی ہے، پھل، پھول، ترکاریاں اور اجناس ان سب کی پیداوار پانی پر موقوف ہے، یہاں تک کہ جن جانورں سے ہم لحمی غذا حاصل کرتے ہیں، وہ بھی نہ پانی کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ پانی کے بغیر انہیں غذا فراہم ہوسکتی ہے، سمندر میں موجزن کھارا پانی ہماری خشکی کی آلودگیوں کو جذب کرتا ہے، یہ بھاپ اڑا اڑا کر بادلوں کے وجود میں آنے کا سبب بنتا ہے اور یہی بھاپ پھر فضاؤں میں چھن کر میٹھے پانی کی شکل میں زمین پر برستا ہے، غرض کہ دنیا میں زندگی کے جو آثار موجود ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام کے لحاظ سے پانی ہی کے رہینِ منت ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الأنبياء: ۳۰)۔

بڑھتی ہوئی آبادی اور صنعتوں کے لئے پانی کی کثیر مقدار مطلوب ہے، ان اسباب

Marfat.com

کی وجہ سے عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی پانی کا مسئلہ نہایت اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اب آئندہ جنگیں شاید پانی کے مسئلہ پر ہوں گی، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آبی وسائل کے استعمال میں بڑی زیادتی سے کام لیا جارہا ہے، اس پس منظر میں پانی سے متعلق مختلف اہم سوالات اٹھ رہے ہیں، بحیثیت مسلمان ہمارا فریضہ ہے کہ ہم شریعت اسلامی کی روشنی میں ان موضوعات پر غور کریں اور اس کی آفاقی تعلیمات کو دنیا تک پہنچائیں، اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بیسویں سمینار منعقدہ رام پور میں ایک عنوان ''آبی وسائل اوران سے متعلق احکام'' کا رکھا تھا، نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ عالمی سطح پر بھی غالباً اس موضوع پر یہ پہلا سمینار تھا، جس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی گئی۔

حالاں کہ یہ ایک حد تک نامانوس موضوع تھا؛ لیکن مقامِ مسرت ہے کہ اربابِ فقہ وافتاء کی ایک بڑی تعداد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور بعض اہل علم نے مسئلہ کی مختلف جہتوں پر سہل اور چشم کشا تحریریں لکھیں، سمینار میں مقالات کی تلخیص تقسیم کی گئی، عارضین نے مختلف پہلوؤں پر اپنے اپنے عرض پیش کیے، مناقشہ کے لئے بھرپور وقت دیا گیا، تجویز کمیٹی نے غور وفکر کے بعد تجویز مرتب کی، محبِ عزیز مولانا صفدر زبیر ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مرتب کیا ہے، اور اب یہ علمی سوغات قارئین کی خدمت میں پیش ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے لئے اکیڈمی کی ان علمی کاوشوں کو صدقۂ جاریہ بنادیں۔ واللہ ھو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۱۴ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
۱۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء

Marfat.com

پہلا باب

تمہیدی امور

Marfat.com

Marfat.com

سوالنامہ

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک پانی ہے، پانی اگر میٹھا ہو تو ہماری پیاس بجھانے، کھانا پکانے اور کپڑے وغیرہ دھونے کے کام میں آتا ہے، اور پانی اگر کھارا ہو جیسے سمندر کا پانی، تو اس کی افادیت بھی کچھ کم نہیں؛ کیونکہ قدرت کی جانب سے اس میں آلودگی کو جذب کرنے اور آلائشوں کو تحلیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

جوں جوں تمدنی اور صنعتی ترقی ہوتی جاتی ہے اور انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، پانی کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے، اور اس کی کمی پوری دنیا کے لئے فکرمندی کا باعث ہے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ مستقبل میں پانی کے لئے جنگیں ہوں گی، بلکہ ابھی سے دریاؤں اور سمندروں میں اپنے اپنے حقوق کے سلسلے میں مختلف ملکوں بلکہ ایک ملک کی مختلف ریاستوں کے درمیان کشمکش جاری ہے، پانی کے بے جا استعمال کی وجہ سے آبی آلودگی کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ہے، اور اب اس کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کے سلسلے میں کوششیں کی جارہی ہیں، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پر تفصیلی اور مدلل جواب مطلوب ہیں:

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ہیں؟

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں کیا احکام دیے گئے ہیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں؟

Marfat.com

۴- آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہوجاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟

۵- پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے؛ تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی؟

۷- بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظتِ آب کے لئے مخصوص کردیں تو کیا حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، نیز پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے یا افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے؟

۸- بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنا پڑتا ہے، نہ صرف زرعی علاقے بلکہ آبادیاں بھی آبی ذخیرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، لہٰذا شرعی نقطۂ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا کیا جائز ہوگا؟

Marfat.com

۹- بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کے روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کو کاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو تو وقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے؛ لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر آگے کی آبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہو تو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز ہوگا؟

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد واشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟

۱۱- اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟

۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

۱۳- جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے، ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟...... واضح ہو کہ موجودہ دور میں پانی کی خرید وفروخت ایک اہم ذریعۂ معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔

۱۴- شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں لوگ پلاٹنگ کر کے انھیں فروخت کر رہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جارہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی

Marfat.com

پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو کیا تالاب میں آبادیاں بسانا درست ہے؟ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

۱۵- حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیہاتوں میں بھی اس کا نظام موجود ہے، تو کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق حاصل ہوگا؟

۱۶- یہی صورتحال استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈرینج کا نظام بنایا ہے، اس سے نہ صرف افراد و اشخاص کے مفادات متعلق ہیں؛ بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے؛ اس لئے کیا یہ شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

☆☆☆

Marfat.com

اکیڈمی کا فیصلہ

آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی اہم نعمت ہے، یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بہت سے احکام دیئے، لہٰذا اس کی قدر کی جائے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے پانی میں اسراف کی ممانعت کردی گئی، اور اس کو آلودہ کرنے سے سختی سے منع کردیا گیا ہے، اور چونکہ سبھی کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس میں کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی، نہ ہی ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت دی گئی جو کسی کی حق تلفی کا سبب بنے۔

۱- جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے ان میں بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف ہے۔

۲- موقوفہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہوگا اور اگر مملوکہ ومباح پانی ہے تو اس میں مکروہ ہوگا۔

۳- شریعت نے پانی کو صرف پاک رکھنے ہی کے احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے بھی شریعت نے متعدد احکام دیئے ہیں؛ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے۔

۴- پانی کی قلت کے پیش نظر اگر حکومتیں مفاد عامہ کی خاطر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں تو یہ درست ہے اور اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ پابندی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کو پورا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۵- مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے کسی کی ملک نہیں، بوقت ضرورت مصلحت عامہ کے پیش نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔

Marfat.com

۶- پانی کی حفاظت اور اس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے تاہم افراد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کہ زیر زمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔

۷- بوقت ضرورت مفاد عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی منتقل کی جاسکتی ہے بشرطیکہ فوری ایسا عادلانہ معاوضہ ادا کیا جائے جو لوگوں کے لئے تلافی مافات اور باز آبادکاری کے لئے کافی ہوسکے۔

۸- یہ ضروری ہے کہ سیلاب کے موقع سے بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔

۹- اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا بغیر دوسروں کو ضرر پہونچائے درست ہے۔

۱۰- نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔

۱۱- وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا چیز میں بالقصد محفوظ کرلیا جائے، ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کے لئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

۱۲- پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے جبکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو، لہٰذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرکے اس پانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳- نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جب کہ ضرر عام لاحق ہو، درست نہیں ہے؛ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔

۱۴- ہر شہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب

Marfat.com

معاوضہ بھی لے سکتی ہے، اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔

۱۵- پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے ایسے نظام و قوانین کا لحاظ رکھیں۔

☆☆☆

Marfat.com

تلخیص مقالات:

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

مولانا صفدر زبیر ندوی

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا بیسواں فقہی سمینار ریاست اتر پردیش کے شہر رامپور میں مورخہ ۵-۷/مارچ ۲۰۱۱ء کو منعقد ہونے جارہا ہے۔ اکیڈمی نے اس سمینار میں بحث کے لئے چار اہم موضوعات کا انتخاب کیا جن میں سے ایک اہم موضوع "آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام" بھی ہے۔ اس موضوع پر اکیڈمی کو ۲۷/مقالے موصول ہوئے جن کی تلخیص آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ جن حضرات کے مقالے آئے ان کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

[مولانا شیر علی صاحب، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری، شیخ ایم اے عبدالقادر]۔

بعض مقالہ نگاروں نے تمہید کے طور پر اپنے مقالات کے شروع میں پانی کے اہم ترین نعمت ہونے، ہر جاندار کی زندگی میں اس کی اہمیت، انسان کی بنیادی ضرورت، اس کے

Marfat.com

استعمال سے متعلق اسلامی تعلیمات وہدایات اوران سے متعلق آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جو بہت ہی معلوماتی اور مفید بھی ہیں، لیکن تلخیص طویل نہ ہوجائے اس خوف سے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اصل بحث اور سوالوں کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام:

سوال: ۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ھیں؟

پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام بیان کرتے ہوئے اکثر مقالہ نگار حضرات نے پانی کی صلاحیت تطہیر کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، مثلاً وضو، غسل، نجاست کو دور کرنا، اور اسے انسان کی ایک بنیادی اور اہم ترین ضرورت قرار دیتے ہوئے کھانے پینے اور روزہ مرہ کی دیگر ضروریات میں اس کے استعمال کا ذکر کیا ہے [دیکھئے مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ]۔

۱-"وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به ويذهب عنكم رجز الشيطان" (انفال:۱۱)۔

۲-"هو الذى أنزل من السماء ماء لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسيمون" (النحل:۱۰)۔

۳-"وثيابک فطهر والرجز فاهجر" (المدثر:۴-۵)۔

۴-"هو الطهور ماء ه" (مشکوۃ: کتاب الطہارۃ، باب احکام المیاہ ۱/۵۱)۔

مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی وغیرہ نے اس کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے قرآنی آیات کی روشنی میں پانی کے استعمال سے متعلق درج عمومی احکام گنوائے ہیں:

۱- پانی انسان کے کھانے پینے میں استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲-پانی سے انسان طہارت وصفائی کا بھی کام لے سکتا ہے۔

۳-پانی سے کھیتوں اور باغوں وغیرہ کی سینچائی کرسکتا ہے۔

۴-اپنے جانوروں کو بھی پلائے گا۔

۵-پانی کے استعمال میں اسراف وفضول خرچی سے بچے گا۔

۶-پانی کو آلودہ ہونے سے بچائے گا۔

۷-پانی کو لوگوں کے ضرر اور ایذاء کا سبب نہیں بنائے گا۔

۸-احراز کے ذریعہ پانی پر اس کی ملکیت تسلیم کی جائے گی۔

۹-جن صورتوں میں بھی لوگوں کو حق شفہ حاصل ہو پانی کے استعمال پر پابندی نہیں لگائے گا۔

جبکہ مفتی تنظیم عالم قاسمی نے ایک قدم آگے بڑھ کر بجلی کی توانائی، فیکٹریوں اور بڑی بڑی صنعتوں کے حرکت میں رہنے کو اسی پانی کا رہین منت قرار دیا ہے۔

پانی کی اقسام:

بعض حضرات نے اس ضمن میں پانی کی اقسام اور اس کی تفصیلات بیان کی ہیں، مفتی سید باقر ارشد قاسمی نے اس کی چھ قسمیں کی ہیں:

۱-آسمان کا پانی یعنی برسات کا پانی

۲-سمندر کا پانی

۳-نہر اور نالوں کا پانی

۴-کنویں کا پانی

۵-چشمے کا پانی

۶-برف کا پانی

Marfat.com

جبکہ مفتی ظہیر احمد کانپوری نے مطلق پانی کی چار قسمیں کی ہیں، برسات اور برف کے پانی کو چھوڑتے ہوئے انہوں نے برتنوں میں جمع پانی کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے پانی اپنے برتن میں جمع کرلیا تو وہ پانی صاحب برتن کی ملک ہو جائے گا، اور وہ اس پانی کو شرعاً فروخت بھی کرسکتا ہے (بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۴۶۶۱، بدائع الصنائع ۶/۱۸۸، تبیین الحقائق ۶/۳۹، شامی ۵/۳۱۱)۔

شرعی حکم:

اسی طرح بعض حضرات نے پانی کی طہارت ونجاست کے اعتبار سے قسمیں کی ہیں، جیسا کہ مفتی سید باقر ارشد قاسمی اس کی تین قسمیں کرتے ہیں، طہور، طاہر، اور غیر طہور متنجس، جبکہ مولانا رحمت اللہ ندوی نے اس کی پانچ قسمیں کرتے ہوئے اس میں ماء طاہر مطہر مکروہ اور ماء مشکوک کا اضافہ کیا ہے۔ موصوف نے لکھا ہے کہ ماء طاہر مطہر مکروہ وہ پانی ہے جس سے ایسا جانور پی لے جو عام طور پر نجاست سے دور نہیں رہتا یا اس سے نہیں بچتا ہے، حنفیہ کے نزدیک ماء مطلق کی موجودگی میں اس سے وضو کرنا مکروہ ہے، اور اکثر شافعیہ کے نزدیک یہ وہ پانی ہے جو سونے چاندی کے علاوہ دیگر معدنی برتنوں میں رکھ کر دھوپ کے اندر گرم ہو گیا ہو، اس کی کراہیت کی علت یہ ہے کہ اس سے برص کی بیماری ہوتی ہے، اسی طرح انہوں نے ماء مشکوک کے بارے میں حنفیہ کا رجحان یہ لکھا ہے کہ ماء قلیل سے جب کوئی گدھا یا خچر پی لے تو وہ ماء مشکوک ہے، لہذا قطعی طور پر اس کی طہارت ونجاست کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، یعنی وہ نہ کسی طاہر کو ناپاک کرے گا اور نہ کسی نجس کو پاک کرے گا۔

اور مولانا سید عبدالرحیم حسنی نے اس مسئلہ سے متعلق کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (۱/۲۹-۳۰) سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے اور اخیر میں یہ لکھا ہے کہ احناف کے یہاں سورج کی تپش سے گرم شدہ پانی سے بھی وضو وغسل کرنا مکروہ ہے جبکہ یہ پانی سونے وچاندی کے

Marfat.com

برتن کے علاوہ کسی برتن میں رکھا ہو، یا ایسے ہی شرابی شخص کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے جب کہ شراب سے ملا ہوا لعاب دہن اس شرابی کے جھوٹے پانی سے مل جائے، نیز چیل، کوے اور آوارہ پھرنے والے مرغ وغیرہ اور بلی کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ جانور عموماً نجاست سے کم ہی پرہیز کرتے ہیں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۳۰)۔

جبکہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی وغیرہ نے پانی کے استعمال کے تعلق سے جو احکام مرتب ہوتے ہیں ان کی تقسیم کو اپنے مقالہ میں ملحوظ رکھا ہے:

۱-فرض وواجب: اقامت نماز کے لئے وضو۔

۲-سنت: جمعہ، عیدین، عرفہ اور احرام کا غسل۔

۳-مستحب: وضو پر وضو کرنا۔

۴-مباح: ہر قسم کی ضروریات کے لئے پانی کی مناسب مقدار کا استعمال کرنا۔

۵-مکروہ تنزیہی: اپنے مملوکہ پانی یا دریا وغیرہ کے پانی میں اسراف کرنا۔

۶-مکروہ تحریمی: وقف کئے ہوئے پانی میں حاجت شرعیہ سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا۔

مولانا عامر ظفر ایوبی نے وضو پر وضو کرنے کے مستحب ہونے کی یہ دلیل دی ہے:

"عن غطيف قال: كنت عند ابن عمر فلما نودى بالظهر توضأ فصلى فلما نودى بالعصر توضأ فقلت له، فقال: كان رسول الله ﷺ يقول: من توضأ على طهر كتب له عشر حسنات" (ابوداؤد)۔

جبکہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے اس میں ایک قسم حرام کا اضافہ کیا ہے، اور اس کے تحت چند چیزوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً:

۱-پانی مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا۔

۲-پیاس سے کسی کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اور وضو یا غسل کر کے پانی کو ختم

111925

Marfat.com

کردیا جائے۔

۳-وضو یا غسل کرنے سے ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

۴-اور پانی اتنا ٹھنڈا یا گرم ہو کہ اس کے استعمال سے نقصان کا خطرہ ہو۔

۲-پانی میں فضول خرچی کی صورتیں اور ان کا شرعی حکم:

سوال: ۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پانی کے استعمال کی ضرورت جہاں بھی ہو یا جتنی مقدار میں ہو، اس سے زائد کا استعمال کرنا فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہوگا، جو کہ بعض اوقات حرام اور بعض اوقات مکروہ ہوگا۔

اسراف کی تعریف:

بعض حضرات نے اسراف کی پہلے تعریف بیان کی ہے، مثلاً:

۱-"**الاسراف في اللغة: مجاوزة القصد، أما في الاصطلاح الشرعي: وهو محاوزة الحد**"(.....)۔

"**السرف الذی نهی الله عنه فهو ما أنفق في غير طاعة الله قليلا كان أو كثيرا**"(موسوعہ فقہیہ ۴/۱۷۶)۔

۲-"**الإسراف صرف الشئ فيما ينبغي زائدا على ما ينبغي**" (ردالمحتار ۱۰/۴۹۳، کتاب التعریفات/۲۶، قواعد الفقہ/ص ۱۷۷)۔

۳-"**إن الإسراف هو الاستعمال فوق الحاجة الشرعية وإن كان شط نهر**" (بحر، نیز حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح/ص ۵۳)۔

"**الإسراف تعدیّ الحد، فنهاهم عن تعدى الحلال إلى الحرام، وقيل**

Marfat.com

ألاّ یزیدوا علی قدر الحاجة" (أحکام القرآن لابن العربی ۳/۱۹۰)۔

۵-مولانا عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ اسراف نام ہے صرف بے اندازہ یا صرف بے محل کا (تفسیر ماجدی ۲/۱۵۰) [مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی]۔

۶-"الإسراف هو الزیادة فی الانفاق فی موقعه" (جلالین ۲/۲۳۲، حاشیہ نمبر ۱۱)۔

۷-حضرت تھانوی فرماتے ہیں: اسراف مقدار سے ناواقف ہونے کا نام ہے، یعنی آدمی کو یہی نہ معلوم ہو کہ کتنا خرچ کرنا ہے، اور کتنا نہیں (بیان القرآن ۱/۸۳) [مقالہ: مولانا عطاء اللہ قاسمی]۔

۸-مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے معارف القرآن (۵/۴۷۰) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک اسراف وتبذیر دونوں ہم معنی لفظ ہیں، یعنی کسی معصیت میں یا بے موقع وبے محل خرچ کرنے کو تبذیر واسراف کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع وبے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع ہو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے تو اس کو اسراف کہتے ہیں، اسی لئے تبذیر بہ نسبت اسراف کے اشد ہے، یہی رائے مفتی عبد اللہ کاوی والا کی بھی ہے۔

۹-تقریباً اسی معنی میں مولانا محمد عثمان بستوی نے التفسیر المنیر (۵/۵۸) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تبذیر کے معنی یہ ہیں کہ مال جو جائز خواہشوں کی تکمیل کے لئے انسان کو دیا گیا ہے اسے ناجائز خواہشوں اور غیر قانونی اعمال وافعال پر خرچ کرنا ہے، اور اسراف مال کو جائز کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا یعنی اعتدال سے ہٹ جانا ہے، آیت ہے: "والذین إذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما" (الفرقان: ۶۷)۔

پانی میں اسراف کی صورتیں:

اس سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ جن جگہوں میں یا جن صورتوں میں پانی کا استعمال ہوتا ہے مثلاً وضو، غسل، استنجاء، کپڑا دھونا اور کھانے پینے وغیرہ میں

Marfat.com

معلوم ومناسب ومسنون مقدار سے زیادہ استعمال کرنا اسراف میں داخل ہوگا، ان حضرات نے عام طور پر غسل بالصاع، وضو بالمد اور سرف فی الوضوء والی احادیث کو مستدل کے طور پر پیش کیا ہے۔

دلائل:

۱-"کلوا واشربوا ولا تسرفوا "(الانعام/۱۴۱) [مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی باقرارشد قاسمی]۔

۲-"إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين" (بنی اسرائیل/۲۷) [مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی]۔

۳-"عن جابرؓ أن النبی ﷺ كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع" (بخاری ۱/۴۰۳، مسلم ۱/۲۵۸)۔

۴-"عن ابن جبير قال سمعت أنسا يقول: كان النبی ﷺ يغسل أو كان يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالمد"(بخاری ۱/۲۳)۔

۵-"عن سفينة أن النبی ﷺ كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع" (ترمذی ۱/۱۸)۔

۶-"عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أفي الوضوء سرف؟ فقال: نعم، وإن كنت على نهر جار"(مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۰۶۵، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۵)۔

۷-"ومنه (الاسراف) الزيادة على الثلاث أی فی الغسلات مع اعتقاد أن ذلک هو السنة، لما قدمناه من أن الصحيح أن النهی محمول على ذلک فإذا لم يعتقد ذلک، وقصد الطمانينة عند الشک أو قصد الوضوء على الوضوء بعد الفراغ منه فلا كراهة......" (ردالمحتار علی الدر المختار ۱/۲۵۹) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی]۔

Marfat.com

وضو میں اسراف:

۱-"أما الزيادة على الثلاث الموعبة فمكروه عند الجمهور......لأنها من السرف في الماء" (الموسوعۃ الفقہیہ ۴/۱۷۸-۱۷۹)۔

۲-حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں: "لا آمن إذا زاد في الوضوء على الثلاث أن يأثم" (تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱/۱۳۱)۔

غسل میں اسراف:

۱-"من سنن الغسل التثليث، بأن يفيض الماء على كل بدنه ثلاثا مستوعبا، والزائد على ذلك يعتبر إسرافا مكروها" (الموسوعۃ الفقہیہ ۴/۱۸۰)۔

کھانے پینے میں اسراف:

۱-"قال رسول الله ﷺ: إن من الإسراف أن تأكل كل ما اشتهيت" (بحوالہ معارف القرآن ۳/۵۴۶)۔

۲-"ومن الاسراف في الأكل، الأكل فوق الشبع، وكل ذلك محظور" (احکام القرآن للطبری ۳-۴/۱۳۸)۔

۳-وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا مکروہ تحریمی ہے، حدیث میں ہے:
"إن شرار أمتي الذين يسرفون في فضل الماء......وفي الدر: ويكره الإسراف تحريما ولو بماء النهر أو المملوك" (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۴۵)۔

۴-"قد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوءا كان أو غسلا أو طهارة عن النجاسات، وإن كان على شط نهر جار" (بذل المجہود ۱/۶۱)۔

۵-"ومازاد على الشبع فهو مكروه أو ممنوع على الخلاف بين

Marfat.com

الفقہاء" (الموسوعۃ الفقہیہ ۴/۱۸۵-۱۸۶)۔

۶-اور مولانا شیر علی گجراتی نے لکھا ہے کہ علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی نے "السعایہ" میں وضو میں اسراف کو حرام قرار دیا ہے (السعایہ ۱۸۴)۔

صاع اور مد کی تفصیل:

اس ضمن میں مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا محمد حذیفہ داحودی وغیرہ نے الاوزان المحمودہ کے حوالہ سے صاع اور مد کی تفصیل لکھی ہے کہ:

مد دو رطل کا ہوتا ہے، اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے جس کی مقدار کے سلسلے میں خاصا اختلاف ہے، البتہ علماء ہند کے نزدیک ایک صاع ۳۱۴۹ء۳ گرام کا، اور لیٹر کے اعتبار سے ایک صاع ۴ء۱۲۷ لیٹر کا ہوتا ہے، اور چونکہ ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں، لہذا گرام کے اعتبار سے ایک مد ۷۸۷ء۳۲۰ گرام کا، اور لیٹر کے حساب سے ۱۰۳۱ء۱ کا ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ایک صاع چار لیٹر سے کچھ زیادہ اور ایک مد ایک لیٹر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

مفتی عبداللہ کاوی والا نے تحفۃ الالمعی کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کے غسل کے پانی کی مقدار کا وزن ۳ر کیلو ۱۵۰ر گرام اور وضو کے پانی کی مقدار کا وزن ۷۹۰ر گرام لکھا ہے (تحفۃ الالمعی ۱/۲۸۷)۔

لیکن مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری نے بدائع الصنائع (۱/۱۴۴) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غسل میں صاع اور وضو میں مد کی مقدار کا جو ذکر ہے وہ حتمی ولازمی نہیں ہے کہ اس مقدار سے کمی یا اس پر زیادتی ناجائز ہے، اس لئے کہ پانی کے استعمال سے متعلق ادنی کفایتی مقدار کا بیان بھی حدیث میں مذکور ہے کہ "أن رسول الله ﷺ كان يتوضأ بثلثي مد" (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۴، نسائی ۱/۵۸)۔

اس حدیث کے تعلق سے مولانا کلیم اللہ عمری نے ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "قال الشافعي وأحمد وإسحاق ليس معنى هذا الحديث على التوقيت أنه لا يجوز

Marfat.com

أكثر منه ولا أقل منه وهو قدر ما يكفي" (ترمذی:۵٦)۔

اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ﷺ سے ایک فرق (یعنی ایک بڑا برتن کہ جس میں تقریباً ۹ سیر پانی سما جاتا ہے) پانی سے بھی غسل کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے (بخاری:۲۵۰، مسلم:۳۱۹، ابوداؤد:۲۳۸، نسائی:۱۲۷)۔

جبکہ مولانا عامر ظفر ایوبی کا کہنا ہے کہ حدیث میں وضو اور غسل کے لئے جو مقدار درج ہے وہ مسنون ہے، واجب نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے:

"ثم هذا الذى ذكره محمد من الصاع والمد فى الغسل والوضوء ليس بتقدير لازم بحيث لا يجوز النقصان عنه أو الزيادة عليه بل هو مقدار أدنى الكفاية عادةً حتى لو أن من أسبغ الوضوء بدون ذلك أجزاه وإن لم يكفه زاد عليه لأن طباع الناس وأحوالهم تختلف" (بدائع الصنائع ۱/۱۴۴-۱۴۵)۔

اسراف کی مختلف صورتیں:

بعض حضرات مثلاً مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی اور مفتی عبداللہ کاوی والا وغیرہ نے پانی میں اسراف کی درج ذیل صورتیں لکھی ہیں:

۱-وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو تین بار سے زائد دھونا۔

۲-غسل واجب میں بدن کو تین بار سے زائد دھونا۔

۳-دور جدید میں پانی کی ٹنکی کے بھر جانے کے بعد بھی موٹر کو چالو رکھنا۔

۴-نل کو کھلا ہوا چھوڑ کر وضو یا غسل کرنا۔

۵-بیت الخلاء کی صفائی کے لئے فلش کو دبا ہوا چھوڑ دینا۔

٦-غسل خانہ میں باتھ ٹب میں پانی بھر کر غسل کرنا بھی فضول خرچی ہے۔

۷-جانوروں کے نہلانے میں زیادہ پانی کا استعمال کرنا۔

۸-کپڑا اور برتن وغیرہ دھونے میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا۔

Marfat.com

۹- کھیت یا باغ میں سینچائی کرتے وقت ضرورت سے زائد پانی کا استعمال کرنا۔

۱۰- بلا فصل وضو کی تجدید کرنا۔

۱۱- چوراہوں پر لگے ہوئے فواروں سے من وجہ پانی کا اسراف ہوتا ہے۔

۱۲- سوئمنگ پول میں غسل کرنا بھی اسراف ہے، نیز یہ طریقہ انغماس فی الماء کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔

اسراف کا شرعی حکم:

☆ مولانا محمد عثمان بستوی وغیرہ نے اس کی تفصیل کی ہے کہ اسراف کے کراہت کے ساتھ جواز اور عدم جواز کا مدار پانی کی ضرورت، اجازت، ملکیت، اباحت وغیرہ پر ہے:

۱- اگر پانی اپنا مملوک ہے اور پانی کی فراوانی بھی ہے تو ضرورت سے زائد خرچ کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

۲- پانی مملوک ہو، لیکن پانی قلیل ہو اور اسراف کی وجہ سے خود اپنی یا دوسرے لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہو تو ایسی صورت میں اسراف شرعاً جائز نہیں۔

۳- پانی اگر دوسرے کی ملکیت ہو اور اس نے کسی خاص ضرورت میں استعمال کی اجازت دی ہے تو اس ضرورت سے زائد استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۴- پانی اگر واقف کی طرف سے وضو یا غسل یا پینے کے لئے وقف ہو تو ان ہی امور میں صرف بقدر ضرورت استعمال جائز ہے، دوسرے امور میں یا ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ مولانا روح الامین کی رائے یہ ہے کہ جو پانی بالکل ضائع ہو جائے اور استعمال کے قابل نہ رہے تو ایسا اسراف مکروہ تحریمی ہے، اور اگر ضائع نہ ہو بلکہ نہر کے کنارے پر استعمال کیا ہوا پانی پھر بہہ کر نہر میں جا رہا ہو تو ایسا اسراف مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی سمجھا جائے گا، جیسا کہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

Marfat.com

”ویؤیده ماقدمه الشارح عن الجواهر من أن الإسراف فی الماء الجاری جائز لأنه غیر مضیع، وقدمنا أن الجائز قد یطلق علی ما لا یمتنع شرعاً فیشمل المکروه تنزیها“ (ردالمحتار ۱/۲۵۹)۔

☆ مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے وضو اور غسل میں اسراف سے متعلق کئی صورتیں ذکر کی ہیں، مثلاً:

۱- تین مرتبہ اعضاء وضو کو دھونا سنت نہ جانتے ہوئے چوتھی یا پانچویں مرتبہ دھونا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، بحوالہ ردالمحتار ۱/۲۵۸]۔

۲- اعضاء وضو دھوتے وقت مسجد کے حوض یا ٹنکی کی ٹونٹی یا نلکیاں کھولے رکھنا، جس سے بے مقصد پانی کا ضیاع ہو، حرام ہے۔

۳- غسل میں پورے بدن پر کامل تین بار سے زیادہ بے مقصد پانی ڈالنا مکروہ تحریمی ہے، اور تقریباً یہی رائے شیخ ایم اے عبدالقادر کی بھی ہے۔

☆ مولانا سید عبدالرحیم حسنی لکھتے ہیں کہ جس طرح وضو کے پانی میں اسراف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح ضرورت سے کم پانی خرچ کرنا بھی مکروہ تنزیہی ہے، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ پانی اپنی ملکیت ہو، لیکن اگر یہ پانی وقف ہو تو ایسے پانی میں اسراف کرنا بہر صورت حرام ہے، اور یہی رائے مولانا راشد حسین ندوی کی بھی ہے۔

☆ جبکہ مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی اور مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ کا کہنا ہے کہ پانی میں اسراف اور فضول خرچی اگر اپنی ملکیت میں ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور وقف شدہ میں اسراف حرام ہے، دلیل یہ دی ہے:

”ویکره الإسراف فیه تحریما لو بماء النهر أو المملوک له أما الموقوف علی من یتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام“ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ۸۰)۔

☆ مولانا خورشید انور اعظمی نے بھی علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری (۲/۳)

Marfat.com

کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے پانی کے استعمال میں فضول خرچی کی کراہیت معلوم ہوتی ہے، اور بذل المجہود (۱/ ۲۴۷) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علماء کرام نے پانی کے اسراف کی کراہیت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے [نیز مقالہ: مولانا نعیم اختر قاسمی]۔

☆مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی کے نزدیک پانی کے استعمال میں اسراف کرنا اور اسے ضائع کرنا حرام ہے۔

☆ مولانا عطاء اللہ قاسمی کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" میں نہی کا صیغہ "لاتسرفوا" استعمال کیا گیا ہے جو فعل حسی پر 'نہی' ہے اسی لئے اسراف حرام ہے۔

☆اور مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے اسراف کے حرام ہونے کے تعلق سے دو صورتیں کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ تمام وہ صورتیں جن میں پانی کو بے ضرورت اور بے مقصد یونہی ضائع کیا جائے وہ حرام ہیں، اور کسی چیز کی ضرورت سے زیادہ بے وجہ پانی خرچ کرنا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے۔

☆مفتی عبداللہ کاوی والا نے پانی کے استعمال میں اسراف کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

☆ جبکہ مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی نے اسے مکروہ تنزیہی کہا ہے۔

"اتفق أصحابنا وغيرهم على ذم الإسراف في الماء في الوضوء والغسل، قال البخاري في صحيحه: كره أهل العلم الإسراف فيه والمشهور أنه مكروه كراهة تنزيه، قال البغوی والمتولی حرام" (المجموع شرح المہذب ۲/ ۱۵۲)۔

"ترک التقتير والإسراف من المندوبات، وذكر الحلوانی أنه سنة، وعليه مشى قاضي خان، ولا يلزم كونه زائدا على المأمور به وغير طاعة أن يكون حراما، نعم، إذا اعتقد سنيته يكون قد تعدى وظلم لاعتقاده ماليس بقربة قربة فلذا حمل علماءنا النهي على ذلك فحينئذ يكون منهيا عنه ويكون تركه سنة مؤكدة" (رد المحتار ۱/ ۲۶۸)۔

Marfat.com

۳-پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت کا حکم:

سوال: ۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں کیا احکام دیے گئے ھیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ھیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ھیں؟

اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پانی کو آلودہ کرنا حرام اور ناجائز ہے، عام طور سے ان حضرات نے یکساں دلائل پیش کیے ہیں، چند اہم دلائل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

دلائل:

۱-"قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذى لا يجرى ثم يغتسل فيه" (بخاری، باب البول فی الماء الداء، حدیث نمبر:۲۳۹)۔

۲-"قال رسول الله ﷺ: لا تبل في الماء الدائم الذى لا يجرى ثم تغتسل منه" (صحیح مسلم، باب النہی عن البول فی الماء الدائم)۔

۳-"عن أبى هريرةؓ أن النبى ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء، حتى يغسلها ثلاثا، فانه لا يدرى أين باتت يده" (رواہ مسلم ۱/۱۳۶، حدیث نمبر:۲۷۸)۔

۴-"غطّوا الإناء وأوكوا السقاء، فإن في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء ليس عليه غطاء، أو سقاء ليس عليه وكاء، إلا نزل فيه من ذلك الوباء" (مسلم، حدیث نمبر:۲۰۱۴، مسند احمد، حدیث نمبر:۱۹۸۲۹)۔

۵-"عن جابر أن رسول الله ﷺ نهى أن يبال في الماء الراكد" (رواہ مسلم، حدیث نمبر:۲۸۱) وفي رواية: "نهى أن يبال في الماء الجارى" (رواہ الطبرانی، مجمع الزوائد ۱/۸۲)۔

۶-"عن معاذ بن جبل مرفوعا: اتقوا الملاعن الثلاث: البراز في

Marfat.com

الموارد، وقارعة الطريق والظل، وفى رواية وأفنيتهم" (ابوداؤد، ابن ماجہ)۔

۷-"أما قوله ﷺ "الذى يتخلى فى طريق الناس" فمعناه أن يتغوط فى موضع يمر به الناس "وما نهى عنه فى الظل والطريق" لما فيه من ايذاء المسلمين بتنجيس من يمر به ونتنه واستقذاره" (شرح مسلم ۱/۱۳۲)۔

۸-"فحينئذ إذا ذكروا مكروها بلا بد من النظر فى دليله، فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم، إلا مصارف للنهى عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل نهياً بل كان مفيداً للترک الغير الجازم فهى تنزيهية" (ردالمحتار ۱/۹۷)۔

۹-"کره بول وغائط فى ماء ولو جاريا فى الأصح، وفى البحر: أنها فى الراكد تحريميته وفى الجارى تنزيهيته، وفى الرد: نهى أن يبال فى الماء الراكد ونهى أن يبال فى الماء الجارى، والمعنى فيه أنه يقذره، وربما أدى إلى تنجيسه" (ردالمحتار ۱/۵۵۵)۔

۱۰-"البول فى الماء الجارى مكروه كذا فى الخلاصة، ويكره البول فى الماء الراكد وهو المختار" (فتاوی ہندیہ ۱/۲۵)۔

۱۱-"قال الكاسانى: أما تنجيس الطاهر فحرام، فكان هذا (لا يبولن أحدكم الخ) نهيا عن تنجيس الماء الطاهر" (بدائع ۱/۲۰۹)۔

۱۲-"وإن أراد أن يحفر بئر بالوعة يمنع أيضا لسراية النجاسة إلى البئر" (شرح وقایہ ۱/۸۱)۔

۱۳-"ويكره تحريما البول والغائط فى ماء ولوجاريا، وعلى طرف نهر و حوض وبئر و عين ماء" (الفقہ الحنفی ۱/۶۳)۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں بعض حضرات نے پانی کو آلودہ کرنے پر اس طرح کے

Marfat.com

الفاظ کے ذریعہ حکم لگائے ہیں:

- مفتی ظہیر احمد کانپوری لکھتے ہیں کہ پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا کبھی تو فرض عین ہے اور کبھی فرض کفایہ، اپنے ضروری استعمال کے لئے پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض عین کے درجہ میں ہے، اور اپنی ضرورت سے زائد پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض کفایہ ہے، موصوف نے پانی کو آلوذہ ہونے سے بچانے کو حفظ نفس اور حفظ دین میں سے قرار دیا ہے۔
- پانی کو جان بوجھ کر آلودہ کرنا قابل تعزیر بھی ہوسکتا ہے [مولانا صباح الدین ملک قاسمی]۔
- بول (پیشاب) کا لفظ تمام نجاستوں اور گندگیوں کے لئے بطور مثال استعمال ہوا ہے، ورنہ ہر طرح کی نجاست اور گندگی پانی میں گرانا حرام ہے [مولانا عطاء اللہ قاسمی]۔
- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے جو احکامات وارد ہیں ان کا حکم تنزیہی ہے [شیخ کلیم اللہ عمری]۔
- ان جگہوں پر آلودگی پھیلانے کا شرعی حکم کراہت تحریمی یا کم از کم کراہت تنزیہی کا ہونا چاہئے [مولانا راشد حسین ندوی]۔
- پانی کو آلودہ کرنا ممنوع و مکروہ ہے اگرچہ پاک ہو، اور حاکم کو چاہئے کہ یہ آلودگی دوسروں کے لئے نقصان کا باعث ہو تو لوگوں کو پانی کو آلودہ کرنے سے منع کرے [شیخ ایم اے عبد القادر]۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے تفصیلی احکام:

☆ بعض مقالہ نگاروں نے مختلف حالات میں احکام کی درجہ بندی کی ہے، چنانچہ مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی نے درج ذیل احکام شمار کرائے ہیں:

۱- پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہ لینا۔

۲- پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولینا۔

Marfat.com

یہ احکام اخلاقی نوعیت کے ہیں۔

- "عن أبی سعید الخدری أن النبی ﷺ نهی عن النفخ فی الشراب" (ترمذی)، فتح الملہم میں ہے: "وهذا النهی للتأدیب لإرادة المبالغة فی النظافة إذ قد یخرج مع النفس بصاق أو مخاط أو بخار أو ردئ فیکسبه رائحة کریهة فیتقذربها جو أو غیره کذا فی الفتح" (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۱/۵۲۵)، علامہ عینی نے بھی اسے نہی برائے ادب قرار دیا ہے (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۲/۴۱۹)۔

- حدیث: "إذا استیقظ أحدکم من نومه الخ" کے ذیل میں صاحب اعلاء السنن نے لکھا ہے: "یدل علی أن النهی للتنزیه" (اعلاء السنن ۲/۲۵)، اسی طرح علامہ عینی نے حضرت عثمان کی روایت: "دعا بإناء فأفرغ علی کفیه ثلاث مراراً فغسلهما ثم أدخل یمینه فی الإناء" کے ذیل میں لکھا ہے: "فیه غسل الیدین قبل إدخالهما فی الإناء ولولم یکن عقیب النوم ولهذا مستحب بلاخلاف" (عمدۃ القاری ۲/۴۴۲)۔

لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ ہاتھوں پر نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

۳- پانی میں پیشاب نہ کرنا۔

۴- ندی نالوں میں غلاظت اور کوڑا نہ ڈالنا۔

۵- کارخانوں اور فیکٹریوں کا گندہ پانی ندی نالوں میں نہ لے جانا۔

یہ احکام وجوبی درجہ کے ہیں۔

- حدیث: "لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه" (بخاری) کے ذیل میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: "قال القرطبی: یمکن حمله علی التحریم مطلقا، علی قاعدة سد الذریعة لأنه یفضی إلی تنجیس الماء" (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱/۳۴۸)۔

Marfat.com

- اور اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی فرماتے ہیں: "والتغوط فیه کالبول فیه وأقبح"، مزید آگے فرماتے ہیں: "السابع: المذکور فیه الغسل من الجنابة، فیلحق به الاغتسال من الحیض والنفاس وکذلک یلحق به اغتسال الجمعة والاغتسال من المیت عند من یوجبها" (عمدۃ القاری ۲/۱۷۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عامۃ الناس کے ضرر کو دیکھتے ہوئے پانی میں غلاظت کا ڈالنا کم سے کم مکروہ تحریمی تو ہے ہی۔

"قال رسول الله ﷺ: اتقوا اللاعنین، قالوا: وما اللاعنان یا رسول الله! قال: الذی یتخلی فی طریق الناس وظلهم" (ابوداؤد، حدیث نمبر:۲۵)۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں "الملاعن الثلاثة" کا لفظ ہے، اور اس میں "البراز فی الموارد" کا اضافہ ہے (ابوداؤد، حدیث نمبر:۲۶)۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے "عون المعبود" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: "والحدیث یدل علی تحریم التخلی فی طرق الناس أوظلهم، لما فیه من إیذاء المسلمین بتنجیس من یمر به واستقذاره-المراد بالموارد المجاری والطرق إلی الماء" (عون المعبود شرح ابوداؤد ۱/۴۳)۔

☆ مولانا محمد شاجہاں ندوی نے "لا یبولن أحدکم فی الماء......" کے تحت احکام کے درجہ کی تقسیم اس طرح کی ہے:

۱-اگر پانی تھوڑا ہے، یعنی وہ دردہ سے کم اور ٹھہرا ہوا ہے، تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے۔

۲-اگر پانی زیادہ ہے یعنی وہ دردہ یا اس سے زیادہ ہے اور ٹھہرا ہوا ہے، تو اس میں پیشاب کرنا بھی حرام ہے۔

۳-اگر بہتا ہوا پانی تھوڑا ہے تو اس میں بھی پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

Marfat.com

۴-دریا وغیرہ میں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

۵-سمندر میں پیشاب کرنا خلاف اولی ہے۔

۶-ضرورتاً سمندر میں سفر کے دوران پیشاب کرنے کی گنجائش ہے۔

۷-کنواں، حوض، نہر، نالہ کے قریب پیشاب یا پاخانہ کرنا کہ اس کے اندر جراثیم کے سرایت کرنے کا گمان غالب ہو، مکروہ تحریمی ہے۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا روح الامین، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی وغیرہ نے مندرجہ ذیل احکامات وتعلیمات کا ذکر کیا ہے:

۱-ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

۲-بہتے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

۳-نہر کے کنارے رفع حاجت کی ممانعت

۴-حالت جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت

۵-غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت

۶-پانی کو آلودہ کرنے والی دیگر چیزوں مثلاً تھوکنے، کھنکھارنے اور ناک کی ریزش وغیرہ کو پانی میں ڈالنے کی ممانعت۔

۷-نیند سے بیداری کے وقت ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالنے کی ممانعت۔

۸-پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ممانعت

۹-پانی کے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم

۱۰-مشکیزہ یا چھاگل وغیرہ سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت

اس کی چند دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱-"خمروا الآنية وأوكوا الأسقية" (بخاری ومسلم)۔

۲-"نهى النبي ﷺ أن يشرب من في السقاء" (بخاری: ۵۶۲۸)۔

Marfat.com

۳-"عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه قال: غطوا الإناء، فإن لم يجد أحدكم إلا أن يعرض على إنائه عودا أو يذكر اسم الله فليفعل" (مسلم ۲/۱۷۰)۔

۴-"لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب" (مسلم ۱/۱۳۸)۔

۵-"قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في مستحمه ثم يغتسل فيه قال احمد: ثم يتوضأ فيه، فإن عامة الوسواس منه" (ابوداؤد ۱/۱۴)۔

۶-"نهى رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ فيه" (ابوداؤد ۲/۱۷۶)۔

۷-"نهى رسول الله ﷺ أن يتخلى الرجل تحت شجرة مثمرة ونهى أن يتخلى على ضفة نهر جار" (رواہ الطبرانی فی الأوسط، رقم: ۲۳۹۲)۔

۸-"أما البول في الماء الراكد فقد نقل عن ابى الليث انه ليس بحرام إجماعا بل مكروه ونقل غيره أنه حرام ويحمل على كراهة التحريم، لأن غاية مايفيده الحديث كراهة التحريم" (البحر الرائق ۱/۱۵۹)۔

۹-"اختلفوا في كراهة البول في الماء الجارى والأصح هو الكراهة" (ایضا ۱/۱۵۹)۔

۱۰-"ومن منهياته (أى الوضوء) التوضأ......في موضع نجس، لأن لماء الوضوء حرمة......وإلقاء النخامة والاستخاط في الماء" (درمختار ۱/۲۶۰)۔

☆ مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ طبی اعتبار سے پانی میں پیشاب کرنے سے "بلہارزیہ" (Bilharzia) نامی مرض کے جراثیم پانی میں پھیل جاتے ہیں، اور خاص طور سے ٹھہرے ہوئے پانی میں، پھر وہ اپنی تکوینی مراحل طے کر کے دم دار جرثومہ کی شکل میں پانی میں تیرنے لگتے ہیں، پھر جب اسے کوئی جسم مل جاتا ہے تو وہ اس کے اندر گھس جاتے ہیں، اور سوزش جگر وغیرہ مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتے ہیں (ڈاکٹر عزالدین فراج: الاسلام والوقایۃ من الامراض رص ۸۵، ڈاکٹر محمد علی البار: ہک ہناک طب نبوی رص ۲۸۹) [نیز مقالہ: مولانا سید عبدالرحیم حسنی]۔

Marfat.com

پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم وجوبی ہے یا اخلاقی:

عام طور سے مقالہ نگار حضرات نے پانی کو آلودگی سے بچانے سے متعلق اسلامی احکام کو صرف اخلاقی نہیں بلکہ وجوبی قرار دیا ہے، درج ذیل حضرات نے اسے وجوبی کے درجہ میں رکھا ہے:

[مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا شیر علی گجراتی، مولانا توقیر بدر قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ]۔

بعض حضرات نے حالات کے اعتبار سے مختلف احکام میں وجوبی اور اخلاقی کے درمیان تقسیم کیا ہے، مثلاً:

☆ مفتی شاہد علی قاسمی کا خیال ہے کہ اگر کوئی اپنے مملوکہ پانی کو آلودہ کرے اس شرط کے ساتھ کہ اس سے ضرر عام متعلق نہ ہو تو پھر یہ ممانعت اخلاقی حد تک ہوگی، اور اگر ندی، تالاب اور عام مباحات والے پانی کو آلودہ کرے جس سے عام لوگوں کو ضرر فاحش لاحق ہو تو پھر یہ ممانعت وجوب کے درجہ میں ہوگی۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتے ہیں کہ وجوب وعدم وجوب کا مدار پانی آلودہ ہونے کے ظن غالب ہونے اور نہ ہونے پر ہے، جہاں پانی آلودہ ہونے کا ظن غالب ہو وہاں بچنا واجب ہوگا، اور ظن غالب نہ ہونے کی صورت میں اجتناب اخلاقی عمل شمار ہوگا۔

☆ مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری نے پانی میں قضاء حاجت کے تعلق سے مختلف مسالک میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اسے الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، عبارت درج ذیل ہے:

(ا)"الحنفية قالوا: يحرم قضاء الحاجة في الماء القليل الراكد حرامة شديدة، فإن كان كثيراً كره البول فيه تحريماً، بمعنى أن الحرمة تكون أخف

Marfat.com

لکثرته، فإذا كان الماء جارياً فإن البول فيه يكره تنزيهاً، إلا إذا كان مملوكاً للغير ولم يأذن بالبول فيه، فإنه يحرم البول فيه وإن كان كثيراً ومثله الموقوف"۔

(۲)"المالكية قالوا: يحرم قضاء الحاجة في الماء الراكد إذا كان قليلاً، أما إذا كان مستبحراً كالماء الموجود في البحيرات التي في الحدائق الكبيرة، والأحواض الواسعة، فإن البول فيه لا يحرم إلا إذا كان مملوكاً للغير ولم يأذن باستعماله، أو أذن باستعماله، ولم يأذن بالبول فيه، وإلا كان البول فيه حراماً، فإن كان جارياً، فإن البول فيه يجوز، إلا إذا كان مملوكاً للغير، ولم يأذن فيه، أو كان موقوفاً"۔

(۳)"الحنابلة قالوا: يحرم التغوط في الماء لراكد والجاري، سواء كان قليلاً، أو كثيراً، إلا ماء البحر، فإنه لا يحرم فيه ذلك، لما قد تقتضيه ضرورة الأسفار، فضلاً عن اتساعه وعدم ظهور شيئ من ذلك فيه، أما البول فإنه يكره في الماء الراكد، ولا يحرم، كما يكره البول في الماء الجاري الكثير، ولا يكره في الماء الجاري القليل، ومحل هذا كله إذا لم يكن الماء موقوفاً، أو مملوكاً للغير ولم يأذن في استعماله إذناً عاماً وإلا حرم قضاء الحاجة فيه مطلقاً"۔

(۴)"الشافعية قالوا: لا يحرم قضاء الحاجة في الماء قليلاً كان، أو كثيراً، ولكن يكره فقط إلا إذا كان الماء مملوكاً للغير ولم يأذن في استعماله أو كان مسبلاً ولم يستبحر فإنه يحرم في هاتين الحالتين إلا أنهم فرقوا في الكراهة بين الليل والنهار، فقالوا: يكره قضاء الحاجة نهاراً في الماء القليل، لا فرق بين أن يكون راكداً أو جارياً، أما في الليل فقالوا: يكره البول في الماء، سواء كان قليلاً، أو كثيراً"(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۸۷)۔

Marfat.com

۴-گندے پانی کو کیمیاوی عمل سے قابل استعمال بنانا:

سوال: ۴- آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہوجاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟

استحالہ کی تعریف:

۱-استحالہ کا لغوی معنی ہے، کسی چیز کا سیدھا ہونے کے بعد ٹیڑھا ہوجانا، "حال الشئ واستحال: أی تغیر عن الاستقراء إلی العوج" (لسان العرب ۴/۲۷۴)۔

اور اصطلاح میں استحالہ کے معنی ہیں: "انقلاب حقیقة إلی حقیقة أخری" (ردالمحتار ۱/۵۱۹) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

۲-"الاستحالة تطهر الأعیان النجسة کالمیتة إذا صارت ملحا والعذرة ترابا أو رمادا" (مراقی الفلاح ص۸۶) [مقالہ: مولانا محمد حذیفہ داحودی]۔

☆ اکثر مقالہ نگار نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ آلودہ پانی کی آلودگی کو اگر مکمل طور سے زائل کردیا جائے تو وہ پانی پاک ہوجائے گا، جبکہ پانی کے تینوں اوصاف رنگ، مزہ اور بو تینوں ختم ہوجائیں۔

دلائل:

۱-"الماء طهور لاینجسه شئ إلا ما غیر لونه أو طعمه أو ریحه" (ابن ماجہ، شرح معانی الآثار ۱/۹)۔

۲-"هذا الماء والطعام کان طیبا لقیام الصفة الموجیة لطیبه فإذا زالت

Marfat.com

تلک الصفة وخلفتها صفة الخبث عاد خبیثا، فإذا زالت صفة الخبث عاد إلی ما کان علیه، وهذا کالحصیر الطیب إذا تخمر صار خبیثا فإذا عاد إلی ما کان علیه عاد طیبا، الماء الکثیر إذا تغیر بالنجاسة صار خبیثا فإذا زال التغیر عاد طیبا"(اعلام الموقعین ۱/ ۳۹۲)۔

۳-"أما غسالة النجاسة الحقیقیة وهی ما إذا غسلت النجاسة الحقیقیة ثلاث مرات فالمیاه الثلاث نجسة (إلی) وهل یجوز الانتفاع بالغسالة فیما سوی الشرب والتطهیر (إلی) لأنه لما لم یتغیر......إن النجس لم یغلب علی الطاهر، والانتفاع بما لیس بنجس العین مباح فی الجملة"(بدائع الصنائع ۱/ ۲۰۶، الہندیہ ۱/ ۱۹)۔

۴-"إذا کان الماء المتنجس کثیراً وزالت أوصاف النجاسة عنه لونا وطعما وریحا صار طهوراً فلا ینجس ما أصابه من ثوب أو مکان أو بدن وإن لم تزل منه أوصاف النجاسة بل بقی بعضها تهجس ما یصیبه من ثوب أو بدن أو مکان"(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ،فتوی:۳۰۲۲)۔

۵-"إن التطهیر یکون بأربعة: الغسل، والدلک، والجفاف، والمسح فی الصیقل......والسابع انقلاب العین"(البحرالرائق ۱/ ۳۹۴)۔

۶-امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:"وأما إذا تغیر (الماء) بالنجاسة، فإنما حرم استعماله لأن جرم النجاسة باق، ففی استعماله استعمالها، بخلاف ما إذا استحالت النجاسة فإن الماء طهور و لیس هناک نجاسة قائمة"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۱/ ۳۳)۔

۷-امام ابن قیم فرماتے ہیں:"الماء الکثیر إذا تغیر بالنجاسة صار خبیثا، فإذا زال التغیر صار طیبا......إن یسیر النجاسة إذا استحالت فی الماء ولم یظهر لها فیه لون ولا ریح ولا طعم فهی من الطیبات لا من الخبائث"(اعلام الموقعین عن رب العالمین ۲/ ۱۱)۔

Marfat.com

۸-وہ مزید فرماتے ہیں: "إن الطيب إذا استحال خبيثا صار نجسا كالماء والطعام إذا استحال بولا وعذرة، فكيف أثرت الاستحالة فى انقلاب الطيب خبيثا ولم تؤثر فى انقلاب الخبيث طيبا، والله يخرج الطيب من الخبيث والخبيث من الطيب" (اعلام الموقعين ۲/ ۱۴)۔

۹-ہیئہ کبار العلماء حجاز کے تیرہویں فقہی سمینار منعقدہ طائف میں اس کے جواز کا فیصلہ کیا گیا ہے:

"بناء على ما ذكره أهل العلم من ان الماء الكثير المتغير بنجاسة يطهر اذا زال تغيره بنفسه، أو بإضافة ماء طهور إليه، أو زال تغيره بطول مكث، أو تأثير الشمس ومرور الرياح عليه، او نحو ذلك، لزوال الحكم بزوال علته - وحيث إن المياه المتنجسة يمكن التخلص من نجاستها بعدة وسائل، وحيث ان تنقيتها وتخليصها مما طرأ عليها من النجاسات، بواسطة الطرق الفنية الحديثة لأعمال التقنية يعتبر من أحسن وسائل الترشيح والتطهير حيث يبذل الكثير من الأسباب المادية لتخليص هذه المياه من النجاسات، كما يشهد بذلك ويقرره الخبراء المتخصصون بذلك ممن لا يتطرق الشك إليهم فى علمهم وخبرتهم وتجاربهم - لذلك فان المجلس يرى طهارتها بعد تنقيتها التنقية الكاملة، بحيث تعود إلى خلقتها الاولى، لا يرى فيها تغير بنجاسة من طعم ولا لون ولا ريح، ويجوز استعمالها فى إزالة الأحداث والأخباث، وتحصل الطهارة بها منها، كما يجوز شربها إلا إذا كانت هناك أضرار صحية تنشأ عن استعمالها، فيمتنع ذلك، محافظة على النفس، وتفاديا للضرر، لا لنجاستها"۔

"والمجلس إذ يقرر ذلك يستحسن الاستغناء عنها فى استعمالها

Marfat.com

للشرب متى وجد إلى ذلك سبيلا، احتياطا للصحة، واتقاء للضرر، وتنزها عما تستقذره النفوس وتنفر منه الطباع"[مقالہ: مولانا صباح الدین ملک قاسمی]۔

لیکن بعض حضرات کی رائے میں کچھ تفصیل ہے، مثلاً:

☆ مولانا راشد حسین ندوی کہتے ہیں کہ عین نجاست کے اندر طہارت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ہے، مثلاً شراب، پیشاب یا خون وغیرہ کے پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ انقلاب ماہیت ہوجائے اور شراب سرکہ اور خون مشک بن جائے، شامی میں ہے:

"وكذا يطهر محل نجاسته، أما عينها، فلا تقبل الطهارة" (قوله أما عينها) ......ولا يرد طهارة الخمر بانقلابها خلا، والدم بصيرورته مسكا، لأن عين الشيئ حقيقته، وحقيقة الخمر والدم ذهبت، وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلك لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر والدم مع الحكم بطهارتها" (شامی ار ۴۲۰ باب الانجاس ط مکتبہ فیض القرآن دیوبند)۔

اور یہی رائے مولانا محمد حذیفہ داحودی اور مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا رحمت اللہ ندوی کی بھی ہے۔

مولانا رحمت اللہ ندوی مزید کہتے ہیں: البتہ کسی علاقے اور جگہ میں گندے نالوں کا متبادل نہ ہو اور مسلمان اضطرار کی حالت کو پہنچ جائیں تو پھر جواز کی صورت میں کوئی کلام نہ ہوگا۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی کا کہنا ہے اور تقریباً یہی رائے مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی کی بھی ہے، کہ فلٹر کرنے کی صورت میں تجزیہ وتخرجہ ہوتا ہے نہ کہ قلب ماہیت، اور پیشاب وغیرہ جو کہ بجمیع اجزاء نجس العین ہیں، لہذا وہ فلٹر کرنے سے پاک نہیں ہوں گے، البتہ غیر نجس العین اشیاء تجزیہ وازالہ کی وجہ سے پاک ہوجائیں گی بشرطیکہ ناپاک ہونے کی بنیاد مکمل طور سے ختم ہوجائے۔

☆ مولانا سید عبدالرحیم حسنی نے پانی کی نجاست کی یہ تین علتیں بتائی ہیں:

Marfat.com

اول: مزہ، رنگ اور بو والی نجس فضلات۔

دوم: متعدی امراض کے فضلات اور دواؤں و جراثیم کی کثافت۔

سوم: گندگی اور خبائث جو نالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتے ہیں اور اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑوں اور حشرات کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبعًا اور شرعاً گندے ہوتے ہیں، ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ مزہ اور بو بدل جائے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتیں اور نقصان دہ جراثیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں صاحب بدائع کی یہ تحریر بہت جامع ہے:

"إن النجاسة إذا تغيرت بمضى الزمان وتبدلت أوصافها تصير شيئاً آخر، عند محمدؒ فيكون طاهراً، وعند أبى يوسفؒ لا يصير شيئاً آخر فيكون نجساً، وعلى هذا الأصل مسائل بينهما منها: الكلب إذا وقع فى الملاحة والجمد والعذرة إذا أحرقت بالنار وصارت رماداً، وطين البالوعة إذا جف وذهب أثره، والنجاسة إذا دفنت فى الأرض وذهب أثرها بمرور الزمان وجه قول أبى يوسفؒ: إن أجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت الطهارة مع بقاء العين النجسة، والقياس فى الخمر إذا تخلل أن لا يطهر لكن عرفناه نصاً بخلاف القياس، بخلاف جلد الميتة، فإن عين الجلد طاهرة، وإن من نجس ما عليه من الرطوبات وإنها تزول بالدباغ، وجه قول محمدؒ: إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت" (بدائع الصنائع ۱/ ۲۴۳)۔

Marfat.com

☆ مولانا ابرار حسن ندوی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کیمیاء کے بعض ماہرین سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے پانی صفائی کے مراکز کے بارے میں بتایا کہ وہاں بھی پانی کو مخصوص درجہ حرارت میں جوش دیا جاتا ہے، اور اس کو مختلف مراحل سے گذار کر آخر میں فلٹر کیا جاتا ہے اس طرح اس کی آلائش اور بو اور ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے، اگر اس طرح نہ ہو سکے تو پانی کی صفائی کو مکمل نہیں سمجھا جاتا ہے۔

پانی کی صفائی کا مذکورہ طریقہ آج کی پیداوار نہیں ہے، ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے کام آسان اور اچھے انداز میں ہونے لگا ہے، پانی کی صفائی کا یہ نظریہ آج سے بہت پہلے چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان سائنس دان محمد بن احمد التمیمی نے پیش کیا تھا، اور آلودہ پانی کی صفائی کا اپنے وقت کے لحاظ سے بہترین حل اپنی کتاب ''مادة البقاء'' میں پیش کیا تھا، موجودہ سائنس نے اس کو عملاً ثابت کیا ہے، اور اس کی تائید کی ہے۔

ڈاکٹر خالد عرب اپنی کتاب ''كيف واجهت الحضارة الإسلامية مشكلة المياه'' میں ''مادة البقاء'' کا اقتباس ''مشكلة تلوث المياه'' کے عنوان سے پیش کیا ہے جو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

''ليس إصلاح الماء الفاسد ممكناً بغير طبخه بالنار، إذ النار بحرّها تحلل ما فيه من الغلظ وتزيل عنه ما مازجه من فساد الهواء المشابك له، بما يتصاعد بحرّها من بخاره المصفى لجوهره المميط عنه الغلظ المميز عنه الكدر، أو يمزجه عنه عند شربه بالشراب العتيق الريحاني، وذلك عند تعذر إصلاحه بالطبخ لمن كان مسافرا على طريق أو مجتازا ببعض المواضع الفاسدة المياه''۔

''وسبيله أن يديم طبخه إلى أن يذهب منه الربع ثم يبرد في آنية من جديد الخزف المتخلل الأجزاء الدائم الرشح إن كان الوقت قيظا - أو في

Marfat.com

آنية من الزجاج" (کیف واجہت الحضارۃ الاسلامیۃ مشکلۃ المیاہ / ۴۵)۔

مذکورہ عبارت کے نتیجہ میں دو باتیں تو بالکل واضح ہیں: ۱- پانی کو خوب جوش دینا، ۲- پانی کو فلٹر کرنا (ان دونوں عملوں کے ذریعہ پانی کی صفائی اچھی طرح ہو جاتی ہے)۔

ڈاکٹر خالد عرب محمد بن احمد تمیمی مقدسی کی آراء کا تجزیہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"تستنتج مما سبق، أن التميمي، قبل ألف عام قدأتى في مجال تلوث المياه ومعالجتها بآراء تعد سبقاحضار يا في ذلك الوقت، وقد أثبت العلم الحيث صحة الكثير منها" (کیف واجہت الحضارۃ الاسلامیۃ مشکلۃ المیاہ ص ۴۷ ڈاکٹر خالد عرب)۔

پوری بحث کا حاصل یہی ہے کہ ماء کثیر اگر گندہ اور آلودہ ہو اور کیمیائی تعامل کے ذریعہ اس کی آلائش الگ کردی جائے اور بو اور ذائقہ اصلی حالت میں آجائیں تو پانی پاک ہونا چاہئے۔

☆ مولانا روح الامین صاحب نے ناپاک چیز کو پاک کرنے کی دو شکلیں مسلک حنفیہ میں یہ ذکر کی ہیں:

پہلی شکل: حنفیہ کے یہاں ناپاک پانی کے پاک ہونے کی ایک ہی شکل ملتی ہے، وہ یہ کہ پانی جاری ہو جائے، یعنی ایک جانب سے پانی داخل ہو اور دوسری جانب سے خارج ہو تو وہ پانی پاک ہو جائے گا، کیونکہ جاری ہونے کی صورت میں شک پیدا ہو گیا کہ نجاست بھی اسی کے ساتھ نکل چکی ہو، لہذا اب نجاست کا بقاء مشکوک ہو گیا اور شک کی بناء پر پانی کے ناپاک ہونے کا یقین نہ رہا، اس لئے اسے پاک سمجھا جائے گا۔

"ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه أي بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج" (در مع الشامی ۱/ ۳۴۵)۔

"في البدائع: ومنها تطهير الحوض الصغير إذا تنجس......قال الفقيه أبوجعفر الهندواني إذا دخل فيه الماء وخرج بعضه يحكم بطهارته بعد الا

Marfat.com

تستبين فيه النجاسة، لأنه صار ماء جاريا ولم يستيقن ببقاء النجس فيه وبه أخذ الفقيه أبو الليث" (بدائع الصنائع ۱/۷۴، مطبع بیروت)۔

حنفیہ کے یہاں ناپاک شی کی تطہیر کا ایک عام ضابطہ استحالہ اور تبدیلی ماہیت بھی ہے، یعنی جب شی کی اپنی حقیقت اور ماہیت ختم ہو جائے تو شی کا سابق حکم باقی نہیں رہتا، چنانچہ جب کتا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے اور گوبر آگ میں جل کر راکھ ہو جائے تو شرعاً وہ پاک سمجھا جاتا ہے، یہ امام محمدؒ کا مذہب ہے اور حنفیہ کے یہاں یہی مفتی بہ قول ہے، صاحب بدائع اس کی علت یوں بیان کرتے ہیں:

"وجه قول محمد أن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللت" (بدائع الصنائع ۱/۲۴۲)۔

مولانا محمد حذیفہ داحوذی، مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانا محمد عثمان بستوی وغیرہ نے پانی کے فلٹر کئے جانے پر مفصل بحث کی ہے، مزید معلومات کے لئے ان کے مقالے دیکھے جائیں۔

بعض دوسری آراء:

- مولانا خورشید انور اعظمی کی رائے ہے کہ جہاں پانی کی قلت ہو اور بغیر اس عمل کے صاف ستھرا پانی میسر نہ ہو تو وہاں کے لوگوں کے لئے کیمیاوی عمل کے ذریعہ سے صاف کیا ہوا پانی پاک مانا جائے، تاکہ لوگ حرج و تنگی میں نہ پڑ جائیں، اس لئے کہ "المشقة تجلب التيسير" اور "إذا ضاق الأمر اتسع" سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔
- مولانا سید عبد الرحیم کشمیری نے شدید ضرورت اور حالت اضطرار میں اس کے استعمال کرنے اور پینے کی اجازت دی ہے۔
- مولانا شیر علی کہتے ہیں کہ پانی کو پاک کرنے کے لئے کیمیاوی اجزاء کا بھی پاک ہونا ضروری ہے، اور پھر یہ کہ اگر تھوڑے پانی کو کیمیاوی اجزاء ملا کر پاک کیا جاتا ہے تو وہ پانی

Marfat.com

پاک نہیں ہوگا، اور اگر ماء کثیر ہے تو وہ نجاست بہہ جائے گی اور پانی پاک ہو جائے گا، بہر حال سیلان پایا جانا چاہئے۔

- مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ کی رائے ہے کہ دنیا کی آبادی صرف ایک حصہ پر ہے اور ۳ حصے میں پانی ہی پانی ہے، گندے اور آلودہ پانی کو فلٹر کے ذریعہ صاف کرنے کے بجائے سمندر، دریا اور دیگر جگہوں کے کھارے پانی کو میٹھا بنا کر عام کیا جائے...... اس سے قدرتی پانی کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور نہ گندے پانی کو فلٹر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

نجس پانی کا حکم مذاہب فقہ کی روشنی میں:

مولانا سید عبدالرحیم حسنی نے اس کی تفصیل اس طرح کی ہے:

۱- حضرات حنفیہؒ نے فرمایا کہ نجس چیزیں یا تو سیال و بہنے والی ہوں گی جیسے پانی، اور اس جیسی سیال چیزیں خون بھی اسی میں شامل ہے، یا پھر جامد وٹھوس ہوں گی جیسے خنزیر، مردار اور نجس گوبر، پس جہاں تک (ان دو قسموں میں سے) پانی اور اس جیسی سیال چیزوں کا تعلق ہے تو ان کا استعمال کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام ہے مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنی ہیں:

الف- اس نجس پانی سے مٹی کا گارا بنانا اور اسی طرح اس پانی سے چونا، گچ اور سیمنٹ وغیرہ ملا کر استعمال کرنا۔

ب- اس نجس پانی سے جانوروں کو سیراب کرنا اور انہیں پانی پلانا لیکن یہ دونوں صورتیں اس شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ نجاست کی وجہ سے اس نجس پانی کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو۔

۲- حضرات مالکیہؒ کے یہاں نجس پانی کو کھانے پینے وغیرہ میں استعمال کرنا تو ناجائز ہے لیکن اس کے علاوہ صورتوں میں نجس پانی استعمال کیا جا سکتا ہے (مثلاً گارا بنانا، جانوروں کو پانی پلانا وغیرہ) البتہ مساجد کی تعمیر میں یہ پانی استعمال نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

۳-حضرات شافعیہ فرماتے ہیں کہ پانی اور اس جیسی سیال نجس چیزوں سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

الف-اس نجس پانی وغیرہ سے آگ بجھانا جیسے چولہوں میں جلنے والی آگ وغیرہ۔

ب-جانوروں اور کھیتوں کو نجس پانی سے سیراب کرنا۔

۴-حضرات حنابلہ فرماتے ہیں کہ نجس پانی کا استعمال جائز نہیں ہے مگر مٹی کا گارا بنانے اور چونے وغیرہ میں ملانے کے لئے نجس پانی کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ مسجد شریف یا نماز کے لئے عارضی جگہ (صفہ وغیرہ) اس گارے و چونے وغیرہ سے نہ بنائی جائے جس میں نماز پڑھی جائے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ار ۴۳-۴۴)۔

بہر حال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے:

''ایک چیز ہے کسی شی کی ماہیت اور حقیقت کو تبدیل کر دینا اور دوسری اس کا تجزیہ کر گذرنا (Decompose) اگر کسی چیز کی حقیقت ہی یکسر بدل دی جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے اور اگر محض اس کے بعض اجزاء کسی طرح الگ کر لیے جائیں تو اس کی وجہ سے اس کے احکام نہیں بدلیں گے، مثلاً پاخانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تب وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی، شراب میں نمک ڈال کر سرکہ بنا دیا جائے تو اس کی حرمت اور ناپاکی ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی طرح سائنٹفک طریقے پر اس کے بعض اجزاء نکال لیے جائیں جس سے بو ختم ہو جائے گی تو اس کے باوجود وہ ناپاک رہے گا۔

پیشاب فلٹر (Filter) کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لیے جاتے ہیں اس لئے وہ ناپاک ہی رہے گا اس کا پینا یا وضو و غسل وغیرہ کے لئے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصہ کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا''

(جدید فقہی مسائل ر ۱۰۸) [مقالہ: مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری]۔

Marfat.com

۵-حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا:

سوال: ۵- پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟

اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ پانی کی قلت کے پیش نظر حکومت پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مفاد عامہ یا مصلحت عامہ کو ملحوظ رکھا گیا ہو، اور یہ پابندی کسی غیر مساویانہ سلوک کی بنیاد پر نہ ہو [مقالہ: قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

دلائل:

۱-"یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" (سورۂ نساء:)۔

۲-غزوہ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ نے حکم دیا: "إنکم ستأتون غداً إن شاء الله عین تبوک وإنکم لن تأتوها حتی یضحی النهار، فمن جاء ها منکم فلا یمس من مائها شیئاً حتی آتی" (مسلم: ۵۹۰۶) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

۳-"الناس شرکاء فی الثلاث: الماء والکلأ والنار" (ابوداؤد: ۳۴۷۷) [مقالہ: مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی]۔

۴-"تصرف الامام علی الرعایة منوط بالمصلحة" (الاشباہ، ۱۳۳) [مقالہ: قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۵-"فی الأشباه إذا کان فعل الإمام مبنیا علی المصلحة فیما یتعلق بالأمور العامة لم ینفذ أمره شرعا إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ینفذ"، قال

Marfat.com

المصنف فی شرح الکنز ناقلا عن أئمتنا إطاعة الإمام فی غیر المعصیة واجبة" (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی ۱؍۲۱۴)[مقالہ: مولانا روح الامین]۔

۶-ضابطہ: "إذا اجتمعت البلیتان فاختر أهونهما" کے مطابق مفاد عامہ مفاد شخصیہ پر مقدم ہوگا[مقالہ: مفتی شیر علی]۔

۷-"فکان کل أحد بسبیل من الانتفاع لکن بشرط عدم الضرر بالنهر کالانتفاع بطریق العامة، وإن أضر بالنهر فلکل واحد من المسلمین منعه، لما بینا أنه حق لعامة المسلمین وإباحة التصرف فی حقهم مشروطة بانتفاع الضرر کالتصرف فی الطریق الأعظم" (بدائع الصنائع ۵؍۲۷۹)۔

بعض حضرات نے اس پابندی کو مشروط کیا ہے:

☆ مولانا روح الامین صاحب کا کہنا ہے کہ حکومت کی یہ پابندی شریعت کے کسی حکم کے متناقض نہ ہو، مصلحت عام پر مبنی ہو، اور مستقل قانون کے طور پر نہ ہو بلکہ عارضی طور پر ہو، کیونکہ جس چیز کو شرع نے حلال ومباح قرار دیا ہو اسے مستقل طور پر ممنوع یا حرام قرار دینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

☆ مولانا ابرار حسن ندوی کی رائے ہے کہ حکومت جس مصلحت کے پیش نظر پابندی لگارہی ہے وہ مصلحت یقینی ہو محض ظنی نہ ہو، اسی کے ساتھ وہ مصلحت کلی ہو جزئی نہ ہو۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی نے پانی کے بعض استعمالات پر حکومت کی پابندی کی درستگی کو ان امور پر موقوف کیا ہے کہ:

الف-واقعۃً پانی کی قلت ہو جس سے عام ضرر لازم آرہا ہو اور اس پابندی سے پانی کی قلت کی تکلیف کم یا ختم ہوتی ہو۔

ب-اس استعمال کا تعلق انسان کی اپنی واقعی ضرورت سے نہ ہو، ضرورت سے زائد ہو۔

ج-اس استعمال کا تعلق کسی شرعی عمل سے نہ ہو۔

Marfat.com

☆ اس سلسلہ میں مفتی تنظیم عالم قاسمی نے یہ تجویز دی ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ پانی کی قلت کے اندیشے کو دور کرنے کے لئے کوئی بیچ کا راستہ نکالے یعنی نہ تو ایسی پابندی لگائے جس سے لوگ اپنی روزمرہ زندگی گزارنے میں تنگی میں پڑ جائیں جیسے کھانے پینے، نہانے دھونے، کھیت و باغات کی سیرابی اور دیگر ضروریات زندگی میں ان پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، ورنہ مستقبل میں ضرر کے اندیشے سے فی الحال ضرر لاحق ہوگا، اور ضرر کے ذریعہ ضرر دور نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے: "الضرر لا يزال بالضرر"۔

۱-"وليس للإمام أن يخرج شيئا من يد أحد إلا بحق ثابت معروف" (الاشباہ والنظائر/۱۸۹)۔

۲-"وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذ لم يضر الفعل بالنهر أو بالغير أو بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطريق أو المرافق العامة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۵۹۷)۔

۶-مملوکہ زمین میں پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

سوال: ۶ – انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے: تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی؟

پہلی رائے:

بعض مقالہ نگاروں کا اس سلسلہ میں کہنا ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین میں موجود پانی اسی کی ملکیت ہے، حکومت کی نہیں، اگر حکومت اس کو اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ وغیرہ کرنے سے منع

Marfat.com

کرتی ہے تو شرعا اس کی تعمیل اس پر ضروری نہیں ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

[مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی راشد حسین ندوی]۔

دلائل:

۱- "وأورثكم أرضهم وديارهم وأموالهم وأرضا لم تطؤوها، وكان الله على كل شئ قديرا" (سورہ احزاب: ۲۷) [مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

۲- "وله أن من أجزاء الأرض مركب فيها ولا مؤنة في سائر الأجزاء فكذا في هذا الجزء" (ہدایہ ۱/۲۰۰) [مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۳- "اعلم أن الماء أربعة أنواع...... والثالث ما دخل في المقاسم أى المجارى المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع المحرز في الأوانى ينقطع حق غيره عنه وتمامه في الهداية وحاصله .... وفي الثالث حق الشفة فقط ولا حق في الرابع لأحد" (ردالمحتار ۵/۳۱۱)۔

۴- "ولو كان البئر أو العين أو الحوض أو النهر في ملك رجل له أن يمنع من يريد الشفة من الدخول في ملكه" (ہدایہ ۴/۴۸۶)۔

دوسری رائے:

لیکن مفتی راشد حسین ندوی، مولانا شیر علی گجراتی، اور مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ کا کہنا ہے کہ انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہے، لیکن اگر بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچے چلی جائے اس سے ضرر عام لاحق ہو تو حکومت اس سے منع کر سکتی ہے اور اس حکم کی تعمیل شرعا ضروری ہوگی، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) "القاعدة الخامسة: الضرر يزال، أصلها قوله عليه السلام: لا

Marfat.com

ضرر ولا ضرار أخرجه مالك في الموطأ، ...... ويبتنى على هذه القاعدة كثير من أبواب الفقه، فمن ذلك، الرد بالعيب وجميع أنواع الخيارات والحجر بسائر أنواعه على المفتى به والشفعة فإنها للشريك لدفع ضرر القسمة وللجار لدفع ضرر الجار الخ" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم/ ۱۳۹)۔

(۲) "يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام...... وعنها وجوب نقض حائط مملوك مال إلى طريق العامة على مالكها دفعاً للضرر العام الخ" (ایضا/ ۱۴۲-۱۴۳)۔

(۳) "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما" (ایضا/ ۱۴۵)۔

(۴) "ماء الأودية العظام للناس فيه حق الشفة على الإطلاق وحق سقي الأراضي بأن أحيا أرضاً ميتة وكرى منه نهراً ليسقيها إن كان لا يضر بالعامة، وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب" (ہدایہ ۴/ ۴۸۴)۔

تیسری رائے:

مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، اور مولانا محمد حذیفہ داحودی لکھتے ہیں کہ زیر زمین پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، نہ صاحب زمین کی ملک ہے اور نہ حکومت کی، بلکہ اس پانی میں تمام لوگ شریک ہیں، یعنی یہ پانی مباح الاصل ہے۔

ان حضرات نے دلیل کے طور پر یہ عبارتیں پیش کی ہیں:

۱- "الناس شركاء في ثلاثة: في الكلأ والماء والنار وثمنه حرام" (ابن ماجہ: ۲/ ۲۴۷)۔

Marfat.com

۲-"ثلاث لا يمنعن: الماء والكلأ والنار"(ابن ماجہ:۲۴۷۳)۔

۳-"الماء الذی يكون فی الحياض والآبار والعيون ليس بمملوک لصاحبه بل هو مباح فی نفسه سواء كان فی أرض مباحة أو مملوكة" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۴)۔

۴- "الماء تحت الأرض لا يملک" (الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/۹، مبسوط السرخسی ۲/ ۱۵۳)۔

۵-"الماء الجاری تحت الأرض ليس بملک لأحد ولهذا لو حفر أحد فی ملكه واستخرج الماء الذی تحت الأرض ثم جاء آخر وحفر أيضاً فی ملک نفسه الذی هو فوق الملک الأول فتحول الماء من ملک الأول إلى ملک الثانی لا شئ للأول على الثانی، لأنه غير متعد لكون الماء تحت الأرض لا يملک فلا مخاصمة كمن بنى حانوتاً بجنب حانوت غيره فكسدت الحانوت الأولى بسببه فإنه لا شئ عليه"(شرح المجلہ ۱/۶۷، ۲۶۵/۱۰، ۳۳۱/۱۰)۔

لیکن مولانا عطاء اللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ پانی کی انفرادی ملکیت کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ آدمی اپنے طور پر برتنوں میں پانی کو محفوظ کرلے تو وہ اس کا مالک ہوگا وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے۔

"الماء الذی فی الظروف والأوانی فهو مملوک لصاحبه، لا حق لأحد فيه" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۴)۔

☆ مولانا محمد عثمان بستوی صاحب نے استحقاق وملکیت کے اعتبار سے پانی کی چار قسمیں کی ہیں:

۱-ماء محرز یعنی وہ پانی جو برتن یا حوض وغیرہ بنا کر اس میں محفوظ کرلیا گیا ہو۔
۲-وہ پانی جو شخصی زمین کے تالاب، کنویں اور چشمے سے نکلتا ہو۔

Marfat.com

۳-ان نہروں کا پانی جس کو کچھ لوگوں نے مل کر اپنی زمین میں بنایا ہو۔

۴-سمندر، قدرتی ندیوں اور جھیل وغیرہ کا پانی (بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۴)۔

اور پھر موصوف نے ملکیت وعدم ملکیت کے اعتبار سے پانی کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) مملوک بالاتفاق، (۲) غیر مملوک بالاتفاق، (۳) مختلف فیہ (جس کی ملکیت وعدم ملکیت میں علماء کا اختلاف ہے (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۵۷، نیل الاوطار ۵/ ۳۰۶)۔

اور پھر ان سب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ماءِ محرز مملوک ہیں اور اس کی بیع بالاتفاق جائز ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/ ۳۷۶، شرح المجلہ ۱۰/ ۲۷۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۶۰۴، تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۵۲۱، اعلاء السنن ۱۴/ ۱۵۷)۔

سمندروں، قدرتی ندیوں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہیں اور یہ بالاتفاق مباح ہیں، ان سے ہر شخص کو نفع اٹھانے کا حق ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/ ۳۷۱، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۶۰۳، الدر المختار مع الرد ۱۰/ ۱۳)۔

شخصی یا عوامی زمین میں بنائے گئے کنویں، تالاب، چشمے، نہر وغیرہ کے پانی کی ملکیت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک وہ مملوک نہیں، البتہ شوافع کے ایک قول اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت اور مالکیہ کی رائے کے مطابق ان کا پانی مملوک ہے، لیکن اکثر شوافع احناف کی طرح عدم ملکیت کے قائل ہیں (دیکھئے: اعلاء السنن ۱۴/ ۱۵۸، تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۵۲۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/ ۳۷۴)۔

اسی طرح کی تفصیلات شیخ ایم اے عبد القادر صاحب نے بھی ذکر کی ہیں اور پانی کی ملکیت وعدم ملکیت سے متعلق اوپر مذکورہ اقسام میں سے صرف تین قسموں پر روشنی ڈالی ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی ۵/ ۵۶۳، ۵۹۷، شرح المہذب ۱۵/ ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۲، فتح العلام ۵/ ۵۹۴، مغنی المحتاج ۲/ ۵۰۷)۔

مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے اور حکم کی تعمیل کا مسئلہ:

☆ مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، قاضی عبد

Marfat.com

الجلیل قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی کی رائے ہے کہ اگر کسی کے بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچی ہو جانے کا اندیشہ ہو جس کے باعث ضرر عام لازم آجائے تو حکومت بورنگ کرانے پر پابندی لگا سکتی ہے۔

۱- "أعطت الشريعة الإسلامية ولى الأمر حق وضع قيود على الملك، ومن ذلك... الأول.... تقييد الملك الخاص للمصلحة العامة" (الموسوعة الفقہیہ ۳۹/۴۳)۔

۲-"دفع الضرر العام واجب" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۵۱/۴)۔

۳- "يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۳۶/۱)۔

☆ مولانا محمد شاہجہاں ندوی کا یہ بھی کہنا ہے کہ چونکہ سلطان کو ولایت عامہ حاصل ہے اس لئے وہ ضرر عام کو دور کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔

-"أن له ولاية عامة يصح أمره لرفع الضرر العام" (ردالمحتار ۲۸۹/۹)۔

- "فولى الأمر من حقه أن يقيد بعض المباحات إذا كان فى ذلك مصلحة راجحة" (فتاوی معاصرہ ۵۹۴/۱)۔

۴-"فمن أراد أن يحفر فى حريمها منع منه لئلا يؤدى إلى تفويت حقه والإخلال به قال العينى لأنه ربما يذهب ماء البئر الأول أن ينقص ففى الأول فوات حقه وفى الثانى الإخلال بحقه وكلاهما لا يجوز لأن به ضرراً به" (ہدایہ مع حاشیہ ۴۸۱/۴)۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ حکومت کسی کو اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے اسی وقت منع کر سکتی ہے جب کہ اس کا متبادل فراہم کرے، متبادل فراہم کرنے کے بعد حکومت اگر ضرر عام سے تحفظ، اور اجتماعی مصلحت کے حصول کے لئے پابندی عائد کرتی ہے تو شرعاً اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

Marfat.com

☆ حکم کی تعمیل کے تعلق سے مفتی شاہد علی قاسمی کا کہنا ہے اگر حکم شریعت کے دائرہ میں ہوتو تعمیل واجب ہوگی، اگر شرعی دائرہ میں نہ ہوتو حکومت کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہوگی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

"عن عمر عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق ما لم یؤمر بمعصیة فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة" (بخاری: ۲۹۵۵)۔

☆ مفتی عبداللہ کاوی والا نے اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کے تعلق سے دوصورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس میں ضرر عام ہوتو حکومت کے پابندی والے حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ بورنگ کرانے سے پانی کی سطح تو نیچے چلی جاتی ہو لیکن اس سے ضرر عام نہ ہوتو ایسی صورت میں اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری نہ ہوگی۔

حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے:

مولانا محمد حذیفہ داحودی لکھتے ہیں کہ زیر زمین پانی سے ہر ایک کو استفادہ کا پورا حق حاصل ہے، لیکن مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے حکومت کا منع کرنا درست نہیں ہے، بالخصوص جبکہ انسان کی اپنی ضرورت اس سے متعلق ہوتو ممانعت کا کوئی جواز نہیں، اور اس امتناعی حکم کی تعمیل شرعاً واجب نہیں ہے۔

۷- پانی کی ذخیرہ اندوزی اور اس کی حفاظت کا مسئلہ:

سوال: ۷- بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان

Marfat.com

کے ایک حصہ کو حفاظتِ آب کے لئے مخصوص کردیں تو کیا حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، نیز پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے یا افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے؟

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن خاص حالات میں عوام پر یہ ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور حکومت کو اس طرح کا حکم دینے کا حق ہے، اس کی تعمیل واجب ہوگی۔ [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ]۔

دلائل:

۱- "ولواحتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال لما قلنا" (بدائع الصنائع ۵/۲۸۰، درر الحکام ۱۰/۳۴۹) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی]۔

۲- "فالأولى كريه على السلطان من بيت مال المسلمين لأنه منفعة الكرى لهم، فتكون مؤنته عليهم..... فإن لم يكن فى بيت المال شئ فالإمام يجبر الناس على كريه إحياء لمصلحة العامة، إذ هم لا يقيمونها بأنفسهم" (ہدایہ: کتاب الشرب) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

۳- "إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ (قال الحموى) قوله: فإن خالفه لم ينفذ، قال المصنف فى شرح الكنز ناقلاً عن أئمتنا: إطاعة الإمام فى غير المعصية واجبة، فلو أمر الإمام بصوم يوم وجب" (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی ۱/۱۸۹)

Marfat.com

[مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۴- "وأما الذي يكون كريه وإصلاحه على أهل النهر فإن امتنعوا أجبرهم الأمام على ذلک..... فإذا امتنعوا أجبرهم لأن فساد ذلک يرجع إلى العامة وفيه تقليل الماء على أهل الشفة" (فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۷۴) [مقالہ: مفتی سید باقر ارشد قاسمی]۔

۵- "في العام: لو امتنع عنه كلهم أو بعضهم يجبرون عليه، وفي الخاص: لو امتنع الكل لا يجبرون إلا عند بعض المتأخرين، ولو امتنع البعض أجبر على الصحيح كما في الخزانة" (ردالمحتار ۱۰/ ۱۷) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

لیکن بعض حضرات نے شرائط کے ساتھ عام آدمی کو مکلّف بنانے کی بات کہی ہے، مثلاً:

☆ مفتی شاہد علی قاسمی کا کہنا ہے کہ افراد و اشخاص کو اصلاً اس کا مکلّف نہیں بنایا جاسکتا، البتہ دو صورتیں اگر پائی جائیں تو مکلّف بنایا جاسکتا ہے: ایک صورت یہ ہے کہ حکومت کے پاس اتنا بجٹ نہ ہو کہ وہ تمام شہری کی ضروریات کے بقدر پانی کا ذخیرہ کرسکے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر جگہ بہ جگہ پانی کا ذخیرہ کیا جائے تو زیر زمین سطح آب میں اضافہ ہوتا ہو اور اس کے نتیجہ میں مستقبل میں پانی کے قحط کا سامنا نہ ہو تو ایسی صورت میں افراد و اشخاص کو اس کا مکلّف بنایا جاسکتا ہے۔

"(فإن لم يكن فيه) أي في بيت المال (شئ) يكفيه .... (فعلى العامة) كريه، يجبرهم الإمام على ذلک لأن في تركه ضرراً وقلما ينفق العامة على المصالح باختيارهم، إلا أن الإمام يخرج له من يطيقه ويجعل مؤنته على المياسير الذين لا يطيقون بأنفسهم كما في تجهيز الجيوش" (مختصر الوقایہ ۲/ ۲۰۳)

Marfat.com

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی دو دو سری صورتیں بیان کرتے ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کی ملکیت میں تصرف کرنے کی ضرورت مجبوری ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت کے اس کام میں رعایا کا واقعی نفع ہو، وہ کام مضر یا بے فائدہ نہ ہو، تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔

حفاظت آب کے حکم کی تعمیل واجب نہیں:

☆ مفتی عبداللہ کادی والا کہتے ہیں کہ اگر حکومت لوگوں کے لئے یہ لازم کرے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کر دیں تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً واجب بھی نہیں ہوگی، کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں حرج لازم آئے گا، خصوصاً غریب طبقہ کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی کی رائے یہ ہے کہ پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے متعلق کی جاسکتی ہے، مگر اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے والے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

☆ مولانا روح الامین کا کہنا ہے کہ یہ حکم علی العموم نافذ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ہر صاحب مکان اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، ورنہ علی العموم یہ حکم ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے واجب التعمیل نہ ہوگا۔

☆ مولانا ابرار حسن ندوی کا خیال ہے کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کے لئے عام لوگوں کو جبری مکلف بنانا درست نہ ہوگا، البتہ اس کے لئے ترغیب وتحریض کی جاسکتی ہے، اور اس صورت میں اس حکم کی تعمیل واجب نہ ہوگی، اخلاقی طور پر اس کی تعمیل کرنا مناسب ہوگا۔

وعلى السلطان كراء هذا النهر الأعظم إن احتاج إلى الكراء لأن ذلك من حاجة عامة المسلمين ومال بيت المال معد لذلك فإنه مال

Marfat.com

المسلمین أعد للصرف إلی مصالحهم" (مبسوط السرخسی ۲۳/۱۶۸)۔

"کری النهر غیر المملوک وإصلاحه علی بیت المال،فإن لم یکن فی بیت المال سعة یجبر الناس علی کریه" (مجلۃ الاحکام العدلیہ/۷۰۵)۔

۸-ڈیم کی تعمیر کی صورت میں آبادیوں کی منتقلی:

سوال: ۸- بعض جگه ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیره اندوزی کے لئے آبادیوں کووهاں سے منتقل کرنا پڑتا هے، نه صرف زرعی علاقے بلکه آبادیاں بهی آبی ذخیره کا حصه بن جاتی هیں، لهذا شرعی نقطهٔ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراهم کرنا کیا جائزهوگا؟

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ ڈیم تعمیر کرنے میں اگر اجتماعی مصلحت ومنفعت ہے تو اس کے لئے آبادی کو وہاں سے منتقل کرنا درست ہے، بالخصوص جبکہ آبادی والوں کو متبادل زمین اور معاوضہ فراہم کیا جائے تا کہ ان کا بھی کوئی حرج وضرر نہ ہو، اس کی تائید میں درج ذیل دلائل دیئے گئے ہیں:

۱- مجلۃ الاحکام میں ہے: "یؤخذ لدی الحاجة ملک أی أحد بقیمته بأمر السلطان ویلحق بالطریق ولکن لا یؤخذ ملکه من یده ما لم یؤد له الثمن"، اس کی شرح میں ہے: "یُستملک ملک أی أحد بقیمته الحقیقیة للمنافع العمومیة کالطریق والمسجد ومسیل الماء، ولو لم یرض صاحبه ببیعه فلذلک یؤخذ لدی الحاجة، أی إذا کان الطریق ضیقا ومست الحاجة إلی توسیعه – ملک أی أحد بقیمته بأمر السلطان ولولم یرض صاحبه ویلحق بالطریق ..... ولکن

Marfat.com

لا یجوز أخذ ملک أحد بدون رضائه ما لم یثبت لزومه للمنافع العامة" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱۰/۲۴۵) [مولانا محمد حذیفہ داحودی]۔

۲-"یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" (درر الحکام، دفعہ:۲۶) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

۳-حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں حرم کی توسیع کی تو آس پاس کے مکانات وجگہیں خرید کر انہیں حرم میں شامل کرلیں۔اسی طرح حضرت عثمانؓ نے ۲۶ھ میں حرم کی توسیع کے ارادے سے آس پاس کی زمینیں خریدلیں اور جو اپنی زمینیں یا مکانات دینے کے لئے رضامند نہیں تھے، ان کے مکانات جبراً منہدم کرادیئے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کردی۔اسی طرح مسجد نبوی کی توسیع کے وقت بھی یہی مسئلہ پیش آیا تھا، مگر اکابر صحابہ کی کوششوں سے لوگ اپنی زمینیں دینے پر راضی ہوگئے (عثمان ذوالنورین: مولانا سعید احمد اکبر آبادی/ ۱۴۴، بحوالہ کامل ۳/ ۸۷) [مقالہ: مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی وغیرہ]۔

۴- "السبب الشرعی ما جعله الشرع سبباً للملک وجواز التصرف کالبیع والهبة والإرث والوصیة، وفی شرح السیر (۲/ ۲۷۴): قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیبة نفس منه، نعم مواضع الضرورة مستثناة، وفیه (۲/ ۲۴۵): وللإمام أن یأخذ مال الغیر عند الضرورة بشرط الضمان" (القواعد الفقہیہ: مفتی عمیم الاحسان/ ۱۱۰) [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

۵-اصول ہے: "الغرم بالغنم" اور "الخراج بالضمان" (قواعد الفقہ/ ۸۰، ۹۴) [مقالہ: مولانا توقیر بدر القاسمی]۔

۶- "قالوا: وللسلطان أن یجعل ملک الرجل طریقاً عند الحاجة" (فتاوی قاضی خاں ۱/ ۱۳۳) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

۷- "تؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس

Marfat.com

بالقيمة كرها (قوله بالقيمة كرها) لما روى عن الصحابةؓ لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة" (الدر المختار مع الشامی ۶/۵۷۶)[مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا روح الامین]۔

۸- "الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۵) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۹- "تصرف الإمام على الرعاية منوط بالمصلحة" (الاشباہ والنظائر ۱۳۳) [مقالہ: قاضی عبدالجلیل قاسمی]۔

۱۰- "عن عقبة بن عامرؓ قال: قلت: يا رسول الله! إنا نمرّ بقوم فلاهم يضيفونا ولا هم يؤدون مالنا عليهم من الحق ولا نحن نأخذ منهم، فقال رسول الله ﷺ: إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا" (ترمذی: ۲۴۴)[مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۱۱- "لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك الغير بلا إذنه..... أما إذا وجد ضرورة فيجوز لكل إنسان التصرف فى ملك الغير بدون إذنه" (شرح المجلہ ۱/۸۱)[مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۱۲- مولانا ابرار حسن ندوی نے اس تعلق سے عصر حاضر کے علماء کی آراء نقل کی ہیں، وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

ڈاکٹر محمد سلام مدکور (رئیس قسم الشریعہ فی کلیۃ الحقوق جامعہ قاہرہ) تحریر فرماتے ہیں:

"ثمة حالات تتدخل فيها الدولة لصالح الملكية العامة، وهى:

نزع الملكية الخاصة أرضاً زراعية أو عادية أو مسكناً للمنفعة العامة كتوسعة الطريق أو بناء مرفق ضرورى يتحدد بها المكان أو تغلب المصلحة فى بنائه فى هذا المكان" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۴)۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس فرماتے ہیں: "من حق الدولة أن تستولى على المال الخاص وتحوله للملكية العامة إذا اقتضت مصلحة الأمة ذلك" (حوالہ سابق)۔

ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی اور ڈاکٹر عوف الکفراوی (محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) کا بھی یہی نظریہ ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی فرماتے ہیں: "وللدولة أن تتدخل لتزيل الملكية الخاصة عن أصحابها فى بعض المواطن التى تقتضى ذلك كتوسعة الشوارع وإقامة المنشآت العامة أو إزالة الملكية الخاصة للأغراض الأمنية أو العسكرية أو لشق المصارف والترع وما إليها" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/۱۸۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

"والقاعدة فى الملكيات العامة أو ضماناتها هى ملاحظة المصلحة الخاصة للدولة بحق ثابت شرعى معروف وبثمن عادل ومن حاكم عادل أيضاً فإن توفرت الشرعية وعموم المصلحة والعدالة كانت لهذه الملكيات مقبولة وإلا اعتبرت غصباً وحراماً" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۲)۔

ڈاکٹر عوف الکفراوی رقم طراز ہیں:

"فالملكية الفردية مصونة فى الإسلام، فليس لولى الأمر أن يمسها عن طريق نزعها أو تحديدها أو تأميمها إلا تطبيقاً لنص شرعى أو نزولاً على حكم الضرورة لمصالح جماعة المسلمين، ويشترط علماء الشريعة فى المصلحة شروطاً تكفل عدم اتخاذها من جانب الحاكم ستاراً يخفى ما يسيطر عليه من أهواء شخصية- ومن تلك الشروط:

۱- أن تكون المصلحة يقينية لا وهمية أو ظنية تجلب نفعاً أو تجنب ضرراً أو تدفع حرجاً۔

Marfat.com

۲- أن تکون المصلحة عامة أو کلیة أی لا تکون مصلحة أقلیة"

(موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۴)۔

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے حاکم اور مصلحت کے تعلق سے دواور شرائط کا اضافہ کیا ہے:

۱- حاکم اپنے اس تصرف میں مذہبی عصبیت کا شکار نہ ہو۔ یا کسی ایسے نظریہ سے متاثر نہ ہو جو اسلام کے عادلانہ متوازن نظام اقتصادیات سے متصادم ہو، یا کسی خاص طبقہ کے لئے اس کے دل میں کینہ نہ ہو، جن کو وہ اپنے تصرف کے ذریعہ پریشان یا ذلیل کرنا چاہتا ہو۔

۲- تصرف کے لئے شرط یہ ہے کہ عدل کا اثبات، دفع ظلم اور عامۃ الناس کو بنیادی ضروریات مہیا کرانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

۱۳- مفتی سید عبدالرحیم حسنی نے اس ضمن میں انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے چوتھے اجلاس کا یہ فیصلہ ذکر کیا ہے:

اول: انفرادی ملکیت کی رعایت اور کسی بھی زیادتی سے اس کا تحفظ ضروری ہے، مانفرادی ملکیت کے دائرہ میں تنگی پیدا کرنا یا اسے ختم کرنا جائز نہیں ہے، مالک کو اپنی املاک پر اختیار حاصل ہے، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اسے ہر طرح کے تصرف اور انتفاع کا حق ہے۔

دوم: مفاد عامہ کی خاطر عوامی اراضی کا حصول صرف درج ذیل شرعی شرائط وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ہی ہوسکتا ہے:

۱- املاک کا فوری اور ایسا عادلانہ معاوضہ دیا جائے جس کی تعیین ماہرین وواقف کار کریں اور جو اس کی بازاری قیمت سے کم نہ ہو۔

۲- سربراہ یا اس کے نائب ہی کو املاک کے حصول کا اختیار ہوگا۔

۳- یہ حصول کسی ایسے مفاد عام کے لئے ہو جو اجتماعی حاجت کے درجہ میں ہو، کہ یہ بھی ضرورت کے حکم میں ہوتی ہے، جیسے مساجد، راستے اور پل وغیرہ۔

۴- مالک سے حاصل کی جانے والی املاک کو عمومی یا خصوصی سرمایہ کاری میں نہ لگایا

Marfat.com

جائے اور یہ کہ اسے وقت سے پہلے حاصل نہ کیا جائے۔

۵- اگر حاصل شدہ املاک کو مذکورہ مفاد عام میں حاصل کرنے کی رائے باقی نہ رہے تو اصل مالک یا اس کے ورثاء ہی مناسب معاوضہ پر اس کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہوں گے۔

☆ مولانا روح الامین صاحب اجتماعی حاجت کو ضرورت کے قائم مقام مانتے ہوئے ڈیم کی تعمیر کے لئے جبراً املاک کے حصول کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ املاک کا معاوضہ بازاری قیمت کے مطابق دیا جائے۔

"الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة الخاصة فی حق آحاد الناس"

(موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۵/۶۷)۔

۹- سیلاب سے بچنے کے لئے باندھ کو کاٹنے یا نہ کاٹنے کا حکم:

سوال: ۹- بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کے روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کو کاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو تو وقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے؛ لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے، اور اگر آگے کی آبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہو تو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز ہوگا؟

اکثر مقالہ نگاروں کا رجحان یہ ہے کہ اگر نشیبی علاقوں کی آبادی کے ڈوب جانے یا ان کے جان و مال کو خطرہ لاحق ہو تو اپنے کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کو ضرر میں مبتلا کرنا درست نہ ہوگا [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی

Marfat.com

عبداللہ کاوی والا، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا توقیر بدر قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محمد عثمان بستوی]۔

دلائل:

۱- "الضرر لا يزال بالضرر أو بمثله" (موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۲۵۷/۶) [مفتی راشد حسین ندوی، مولانا روح الامین، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ابرار حسن ایوبی]۔

۲-"خرّب رجل ضفة نهر، والماء فى ذلك الوقت منقطع، ثم وصل الماء فوصل من موضع لتخريب فى أرض رجل فاضر بالأرض أو أفسد زرعاً فى الأرض قال: ينظر: إن جرى الماء بنفسه يضمن المخرب إذا كان النهر للعامة لأنه مسبب متعد" (فتاوی ہندیہ: کتاب الشرب الباب الثالث فیما یحدثہ الانسان الخ ۴۰۰/۵)۔

۳- "فى فتاوى أبى الليث: نهر عظيم لأهل قرية، يشعب منه نهران، وعلى كل واحد من النهرين طاحونة، فخربت إحدى الطاحونة، فأراد صاحبها أن يرسل الماء كله فى النهر الآخر الذى عليه الطاحونة الأخرى حتى يعمر طاحونته، وذلك يضر بالطاحونة الأخرى لم يكن له ذلك، لأنه يريد دفع الضرر عن نفسه بالإضرار بغيره" (ایضا)۔

۴- "إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر" (الاشباہ والنظائر) [مفتی عبداللہ کاوی والا]۔

۵-"وإن أكره على قتل غيره بقتل لم يرخص ولم يسعه أن يقدم عليه، ويصبر حتى يقتل، فإن قتله كان آثماً" (فتاوی ہندیہ ۳۹/۵) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

Marfat.com

۶-"ولهم نصب الأرحية والدوالي إن كان لا يضر بالعامة، وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب، وذلك بأن يميل الماء إلى هذا الجانب إذا انكسرت ضفته فتغرق القرى والأراضي" (فتاوی ہندیہ ۵/۳۹۱)[مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی]۔

مفتی باقر ارشد قاسمی کا کہنا ہے کہ اگر پہلی بستی والے کے باندھ کاٹ دینے کی وجہ سے دوسری بستی والوں کا نقصان ہوتا ہے تو پہلی بستی والوں پر ضمان واجب ہوگا، اور دلیل میں فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت پیش کی ہے:

۱-"رجل سقى أرضه فتعدى الماء إلى أرض جاره أن أجرى الماء إجراء لا يستقر في أرضه بل يستقر في أرض جاره يضمن..... وإن كانت أرضه في صعدة وأرض جاره في هبطة ويعلم أنه لو سقى أرضه يتعدى إلى أرض جاره يضمن...."(فتاوی ہندیہ ۵/۲۸۲)۔

۲-"وعلى هذا قالوا: إذا فتح رأس نهره فسال من النهر شيئ إلى أرض جاره فغرقت ينظر إن كان فتح من الماء مقدار ما يفتح من الماء في مثل ذلك النهر في العرف والعادة لا يضمن وإن فتح مقدار ما لا يفتح مثله في ذلك النهر ضمن كذا في محيط السرخسي"(فتاوی ہندیہ ۵/۲۸۳)۔

باندھ کاٹ دینا جائز ہے:

☆ مولانا خورشید انور اعظمی کی رائے یہ ہے کہ سیلاب کی شدت سے اگر پہلی بستی کے غرق ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت حال میں پہلی بستی والوں کے لئے جائز ہوگا کہ دفع مضرت کے لئے باندھ کاٹ کر پانی آگے بڑھادیں اور اپنے کو مصیبت سے بچالیں، دلیل کے طور پر یہ عبارتیں پیش کی ہیں:

(۱)"إن الظلم لا أسوة فيه ولا يلزم أحداً أن يولج نفسه في ظلم مخافة

Marfat.com

أن يوضع الظلم على غيره والله تعالى يقول: "إنما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الأرض بغير الحق"، ورأيت في بعض المنقولات نحو هذا عن يحيىٰ بن عمر أنه لا بأس أن يطرحه عن نفسه مع العلم بأنه يطرحه على غيره إذا كان المطروح جوراً بيناً" (الموافقات ۲/۳۵۱)۔

(۲) "وذكر عبد الغنى فى المؤتلف والمختلف عن حماد بن أبى أيوب قال قلت لحماد بن أبى سليمان: إنى أتكلم فترفع عنى النوبة فإذا رفعت عنى وضعت على غيرى، فقال: إنما عليك أن أتكلم فى نفسك فإذا رفعت عنك فلا تبالى على من وضعت" (الموافقات ۲/ ۳۵۲)۔

(۳) اسی طرح امام عز الدین بن عبد السلام "قواعد الاحکام" میں لکھتے ہیں:

"وإذا اجتمعت مصالح ومفاسد فإن أمكن تحصيل المصالح ودرء المفاسد فعلنا ذلك امتثالاً لأمر الله تعالى: "فاتقوا الله ما استطعتم" (التغابن:۱۶) وإن تعذر الدرء والتحصيل فإن كانت المفسدة أعظم من المصلحة درأنا المفسدة ولا نبالى لفوات المصلحة قال تعالى: "يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما" (البقرہ:۲۱۹) حرمهما لأن مفسدتهما أكبر من منفعتها" (المجمع عدد ۱۹۱۹، شوال ۱۴۳۱ھ)۔

(۴) "إن إضرار الغير فى المسائل المتقدمة والأصول المقررة ليس بمقصود فى الإذن وإنما الإذن لمجرد جلب الجالب ودفع الدافع وكونه يلزم عنه إضرار أمر خارج عن مقتضى الإذن" (الموافقات ۲/ ۳۵۲)۔

☆ مفتی شیر علی صاحب کا کہنا ہے کہ بستی والے باندھ توڑ سکتے ہیں کیونکہ ان کے لئے اپنی بستی کو بچانا لازمی ہے، اور جو نشیب میں ہیں وہ خود دوسری جگہ منتقل ہو جائیں یا حکومت ان کو دوسری جگہ منتقل کر دے۔

Marfat.com

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں باندھ کاٹ دینا اس وقت جائز ہوگا جب کہ ضرر عام نہ پایا جائے، اور اگر اگلی آبادی کم ہے تو ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو گوارہ کیا جائے گا، یا اگلی آبادی ایسے نشیبی علاقہ میں ہے جہاں عام طور پر تباہی اور غرقابی کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں باندھ کاٹا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسی نشیبی جگہ میں آبادی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی اس کی اجازت اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر باندھ کاٹنے پر تو معمولی نقصان کا خطرہ ہو اور نہ کاٹنے پر زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو رپورٹ کی روشنی میں حکومتی سطح پر باندھ کے کاٹ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ اہون البلیتین ہے [نیز مقالہ: مفتی شاہد علی قاسمی]۔

"إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما"

(الاشباہ والنظائر لابن نجیم ر ۱۴۵)۔

☆ جبکہ مولانا روح الامین صاحب نے اس مسئلہ میں یہ تفصیل کی ہے:

الف- باندھ کاٹنے کے نتیجے میں مبتلا بستی کا تحفظ ہے، اور کسی بستی کا کوئی جانی ومالی خطرہ لاحق نہیں تو الضرر یزال کے تحت باندھ کاٹنا جائز ہے۔

ب- اگر اگلی بستی کے ڈوبنے کا خطرہ یقینی نہیں بلکہ موہوم ہے، اور مبتلا بستی کا تحفظ یقینی ہو تو بھی باندھ کا کاٹنا جائز ہے۔

ج- اگر اگلی بستی کے نقصان کا ظن غالب ہے، لیکن نقصان کا تخمینہ نسبۃً کم ہے تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف۔

۱۰- عام آبی وسائل سے استفادہ کی حد:

سوال: ۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد و اشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟

Marfat.com

تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے انسان اپنی تمام ضروریات کی تکمیل کرسکتا ہے، ان میں کسی خاص شخص کو ملکیت حاصل نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ مفاد عام کے خلاف نہ ہو [مفتی راشد حسین ندوی]، اسراف واضرار سے بچا جائے [مولانا ابرار حسن ندوی]، اور اس کے فعل سے کسی کے حق کی تفویت اور نقصان نہ ہو [مولانا محمد عثمان بستوی]۔

دلائل:

۱- ”المسلمون (وفي بعض الروايات) الناس شركاء في ثلاث: في الماء والكلأ والنار“ (ابوداؤد: ۳۴۷۷) [مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی]۔

۲- ”اعلم أن الماء أربعة أنواع: الأول: ماء البحار، ولكل أحد فيها حق الشفة وسقي الأراضي، فلا يمنع من الانتفاع على أي وجه شاء، والثاني: ماء الأودية العظام كسيحون، وللناس فيه حق الشفة مطلقاً وحق سقي الأراضي إن لم يضر بالعامة، والثالث: ما دخل في المقاسم أي المجاري المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع: المحرز في الأواني ينقطع حق غيره عنه وتمامه في الهداية، وحاصله أن لكل أحد في الأوليين حق الشفة والسقي لأرضه وفي الثالث حق الشفة فقط ولا حق في الرابع لأحد“ (رد المحتار ۵/۲۱۱، نیز ہدایہ ۴/۳۸۷) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا روح الامین]۔

۳- ”الثاني ماء الأودية العظام، كجيحون وسيحون ودجلة والفرات والنيل، للناس فيها حق الشفة على الإطلاق وحق سقي الأرض بأن أحيا واحد أرضاً ميتة وكرى منها نهراً يسقيها إن كان لا يضر بالعامة ولا يكون النهر في

Marfat.com

ملک أحد ولهم نصب الأرحية والدوالى إن كان لا يضر بالعامة وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلک، لأن دفع الضرر عنهم واجب، وذلک بأن يميل الماء إلى هذا الجانب إذا انكسرت ضفته فتغرق القرى والأراضى وكذا شق الساقية والدالية" (فتاوی ہندیہ ۵/۳۹۰، نیز الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/۱۲۹، بدائع الصنائع ۶/۱۹۲)۔

[مقالہ: مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی باقر ارشد قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی]۔

۴-"الأنهار العظام كالدجلة والفرات غير مملوكة ولكل أن يسقى أرضه ويتوضأ به ويشربه وينصب الرحى عليه ويكرى منها نهراً إلى أرضه إن لم يضر بالعامة" (کنز الدقائق/۳۵۵) [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

۵-"ماء الأنهار العامة: وهو الذى يجرى فى مجار العامة غير مملوكة لأحد، وإنما هى للجماعة، مثل النيل ودجلة والفرات ونحوها من الأنهار العظيمة وحكمه (نهاية المحتاج) أنه لا ملک لأحد فى هذه الأنهار، لا فى الماء ولا فى المجرى، بل هو حق للجماعة كلها، فلكل واحد حق الانتفاع بها، بالشفة (سقى نفسه ودوابه) والشرب (سقى زرعه وأشجاره) وشق الجداول منها، ونصب الآلات عليها لجر الماء لأرضه، ونحوها من وسائل الانتفاع بالماء، وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه، إذا لم يضر الفعل بالنهر أو بالغير أو بالجماعة، كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطرق أو المرافق العامة، فإذا أضر، فلكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر، لأنه حق لعامة المسلمين، وإباحة التصرف فى حقهم مشروطة بانتفاء الضرر، كالانتفاع بالمرافق العامة، "إذ لا ضرر ولا ضرار"، والدليل على كون هذه الأنهار غير مملوكة لأحد، وإنما الحق فيها مشاع

Marfat.com

لجميع: قوله ﷺ: الناس شركاء في ثلاث: في الماء والكلأ والنار، وفي رواية "والملح" وشركة الناس فيها شركة اباحه، لا شركة ملك، لعدم إحرازها، منهم سواء فالانتفاع بها ومنها الماء العام، فيثبت لهم حق الشرب" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۶۶۵-۴۶۶۶) [مقالہ: مولانا سید عبدالرحیم حسنی، مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۶-"والمياه المباحة من الأودية كالنيل والفرات والعيون في الجبال ونحوها يستوى الناس فيها لخبر الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلأ والنار" (نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۵۲) [مقالہ: ڈاکٹر بہاء الدین ندوی]۔

☆مولانا روح الامین صاحب نے اس کی تقسیم اس طرح کی ہے:

الف- سمندر کے پانی سے ہر شخص کو پانی لینے، جانور کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ ہر طرح کے انتفاع کی اجازت ہے۔

ب- دریاؤں اور بڑی نہروں وچشموں کے پانی سے پانی لینے اور جانوروں کو پلانے کا حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ج-عوامی کنویں اور چشمے وغیرہ جو مخصوص جماعت کی ملک ہوں تو عرف کے مطابق اس سے اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، جانوروں کو بھی پلایا جاسکتا ہے، البتہ بلا اجازت کھیت وباغ سیراب نہیں کیا جاسکتا۔

سرکاری تالاب بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ وہ مخصوص علاقے کے لئے ہوتے ہیں، مزید یہ ہے کہ سرکاری ضابطہ کے مطابق ہی اس سے استفادہ کی اجازت ہوگی۔

جس پانی میں حق شفہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پینے، کھانا پکانے، وضو، غسل، کپڑے دھونے وغیرہ کے لئے پانی کا استعمال کیا جاسکتا ہے، ایسے ہی جانوروں کی ضروریات کے لئے بھی لے سکتے ہیں۔

Marfat.com

”فی الدر: والشفة شرب بنی آدم والبھائم، (قال الشامی) ھذا أصله والمراد استعمال بنی آدم لدفع العطش أو للطبخ أو الوضوء أو الغسل أو غسل الثیاب ونحوھا کما فی المبسوط، والمراد فی حق البھائم الاستعمال للعطش ونحوہ مما یناسبھا“(درمع الشامی ۱۰/ ۱۲)۔

اور تقریباً یہی تقسیم مفتی شاہد علی قاسمی نے بھی پیش کی ہے۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی اس کے درمیان تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بڑی ندیوں اور دریاؤں کے پانی سے تمام لوگوں کو ہر طرح کے استفادہ کا حق ہے، تمام لوگ اس سے ”شفہ“ یعنی ہر انسانی وحیوانی وزراعتی ضرورت میں اس کے پانی کا استعمال کر سکتے ہیں، اسی طرح عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے بھی ہر آدمی کو ”شفہ“ یعنی انسانی وحیوانی ضرورت کے لئے پانی لینے کا حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو دشواری پیش آتی ہو تو اس کی گنجائش نہیں۔

☆ مولانا محمد مصطفی قاسمی وغیرہ کا کہنا ہے کہ پانی اگر اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد بچ رہے اور زائد ہو تو اسے دوسروں کی ضرورت کے لئے چھوڑ دے۔

”وإذا کان لرجل نھر أو بئر أو قناة فلیس له أن یمنع شیئاً من الشفة والشفة الشرب لبنی آدم والبھائم“(ہدایہ ۴/ ۴۶۸)۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ پانی اگر کسی کی ملکیت ہو تو فضول خرچی سے بچتے ہوئے استفادہ کرے، اور اگر مشترک ہے تو اس سے استفادہ عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کے ذریعہ ہوگا۔

☆ حافظ کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ وہ آبی وسائل وذرائع جنہیں حکومت نے کسی کو ٹینڈر دے دیا ہو وہ وسائل وذرائع مخصوص ہوں گے، ان سے عام استفادہ کی گنجائش نہ ہوگی۔

☆ مولانا شاہجہاں ندوی کی رائے ہے کہ اگر عوامی کنویں، غیر مملوکہ چشمے اور سرکاری

Marfat.com

تالاب سے سینچائی کرنے کی صورت میں پینے کا پانی ختم ہو جائے گا تو پھر سینچنے کا حق نہیں ہے۔

☆ مفتی باقر ارشد قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی کا کہنا ہے کہ سرکاری تالات حکومت کی ملکیت ہے لہذا حکومت کی اجازت کے بغیر اس سے استفادہ درست نہیں ہے۔

۱۱-گزرنے والی نہر سے استفادہ کی حد:

سوال: ۱۱- اگرکوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہوتومختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟

مقالہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ کھیتوں کے سامنے سے گزرنے والی نہر سے اقرب فالاقرب کی بنیاد پر بقدر ضرورت استفادہ کرنا درست ہے، خود بھی پی سکتے ہیں، جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں، اور کھیتیاں بھی سیراب کر سکتے ہیں۔ ان حضرات نے مندرجہ ذیل عبارتوں کو اپنا مستدل بنایا ہے:

دلائل:

۱-"عن عبد الله بن الزبير أنه حدثه أن رجلاً من الأنصار خاصم الزبير عند النبی ﷺ في شراج الحرة التی يسقون بها النخل فقال الأنصاری: سرّح الماء يمرّ، فأبى عليه فاختصما عند النبی ﷺ، فقال رسول الله ﷺ للزبير: اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارک، فغضب الأنصاری فقال: إنه كان ابن عمتک، فتلوّن وجه رسول الله ﷺ ثم قال: اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر" (بخاری ۱/ ۳۱۷) [مقالہ: مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی شیر علی گجراتی، مولانا عامر ظفر ایوبی]۔

۲- "أن النبی ﷺ قضى في شرب النخل من السيل: أن الأعلى

Marfat.com

يشرب قبل الأسفل ويترك الماء إلى الكعبين ثم يرسل الماء إلى الأسفل الذى يليه وكذلك حتى تنقضى الحوائط أو يفنى الماء" (ابن ماجہ، مسند احمد) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۳- "وينتفع الناس بماء الأمطار أو السيول أو النهر الصغير الذى يزدحم الناس فيه بأن يبدأ بالأعلى فيسقى أرضه حتى يصلى إلى الكعب (النهايه) ثم يرسله إلى من يليه فيسقى ويحبس الماء حتى يصل إلى كعبه ثم يرسله إلى من يليه فيفعل كذلك" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۹) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۴- "فإن أراد قوم سقى أرضيهم منها فضاق الماء سقى الأعلى فالأعلى وحبس كل واحد الماء حتى يبلغ الكعبين" (تحفۃ المحتاج) [ڈاکٹر بہاء الدین ندوی]۔

۵- "قال أبوعبيد: كان بالمدينة واديان يسيلان بماء المطر فيتنافس الناس فيه فقضى رسول الله ﷺ للأعلى فالأعلى" (فتح الباری ۵/۴۵) [مقالہ: مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

۶- "عن عبد الله بن أبى بكر أنه بلغه أن رسول الله ﷺ قال فى مسيل مهروز ومذينيب: يمسك حتى الكعبين ثم يرسل الأعلى على الأسفل" (مؤطا امام مالک ۳۱۱) [مقالہ: مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

۷- علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

"إن ماء الأودية التى لا تستنبط بعمل فيما مباح، ومن سبق إليه فهو أحق به، وفيه أن أهل الشرب الأعلى يقدم على من هو أسفل منه ويحبس الأول الماء حتى يبلغ إلى جدار حائطه، ثم يرسل الماء إلى ما هو أسفل منه فيسقى كذلك ويحبس الماء كذلك، ثم يرسله إلى من هو أسفل منه وهكذا، وفى حديث الباب احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر وفى حديث عبد الله بن

Marfat.com

عمرو الذی أخرجه أبوداؤد وابن ماجة من رواية عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن رسول الله ﷺ قضى في سيل المهروز أن يمسک حتى يبلغ الكعبين ثم يرسل الأعلى إلى الأسفل.... وقال الرافعي: لا مخالفة بين التقديرين لأن الماء إذا بلغ الكعب بلغ أصل الجدار..... وقال أبو الحسن الماوردی ليس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان لأنه يدور بالحاجة، والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف ما فيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقي، الخ'' (عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۸۵، مکتبہ عباس باز) [مولانا روح الامین]۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی نے نہروں کے اعتبار سے اس کے مختلف احکام تفصیل سے بیان کئے ہیں جودرج ذیل ہیں:

الف- کھیتوں اور علاقوں سے گذرنے والی نہر اگر عام ہے، مخصوص لوگوں کی نہیں ہے اور نہ ہی اسے سرکار نے کسی خاص مقصد کے لئے جاری کی ہے تو اس نہر سے کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی وحیوانی ہر ضرورت کے لئے پانی لینا جائز ہے، اسی طرح اپنے کھیتوں اور باغات کو اس پانی سے سیراب کرنا بھی جائز ہے، مگر اس طرح کہ دوسروں کو نقصان اور دشواری نہ ہو، ورنہ زمین کی سیرابی کا حق حاصل نہیں ہے (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱۰/ ۲۶۶)۔

ب- اگر وہ نہر دوسرے مخصوص لوگوں کی ہے، عام نہیں ہے، تو ان کھیتوں اور علاقے والوں کو اس نہر سے انسانی ضرورت کے لئے پانی لینا ہر حال میں جائز ہے، اور اپنے حیوانات کو بھی اس سے پلا سکتے ہیں بشرطیکہ حیوانات کی کثرت کی وجہ سے نہر کو کسی طرح کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ البتہ نہر والوں کی اجازت کے بغیر اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب نہیں کر سکتے (فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۹۱، وکذا فی درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱۰/ ۲۸۵-۲۸۸، الدر المختار مع الرد ۱۰/ ۱۳)۔

ج- وہ نہر حکومت کی طرف سے ''شفہ'' یعنی انسانی وحیوانی ضرورت مثلاً پینا، پکانا،

Marfat.com

وضو وغسل، کپڑے دھونا، جانوروں کو پلانا وغیرہ کے لئے جاری کی گئی ہے تو کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی وحیوانی ہر ضرورت کے لئے اس سے استفادہ کرنا ہر حال میں جائز ہے، لیکن کھیتوں اور باغات کی سیرابی اس سے جائز نہیں، ہاں! البتہ اگر پانی میں اس کی گنجائش ہو اور لوگوں کو کوئی حرج وضرر نہ ہو تو پھر زمین وباغ کو سیراب کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو (فتاوی ہندیہ ۳۹۱/۵، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲۷۹/۱۰)۔

د- اور اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے جاری کی گئی ہے، تو کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے "شفعۃ" یعنی انسانی وحیوانی ہر ضرورت کے ساتھ ساتھ اپنے کھیت اور باغات کو سیراب کرنے کا بھی پورا حق حاصل ہوگا۔ حکومت انسانی وحیوانی ضرورت پوری کرنے سے تو کسی کو نہیں روک سکتی، البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی کچھ لوگوں کو کھیت وباغات کی سیرابی سے روکنا چاہے تو حکومت کو اس کا حق حاصل ہے، کیونکہ ایسی نہر مملوک کنویں کی طرح ہے، اور مملوک کنویں کا یہی حکم ہے (تکملۃ فتح الملہم ۲۹۲/۱، کتاب الخراج ۹۵)۔

کھیتوں کو سیراب کرنے کی حد اور ترتیب:

☆ قاضی عبد الجلیل قاسمی نے یہ قید لگائی ہے کہ نہر کے پانی کو روکے بغیر اپنے کھیت میں اتنا پانی روکنے کا حق ہوگا جتنا کھیتی کے لئے ضروری ہو، اور بقول مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نہر کے پانی کو باندھ کر روک لینا اور آگے نہ جانے دینا شرعاً اخلاقاً یہ ایک مذموم فعل سمجھا جائے گا۔

☆ مولانا عامر ظفر ایوبی کہتے ہیں کہ اگر کھیت سیراب کرنے کے بعد کوئی منڈیروں تک پانی روک لیتا ہے تو کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے کہ زمین کی مساحت کے لحاظ سے استفادہ کا حق ہوگا، اور نہر کے بالائی حصہ سے اس کی شروعات ہوگی۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی کا کہنا ہے کہ اگر نہر میں پانی بند ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کم آرہا ہو تو کھیت کے مالک کو چاہئے کہ بھرے بغیر صرف سیراب کرکے پانی آگے کے لئے چھوڑ دے۔

Marfat.com

☆ مفتی راشد حسین ندوی مفتی شاہد علی قاسمی کی رائے ہے کہ حکومتی نہروں سے آبپاشی اور استفادہ کی صورت میں محکمہ زراعت کے اصول وضوابط کی پابندی ضروری ہے [نیز مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

☆ مولانا روح الامین اور مولانا محمد حذیفہ داحودی کہتے ہیں کہ:

فقہاء نے احادیث کی روشنی میں یہ متعین کیا ہے کہ کھیت کی منڈیروں تک پانی بھر سکتے ہیں، جس کو حدیث میں "حتی یرجع إلی الجدر" یا "حتی یبلغ الکعبین" سے تعبیر کیا گیا ہے، البتہ علامہ ابوالحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تحدید ہر زمانہ اور ہر علاقے کے اعتبار سے عام نہیں ہے، بلکہ حاجت پر دائر ہے، اور حاجت زمین، اس کی لگی کھیتی، یا درخت اور کھیتی کی سیرابی کے وقت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔

لہذا ضرورت کے بقدر اسراف اور دوسرے کی حق تلفی ضرر سے اجتناب کرتے ہوئے اس قسم کی نہروں سے استفادہ کیا جائے گا۔

"لیس التقدیر بالبلوغ إلی الکعبین علی عموم الأزمان والبلدان، لأنه یدور بالحاجة والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف ما فیها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقی" (عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۰۳، نیز دیکھئے: تکملۃ فتح الملہم ۴/ ۵۰۵، ردالمحتار ۱۰/ ۱۲، ۲۱، ۲۲، فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۹۶، دررالحکام ۱۰/ ۲۹۲)۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی لکھتے ہیں:

ترتیب کے سلسلہ میں اصل مدار عرف ہے، اگر عرف یہ ہو کہ سینچائی دہانے سے اور بالائی حصہ سے شروع کی جائے تو ایسا کیا جائے، پھر آخر اور زیریں حصہ والا سینچائی کرے گا، اور اگر آخر اور نیچے سے سینچائی کا معمول ہو تو ایسا کیا جائے، اور اگر یہ معمول ہو کہ ایک مرتبہ دہانے سے سینچائی شروع کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ آخر سے، تو ایسا کیا جائے، اس طرح ہر شخص اپنے کھیت کا تقاضا پورا کر کے اگلے کو نمبر دے گا۔

Marfat.com

ہاں! اگر کوئی عرف نہ ہو پہلے سے کوئی ترتیب نہ ہو تو پھر آپس کی رضامندی سے ترتیب بنائی جاسکتی ہے، چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ پہلے دہانے والا پھر بعد والا، یا اس کے برعکس، اور چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ ایک دن یہ سینچائی کرے اور دوسرے دن دوسرا، لیکن اگر اختلاف ہوجائے اور کوئی بات طے نہ ہو پائے تو پھر یہی ترتیب ہوگی کہ پہلے دہانے والا اور اوپر والا سینچائی کرے گا، اس کا حق ہوگا، پھر اس کے بعد والا اور نیچے والا سینچائی کرے گا (فیض الباری شرح صحیح البخاری ۳/ ۵۶۲، عمدۃ القاری شرح البخاری ۱۲/ ۲۰۳، فتح الباری ۵/ ۴۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۹)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں:

سوال: ۱۲ – کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

جن صورتوں میں احراز پایا جائے گا ان میں پانی پر ملکیت ثابت ہوجائے گی، احراز یہ ہے کہ پانی کو کسی جگہ یا کسی چیز میں محفوظ کرلیا جائے، یا یہ کہ اس پر قبضہ کرلے تو ملکیت حاصل ہوجائے گی، اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

۱- "قال النبی ﷺ: یرحم الله أم إسماعیل لو ترکت زمزم أو قال: لو لم نعرف من الماء لکان عیناً معیناً وأقبل جرهم فقالوا: أتأذنین أن ننزل عندک؟ قالت: نعم، ولا حق لکم فی الماء، قالوا: نعم" (بخاری ۱/ ۳۱۹)۔

۲- "قال الخطابی: فیه أن من أنبط ماء فی فلاة من الأرض ملکه ولا یشارکه فیه غیره إلا برضاه، إلا أنه لا یمنع فضله إذا استغنی عنه، وإنما شرطت هاجر علیهم أن لا یتملکوه" (عمدۃ القاری ۹/ ۸۱، فتح الباری ۵/ ۵۳)۔

۳- "عن السمر بن مضرس قال: أتیت النبی ﷺ فبایعته فقال: من سبق إلی ماء لم یسبقه إلیه مسلم فهو له قال: فخرج الناس یتعادون یخاطون" (ابوداؤد ۴/ ۱۳۷)۔

۴- "الماء فی الأصل خلق مباحاً لقول النبی ﷺ: "الناس شرکاء فی

Marfat.com

الثلاث: الماء والكلأ والنار"، والشركة العامة تقتضي الإباحة إلا أنه إذا جعل في إناء وأحرزه به فقد استولى عليه وهو غير مملوك لأحد فيصير مملوكاً للمتولي كما في سائر المباحات الغير المملوكة" (بدائع الصنائع ۵/۲۷۵)۔

۵-"لو أحرزه في جرة أو حبّ أو حوض مسجد من نحاس أو صفر أو جص وانقطع جريان الماء فإنه يملكه" (ردالمحتار ۱۰/۱۳)۔

۶-"وكل من أحرز شيئاً مباحاً كان مالكاً له مستقلاً فلو تناول الماء من نهر بيده أو بوعاء كالعلبة فإنه يملكه بإحرازه وحفظه في ذلك الوعاء وليس لغيره أن ينتفع به وإذا أخذه آخر بدون إذنه واستهلكه كان ضامناً" (شرح المجلہ ۱/۶۸۰)۔

☆ بعض مقالہ نگاروں نے پانی کے احراز کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف- برتنوں اور ٹنکیوں میں پانی بھر لیا جائے۔

ب- تالاب، حوض یا گڑھوں میں محفوظ کر لیا جائے۔

ج- بارش کا پانی حاصل کرنے کے لئے برتن رکھا جائے اور وہ بارش سے بھر جائے۔

د- بورنگ کرالی جائے یا پانی کھینچنے کی مشین لگائی جائے تو اس کا پانی بھی مملوک ہوگا۔

ہ- مخصوص مشترک نہر کا وہ پانی جو مقاسم میں داخل ہو گیا ہو۔

و- کنواں کھود کر نکالا گیا پانی بھی مملوک ہوگا، خواہ چٹیل میدان میں ہو۔

ز- اپنے گھر یا مملوک زمین میں سرکار سے پانی کا کنکشن لینے سے ملکیت ثابت ہو جائے گی۔

ح- خرید لینے پر پانی میں ملکیت ثابت ہوگی۔

ط- کمپنیاں جو پانی سپلائی کا پلانٹ لگاتی ہیں تو اس کا پانی کمپنی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔

دلیل کے لئے دیکھئے:

Marfat.com

الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۲۷۶، ۲۷/۳، ۲۶/۱۲۹، شرح المجلہ ۱۰/۲۷۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۶۰۴، ۶/۴۶۶۱، تکملۃ فتح الملہم ۱/۵۲۱، اعلاء السنن ۱۴/۱۵۷، فتاوی ہندیہ ۵/۳۹۱، محیط برہانی ۱۹/۶۹، شامی ۷/۲۵۸، ۱۰/۱۲، کتاب الخراج/۹۵، المبسوط ۲۳/۱۵۸، الہدایہ ۷/۲۶۹، بدائع الصنائع ۵/۲۷۴، الشرح الکبیر ۱۱/۸۱، البیان فی مذہب الامام الشافعی ۲/۵۰۳۔

[مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری]۔

۱۳- پانی کی تجارت کا مسئلہ:

سوال: ۱۳ - جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہوجاتا ہے، ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟...... واضح ہوکہ موجودہ دورمیں پانی کی خرید وفروخت ایک اہم ذریعۂ معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔

بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ پانی کے استیلاء، قبضہ اور احراز میں آجانے کے بعد انسان اس کا مالک ہوجاتا ہے، لہٰذا اس کے لئے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا اور اس کو بیچنا جائز ہے۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

[مفتی شیر علی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا توقیر بدر قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری]۔

Marfat.com

دلائل:

۱-"وله بيعه لأنه ملكه بالإحراز، فصار كالصيد والحشيش" (فتاوی ہندیہ ۳۹۱/۵)[مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی]۔

۲-رسول اکرم ﷺ کی ترغیب پر حضرت عثمانؓ نے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا(نیل الاوطار ۱۴۶/۵)[مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

۳-"أما الأول فهو ماء مملوك لصاحبه لا حق لأحد فيه، لأن الماء فإن كا ن مباحاً في الأصل لكن المباح يملك بالاستيلاء إذا لم يكن مملوكاً لغيره كما إذا استولى على الحطب والحشيش والصيد فيجوز بيعه كما يجوز بيع هذه الأشياء، وكذا السقائون يبيعون المياه المحروزة في الظروف، جرت العادة في الأمصار وفي سائر الأعصار من غير نكير" (بدائع الصنائع ۱۸۸/۶)[مقالہ: قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۴- "أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه" (اعلاء السنن ۱۶۶/۱۴)[مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۵-مولانا ظفر احمد عثمانی نے مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالہ سے پانی کی بیع کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔"وعلى ذلك مضت العادة في الأمصار ببيع الماء في الروايا والحطب والكلأ من غير نكير قلت وهذا مما يؤيد ما رواه أبوبكر عن المشيخة فإن عمل الأمة من غير نكير يتنزل منزلة الإجماع" (اعلاء السنن ۱۶۶/۱۴)[مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۶-"لا ينتفع به إلا بإذن صاحبه لملكه بإحرازه .... فله بيعه ملتقى" (رد المحتار ۳۱۲/۵)[مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی]۔

Marfat.com

۷-"أما من حاز في قربته أو إنائه فذلك غير المذكور في الحديث وهو بمنزلة سائر المباحات إذا حازها إلى ملكه ثم أراد بيعها كالحطب والكلأ والملح قد قال النبي ﷺ لأن يأخذ أحدكم حبلاً فيأخذ حزمة من حطب فيبيع فيكف الله بها وجهه خير له من أن يسأل الناس أعطى أو منع" (رواہ البخاری؛ زاد المعاد لابن القیم ۲۵۹/۴، المغنی لابن قدامہ ۱۳۶/۶) [مقالہ: مولانا روح الامین، مولانا خورشید انور اعظمی]۔

۸- "عن عائشة قالت: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الماء، قال أبويوسف: تفسير هذا عندنا –والله أعلم– إنه نهى عن بيعه قبل أن يحرز" (کتاب الخراج/۱۰۵) [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

بعض دوسری آراء:

☆ نہر، تالاب، کنویں وغیرہ میں صرف احراز ہوتا ہے ملکیت نہیں، اس لئے کہ اس میں حق شفہ باقی رہتا ہے، لہذا اس کی بیع صحیح نہ ہوگی [مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی]۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی کہتے ہیں کہ کنویں کے پانی کی بیع احناف کے نزدیک احراز سے قبل درست نہیں، لیکن اگر پہلے کسی برتن میں جمع کرلیا جائے تو مقدار کے تعین کے بعد اس کی بیع درست ہوگی [مقالہ: مولانا عامر ظفر ایوبی]۔

☆ مولانا روح الامین صاحب کا خیال ہے کہ جن احادیث میں پانی کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے ان سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی تجارت پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

☆ مفتی ظہیر احمد کانپوری کا کہنا ہے کہ اگر پانی کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے سے کسی جگہ پانی میں قلت پیدا ہوجانے کا قوی امکان ہو، یا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں یہ

Marfat.com

تجارت دشواری پیدا کرنے کا سبب بنے تو حکومت کو اس پر پابندی لگانے کا حق ہوگا۔

☆مفتی شاہد علی قاسمی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ پانی کے بیچنے کی جو ممانعت ہے وہ تنزیہی ہے، "قال الخطابی: والنهی عند الجمهور للتنزیه" (فتح الباری ۵/۳۹)۔

دلیل کے لئے دیکھئے:

المبسوط ۲۳/۱۵۸، مجلۃ البحوث الفقہیہ (سعودی عرب)/۸۶، شرح المجلہ/۶۶۹، اعلاء السنن ۱۴/۱۶۸، فتاوی ہندیہ ۵/۴۷۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۶۔

☆مولانا صباح الدین ملک قاسمی نے اس تعلق سے دو تجویزیں دی ہیں:

اول: حکومت کی ذمہ داری ہے کہ تجارت کے بجائے پانی کے فطری انتظام کو بحال رکھے اور اس انتظام میں خلل ڈالنے والے اسباب پر نظر رکھے اور ان کا تدارک کرے۔

دوم: اگر فطری انتظام کافی نہ ہو اور مدنیت کے تقاضوں کے تحت پانی کی سپلائی کا نظام اختیار کرنا پڑے تو اس صورت میں حکومت اس کے اخراجات ایک فلاحی ریاست کے طور پر خود برداشت کرے، یہ ممکن نہ ہو تو پانی پر واجبی اجرت یا عوض متعین کرے۔

۱۴- نشیبی علاقوں میں آبادیوں کے بسانے کا مسئلہ:

سوال: ۱۴- شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں میں (جو تالاب کی صورت میں تھے) لوگ پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کررہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جارہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوجاتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کونقصان پہنچتا ہے، توکیا تالاب میں آبادیاں بسانا درست ہے؟

Marfat.com

حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

نشیبی علاقوں یعنی تالابوں میں پلاٹنگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور ان زمینوں میں آبادیاں بسانا ضرر عام لاحق ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، خواہ حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت ہو یا نہ ہو، "لاضرر ولا ضرار" (ابن ماجہ)۔ یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

[مولانا سید عبدالرحیم حسنی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی شیر علی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا محمد حذیفہ داحودی]۔

دلائل:

۱-"لایجوز أیضا (الإحیاء) محل عدل عنه ماء الفرات ونحوه کدجلة والشط وغیرها، وإذا احتمل عود الماء إلیه، لحاجة العامة إلی کونه نهراً، وإن لم یحتمل عود الماء إلی مکانه جاز إحیائه لکونه ملحقا بالموات" (مجلۃ الاحکام/ ۶۸۸)۔

۲- "إذا نضب الماء عن جزیرة فی دجلة ...... فلیس لأحد أن یحدث فیها شیئاً لا بناءاً ولا زرعاً لأن مثل هذه الجزیرة إذا حصنت وزرعت کان ضرراً علی أهل المنازل والدور" (کتاب الخراج/ ۹۹)۔

مشروط اجازت:

☆ مفتی ظہیر احمد کانپوری یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی سے زیادہ رہائش کی دقت ہو اور پانی وافر مقدار میں موجود ہو تو تالابوں میں آبادی بسانے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور ایسی صورت میں حکومت کی ممانعت کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوگی۔

Marfat.com

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی کی رائے یہ ہے کہ اگر آبادی بسانے کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ اطراف والوں کو کوئی نقصان نہ ہو، پانی کا راستہ اس طرح نکالا جائے کہ آبادی میں نہ پھیلے تو پھر تالاب کی جگہ آبادی بسانا درست ہے۔

☆ مولانا خورشید انور اعظمی کی ایک رائے یہ ہے کہ اگر حکومت دیکھتی ہے کہ تالاب پاٹنے میں کوئی ضرر نہیں ہے تو اس کی اجازت دے سکتی ہے، اور اگر ضرر ہو تو تالاب کی وہ زمین حکومت بھی کسی کو الاٹ نہیں کر سکتی۔

آبادیاں بسانے کا جواز:

بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ انسان کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل ہے اور نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کر کے آبادیاں بسانا شرعاً درست ہے، اگر حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو، اور دوسروں کو اس سے ضرر لاحق نہ ہو، اس رائے کے قائلین ہیں:

[مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا روح الامین]۔

دلائل:

۱-"**لا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضرراً بيناً فيمنع من ذلك، وعليه الفتوى**" (تنویر الابصار مع الدر المختار ۸/ ۱۵۲)۔

۲-"**كل يتصرف في ملكه كيفما شاء، لكن إذا تعلق حق الغير به فيمنع المالك من تصرفه على وجه الاستقلال**" (مجلۃ الاحکام مادہ/ ۱۱۹۲، درر الحکام ۳/ ۲۱۰)۔

۳- "**تصرف الإنسان في خالص حقه إنما يصح إذا لم يتضرر به سواء وفي لفظ تصرف المالك في ملكه لا يتقيد بشرط السلامة**" (موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۴/ ۳۰۹، بحوالہ المبسوط)۔

Marfat.com

لیکن مولانا شاہجہاں ندوی کا کہنا ہے کہ اس پر مرتب ہونے والے ضرر کا اعتبار نہیں ہے، البتہ حکومت اجتماعی ضرر کے مدنظر آبادی بسانے سے منع کرسکتی ہے، اس لئے کہ اسے ولایت عامہ حاصل ہے، اور تقریباً یہی رائے [مفتی راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا روح الامین، مولانا محمد عثمان بستوی] کی بھی ہے۔

"إن الذين يخالفون القانون الذى يحفظ الحقوق ويقر العدل ويقيم ميزانه هؤلاء يعتبرون شرعاً مخالفين للدين نفسه لأن الدين يأمر بطاعة مثل هذه القوانين التنظيمية ما دامت بالمعروف وفي غير معصية" (فتاوی معاصرہ: ڈاکٹر یوسف قرضاوی ۱/۵۹۷) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

• **"والحنفية والشافعية يرون أن الفعل مشروع في أصله، واحتمال الضرر لا يصلح دليلاً على الضرر المتوقع فلا يمنع حق لمجرد احتمال الضرر"** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۲۴) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

☆ مفتی شاہد علی قاسمی نے اس مسئلہ کا خلاصہ کرتے ہوئے یہ شکلیں بیان کی ہیں:

الف- نشیبی علاقوں کی پلاٹنگ کی وجہ سے پانی کی سطح نیچے نہ جاتی ہو تو پھر مالکان اراضی اپنی نشیبی زمین پر پلاٹنگ کرسکتے ہیں۔

ب- جن علاقوں میں پانی کا مسئلہ بہت سنگین ہو کہ پلاٹنگ کرنے سے سطح آب میں کمی آسکتی ہو اور اس کی وجہ سے ضرر فاحش لاحق ہو، اور حکومت نے بھی نشیبی علاقوں کی زمین کی پلاٹنگ کرنے کی ممانعت کردی ہو تو مالکان اراضی پر لازم ہوگا کہ وہ پلاٹنگ نہ کریں، اور اس قانون کی خلاف ورزی جائز نہ ہوگی۔

ج- اگر نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کی وجہ سے سطح آب میں کمی تو ہو لیکن ضرر عام لاحق نہ ہو، یعنی پانی لانے کا مناسب انتظام ہو جو عام لوگوں کے لئے کافی ہو تو پھر نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ درست ہوگی۔

Marfat.com

۱۵-آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے:

سوال: ۱۵- حکومت کے پروگرام میں داخل ھے کہ عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پھنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیھاتوں میں بھی اس کا نظام موجود ھے، توکیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ھے اور ھر شھری کا حق ھے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ھو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ھوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کوپانی کے روک لینے کا حق حاصل ھوگا؟

اس سوال کے تحت تمام مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ حکومت سے اس کا مطالبہ کرے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پانی کا عوض یا اس کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں، اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ پانی کی سپلائی کے انتظامات میں اخراجات ہوتے ہیں لہذا حکومت کے لئے اس کی اجرت لینا شرعاً درست ہے، اورعدم ادائیگی اجرت کی بنا پرحکومت پانی روک لینے کی مجاز ہوگی۔ یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

[قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا روح الامین، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی، حافظ کلیم اللہ عمری]۔

دلائل:

۱-"ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال، لقوله

Marfat.com

علیه السلام: الخراج بالضمان، وكذا لو خيف منه الغرق فعلى السلطان إصلاح مسناته من بيت المال" (بدائع الصنائع ۵/۲۸۰)۔

۲- "النهر العظيم الذى لم يدخل فى المقاسم كالفرات ودجلة وجيحون وسيحون والنيل، إذا احتاج إلى الكرى وإصلاح شطه يكون على السلطان من بيت المال" (فتاوی ہندیہ ۵/۳۸۱)۔

۳- "إن إدارة المرافق العامة فى الإسلام كالمساجد والمدارس والمساقى والجسور والبريد والدفاع والعشور والري وتوريد المياه ونحوها تلتقى مع الطريقة المتبعة الآن، وهى طريقة الاستغلال المباشر ومقتضاها أن تقوم الدولة نفسها...... بإدارة المرافق العامة مستعينة بأموالها وموظفيها ومستخدمة فى ذلک وسائل القانون العام" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۶۲۷۶)۔

پانی روک لینے یا نہ روکنے کا مسئلہ:

☆ اگر ایسا غریب اور قلاش ہو کہ معاوضہ ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں حکومت کے لئے اس کو بلا معاوضہ پانی فراہم کرنا ضروری ہوگا، اگر پانی کی حصولیابی کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو، اور حکومت کا پانی کو روک دینا درست نہ ہوگا۔

[مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری]۔

☆ مولانا حذیفہ داحودی کہتے ہیں کہ حکومت سرکاری خزانہ سے یہ کام مفت کرے، اس کی کوئی قیمت واجرت نہ لے، سرکاری خزانہ میں اس کی گنجائش ہوتے ہوئے نہ تو آب رسانی کی اجرت لینا درست ہے اور نہ ہی اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حکومت کو حق ہے۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے یہ ہے کہ اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ اس کے بجائے کوئی دوسری

Marfat.com

سزا یا مناسب تنبیہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی کی ایک رائے یہ ہے کہ جن علاقوں میں پرانے نظام کے تحت پانی کا بندوبست خود کرتے ہیں وہاں پانی کی فراہمی حکومت کے واجبات میں سے نہیں ہے۔

☆ مولانا عامر ظفر ایوبی کہتے ہیں کہ آب رسانی حکومت کے واجبات میں سے نہیں ہے، صرف پانی کے ذرائع کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے، لہذا عوام اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

۱۶-ڈرینج کا نظام بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے:

سوال: ۱۶- یہی صورتحال استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈرینج کا نظام بنایا ہے، اس سے نہ صرف افراد واشخاص کے مفادات متعلق ہیں: بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے: اس لئے کیا یہ شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے یکساں ہے کہ استعمال شدہ پانی کی نکاسی کے لئے ڈرینج کا نظام بنانا کہ شہریوں کی صحت محفوظ رہے، شرعاً حکومت کی ذمہ داری ہے اور شہریوں کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔

دلائل:

۱- "ونلاحظ بأن إصلاح الأنهار والمساقي والمصارف العامة على الخزينة العامة (أي بيت المال) أو وزارة المالية، لأن منفعتها للناس فكانت مؤونتها من بيت المال" (بدائع الصنائع ۶/ ۱۹۲)۔

۲-"فكل ما يرى ولي الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعية وأبعد عن

Marfat.com

الفساد فله أن يفعله بل قد يجب عليه" (فتاوی معاصرہ ۱/ ۵۸۳)۔

۳- "حق المسيل هو تصريف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح إلى المصارف والمجارى العامة بواسطة مجرى سطحي أو أنبوب مستور سواء من أرض أو دار أو مصنع...... وتجب نفقات إصلاح المسيل على المنتفع به إذا كان في ملكه أو في ملك غيره، فإن كان في أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۶۰۶)۔

بعض دیگر آراء:

☆ ڈرینج نظام کے لئے اگر حکومت کو خرچہ کی ضرورت پڑے تو عوام کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس خرچہ کو برداشت کریں، "لأن الحق لهم والمنفعة تعود إليهم، ولأن الغنم بالغرم" [مولانا سید عبد الرحیم حسنی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری]۔

☆ اس کا صرفہ شہریوں پر عائد کیا جائے گا [مفتی عبد اللہ کاوی والا]۔

☆ اخلاقی طور پر ہر شخص مکلف ہے کہ مستعمل پانی کی نکاسی کا ایسا انتظام کرے کہ پڑوسی، محلہ اور آبادی کی فضا آلودہ نہ ہو [مولانا روح الامین]۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

عرض مسئلہ:

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

سوال نمبر: ۱ تا ۵

مفتی راشد حسین ندوی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کے بیسویں سمینار کا ایک اہم موضوع ''آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام'' ہے، اس موضوع سے متعلق سوالنامہ میں کل ۱۶ رسوال ہیں، اکیڈمی نے سوال ۱ تا ۵ پر آنے والے جوابات کی تلخیص اور عرض مسئلہ کی ذمہ داری راقم پر ڈالی ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کو کل ۲۱ مقالات موصول ہوئے ہیں، ۵ تک کی تلخیص ذیل میں درج کی جاتی ہے:

اس موضوع کا پہلا سوال یہ ہے کہ ''پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ہیں''؟

پہلا حکم:

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے پانی کی صفت تطہیر کا ذکر کیا ہے الا یہ کہ اس سے کوئی نجاست مل جائے، اس کے لئے فاضل مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

۱- اکثر مقالہ نگاروں نے یہ آیات درج کی ہیں:

الف: ''وأنزلنا من السماء ماءً طهوراً'' (الفرقان آیت: ۴۸)۔

☆ مدر[illegible]یاء العلوم رائے بریلی، یوپی۔

Marfat.com

ب:"وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به" (انفال:۱۱)۔

۲-يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا الآية

۳- "ولاتقربوهن حتى يطهرن" (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۴-"ان الماء طهور لاينجسه شئ" (حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۵- "أجمع العلماء على أنه جميع أنواع المياه .... مطهرة لغيرها" (بدایۃ المجتہد)(حافظ کلیم اللہ)۔

دوسرا حکم:

اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ پانی میں اسراف ممنوع ہے، اور اُس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"كلوا واشربوا ولاتسرفوا" (اعراف:۳۱)۔

۲-"إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء"

۳-"إن النبي صلى الله عليه وسلم يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد" (بخاری)۔ (ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۴- "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين" (مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، مفتی صباح الدین ملک قاسمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۵-"ما هذا السرف يا سعد!" (مولانا ابرار حسین ایوبی ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مقالہ نگار جامعہ عربیہ)۔

۶-"هذا من النعيم الذي تسئلون عنه" (مفتی عبداللہ کاوی والا)۔

Marfat.com

تیسرا حکم:

مقالہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ پانی کو آلودہ کرنا منع ہے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"لایبولن أحدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیہ' (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، راشد حسین ندوی)۔

۲-"لایغتسل أحدکم فی الماء الدائم وھو جنب" (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، راشد حسین ندوی)۔

۳-"إذا استیقظ أحدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الإناء" (الحدیث) (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

چوتھا حکم:

پانی پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، نیز پانی کی ایسی ذخیرہ اندوزی بھی درست نہیں ہے جو کسی کی حق تلفی کا سبب بنے:

۱-"المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار "(الحدیث)۔

۲-"ان الماء إلی الکعبین لایحبس الأعلی علی الأسفل"(الحدیث)۔(مولانا روح الامین صاحب، مولانا شیر علی صاحب، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ)۔

جبکہ مفتی سید باقر ارشد قاسمی صاحب نے اس سوال کے تحت شرب کے لغوی اور شرعی معنی نقل کرنے کے بعد اس کے متعلقہ احکام ذکر کئے ہیں، پھر ماء مطلق کے متعلق تفصیل سے بحث کے بعد نجاست وطہارت کے اعتبار سے پانی کی قسمیں تحریر فرمائی ہیں، موصوف سے ملتی

Marfat.com

جلتی تفصیل مفتی ظہیر احمد کانپوری، اور خاص تفصیلی بحث مفتی رحمت اللہ ندوی صاحب نے کی ہے۔

دوسرا سوال: یہ تھا کہ پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا، اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس سوال کے پہلے جزء کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اسراف کی ایک صورت یہ ہے کہ جن چیزوں میں پانی صرف کرنے کی اجازت ہے اس میں ضرورت یا مقررہ حد سے زیادہ صرف کرے، مثلاً اعضاء وضو کو تین بار سے زیادہ دھوئے، دوسری شکل یہ ہے کہ پانی بلاوجہ بہائے جس کی بہت سی شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً: بلاضرورت ٹونٹی کھولے رکھے، یا استنجا خانہ اور وضو خانہ میں بیجا اسراف کرے اس کیلئے مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل نصوص نقل کئے ہیں:

۱- "إن رسول آلله صلىٰ الله عليه وسلم مرّ بسعد وهو يتوضأ فقال: "ما هذا السرف" (الحدیث) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی صباح الدین ملک قاسمی، مولانا شیر علی صاحب، مولانا ظہیر احمد کانپوری، مولانا سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری، مفتی کامل قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی)۔

۲- قوله تعالىٰ "وكلوا واشربوا ولاتسرفوا" وقوله تعالىٰ: "ولاتطيعوا أمر المسرفين" وقوله تعالىٰ: "وإن المسرفين هم أصحاب النار" (مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی عثمان صاحب بستوی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی محمد حذیفہ داحودی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی عبداللہ کاوی والا)۔

۳- "إن النبى صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد ويغتسل

Marfat.com

بالصاع" (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا محمد حذیفہ داحودی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۴- "فمن زاد على هذا أو نقص فقد تعدى وظلم" (الحدیث) (مولانا حذیفہ داحودی، حافظ کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی)۔

۵- "لاتسرف، لاتسرف" (الحدیث) (مولانا روح الامین، مولانا حذیفہ داحودی، حافظ کلیم اللہ عمری)۔

٦- "إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء" (مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

جہاں تک اس سوال کے دوسرے جزء- یعنی اسراف کے شرعی حکم کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں مقالہ نگاروں نے تین آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ مندرجہ بالا دلائل کے پیش نظر اسراف مکروہ یا ناجائز ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی صباح الدین ملک، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

دوسری یہ ہے کہ فضول خرچی مطلقا حرام ہے، اس لئے کہ "ولاتسرفوا" میں فعل حسی پر نہی ہے، یہ رائے مولانا عطاء اللہ قاسمی صاحب کی ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ اسراف اگر مباح یا مملوکہ پانی میں کیا جائے تو مکروہ ہوگا اور اگر موقوفہ پانی میں کیا جائے تو حرام ہوگا، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا محمد کامل قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا روح الامین، مولانا شیر علی صاحب،

Marfat.com

ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، راشد حسین ندوی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ۔

ان حضرات نے اس طرح کی فقہی عبارتوں سے استدلال کیا ہے: "الإسراف ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لو بماء النهر والمملوك له، أما الموقوف على من يتطهر ومنه ماء المدارس فحرام" (الدر المختار، کتاب الطہارۃ): (ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا کامل قاسمی، مولانا حذیفہ داحودی، راشد حسین ندوی وغیرہم)۔

پھر بعض حضرات نے علامہ شامی کی بحث کے حوالہ سے راجح قول کے مطابق اس مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد لیا ہے جبکہ کچھ نے مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔

تیسرا سوال: یہ ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانے کیلئے شریعت میں کیا احکام دیئے گئے ہیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں؟

سوال کے جزء اول کا جواب دیتے ہوئے فاضل مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل احکام کا ذکر کیا ہے:

۱-سو کر اٹھے تو تین بار ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا استيقظ أحدكم من نومه فليغسل يده ثلاثا قبل أن يدخلها الإناء" (حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، مولانا شیر علی صاحب، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۲-ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے: "لا يبولن أحدكم في الماء الدائم" (الحدیث) (مولانا کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، قاضی کامل قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، مولانا شیر علی صاحب، مفتی صباح الدین ملک قاسمی، مفتی

Marfat.com

شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ)۔

۳- بہتے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا بھی منع ہے: "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الماء الجارى" (الحدیث) (مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی محمد عثمان، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۴- کھانے پینے کی اشیاء کو ڈھانپ کر رکھنا چاہئے اس لئے کہ حدیث میں ہے: "وأوكوا الأسقية وخمروا الطعام والشراب" (مولانا کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا روح الامین، مولانا شیر علی صاحب، مولانا شاہ جہاں ندوی)۔

۵- پانی کی گزرگاہوں میں بول و براز ممنوع ہے: "اتقوا الملاعن الثلاث: البراز فى الموارد" (الحدیث) (راشد حسین ندوی، مفتی محمد عثمان، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۶- حالت جنابت میں بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنا ممنوع ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لايغتسل أحدكم فى الماء الدائم وهو جنب" (مولانا حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۷- غسل خانہ میں پیشاب کرنا ممنوع ہے: "لايبولن أحدكم فى مستحمه" (الحدیث) (مولانا حذیفہ داحودی)۔

۸- پانی کو ناک تھوک وغیرہ سے آلودہ کرنا ممنوع ہے، شامی میں ہے: "وإلقاء النخامة والامتخاط فى الماء" (مولانا روح الامین صاحب، مولانا حذیفہ داحودی صاحب، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ)۔

۹- مولانا ابرار حسن ایوبی نے لکھا ہے کہ کارخانوں اور فیکٹریوں کا پانی ندیوں اور

Marfat.com

تالابوں میں لے جانا حرام ہے، دلیل وہ احادیث ہیں جن میں البراز فی الموارد کا ذکر ہے، کئی شراح نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۰-مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ نے مشکیزہ وغیرہ سے منہ لگا کر پانی پینے کو بھی اس میں شامل کیا ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: "نهى أن يشرب من في السقاء" اور حافظ ابن حجر نے اس کی ایک وجہ تلویث ماء بھی لکھی ہے۔

دوسرے جزء (یعنی یہ احکام وجوبی ہیں یا اخلاقی) کے جواب میں کچھ مقالہ نگاروں نے ان کے احکام کو مطلقا وجوبی قرار دیا ہے یا اس کی خلاف ورزی کو حرام قرار دیا ہے، ان حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا شیر علی صاحب، مفتی صباح الدین ملک، مولانا خورشید انور اعظمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ۔

جبکہ کچھ حضرات نے ان احکام میں تفصیل کی ہے اور بعض کو وجوبی جبکہ بعض کو اخلاقی اور تنزیہی قرار دیا ہے، مثلاً تھوڑے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب سے ممانعت کا حکم وجوبی ہے جبکہ ماء کثیر میں یہ عمل کیا جائے تو مکروہ تنزیہی ہوگا، ان حضرات نے کتب فقہ سے تفاصیل بھی نقل کی ہیں ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا ابرار حسن ایوبی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

چوتھا سوال: یہ تھا کہ گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ سے قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ پانی شرعا پاک مانا

Marfat.com

جائے گا، یہ حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا روح الامین صاحب، مفتی صباح الدین ملک، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ، مفتی شاہ جہاں ندوی۔

البتہ ان میں سے بعض حضرات نے صراحت کی ہے کہ پانی پاک اسی وقت ہوگا جب اس کی آلودگی حقیقت میں دور ہو جائے، رنگ، بو، مزہ میں تبدیلی ہو جائے، ورنہ صرف آلودگی مستور ہو جانے سے پانی پاک نہیں ہوگا (ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ وغیرہم)۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

۱-"إذا كان الماء المتنجس كثيرا، وزالت أوصاف النجاسة عنه لونا وطعما وريحا صار طهوراً الخ" (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ فتوی ۳۰۲۲)۔ (حافظ کلیم اللہ عمری صاحب، مفتی صباح الدین ملک صاحب)۔

۲-"فإن زال تغيره بنفسه أو بماء أو بمجاور وقع فيه ...... طهر لزوال سبب التنجس" (تحفۃ المحتاج ۱/۸۷)۔ (ڈاکٹر بہاء الدین صاحب)۔

۳- اس میں انقلاب ماہیت ہو چکا ہے لہٰذا پاک ہو جائے گا (مولانا عبداللہ کاوی والا، مولانا روح الامین صاحب، مفتی صباح الدین ملک صاحب، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

۴- "فبعد ما تغير أحد هذه الأوصاف وحكم بنجاسته لايحكم بطهارته مالم يزل ذلک التغير بأن يرد عليه ماء طاهر حتى يزول ذلک

Marfat.com

التغیر" (فتاوی تاتارخانیہ)۔(مولانا سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۵-حدیث شریف میں فرمایا گیا "إلا ماغیر لونه أو طعمه أو ریحه" تو یہ علت ختم ہو جائے تو پانی پاک ہوگا، (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۶-فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے ص ۱۷ میں اس پانی کو پاک قرار دیا گیا ہے (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا سید باقر ارشد قاسمی وغیرہ)۔

جبکہ کچھ حضرات کی رائے ہے کہ کیمیاوی عمل سے جاری اور کثیر پانی پاک ہو جائے گا، اس لئے کہ اس میں ناپاکی کا سبب تغیر ہوتا ہے، تغیر دور ہو گیا تو پانی پاک ہو جائے گا لیکن قلیل راکد پاک نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں ناپاکی کا سبب اختلاط ہوتا ہے اور کیمیاوی عمل سے اختلاط ختم نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ اس کو جاری پانی میں ڈال کر بہتا کر دیا جائے یا یہ کہ کثیر جاری پانی میں ڈالنے کے بعد کیمیاوی عمل کیا جائے، مولانا حذیفہ وستانوی صاحب نے بہت سی فقہی کتابوں اور فقہ اکیڈمی مکہ کے فیصلوں کی روشنی میں مدلل اس پر بحث کی ہے مندرجہ ذیل حضرات کی بھی رائے یہی ہے:

مولانا شیر علی صاحب، راشد حسین ندوی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-مولانا ابرار حسن ایوبی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کی عبارات پیش کی ہیں نیز اس قاعدہ فقہیہ کو اپنا مستدل بنایا ہے "الحکم إذا ثبت بعلة زال بزوالها"۔

۲-راقم راشد حسین نے لکھا ہے کہ اس عمل سے استحالہ نہیں ہوتا ہے صرف تجزیہ اور تخرجہ ہوتا ہے، لہٰذا قلیل راکد پاک نہیں ہوگا۔

۳-مولانا شیر علی صاحب نے اس عبارت سے استدلال کیا ہے: "حوض صغیر تنجس ماء ه فدخل الماء الطاهر فیه من جانب وسال ماء الحوض من جانب

Marfat.com

آخر (الی) یحکم بطھارۃ الحوض" (ہندیہ)۔

جبکہ مولانا محمد عثمان صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امام محمد کے مسلک کے مطابق یہ پانی پاک نہیں ہوگا، البتہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پاک ہو جائیگا، فتوی امام محمد کے قول پر ہے، لیکن ضرورت کے وقت امام ابو یوسف کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، ان کا مستدل مجموعہ رسائل لکھنوی ص ۵۱ کی ایک عبارت ہے۔

اور مولانا رحمت اللہ ندوی صاحب نے فقہ اکیڈمی مکہ کے فیصلے نیز مولانا نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے فتاوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پانی کے اجزاء ناپاک اجزاء پر غالب ہوں اور دوسرا متبادل نہ ہو تو پانی پاک سمجھا جائے گا ورنہ نہیں۔

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جہاں پانی کی قلت ہو وہاں کیلئے یہ پانی پاک ہوگا، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"المشقۃ تجلب التیسیر، إذا ضاق الأمر اتسع"۔

۲- علامہ شامی فرماتے ہیں: "قد اعتید فی بلادنا إلقاء زبل الدواب فی مجاری الماء (إلی) وفی ذلک حرج عظیم إذا قلنا بالنجاسۃ والحرج مدفوع بالنص" (ردالمحتار ۱/۳۳۶)۔

اکیڈمی کا پانچواں سوال یہ تھا کہ پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟

اس کا جواب بعض مقالہ نگاروں نے نہیں دیا ہے، بقیہ مقالہ نگاروں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال پر پابندی لگانا شرعاً درست ہے، اور لوگوں پر ان

Marfat.com

احکامات پر عمل کرنا شرعاً واجب ہے، البتہ کئی مقالہ نگاروں نے تصریح کی ہے کہ یہ اجازت تبھی ہوگی جب واقعی پانی کی قلت ہو، بعض مقالہ نگاروں نے کچھ اور شرائط کا ذکر کیا ہے، مثلاً مولانا حذیفہ داحودی صاحب نے دو مزید شرطیں لگائی ہیں:

۱- پانی کے استعمال کا تعلق انسان کی اپنی واقعی ضرورت سے نہ ہو۔

۲- اس کا تعلق کسی شرعی عمل سے نہ ہو۔

کئی مقالہ نگاروں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ پابندی کسی شرعی عمل سے متصادم نہ ہو (مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

جبکہ مفتی صباح الدین ملک صاحب نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ پابندی غیر مساوی سلوک پر مبنی نہ ہو۔ مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل نصوص کو اپنا مستدل بنایا ہے:

۱- "یا أیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" الآیة (راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی)۔

۲- "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (الحدیث) (مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۳- مسلم شریف میں ہے: "إنکم ستأتون غداً إن شاء اللہ عین تبوک (الی) فمن جاء منکم فلا یمس من ماءھا شیئاً حتیٰ آتی"۔

اس حدیث سے علامہ باجی نے یہ استدلال کیا ہے کہ مصلحت کے تحت امام گھاس اور پانی جیسی مشترک چیزوں کے استعمال پر پابندی لگا سکتا ہے (مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ)۔

۴- "طاعة الإمام فی غیر المعصیة واجبة" (رد المحتار، کتاب القضاء) (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

۵- مولانا خورشید انور اعظمی صاحب نے اس کا قیاس اس بات سے کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ضرورتاً بھاؤ مقرر کر دیا تھا اور فقہاء نے خاص مواقع پر تسعیر کی، نیز ہیضہ کی

Marfat.com

وباء ہو تو خربوزہ کی فروخت پر پابندی لگانے کی اجازت دی ہے۔

۶-"وان أضربا لنهر فلكل واحد من المسلمين منعه" (بدائع وکذا فی الہندیہ وغیرہا من الکتب) (راشد حسین ندوی، مولانا سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

۷-اس میں مصالحہ عامہ کی رعایت ہے (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی وغیرہ)۔

۸-"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه مالم يكن فيه ضرر فاحش للغير" (درر الحکام ۱۰/۲۲۰) (مولانا حذیفہ داحودی)۔

۹-"إذا اجتمعت البليتان فاختر أهونهما" (مولانا شیر علی صاحب گجراتی)۔

۱۰-"إذا كان فعل الإمام مبنيًا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه" (اشباہ) (مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ)۔

☆☆☆

Marfat.com

عرض مسئلہ

آبی وسائل اوران سے متعلق شرعی احکام

سوال نمبر:۶ تا ۱۰

مفتی ظہیر احمد کانپوری ☆

احقر کے پاس اس موضوع پر کل ۲۰ مقالات موصول ہوئے، میرے پاس عرض مسئلہ کے لئے سوال نمبر ۶ تا ۱۰ ہیں۔

سوال ۶ کے شق اول زیر زمین پانی کی ملکیت کے تعلق سے ۱۸ حضرات نے اپنی آراء تحریر کی ہیں: اس میں دو آراہیں:

۱- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ مالک زمین کی ملک ہے:

اس رائے کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں:

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شیر علی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عثمان بستوی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

ادلہ:

☆"کل یتصرف فی ملکه کیفما شاء أی أنه یتصرف کما یرید

☆ جامع العلوم پٹکاپور، کانپور۔

Marfat.com

باختیاره لا یجوز منعه من التصرف من قبل أی أحد" (شرح مجلۃ الاحکام۱۱/۲۱۰)۔

☆"وکان البئر أو العین أو الحوض أو النهر فی ملک رجل له أن یمنعه من یرید الشفة من الدخول فی ملکه إذا کان یجد ماء آخر بقرب من هذا الماء" (ہدایہ۴/۴۸۶)۔

☆"وله من أجزاء الأرض مرکب عینها ولامؤنة فی سائر الاجزاء فکذا فی هذا الجزء" (ہدایہ۱/۲۰۰)۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی صاحب نے مملوکہ زمین میں معدن پر بھی پانی کو قیاس کیا ہے۔

دوسری رائے: زیرزمین مملوکہ میں پانی کسی کی ملک نہیں۔

اس رائے کے قائلین درج ذیل ہیں: مفتی محمد حذیفہ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسین ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا روح الامین، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی اور احقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

ادلہ:

☆"الماء تحت الأرض لا یملک" (درمع الرد۱۰/۹ وکذا فی الرد۱۰/۷، المیاہ الجاریۃ تحت)۔

☆"المیاه الجاریة تحت الأرض لیست بملک أحد" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام۱۰/۲۶۵)۔

☆"الماء تحت الأرض غیر مملوک لاحد" (مبسوط السرخسی ۲۲/۱۵۳، الناس شرکاء فی الثلاث الماء والکلأ والنار الحدیث)۔

☆"الماء الجاری تحت الأرض لیس بملک أحد" (مجلۃ الأحکام العدلیۃ مع

Marfat.com

شرحہا ۱/۶۷۶)۔

سوال نمبر ۶ کی شق ۲ حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں کل تین آراء ہیں:

۱-اکثر مقالہ نگار حضرات بلکہ تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات کے یہاں حکومت بورنگ کرانے سے مفادعامہ کی خاطر منع کرسکتی ہے، اوراس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی۔

قائل حضرات: شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبداللہ کاوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی باقر ارشد بنگلوری، مولانا روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی اور احقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

ادلہ:

☆"لا ضرر ولا ضرار" (ابن ماجہ ۲۳۳) "يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/ ۱۴۳-۱۴۴)۔

☆"الانتفاع بالمباح انما يجوز اذا لم يضر بأحد" (درعلی الرد ۵/ ۲۸۲) "يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح لكنه بشرط ان لايضر بالعامة فان اضر فلكل واحد مسلما كان أو ذميا منعه" (مجلۃ الاحکام العدلیہ ص ۱۶۸۱ المادہ ۱۲۵۴)۔

☆"ياايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الأمرمنكم" (سورۂ نساء)۔

☆"لا يمنع أحد من التصرف فى ملكه مالم يضرفيه ضرر فاحش

Marfat.com

للغیر"(مادۃ ۱۱۹۷)۔

☆"فمن أراد أن یحفر فی حریمها منع منه لئلا یؤدی إلی تفویت حقه والاخلال به"(الہدایہ/۴۸۱)۔

☆"لا یمنع الشخص فی تصرفه فی ملکه الا اذا کان بجاره ضررا بینا"(رد المحتار ۲/۵۵۹ وکذا فی المغنی ۷/۵۲)۔

دوسری رائے: حکومت اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے نہیں روک سکتی اور نہ شرعاً اس کی تعمیل واجب ہوگی۔

اس رائے کے قائل تنہا مفتی محمد حذیفہ صاحب ہیں۔

دلیل:

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام کی یہ عبارت: "لو حفر أحد بئرا فی ملکه وأخرج ماء ها ثم حفر آخر بئرا فی ملکه فی قرب تلک البئر فجذبت ماء البئر الاولی فلیس لصاحب البئر الاولی منعه لأن ذلک الشخص لا یعتبر متعدیا لتصرفه فی ملکه کما ان المیاه تحت الأرض لیست بملک أحد"(۱۰/۲۶۵)۔

۳-تیسری رائے: مفتی محمد رحمت اللہ ندوی کی ہے کہ حکومت اگر اس کا متبادل فراہم کرے تو بورنگ کرانے سے منع کر سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

سوال ۷: اس مسئلہ میں اصلاً دو رائے ہیں:

الف-حکومت اپنے مکان کے کسی حصے کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے کا حکم دے سکتی ہے، اور اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

اس نظریہ کے حاملین کا کہنا ہے کہ اصلاً تو آب رسانی اور حفاظت آب کی ذمہ داری تو

Marfat.com

حکومت کی ہے مگر وہ مخصوص احوال میں اشخاص کو بھی قرار دے سکتی ہے، اور اشخاص بھی ثانوی درجہ میں ذمہ دار ہیں۔

قائلین: حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر بہاء الدین، مفتی محمد حذیفہ، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، اور احقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

ادلہ:

ان حضرات کے ادلہ درج ذیل ہیں:

☆"إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ حكمه شرعا إلا إذا وافقه......إطاعة الامام فى غير المعصية واجبة" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم رص ۱۸)۔

"وإن لم يكن سعة في بيت المال وامتنع الناس عن تطهيره بطيب أنفسهم فيجبر الناس على تطهيره......فلولي الأمر الناظر على منافع ومصالح العامة أن يجبرهم على ذلك" (درر الحکام ۱ر۳۴۹)۔

"وعلى السلطان كراء هذا النهر الأعظم ان احتاج إلى الكراء لأن ذلك من حاجة عامة المسلمين ومال بيت المال معد لذلك فانه مال المسلمين أعد للصرف إلى مصالحهم" (مبسوط السرخسی ۲۳ر۱۶۸)۔

"كرى النهر غير المملوك وإصلاحه على بيت المال فان لم يكن فى بيت المال سعة يجبر الناس على كريه" (مجلۃ الاحکام العدلیۃ رص ۷۰۵)۔

Marfat.com

"ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال لأن منفعتها لعامة المسلمين فكانت مؤنتها من بيت المال" (بدائع ۲۸۰/۵)۔

ب- حفاظت آب کی خاطر حکومت افراد و اشخاص کو اپنے مکان کے کسی مخصوص حصے کو خاص کرنے کا حکم نہیں دے سکتی اور نہ شرعا اس کی تعمیل واجب ہوگی۔

قائلین: مفتی عبداللہ کاوی، مفتی شیر علی، مولانا ابرار حسین، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

ادلہ: ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس طرح کا حکم دینے میں عوام کو دشواری ہوگی، مفتی شیر علی صاحب کا کہنا ہے کہ پینے کا پانی تک تو مشکل سے ملتا ہے آپ گھر میں حوض بنانے کا حکم دے رہے ہیں، مفتی تنظیم عالم قاسمی اور مولانا ابرار حسن صاحب کا کہنا ہے کہ اس طرح کا جبری حکم حکومت نہیں دے سکتی، البتہ تحریض کے طور پر کہہ سکتی ہے، اور تعاون کرنے کی درخواست کر سکتی ہے۔

سوال نمبر ۸: اس مسئلہ میں تقریبا تمام مقالہ نگار حضرت کے نزدیک ڈیم وغیرہ کی تعمیر کرنے کے لئے آبادی کو انتقال مکانی کے لئے چند شرائط کے ساتھ مجبور کیا جا سکتا ہے، حاجت شدیدہ اور مناسب معاوضہ کی شرائط کے ساتھ امام وقت اور حکومت اس طرح کا حکم دے سکتی ہے، جبکہ مفتی سید باقر ارشد بنگلوری کے نزدیک عوام کی رضامندی کے بغیر منتقل نہیں کیا جا سکتا ہے، رضامندی بھی مناسب معاوضہ کے ساتھ شرط ہے۔

ادلہ: جو حضرات انتقال مکانی کے حکم کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے درج ذیل دلائل ہیں:

"تؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها......لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة" (شامی کتاب الوقف ۴۲۱/۳)۔

Marfat.com

"إذله التصرف فی حق الکافة فیما فیه نظر للمسلمین فإذا رأی فیه ذلک مصلحة لهم کان له أن یفعله من غیر أن یلحق ضررا بأحد" (شامی ۱۰/ ۲۷۴)۔

"یتحمل الضرر الخاص لمدفع الضرر العام" (شرح القواعد ص ۱۹۷)۔

"دفع الضرر العام واجب باثبات الضرر الخاص" (القواعد الفقہیہ ص ۳۸۵)۔

"اشتری دورا وهدمها ووسع بها المسجد" (اعلاء السنن ۱۳/ ۲۰۳، ۲۰۶)۔

"إن للإمام ولایة عامة وله ان یتصرف فی مصالح المسلمین"

"الضرر الاشد یزال بالضرر الأخف" (رد المحتار ۶/ ۲۹۸)۔

اور جو حضرات بالجبر انتقال مکانی کے حکم کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی اصلاً دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

"یا ایها الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل إلا ان تکون تجارة عن تراض منکم"۔

سوال نمبر ۹: اس مسئلہ میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں:

الف- ایسی صورت میں ڈیم کو کاٹ دینا یا توڑ دینا جائز نہیں، کہ خود کو بچانے کے لئے دوسروں کو ڈبو دینا درست نہیں۔

قائلین: اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سید باقر ارشد، مفتی محمد حذیفہ، مولانا عبداللہ کاوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

ادلہ:

"لا ضرر ولا ضرار"، "لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه مایحب لنفسه"،" الضرر لا یزال بالضرر" ، "رجل سقی أرضه فتعدی الماء إلی أرض

Marfat.com

جاره......إن كانت أرضه فی صعدة وأرض جاره فی هبطة ويعلم أنه لو سقى أرضه يتعدى إلى أرض جاره يضمن"۔

"اذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر" (الہندیہ ۵/ ۸۲-۸۳-۴۸۳)۔

"على كل واحد من النهرين طاحونة......وذلک يضر بالطاحونة الأخرى لم يكن له ذلک، لأنه يريد دفع الضرر عن نفسه بالإضرار بغيره" (محیط برہانی ۱۹/ ۹۷)۔

"لأن هذا دفع الهلاک عن نفسه بإهلاک غيره لابقصد إهلاكه وهذا لايجوز" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۴)۔

ب- جس صورت میں کم سے کم نقصان ہو اس کو اختیار کیا جائے، محض اپنے کو بچانے کے لئے دوسروں کو غرق کردینا علی الاطلاق درست نہیں، یہ رائے پہلی رائے کے قریب قریب ہے۔

قائلین: حافظ کلیم اللہ، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی روح الامین، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ابرار حسین ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر بہاء الدین اور احقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

ادلہ: "إذا تعارضت مفسدتان روی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما"، "الضرر لا يزال بمثله ولا بأكثر منه بالأولى إذا يشترط بأن يزال الضرر بلا إضرار بالغير إن امكن والافباخف منه" (درر الحکام شرح المجلۃ مادہ ۲۵)۔

"اليقين مقدم على الظن والظن مقدم على الشک"۔

بہر حال ان دونوں رایوں میں محض خود کو بچانے کے لئے ڈیم کو کاٹ یا توڑ دینا قطعا درست نہیں۔

Marfat.com

ج-خود کو بچانے کے لئے بھی ڈیم کو توڑ دینا درست ہے چاہے دوسروں کو ضرر ہی لاحق کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں مقصود خود کو بچانا ہے نہ کہ دوسروں کو غرق کرنے کا قصد۔

قائلین: مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شیر علی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی۔

ادلہ:"إن الظلم لاأسوة فيه ولا يلزم أحدا أن يولج نفسه في ظلم مخافة أن يوضع الظلم على غيره، والله تعالى يقول: انما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الأرض فسادا بغير الحق، ورأيت في بعض المنقولات نحوهذا عن يحى بن عمر: أنه لا باس ان يطرحه عن نفسه مع العلم بأنه يطرحه على غيره إذا كان المطروح جورا بينا" (الموافقات ۲/۳۵۱)۔

"وذكر عبد الغني في المؤتلف والمختلف عن حماد بن أبي ايوب قال قلت لحماد بن ابى سليمان إني أتكلم فترفع عن النوبة فاذا رفعت عني وضعت على غيرى فقال: إنما عليك أن تكلم فى نفسك فإذا رفعت عنك فلا تبالى على من وضعت" (الموافقات ۲/ ۳۵۲)۔

سوال نمبر: ۱۰-اس مسئلہ میں تقریبا تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ ندی، دریا، عوامی کنواں اور سرکاری تالاب اور چشمے وغیرہ سے استفادہ اپنی تمام جائز ضرورتوں کے بقدر پورا کرنے کے لئے کھانے، پینے، کپڑے دھونے، اور اپنے جانوروں کو پلانے اور اپنے کھیتوں کو سیراب کرنے میں کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اسراف نہ کیا جائے اور دوسروں کو ضرر لاحق نہ ہو، یا نہر وغیرہ کو ضرر لاحق نہ ہو۔ البتہ مفتی شیر علی صاحب نہر نکالنے کے لئے حکومت کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں، اسی طرح مولانا محمد نعیم اختر قاسمی بھی مقدار استفادہ کو حکومت کی صوابدید پر موقوف قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

ادلہ:

"الثانی ماء الأودية العظام......للناس فيها حق الشفة على الاطلاق وحق سقى الأرض......إن كان لا يضر بالعامة......وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلك"(الہندیہ ۵/ ۳۹۰-۳۹۱)۔

"(ان لم يضر بالعامة) فإن اضر بأن يفيض الماء ويفسد حقوق الناس أو ينقطع الماء عن النهر الأعظم أو يمنع جريان السفن......فلكل واحد مسلما كان أو ذميا أو مكاتبا منعه"(شامی ۵/ ۳۱۱)۔

"لاسقى دوابه إن خيف تخريب النهر لكثرتها ولا سقى أرضه وشجره وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نهر غيره وقناته وبئره إلاباذنه" (ردالمحتار ۱۰/ ۱۳)۔

"وإن أراد رجل أن يكرى نهرا فى أرضه من هذا النهر الأعظم فان فى ذلك ضرر في النهر الأعظم لم يكن له ذلك ولم يترك يكريه وإن لم يكن فيه ضرر ترك يكريه" (کتاب الخراج ص ۱۰۵)۔

☆☆☆

Marfat.com

عرض مسئلہ

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام
سوال نمبر: ۱۱ تا ۱۶

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

ہندوستان کے تاریخی شہر رامپور کے قدیم علمی و دینی ادارہ جامع العلوم میں منعقد ہونے والے اسلامی فقہ اکیڈمی دلی کے بیسویں فقہی سمینار میں مجھ کم علم کو "آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام" کے سوال نمبر ۱۱ر تا ۱۶ کے تعلق سے عرض مسئلہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، اس موضوع پر اکیس مقالات موصول ہوئے، ماشاء اللہ بیشتر مقالات اپنی عمدگی، جامعیت اور احاطۂ موضوع کے اعتبار سے قابل قدر اور لائق ستائش ہیں، جن سے مقالہ نگار حضرات کی محنت و عرق ریزی اور مکمل احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے، مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مولانا شیر علی، مولانا صباح

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

Marfat.com

الدین ملک قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، راقم سطور خورشید انور اعظمی۔

(۱) سوال ۱۱: اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟

اس سوال کے جواب میں مفتی راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ حکومت کے نہروں کے بارے میں بنائے گئے قوانین وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے ان نہروں سے استفادہ کی اجازت ہوگی، مولانا نعیم اختر قاسمی کا بھی یہی خیال ہے انھوں نے اسے مصالح مرسلہ میں شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر بہاء الدین ندوی نے کہا: عام ندی، تالاب وغیرہ کے پانی کے استعمال کرنے کے معاملے میں سب لوگوں کا حق برابر ہے، اگر سب لوگوں کے استعمال سے بعض کو ضرر پہنچتا ہے تو یکے بعد دیگرے استعمال کرتے آنا ہے، آپ نے تحفۃ المحتاج کی عبارت: فإن أراد قوم سقي أرضهم منها فضاق الماء سقى الأعلى فالأعلى وحبس كل واحد الماء حتى يبلغ الكعبين سے استدلال کیا ہے، قاضی محمد کامل قاسمی نے فتاوی عالمگیری کی عبارت: مايجرى على نهر خاص لقرية فلغيرهم فيه شركة في الشفة وهو الشرب وسقي الدواب (۳۹۱/۵)۔ اور بدائع ۱۸۹/۶ کی اسی جیسی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے کہا: یہ نہر جس بستی یا قوم کے لئے خاص کی گئی ہے، ان کے لئے اس کے پانی کو اپنے جملہ مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے، مفتی باقر ارشد قاسمی نے بھی فتاوی عالمگیری کی مذکورہ عبارت کے پیش نظر اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا: ایسی نہر جو مختلف علاقوں اور لوگوں کے کھیتوں پر سے گزرتی ہے، اس پر ان سب لوگوں کا حق ہے جن کے کھیتوں پر سے وہ نہر گزرتی ہے، مولانا عطاء اللہ قاسمی کا خیال ہے کہ اگر نہر میں پانی زیادہ ہے تو ہر شخص کو بلا روک ٹوک استفادہ کا حق ہوگا لیکن

Marfat.com

اگر کم ہے تو روک کر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔آپ نے الاحکام السلطانیہ کی عبارت: **والضرب الثاني ان يستقل ماء هذا النهر ولايعلو للشرب إلا بحبسه فللأول من أهل النهر أن يبتدئ بحبسه ليسقي ارضه حتى تكتفي منه وترتوى ثم يحبسه من يليه حتى يكون آخرهم ارضا آخرهم حبسا"** (ص ۱۸۰)۔مولانا عامر ظفر ایوبی نے "یازبیر اسق ثم احبس الماء" والی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا: کھیت کے سامنے سے گزرنے والی نہر سے اپنی کھیت بھرپور سیراب کرسکتا ہے، البتہ اگر پانی کم ہو تو دوسروں کے لئے چھوڑ دینا مستحب ہے، نیز دیگر ضروریات کے لئے پانی لے سکتا ہے، بشرطیکہ ضرر عام لاحق نہ ہو، مولانا رحمت اللہ ندوی نے کہا: مختلف لوگوں کو اپنے کھیت اور زمین کی مساحت کے لحاظ سے استفادہ کا حق ہوگا، اور نہر کے بالائی حصہ سے شروعات ہوگی، یا عرف عام کا لحاظ کیا جائے گا، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کا خیال ہے کہ اگر نہر غیر مملوک یعنی عام ہو تو اسراف واضرار سے بچتے ہوئے اپنی تمام ضروریات کی تکمیل اس سے کرسکتا ہے، اور اگر مملوک ہو اور اس میں بہت سے لوگ شریک ہوں تو شرکاء کو بقدر اراضی پانی سے استفادہ کا حق حاصل ہوگا آپ نے المغنی کی عبارت: **وإن كان حق الشرب من نهر أو جدول واحد ثانيا لأناس كثيرين كان عليهم توزيع الماء بينهم توزيعا عادلا بنسبة مقدار مايملك كل منهم"** (۵/۵۳۳)۔اور اسی سے ملتی جلتی مبسوط (۲۳/۱۶۵) کی عبارت سے استدلال کیا ہے۔مفتی محمد حذیفہ داحودی نے نہر عام اور نہر خاص سے استفادے کی حد بتاتے ہوئے مزید کہا کہ اگر مخصوص ہے تو علاقہ والوں کیلئے انسانی ضرورت کے لئے پانی لینا بہر حال جائز ہے، اپنے حیوانات کو بھی اس شرط کے ساتھ پانی پلاسکتے ہیں کہ نہر کو نقصان نہ پہونچے، البتہ کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے نہر والوں کی اجازت شرط ہے، اور اگر نہر حکومت کی طرف سے انسانی وحیوانی ضرورت کے لئے جاری کی گئی ہو تو انسانی وحیوانی ضرورت کے لئے اس سے استفادہ بہر حال جائز ہے

Marfat.com

لیکن کھیتوں اور باغات کی سیرابی کی اجازت پانی میں گنجائش ہونے کی صورت میں ہوگی، اور اگر نہر کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے جاری کی گئی ہو تو اہل علاقہ کو انسانی وحیوانی ضرورت کے ساتھ اپنے کھیت و باغات کو بھی سیراب کرنے کا حق حاصل ہوگا، آپ نے اس سلسلے میں درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲۶۶-۲۷۹-۲۸۵-۲۸۸، ہندیہ ۳۹۱/۵، درمختار ۱۰/ ۱۳-۱۴ اور تکملہ فتح الملہم ۴۹۱/۱ سے استدلال کیا ہے۔ بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ کھیتوں کے سامنے سے گزرنے والی نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں اسراف اور دوسرے کی حق تلفی وضرر نہ ہو اور نہ نہر کو نقصان پہونچے، مولانا محمد عثمان بستوی نے کہا: ٹخنے کی حد تک پانی لینا ہر شخص کا حق ہے اس سے زائد لینے میں دوسرے کی حق تلفی ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے۔ حافظ کلیم اللہ عمری نے الأقرب فالأقرب اور مفتی تنظیم عالم قاسمی نے ارشاد نبوی: ''اسق أرضک إلی أن یبلغ الجذر'' کے تحت اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا: نہر سے قریب لوگ اس پانی کے اولین حقدار ہوں گے۔

(۲) سوال ۱۲: کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے اپنے برتن یا کسی چھوٹی بڑی چیز میں پانی کو بالقصد محفوظ کرلیا، تو وہ پانی اس کی ملکیت میں ہو جائے گا اور دوسرے کا حق اس سے منقطع ہو جائے گا۔ آپ حضرات نے فقہاء کرام مندرجہ ذیل عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

- لواحرز فی جرہ أوحب أو حوض مسجد من نحاس او صفر أوجص وانقطع جریان الماء فانه یملکه (ردالمحتار ۱۳)۔

- أما إذا احرز الماء فی حب أو جرة أو قربة فهو مملوک (مبسوط ۲۶۹/۲۳)۔

Marfat.com

– **الماء الذی فی الظروف والأوانی فهو مملوک لصاحبه ولاحق لأحد فيه**" (بدائع ۵/ ۲۷۴)۔

– **کل من احرز شیئا مباحا کان مالکا له مستقلا. فلو تناول الماء من نهر بیده أو بوعاء کالعلبة فانه یملکه باحرازه وحفظه فی ذلک الوعاء، ولیس لغیره أن ینتفع به وإذا أخذه آخر بدون إذنه واستهلکه کان ضامنا** (شرح المجلہ ۱/ ۶۸۰)۔

البتہ مولانا روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی نے مزید یہ بھی کہا کہ اگر کسی نے مملوکہ زمین میں کنواں کھودا یا ٹیوب ویل لگایا تب بھی پانی پر ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اس وجہ سے کہ اس میں آدمی کی محنت و عمل شامل ہے۔ جبکہ بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ اس صورت میں پانی پر ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ اس میں احراز نہیں پایا جارہا ہے۔ اور احراز کے بغیر مباح پر ملکیت ثابت نہیں ہوا کرتی، علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں بصراحت تحریر فرمایا ہے: **لأن الأنهار والآبار والحیاض لم توضع للاحراز والمباح لایملک إلا بالاحراز**" (البحر الرائق ۹/ ۳۹۲)۔

(۳) سوال ۱۳: جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے، ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟ واضح ہو کہ موجودہ دور میں پانی کی خرید و فروخت ایک اہم ذریعۂ معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے، اور جن احادیث میں پانی کی ممانعت وارد ہے وہ قبل از احراز کی صورت پر محمول ہیں۔ آپ حضرات نے فقہاء کرام کی مندرجہ ذیل اور اس جیسی دیگر عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

Marfat.com

– لا بأس ببيع الماء إذا كان فى الأوعية هذا ماء قد أحرز فإذا أحرزه فى وعائه فلا بأس ببيعه (کتاب الخراج:۹۵)۔

– أما إذا أحرز الماء فى حب أو جرة أو قربة فهو مملوك له حتى يجوز بيعه وليس لأحد أن يأخذ شيئاً منه إلا برضاه (المبسوط ۲۳/۱۵۸)۔

-- أما مايحوزه من الماء فى إنائه أو ياخذه من الكلاء فى حبله أو يحوزه فى رحله او ياخذه من المعادن فانه يملكه بذلک وله بيعه بلاخلاف بين أهل العلم" (المغنی ۶/۱۴۵)۔

– وله بيعه لأنه ملكه بالإحراز فصار كالصيد والحشيش" (فتاوی عالمگیری ۵/۳۹۱)۔

البتہ مولانا روح الامین نے پانی کی تجارت کو ناپسندیدہ عمل بتایا ہے، اس وجہ سے کہ احادیث میں پانی پلانے کے فضائل وارد ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام احمد نے فرمایا: لایعجبنی بیع الماء البتة (المغنی ۶/۱۴۵)۔ اسی طرح مولانا محمد عثمان بستوی نے بھی بلاضرورت پانی کی خرید وفروخت سے احتیاط کو افضل وبہتر کہا ہے۔ مفتی ظہیر احمد نے کہا: اگر پانی کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے سے کسی جگہ پانی میں قلت پیدا ہو جانے کا قوی امکان یا غالب گمان ہو یا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں یہ تجارت دشواری پیدا کرے تو پھر حکومت کو اس پر پابندی لگانے کا حق ہوگا۔

(۴) سوال ۱۴: شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں لوگ پلاٹنگ کر کے انہیں فروخت کر رہے ہیں، اور یہاں آبادیاں بسائی جارہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے، اور بحیثیت مجموعی پانی کی سطح

Marfat.com

نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو کیا تالاب میں آبادیاں بسانا درست ہے؟ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا نعیم اختر قاسمی نے کہا کہ یہ اور اس جیسے مسائل کو مصالح مرسلہ کے تحت لا کر حکومت وقت کی صوابدید پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ مفتی ظہیر احمد نے کہا: اگر تالابوں میں آبادیاں بسانا پانی کی قلت کا سبب بن جائے اور اس جگہ پانی کی ضرورت بھی ہو تو پھر ایسا کرنا شرعاً درست نہ ہوگا، اس لئے کہ تالابوں کو پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہی بنایا جاتا ہے، البتہ اگر کسی جگہ رہنے کی تنگی ہے اور پانی کی قلت نہیں ہے تو اس جگہ اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شاہجہاں ندوی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی کا خیال ہے کہ ایسی جگہ پر آبادی بسانا درست ہے، البتہ اگر حکومت مصالح عامہ کے سبب منع کردے تو ایسی جگہ پر آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا۔ آپ حضرات نے **یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام، لاضرر ولاضرار، الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف** سے استدلال کیا ہے۔ مولانا راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ اگر مملوکہ زمین ہو تو وہاں آبادیاں بسائی جا سکتی ہیں، البتہ حکومت مفاد عامہ کے پیش نظر منع کر سکتی ہے، عوام کو اس کی پابندی کرنی چاہے۔ مفتی محمد حذیفہ داحودی نے بھی درر الحکام کی عبارت **لایمنع احد من التصرف فی ملکه مالم یکن فیه ضرر فاحش للغیر** (۲۲۰/۱) کی روشنی میں یہی بات کہی ہے لیکن کتاب الخراج کی عبارت: **کل نهر له منفعة أکثر فلاینبغی للامام أن یهدمه ولایتعرض له** (۹۴) کے پیش نظر یہ بھی واضح کیا ہے کہ اگر وہاں آبادی بسانے میں لوگوں کی ضرورت متاثر ہو رہی ہو تو حکومت اس پر پابندی لگادے، اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔ مولانا محمد عثمان بستوی نے کہا: اگر وہ جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو تو اس سے بستی والوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے اس کی آبادکاری جائز نہیں ہے، **لأن الانتفاع بالمباح إنما یجوز**

Marfat.com

إذا لم یضر بأحد فان أضر بأن یفیض الماء ویفسد حقوق الناس (فلایجوز) (الدرر الحکام) اور اگر ذاتی ملکیت ہو تو اس کی بیع جائز ہے، حکومت کے منع کر دینے کے بعد وہاں آبادی بسانا جائز نہیں۔ مولانا روح الامین کی بھی تقریباً یہی رائے ہے، مولانا عبداللہ کاوی والا، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عامر ظفر ایوبی، حافظ کلیم اللہ عمری کا خیال ہے کہ تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہیں ہے۔ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔ آپ حضرات نے یتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام، الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف، اور شرح المجلہ کی عبارت: الأراضی القریبة من العمرا، تترک للاهالی مرعی وبیدرا ومحتطبا ویقال الأراضی المتروکة (۶۸۸) وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ راقم سطور کی ناقص رائے بھی یہی ہے، اس وجہ سے کہ آبادی سے قریب کی اس طرح کی جگہوں سے عوامی منفعتیں وابستہ ہوتی ہیں، اور ان کے ختم کر دینے سے ضرر عام لاحق ہوتا ہے، اس لئے انہیں باقی رکھا جائے گا، کتاب الخراج میں ہے: وإذا نضب الماء عن جزیرة فی دجلة والفرات وکان بحذاء منزل رجل وفنائه فأراد أن یصیرها فی فنائه ویزیدها فیه فلیس له ذلک ولایترک ذلک (۱۰۰) البتہ اگر حکومت دیکھتی ہے کہ تالاب پاٹنے میں کوئی ضرر نہیں ہے تو اس کی اجازت دے سکتی ہے۔

(۵) سوال ۱۵: حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیہاتوں میں بھی، اس کا نظام موجود ہے، تو کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مولانا صباح الدین ملک قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی نے

Marfat.com

کہا کہ آب رسانی کا انتظام تونہیں لیکن عوام تک پانی کی دستیابی کو یقینی بنانا اور بقول مولانا عامر ظفر اس کے ذرائع کی حفاظت کرنا حکومت کے واجبات میں سے ہے جبکہ دیگر تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ عوام تک پانی کا پہنچانا حکومت کے واجبات میں سے ہے، اور ہر شہری کو اس کے مطالبے کا حق ہے، آپ حضرات کے پیش نظر مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں:

- أن يباشر بنفسه مشارفة الأمور وتصفح الأحوال لينهض بسياسة الأمة وحراسة الملة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۷۰۱)۔

- وعلى الإمام كري هذا النهر الأعظم الذى لعامة المسلمين إن احتاج الى كرى وعليه أن يصلح مسناته إن خيف منه (کتاب الخراج ۱۰۵)۔

- كري نهر غير مملوك من بيت المال لأن ذلك لمصلحة عامة وبيت المال معد لها (البحر الرائق ۹/ ۳۹۴)۔

پانی کی سپلائی پر معاوضہ کے تعلق سے مفتی محمد حذیفہ داحودی کا خیال ہے کہ حکومت خزانے میں گنجائش ہونے کی صورت میں نہ اجرت لے سکتی ہے نہ پانی روک سکتی ہے، بصورت دیگر حسب ضرورت اس کی اجرت لی جاسکتی ہے اور اجرت کی عدم ادائیگی پر پانی روکا جاسکتا ہے۔ بقیہ حضرات نے پانی کے احراز، گھر گھر پہنچانے کے عمل، نیز "الغنم بالغرم" اور "إن التكاليف والخسارة التي تحصل من الشيء تكون على من يستفيد منه شرعا (المدخل الفقہی العام ۲/ ۱۰۳۵) کی بنا پر معاوضہ لینے کو درست قرار دیا ہے، معاوضہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں پانی کی سپلائی کے روکنے کے تعلق سے مولانا رحمت اللہ ندوی کا خیال ہے کہ حکومت کو پانی روکنے کا حق نہ ہوگا بلکہ اس کے بجائے دوسری سزا یا مناسب تنبیہ کرنی چاہئے، جبکہ دیگر تمام حضرات نے عدم معاوضہ کی صورت میں بالاتفاق کہا ہے کہ حکومت پانی کی سپلائی روک سکتی ہے، جیسا کہ ردالمحتار کی عبارت: إن للبائع حبس المبيع حتى يستوفي كل الثمن ......

Marfat.com

جاز له الحبس إن بقي منه درهم (۹۳/۷) سے استدلال کیا ہے؛ البتہ مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری اور مولانا محمد عثمان بستوی نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ غریب و نادار کا پانی نہیں روکا جائے گا، بلکہ بلا معاوضہ ان تک پانی کا پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أنا ولي من لا ولي له"۔

(٦) سوال (١٦): یہی صورت حال استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈرینج کا نظام بنایا ہے اس سے نہ صرف افراد و اشخاص کے مفادات متعلق ہیں، بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے، اس لئے کیا یہ شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہر شہری کا حق ہے، اس وجہ سے کہ مصالح عامہ کا قائم کرنا حکومت کے فرائض میں سے ہے، فتاوی معاصرہ میں ہے: فكل من يرى ولي الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعية و أبعد من الفساد فله أن يفعله بل قد يجب عليه (۵۸۳/۱)، گندے اور استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا مسئلہ بھی مصالح عامہ کی قبیل سے ہے، اس لئے اس کے انتظام کی ذمہ داری بھی بذمۂ حکومت ہوگی۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: حق المسيل هو تصريف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح إلى المصارف والمجاری العامة بواسطة مجرى سطحي أو أنبوب مستور سواء من أرض أو دار أو مصنع ...... والمسيل قد يكون مملوكا للمنتفع به أو لصاحب الأرض التي يمر فيها وقد يكون في مرفق عام ...... وتجب نفقات إصلاح المسيل على المنتفع به إذا كان في ملكه أو في ملك

Marfat.com

غيره، فإن كان في أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال (٥/٦٠٦-٦٠٧)۔

پھر اگر پانی نہ نکلنے سے گندگی اور عفونت پیدا ہونے لگے اور صحت عامہ متاثر ہونے کا خطرہ لاحق ہونے لگے تو کوحکومت کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ ہر دور میں حکومتوں نے رعایا کی مشکلات کو دور کرنے کا اہتمام کیا ہے، البتہ عوام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ حکومت کے اس طرح کے نظام میں معاون ثابت ہوں۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

☆☆☆

Marfat.com

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

Marfat.com

Marfat.com

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی مسائل

مولانا محمد حذیفہ داحودی ☆

۱- پانی اور اس کے استعمال سے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات:

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں دنیا میں جن نعمتوں سے نوازا ہے وہ بے شمار ہیں، ان میں ایک اہم ترین نعمت پانی ہے، پانی اہم ترین نعمت بھی ہے اور مفید ترین ضرورت بھی، قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اس حقیقت کو نہایت ہی واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کارگہہ عالم میں ہر ذرہ پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وجعلنا من الماء كل شئ حي، أفلا يؤمنون" (الانبیاء:۳۰)

(کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے، پس کیا وہ یقین نہیں رکھتے؟)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كل شئ خلق الله عز وجل من الماء" (مسند احمد ۲/ ۳۲۴، رقم:۸۰۹۶)

(کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے)۔

ہر ایک کی خلقت، نشو و نما اور عروج وارتقاء میں پانی کا بڑا حصہ ہے، انسانی زندگی میں ہر کام اور ہر لحظہ اس کی تلاش وجستجو ہے، ہر ایک کی زندگی کا بقا بھی پانی ہی پر منحصر ہے، کوئی بھی

☆ دار العلوم لوناواڑہ، پنچ محل، گجرات۔

Marfat.com

مخلوق خواہ حیوانات کی قبیل سے ہو یا نباتات و جمادات کی قبیل سے پانی کی ضرورت سے بے نیاز نہیں، ایک مقام پر ہے:

"واللہ خلق کل دابۃ من ماء" (النور:۴۵)۔

(کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا)۔ نباتات کا تو وجود ہی پانی پر موقوف ہے کہ اسی سے زمین سے کونپلیں نکلتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ سایہ دار درختوں اور لہلہاتے ہوئے سرسبز پودوں کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

ارشاد ہے:

"وأنزلنا من السماء ماء فأنبتنا فیھا من کل زوج کریم" (لقمان:۱۰)۔

نیز ارشاد ہے:

"وأنزلنا من المعصرات ماء ثجاجا، لنخرج بہ حبا ونباتا، وجنات ألفافا" (النباء:۱۴-۱۶)۔

(کہ ہم نے پانی بھرے بادلوں سے بکثرت پانی برسایا تا کہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ، سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں)۔

جو جمادات ہیں وہ بھی پانی سے مستغنی نہیں، چاہے زمین ہو یا پتھر سب کو پانی کی ضرورت ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ جب زمین مردہ ہو جاتی ہے تو آسمان سے بارش آب حیات بن کر زمین سے ہم آغوش ہوتی ہے اور اس طرح اس کے لئے زندگی کا ایک نیا سروسامان مہیا کرتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"واللہ أنزل من السماء ماء فأحیا بہ الأرض بعد موتھا" (النحل:۶۵)۔

ایک مقام پر ہے:

Marfat.com

"والذی نزل من السماء ماء بقدر فأنشرنا به بلدة میتا، کذلک تخرجون" (الزخرف:۱۱)۔

نیز ارشاد ہے:

"وأنزلنا من السماء ماء طھورا لنحیی به بلدة میتا ونسقیه مما خلقنا أنعاما وأناسی کثیرا" (الفرقان:۴۸-۴۹)۔

(کہ ہم نے آسمان سے پاک صاف کرنے والا پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین میں جان ڈالدیں اور ہم اپنی مخلوق میں سے بہت سے انسان وحیوان کو سیراب کریں)۔

غرضیکہ پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی قیمتی اور عظیم نعمت ہے کہ جہاں کائنات کی ہر چیز کا وجود اس پر موقوف ہے وہیں ہر چیز کو اپنی بقا کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے، پانی کی اسی اہمیت وضرورت اور افادیت ونافعیت کی بنا پر شریعت اسلامیہ نے اس کے متعلق متعدد احکام دیئے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے سے اس عظیم نعمت کی صحیح قدردانی بھی ہوتی ہے اور ناقدری کی بنا پر پیش آنے والی دشواریوں اور نقصانات سے حفاظت بھی۔ مثلاً یہ کہ اس کے استعمال میں فضول خرچی سے بچا جائے، بلاضرورت اور بے فائدہ اسکو ضائع نہ کیا جائے، گندہ اور آلودہ ہونے سے اس کی حفاظت کی جائے، اس میں پیشاب، پاخانہ نہ کیا جائے، وغیرہ وغیرہ

۲- پانی کے استعمال میں فضول خرچی کا حکم:

اسلام نے جس طرح دیگر اشیاء وامور میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے اسراف اور فضول خرچی سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے اسی طرح پانی کے حق میں بھی بے جا اور ضرورت سے زائد استعمال اور اسراف وتبذیر سے منع کیا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "کلوا واشربوا ولاتسرفوا، إنه لایحب المسرفین" (الاعراف:۳۱)۔

Marfat.com

(کہ کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔ ایک موقع پر تبذیر یعنی فضول خرچی سے روکتے ہوئے اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے، ارشاد ہے: "لاتبذر تبذیراً، إن المبذرین کانوا إخوان الشیاطین" (الاسراء:۲۶-۲۷)۔

(کہ بے موقع مت خرچ کرنا، بے شک بے موقع خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں)۔ ان آیات کی وجہ سے ہر چیز میں اسراف اور تبذیر دونوں شرعاً ممنوع وناپسندیدہ ہیں۔ محل میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے، اور بے محل خرچ کرنا تبذیر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تبذیر ناحق امور میں خرچ کرنے کا نام ہے، ابن کثیرؒ نے آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے: "قال ابن مسعود: التبذیر الإنفاق فی غیر حق" (۳/۴۷)۔

نماز جو اسلام میں افضل ترین عادت تصور کی جاتی ہے اور ایمان کا دوسرا سب سے بڑا رکن ہے، اس کی ادائیگی کے لئے طہارت اور وضو لازمی امر ہے، لیکن حصول طہارت کے وقت پانی کے استعمال میں اسراف اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور اس میں زیادہ سے زیادہ استعمال کی حد مقرر کی گئی ہے، چنانچہ روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو وضو کا طریقہ بتایا اور ہر عضو کو تین بار دھونے کو کہا، پھر آخر میں آپ نے فرمایا: "فمن زاد علی هذا أو نقص فقد أساء وظلم" (ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ۱/۲۹، رقم:۱۳۵)۔ (کہ جس نے مذکورہ تعداد میں اضافہ کیا یا کمی کی اس نے برا کیا اور ظلم کیا)۔ محدثین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بہت سی توجیہات کی ہیں، جن میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ جس نے تین مرتبہ سے زیادہ اپنے اعضاء دھوئے اس نے چونکہ بے ضرورت اور بلافائدہ پانی استعمال کرکے اسے ضائع اور تلف کیا اس لئے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، صاحب بذل المجہود اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وظلم ای علی نفسه

Marfat.com

بمخالفة النبی ﷺ أو لأنه أتعب نفسه فيما زاد على الثلاثة من غير حصول ثواب له أو لأنه أتلف الماء بلا فائدة" (بذل المجہود ۱/ ۱۸)۔

ایک روایت میں ہے:"إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء" (ابوداؤد عن عبداللہ بن المغفل: کتاب الطہارۃ، باب الاسراف فی الوضوء ۱/ ۲۳، رقم:۹۶)۔

صاحب بذل رقم طراز ہیں:"يعتدون يتجاوزون عن الحد الشرعي في الطهور بالضم ويفتح وقد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوءً كان أو غسلاً أوطهارة عن النجاسات وإن كان على شط نهر جارٍ" (۱/ ۶۱)۔

معروف روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا، اس وقت حضرت سعدؓ وضو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:"ما هذا السرف؟" (کہ یہ اسراف کیسا ہے؟) تو حضرت سعد نے پوچھا: "أفي الوضوء إسراف؟" (کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوسکتا ہے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"نعم! وإن كنت على نهر جار" (جی ہاں! وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے، چاہے تم بہتی نہر پر ہی کیوں نہ وضو کر رہے ہو) (ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرو، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء" (ص ۳۴، برقم: ۴۲۵، مسند احمد ۲/ ۲۲۱)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "لاتسرف لاتسرف" (کہ اسراف بالکل مت کرو) (ابن ماجه عن عبد الله بن عمر، كتاب الطهارة، باب ماجاء في القصد في الوضوء، ص ۳۴، رقم: ۴۲۴)۔

پانی کے استعمال میں نبی اکرم ﷺ کی احتیاط:

خود رسول اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ وضو اور غسل میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال نہیں فرماتے تھے، غسل ایک صاع پانی سے کرتے اور اس کے چوتھائی یعنی ایک مد سے وضو فرماتے تھے، لیٹر کے حساب سے ایک صاع "۴۰۱۲۷ء۳" (چار لیٹر، ایک سو ستائیس ملی

Marfat.com

لیٹر اور تیس میکرو ملی لیٹر) اور مد "۸۲۵ء۱۰۳۱۰ء۱" (ایک لیٹر، اکتیس ملی لیٹر اور آٹھ سو پچیس میکرو ملی لیٹر) ہوتا ہے، اور کلوگرام کے اعتبار سے ایک صاع "۱۴۹۲۸۰ء۳" (تین کلو، ایک سو انچاس گرام اور دو سو اسی ملی گرا) اور ایک مد "۳۲۰ء۷۸۷" (سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام) ہوتا ہے (دیکھئے: الاوزان المحمودۃ ص ۴۳)۔"عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ أنه كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع" (مجمع الزوائد: کتاب الطہارۃ، باب ما یکفی من الماء للوضوء والغسل ۱/۳۰۱ برقم: ۱۱۰۱)۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے نہر کے پاس برتن میں پانی لے کر وضو فرمایا اور پھر جو پانی بچا وہ نہر میں ڈال دیا، عن أبي الدرداء أن النبي ﷺ توضا من إناء على نهر، فلما فرغ أفرغ فضله في النهر، رواه الطبراني في الكبير وفيه أبوبكر بن مريم اختلط وترك حديثه لاختلاطه (مجمع الزوائد، کتاب الطہارۃ، باب ما یفعل بما فضل من وضوء ۱/۳۰۲، برقم: ۱۱۰۸)۔

مذکورہ بالا ارشادات وتوضیحات سے واضح ہو رہا ہے کہ پانی کے استعمال میں فضول خرچی اور ضرورت سے زیادہ اور بے جا استعمال از روئے شریعت ناپسندیدہ اور مکروہ وممنوع ہے، اور اسراف وتبذیر میں داخل ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، صاحب بذل کی صراحت گزر چکی: "قد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوء كان أو غسلا أو طهارة عن النجاسات وإن كان على شط نهر جار" (۱/۶۱)۔ ایک مقام پر ہے: "لاخلاف في كراهة الزيادة على الثلاث، قال ابن المبارك: لاآمن إذا زاد في الوضوء على الثلاث أن يأثم، وقال أحمد وإسحق: لايزيد على الثلاث إلا رجل مبتلى" (۱/۸۱)۔ در مختار میں ہے: "ومكروهة ...... الاسراف ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لو بماء النهر والمملوك له، أما الموقوف على من يتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام" (۱/۲۵۸ مطبوعہ زکریا دیوبند)۔

ظاہر ہے کہ ضرورت سے زیادہ اور بلا فائدہ پانی کے استعمال کی ہر صورت فضول خرچی

Marfat.com

کے اس حکم شرعی کے تحت داخل ہے اور اس پر فضول خرچی کا اطلاق ہوگا۔ ابن نجیم نے لکھا ہے:
"الإسراف هو الاستعمال فوق الحاجة الشرعية وإن كان شط نهر" (البحر الرائق ۱/۵۷)۔ مثلاً یہ کہ وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا جائے اور اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے تو یہ اسراف ہے اور ممنوع ہے، وقد ذكر المحقق أن الزيادة على ثلاث مكروهة وهي من الإسراف وهذا إذا كان ماء نهر أو مملوكا له فإن كان ماء موقوفا على من يتطهر أو يتوضأ الوضوء الشرعي" (البحر الرائق ۱/۵۷ مطبوعہ دیوبند)۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "ويكره للمتوضئ الإسراف في صب الماء بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية أو مايزيد عن الكفاية وهذا إذا كان الماء مباحا أو مملوكا للمتوضئ فإن كان موقوفا على الوضوء منه كالماء المعد للوضوء في المساجد فالإسراف فيه حرام ..... ومن الإسراف الزيادة على الثلاث في الغسلات وعلى المرة الواحدة في المسح عند الجمهور غير الشافعية" (۱/۲۶۱)۔

اسی طرح ایک وضو کے بعد دوسرا وضو کرنا بغیر اس کے کہ پہلے وضو سے کوئی عبادت کی جائے، یہ بھی اسراف اور مکروہ ہے، الوضوء على الوضوء مكروه وإن تبدل المجلس مالم يؤد به صلاة أو نحوها" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۲۱۲)، مراقی الفلاح میں ہے: "وهي كالوضوء في مجلس آخر على الوضوء فإن كان في مجلس واحد كره، في الطحطاوي: (قوله: وإن كان في مجلس واحد) أي ولم يؤد بالأول عبادة شرع لتطهير لها وإلا فلا يكره، (قوله: كره) اي ولو نوى القربة ويكون إسرافا والإسراف حرام ول على شط نهر، قاله السيد ومفاده أن الكراهة تحريمية" (ص/۱۴)۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے متعلق اسلامی تعلیمات وہدایات:

پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ پانی حق تعالیٰ شانہ کی قابل قدر اور بے مثال نعمت ہے،

Marfat.com

نظام کائنات میں اسے کافی مضبوط حیثیت حاصل ہے اور تمام مخلوق کی ضرورتیں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے متعلق ہیں، اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس چیز کی جتنی ضرورت اور جتنی اہمیت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی حفاظت ضروری اور اہم ہوتی ہے، اور پانی بھی چونکہ اپنی افادیت اور انسانی وحیوانی ضرورتوں کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس لئے اسلام نے جہاں پانی کو ضیاع سے بچانے کی خاطر اس کے صحیح استعمال کی اور فضول خرچی سے احتراز کی تعلیم وتاکید فرمائی ہے وہیں گندگی وآلودگی سے اس کی حفاظت اور ناقابل استعمال بننے سے اس کو بچانے کے لئے بھی متعدد احکام دیئے ہیں، اور پانی کو گندہ اور ناپاک کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، اس سلسلہ کی چند تعلیمات واحکامات مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

نبی اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس سے پانی گندہ اور ناپاک ہوجاتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "عن رسول اللہ ﷺ أنه نهى أن يبال في الماء الراكد" (مسلم: کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراکد ۱/ ۱۳۸ برقم: ۹۴) ایک روایت میں ہے: "لايبولن أحدكم في الماء الدائم ثم يغتسل منه" (ایضاً عن ابی ہریرۃ برقم: ۹۵) ایک اور روایت میں ہے: "لاتبل في الماء الدائم الذي لايجري ثم يغتسل منه" (ایضاً عن ابی ہریرۃ برقم: ۹۶)۔

فقہاء نے بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب، پاخانہ کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، ابن نجیم رقم طراز ہیں: "أما البول في الماء الراكد فقد نقل الشيخ جلال الدين الخبازي في حاشية الهداية عن أبي الليث أنه ليس بحرام إجماعا بل مكروه ونقل غيره أنه حرام ويحمل على كراهة التحريم لأن غاية ما يفيده الحديث

Marfat.com

كراهة التحريم فينبغي على هذا أن يكون البول في الماء الجاري مكروها كراهة تنزيه فرقا بينه وبين البول في الماء الراكد" (البحر الرائق ۱/۱۵۹)۔

ظاہر ہے کہ کنواں، تالاب اور جھیل جیسے ٹھہرے پانی میں حاجت کی جائے گی تو جراثیم کے کیڑے سے تمام پانی آلودہ اور خطرناک امراض سے پر ہو جائے گا، پھر کوئی ذی روح اسے پیئے گا تو متعدد قسم کی بیماریاں جنم لیں گی۔

(ب) بہتے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

اسی طرح آپ ﷺ نے بہتے پانی میں بھی پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "نهى رسول الله ﷺ أن يبال في الماء الجاري" (رواه الطبراني في الاوسط برقم: ۱۷۴۹) ورجاله ثقات (مجمع الزوائد: کتاب الطہارۃ، باب النہی عن التخلی فیہ ۱/۲۷۹ برقم: ۹۹۸)۔

فقہاء نے بھی اس کی کراہت کی تصریح کی ہے، ابن نجیم نے لکھا ہے: "اختلفوا في كراهة البول في الماء الجاري والأصح هو الكراهة" (البحر الرائق ۱/۱۵۹)۔ ہندیہ میں ہے: "البول في الماء الجاري مكروه كذا في الخلاصة ويكره البول في الماء الراكد هو المختار كذا في التاتار خانية" (ہندیہ ۱/۲۵)۔

جاری پانی میں رفع حاجت کے نقصانات نسبۃً زیادہ ہیں، اس لئے کہ یہ پانی قریہ قریہ گزرتا ہے، انسان اور جانور اس سے نفع اٹھاتے ہیں، اگر فضلے کی وجہ سے آلودہ ہو گیا تو پھر امراض پھیلتے ہی جائیں گے۔

(ج) نہر کے کنارے رفع حاجت کی ممانعت:

حضور اکرم ﷺ نے نہر کے کنارے رفع حاجت سے بھی منع فرمایا ہے، حضرت عبد

Marfat.com

اللہ بن عمر فرماتے ہیں: "نهى رسول الله ﷺ أن يتخلى الرجل تحت شجرة مثمرة ونهى أن يتخلى على ضفة نهر جار" رواه الطبراني في الأوسط (برقم:۳۹۳۲) وفي الكبير الشطر الاخير وفيه فرات بن السائب وهومتروک الحديث" (مجمع الزوائد: کتاب الطہارۃ، باب ما نہی عن التخلی فیہ، ۱/ ۲۰۷، برقم ۱۰۰۰)۔

(د) حالت جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت:

آپ ﷺ نے جنابت کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ باہر رہتے ہوئے پانی لے کر غسل کرے، ارشاد ہے: "لايغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب فقال: كيف يفعل يا أبا هريرة؟ قال: يتناوله تناولا" (مسلم عن ابی ہریرۃ: کتاب الطہارۃ، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد ۱/ ۸۳۱، برقم: ۹۷)۔

امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قال العلماء من أصحابنا وغيرهم: يكره الاغتسال في الماء الراكد قليلا كان أو كثيراً" (شرح مسلم للنووی ۱/ ۱۳۸)۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے سے بھی پانی آلودہ اور گندہ ہوسکتا ہے، اس لئے منع فرمایا گیا۔

(ھ) غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

رسول اکرم ﷺ نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، حدیث شریف میں ہے: "عن عبد الله بن المغفل قال: قال رسول الله: لايبولن أحدكم في مستحمه ثم يغتسل فيه قال أحمد ثم يتوضأ فيه فإن عامة الوسواس منه" (ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب فی البول فی المستحم ۱/ ۱۴، برقم: ۲۷)۔

فقہاء نے بھی اسے مکروہ لکھا ہے: ابن نجیم لکھتے ہیں: "ويكره ان يبول في

Marfat.com

موضع ویتوضأ أو یغتسل فیه للنهی كذا فی السراج الوهاج" (بحر ۱/۴۲۲) (وکذا فی الہندیہ ۱/۵۰)۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے میں جیسے وساوس کی وجہ سے پانی کا استعمال زیادہ ہوگا، ایسے ہی پانی بھی آلودہ اور ناپاک ہوگا، اس لئے آپ نے منع فرمایا ہے۔

(و) پانی کو آلودہ کرنے والی دیگر چیزوں کو پانی میں ڈالنے کی ممانعت:

فقہاء کرام نے بول و براز کی طرح دیگر بہت سی اشیاء جن سے پانی اگرچہ ناپاک نہیں ہوتا مگر گندہ اور آلودہ ضرور ہوسکتا ہے ایسی چیزوں کو بھی پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے جیسے تھوک، رینٹ وغیرہ، درمختار میں ہے: "ومن منهیاته (أی الوضوء) التوضأ.... فی موضع نجس، لأن لماء الوضوء حرمة ...... وإلقاء النخامة والامتخاط فی الماء" (درمع الرد ۱/۲۶۰)۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بھی پانی کو آلودہ کرنے والی ہیں، اس لئے منع کیا گیا ہے۔

(ز) نیند سے بیداری کے وقت ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت:

ناپاکی اور آلودگی سے پانی کے تحفظ کو اسلام بہت اہم اور نازک مسئلہ تصور کرتا ہے، چنانچہ جہاں بھی انسانوں کی تھوڑی سی بے احتیاطی اور بدتدبیری سے پانی کے ذرہ برابر فساد اور بگاڑ کا اندیشہ ہے وہاں اسلام نے انتہائی احتیاط اور حسن تدبیر کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ سو کر اٹھنے والوں کو آپ ﷺ نے بغیر ہاتھ دھوئے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده فی الإناء حتی يغسلها ثلاثا فإنه لايدری أين باتت يده" (مسلم عن ابی ہریرہؓ: کتاب الطہارۃ، باب کراہیۃ غمس المتوضی وغیرہ...... ۱/۲۳۱ برقم: ۸۷)۔

Marfat.com

فقہاء نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے، علامہ شامی بحر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وفی البحر قالوا: يكره إدخال اليد فی الإناء قبل الغسل للحديث وهی كراهة تنزيه، لأن النهی فيه مصروف عن التحريم بقوله "فإنه لايدری أين باتت يده" (ردمحتار ۲۳۱/۱)، فتح الملہم میں حدیث مذکور کے ذیل میں لکھا ہے: "النهی محمول على التنزيه بدليل العلة" (۴۳۹/۱)۔

(ح) پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ممانعت:

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے بھی منع کیا ہے، حدیث میں ہے: "نهی رسول الله ﷺ أن يتنفس فی الإناء أو ينفخ فيه" (ابوداؤد عن ابن عباس: کتاب الاشربۃ، باب فی النفخ فی الشراب ۱۶۷/۲، رقم: ۳۷۲۷)۔

محدثین ممانعت کی وجہ بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ پانی یا کسی بھی قسم کا مشروب پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے ممکن ہے کہ کوئی گندگی پانی میں گر جائے اور پانی آلودہ ہو کر متغیر ہو جائے، جس سے طبیعت سلیمہ تنفر محسوس کرے، بذل المجہود میں ہے: "قال الخطابی قد يحتمل أن يكون النهی عن ذلك من أجل مايخاف أن يبرز من ريقه ورطوبة فمه فيقع فی الماء وقديكون النكهة من بعض من يشرب متغيرة فتعلق الرائحة بالماء برقته ولطفه" (۳۴۶/۴)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بیداری کے وقت ہاتھ دھونے کے حکم اور نفخ فی الشراب کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قوله ﷺ: فإنه لا يدری أين باتت يده، أقول: معناه أن بعد العهد بالتطهر والغفلة عنهما مليا مظنة لوصول النجاسة والأوساخ إليهما مما يكون إدخال الماء معه تنجيسا له أو تكديرا أو شناعة وهو علة النهی عن النفخ فی الشراب (حجۃ اللہ البالغۃ مع رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱۷۷/۳، وکذا فی ۴۹۸/۵)۔

Marfat.com

(ط) پانی کے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم

جب انسان سونا چاہتا ہے اس وقت کے لئے آپ ﷺ نے جہاں اور بہت سے احکام دیئے ہیں وہیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ سونے سے پہلے برتن ڈھانک دیئے جائیں، روایت میں ہے: عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه قال: غطوا الإناء وأوكوا السقاء وأغلقوا الباب وأطفئوا السراج فإن الشيطان لايحل سقاء ولايفتح بابا ولايكشف إناء فإن لم يجد أحدكم إلا أن يعرض على إنائه عودا أو يذكر اسم الله فليفعل فإن الفويسقة تضرم على أهل البيت بيتهم" (مسلم: کتاب الاشربۃ، باب تخمیر الاناء وهو تغطیۃ...... ۲/۱۷۰، برقم)۔

ظاہر ہے کہ پانی کے برتن کو ڈھانکنے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ پانی گندگی اور آلودگی سے محفوظ رہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہ گر جائے جو اسے نا قابل استعمال بنا دے، پانی کو آلودگی سے بچانے کی یہ احتیاط جو حضور ﷺ نے برتی ہے قابل غور بھی ہے اور قابل عبرت بھی۔ امام نوویؒ آپ ﷺ کی ان تعلیمات کے فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "الفائدة الثالثة صيانته من النجاسات والمستقذرات" (شرح مسلم للنووی ۲/۱۷۰)۔

یہ ہے اسلامی تعلیمات واحکام کے چند نمونے جو پانی کو آلودگی اور گندگی سے بچانے سے تعلق رکھتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تعلیمات کے موقع پر صیغۂ امر ونہی کا استعمال، فقہاء کرام کا انہیں مکروہ قرار دینا، بلکہ بعض کے لئے کراہت تحریمی کی صراحت یہ سب امور اس بات کی واضح علامت ودلالت ہے کہ یہ تعلیمات صرف اخلاقی ہی نہیں ہیں، بلکہ ان پر عمل کرنا از روئے شریعت ضروری ہے اور بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

۴- گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ سے پاک اور قابل استعمال بنانا:

اس مسئلہ کے حل کے لئے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں ہر دو چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم

Marfat.com

جداگانہ ہے، ایک: استحالہ، دوسری: تجزیہ وازالہ۔

استحالہ کا حکم:

استحالہ کا مطلب ہے کسی شئ کی ماہیت وحقیقت کا بدل جانا، جس کو انقلاب حقیقت یا انقلاب عین بھی کہا جاتا ہے، استحالہ مطہرات یعنی ان ذرائع میں سے ہے جن سے ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے، شئ کی حقیقت وماہیت جب بدل جاتی ہے تو احکام بھی بدل جاتے ہیں، لہٰذا استحالہ کی وجہ سے ناپاک چیز پاک ہو جائے گی، چاہے وہ ناپاک چیز نجس العین ہو یعنی بذات خود ناپاک ہو یا غیر نجس العین ہو یعنی متنجس ہو، کسی ناپاکی کے اختلاط کی وجہ سے وہ ناپاک ہوئی ہو، دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔ جیسے کہ پاخانہ کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی، شراب سرکہ بن جائے تو اسکی حرمت ونجاست ختم ہو جائے گی، گدھا یا خنزیر وغیرہ نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو وہ پاک ہوگا، شراب پانی میں گر جائے، پھر وہ سب سرکہ بن جائے تو وہ پاک کہلائے گا۔

علامہ شرنبلالیؒ مراقی الفلاح میں رقمطراز ہیں:

"الاستحالة تطهر الاعيان النجسة كالميتة إذا صارت ملحا والعذرة ترابا أو رمادا" (ص/۸۶)۔

شامی میں ہے: "لو صب ماء في خمر أو بالعكس ثم صار خلا طهر في الصحيح" (۱/۵۱۸، وکذا فی الہندیہ ۱/۵۴)۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت" (بدائع ۱/۲۴۳، دیوبند)۔

Marfat.com

ابن نجیم کا بیان ہے:

"التطهير يكون بأربعة أمور ...... والسابع انقلاب العين فان كان في الخمر فلاخلاف في الطهارة وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحا يؤكل والسرقين والعذرة تحترق فتصير رمادا تطهر عند محمد خلافا لأبي يوسف وضم إلى محمد أبا حنيفة في المحيط وكثير من المشائخ اختاروا قول محمد وفي الخلاصة وعليه الفتوى وفي فتح القدير انه المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل فإن الملح غير العظم واللحم إذا صار ملحاً ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر والعصير طاهر فيصير خمرا فينجس ويصير خلا فيطهر فعرفنا أن استحالة العين تستبع زوال الوصف المرتب عليها" (البحر الرائق ار ۳۹۴، وکذا فی الکبیری، ص ۱۶۵)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں میں ہے:

"شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت و نجاست اس شئ کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل، کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبی یا ماحولیاتی اثر کے تحت اس شئ کی اصل حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوگئی تو اس شئ کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔ تبدیلی ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شئ کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شئ کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر مؤثر اوصاف جو اس شئ کی حقیقت میں داخل نہیں، کا اس شئ میں باقی رہ جانا تبدیلی ماہیت میں مانع نہیں، اور اگر حلال و پاک اشیاء میں حرام و ناپاک شئ کا صرف اختلاط ہو، اصل

Marfat.com

حقیقت تبدیل نہ ہو تو وہ حرام اور ناپاک ہی باقی رہے گی‘‘ (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے)۔

تجزیہ وازالہ کا حکم

تجزیہ کا مطلب ہے کسی شئ کے بعض اجزاء کو دوسرے بعض اجزاء سے علیحدہ کر دینا، جس کو تحلیل یا ازالہ (نجاست کو ہٹادینا، ختم کر دینا) بھی کہا جاتا ہے، اس میں شئ کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی، علی حالہ باقی رہتی ہے، بلکہ صرف بعض اجزاء جو نجس ہوتے ہیں وہ علیحدہ اور زائل ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے نجاست کے اثرات اور بدبو باقی نہیں رہتی، پھر جن نجس چیزوں میں یہ عمل کیا جائے وہ دو قسم کی ہو سکتی ہیں، (۱) نجس العین (۲) غیر نجس العین (متنجس)، دونوں کا حکم جداگانہ ہے۔

نجس العین اشیاء میں تجزیہ وازالہ کا حکم

تجزیہ وازالہ ایسی چیز میں کیا جائے جو نجس العین ہے تو اس صورت میں اس عمل کی وجہ سے شئ کا حکم نہ بدلے گا، وہ چیز پاک نہ ہوگی، علی حالہ ناپاک رہے گی، کیوں کہ اس صورت میں نہ تو حقیقت و ماہیت بدلی ہے اور نہ ہی تمام ناپاک اجزاء زائل اور ختم ہوئے ہیں، بعض اجزاء علیحدہ کر دینے کے بعد جو اجزاء باقی ہیں وہ بھی نجاست ہی کے اجزاء ہیں، صرف بدبو ختم ہوئی ہے، اس لئے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی، ناپاک چیز ناپاک ہی باقی رہے گی۔

اس کی واضح مثال خنزیر کا چمڑا ہے کہ اگر دباغت کے ذریعہ اس سے ساری رطوبات زائل اور علیحدہ کر دی گئیں تب بھی وہ چمڑا پاک نہ ہوگا، ناپاک ہی باقی رہے گا، کیوں کہ وہ نجس العین ہے، جس کی وجہ سے اس کے تمام اجزاء ناپاک ہیں، اس لئے بعض اجزاء نجس زائل ہونے کے بعد جو اجزاء یعنی رطوبات کے بغیر باقی رہے وہ بھی نجاست ہی ہیں، لہٰذا وہ چمڑا پاک نہ کہلائے گا؟ جبکہ یہی چمڑا بلکہ پورا خنزیر اگر نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو پھر وہ پاک کہلائے گا۔

Marfat.com

"الحمار أو الخنزير إذا وقع في المملحة فصار ملحا أو بئر البالوعة إذا صار طينا يطهر عندهما خلافا لأبي يوسف" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۵۴)، کیوں کہ اس صورت میں حقیقت ہی بدل گئی ہے۔

خنزیر کے چمڑے کی دباغت سے متعلق علامہ کاسانی لکھتے ہیں: "والصحيح أن جلد الخنزير لايطهر بالدباغ لأن نجاسته ليست لما فيه من الدم والرطوبة بل هو نجس العين فكان وجود الدباغ في حقه والعدم بمنزلة واحدة" (۱/ ۲۵۱)۔

درمختار میں ہے: "كل إهاب ...... دبغ وهويحتملها طهر ...... خلا جلد خنزير فلا يطهر"۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: (قوله: فلا يطهر) أى لأنه نجس العين بمعنى أن ذاته بجميع أجزائه نجاسة حيا وميتا، فليست نجاسته لما فيه من الدم كنجاسة غيره من الحيوانات فلذا لم يقبل الطهارة في ظاهر الرواية عن أصحابنا" (درمع الرد ۱/ ۳۵۵-۳۵۷)۔

اس کی دوسری مثال پیشاب ہے کہ اگر اس کو فلٹر کر دیا جائے جس کی وجہ سے اس کی بدبو ختم ہو جائے تو وہ پاک نہ ہوگا، ناپاک ہی رہے گا؛ کیوں کہ فلٹر کرنے کی وجہ سے بعض اجزاء زائل ہونے کے بعد جو اجزاء باقی ہیں وہ بھی پیشاب ہی کے اجزاء ہیں، پیشاب نجس العین یعنی بجمیع اجزاءہ نجس ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کشید کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں اور پیشاب بجمیع اجزاء نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی، اس کو قلب ماہیت نہیں

Marfat.com

کہہ سکتے، بلکہ یہ تجزیہ وتخرجہ ہوا نہ کہ قلب ماہیت، قلب ماہیت تو یہ ہے کہ سابق حقیقت معدوم ہوکر نئی حقیقت ونئی ماہیت بن جائے، نہ پہلی حقیقت وماہیت باقی رہے، نہ اس کا نام باقی رہے، نہ اس کی صورت وکیفیت باقی رہے، نہ اس کے خواص وآثار وامتیازات باقی رہیں، بلکہ سب چیزیں نئی ہوجائیں، نام بھی دوسرا، صورت بھی دوسری، آثار وخواص بھی دوسرے، اثرات وعلامات اور امتیازات بھی دوسرے پیدا ہوجائیں، جیسے: شراب سے سرکہ بنالیا جائے" (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۲۶)۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"پیشاب شوریت وغیر شوریت بجمیع اجزاء نجس لعینہ اور غیر مباح الاکل والشرب ہوتا ہے، اس لئے شوریت نکال دینے کے بعد بھی بقیہ اجزاء ناپاک ونجس ہی باقی رہیں گے اور ان کا استعمال ناجائز ہی رہے گا، ہاں! اگر پیشاب نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے اور غیر متمیز ہوجائے تو "الخلط استھلاک" کے مطابق اس پر پیشاب کا حکم باقی نہ رہے گا۔ (۱/۲۵)۔

حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"پیشاب فلٹر کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا، بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لئے جاتے ہیں، اس لئے وہ ناپاک ہی رہیں گے، ان کا پینا یا وضو وغسل وغیرہ کے لئے ان کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصے کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا" (جدید فقہی مسائل ۱/۱۰۸-۱۰۹)۔

غیر نجس العین (متنجس) اشیاء میں تجزیہ وازالہ کا حکم:

اور اگر تجزیہ وازالہ ایسی چیز میں کیا جائے جو نجس العین نہیں ہے، بلکہ متنجس ہے، یعنی اس کی ذات اور تمام اجزاء تو نجس نہیں ہے، اصل شئ پاک ہے مگر کسی ناپاکی کے اختلاط وامتزاج کی وجہ سے وہ ناپاک ہوئی ہے تو اس صورت میں جس بنیاد پر وہ چیز ناپاک کہلائی تھی اس بنیاد کو مکمل طور پر ختم کردینے سے وہ ناپاک چیز پاک ہوجائے گی، وجہ ظاہر ہے کہ اس شئ کی ذات

Marfat.com

تو پاک تھی، ناپاک نہ تھی، اس کے تمام اجزاء ناپاک ہوں ایسا نہیں تھا، البتہ بعض اجزاء نجاست لگنے کیوجہ سے وہ چیز ناپاک کہلائی تھی، لہٰذا اگر ان ناپاک اجزاء کو علیحدہ اور زائل کردیا جائے تو ناپاک ہونے کی بنیاد ختم ہوجائے گی، اور جو اجزاء باقی رہیں وہ نجاست کے نہیں ہیں، پس وہ چیز پاک کہلائے گی۔

اس کی بے شمار مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں، چند یہ ہیں:

(الف) خنزیر کے علاوہ مردار جانور کا چمڑا ناپاک ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ خون اور ناپاک رطوبت لگی ہوتی ہے، پس اگر دباغت کے ذریعہ خون اور رطوبت کو زائل اور ختم کردیا جائے جس کی وجہ سے وہ ناپاک تھا تو چمڑا پاک ہوجائے گا، کیوں کہ جس بنیاد پر وہ ناپاک تھا اس کو ختم کردیا گیا۔

علامہ کاسانی رقمطراز ہیں:

"نجاسة الميتات ليست لأعيانها بل لما فيها من الدماء السائلة والرطوبات النجسة" (۱/۲۰۰)۔

ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"لأن نجاسة الميتات لما فيها من الرطوبات والدماء السائلة وإنها تزول بالدباغ فتطهر كالثوب النجس إذا غسل" (بدائع ۱/۲۱۱)۔

وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"لأن الدبغ يزيل سبب نجاسة الميتات وهو الرطوبات والدماء السائلة فصار الدبغ كالثوب النجس إذا غسل" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۱۰۱)۔

(ب): جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کردیا جائے تو چمڑا پاک ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ خون اور رطوبت جو نجس اجزاء ہیں وہ ذبح شرعی کی وجہ سے زائل ہوجاتے ہیں، اس

Marfat.com

طرح ناپاک ہونے کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے تو چمڑا پاک کہلاتا ہے۔

بدائع میں ہے:

"الذكاة تشارك الدباغ في إزالة الدماء السائلة والرطوبات النجسة فتشاركه في إفادة الطهارة" (۱/۲۴۵) (وكذا في الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/ ۱۰۴)۔

(ج): بکری کا سر خون آلود تھا، اسے آگ میں ڈال دیا گیا، جس سے خون جل کر اس کا اثر ختم ہو گیا تو وہ سر پاک ہو جائے گا کیوں کہ جس خون کی بنیاد پر وہ نجس تھا وہ خون ختم ہو گیا۔

کبیری میں ہے:

"إذا تلطخ السكين ونحوه بالدم أو تلطخ رأس الشاة مثلاً به ثم أدخل ذلك المتلطخ النار فاحترق الدم وزال أثره طهر الرأس والسكين ونحوهما بالنار لحصول المقصود" (کبیری ص ۱۵۵، وکذا فی الہندیہ ۱/ ۴۴)۔

خلاصہ تمہید:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ استحالہ کی وجہ سے ہر قسم کی ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے، چاہے وہ نجس العین ہو جیسے: خنزیر، پاخانہ، شراب وغیرہ، یا غیر نجس العین ہو، جیسے وہ پانی جس میں کچھ شراب گرا، پھر وہ سب سرکہ بن گیا، یا گدھا نمک کی کان میں گر کر نمک بن گیا تو پاک ہوگا۔

جبکہ تجزیہ وازالہ کی وجہ سے نجس العین اشیاء پاک نہ ہوگی، جیسے خنزیر کا چمڑا دباغت کی وجہ سے اور پیشاب فلٹر کرنے کی وجہ سے پاک نہ ہوں گے، البتہ غیر نجس العین اشیاء تجزیہ وازالہ کی وجہ سے پاک ہو جائے گی بشرطیکہ ناپاک ہونے کی بنیاد مکمل طور پر ختم ہو جائے۔

کیمیاوی عمل سے ناپاک پانی کو پاک کرنے کے متعلق تفصیلی حکم:

اس تفصیل وتمہید کی روشنی میں اب غور طلب بات یہ ہے کہ ناپاک پانی کو کیمیاوی عمل

Marfat.com

سے قابل استعمال اور صاف بنایا جائے تو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت میں اس کا شمار ہوگا؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ ادنی تأمل سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اس کیمیاوی عمل کو استحالہ نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اس سے پانی کی حقیقت و ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، البتہ اسے تجزیہ وازالہ کہا جاسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ناپاک پانی غیر نجس العین اشیاء میں سے ہے، غیر نجس العین اشیاء میں تجزیہ وازالہ کا حکم تمہید میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ اگر ناپاک ہونے کی بنیاد کو مکمل طور پر زائل اور ختم کردیا جائے تو غیر نجس العین اشیاء تجزیہ وازالہ کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا محتاج تحقیق بات یہ رہی کہ پانی کے ناپاک ہونے کی بنیاد کیا ہے؟ اور یہ کہ کیمیاوی عمل سے وہ بنیاد زائل اور ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پانی پاک ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ جاری وکثیر پانی اور قلیل راکد پانی دونوں کے نجس ہونے کی بنیاد میں فرق ہونے کی وجہ سے دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

جاری وکثیر ناپاک پانی کو کیمیاوی عمل سے پاک کرنے کا حکم:

یہ بات تو کتب فقہ میں مصرح ہے کہ جاری پانی کے ناپاک ہونے کی بنیاد اور وجہ نجاست کا صرف وقوع اور اس کا اختلاط وامتزاج نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ پانی میں نجاست گرنے سے تغیر آجائے، نجاست کا اثر وصف یعنی رنگ، بو، مزہ ظاہر ہو جائے۔ "الفتوی فی الماء الجاری أنه لاینتجس مالم یتغیر طعمه أو لونه أو ریحه من النجاسة کذا فی المضمرات" (ہندیہ ۱؍۱۷)۔ اور ٹھہرے ہوئے کثیر پانی کا بھی یہی حال ہے: "الماء الراکد إذا کان کثیرا فهو بمنزلة الجاری لاینتجس جمیعه بوقوع النجاسة فی طرف منه إلا أن یتغیر لونه أو طعمه أو ریحه وعلی هذا اتفق العلماء وبه أخذ

Marfat.com

عامة المشائخ رحمهم الله" (المحیط البرہانی ار۲۴۱، والہندیہ ار۱۸)۔

پس اگر کیمیاوی عمل سے جاری و کثیر ناپاک پانی کے ناپاک ہونے کی بنیاد زائل اور ختم ہو جائے یعنی اس کا تغیر زائل ہو جائے، نجاست کے اجزاء اس طرح نکل جائیں کہ اس کا کوئی اثر و وصف پانی میں باقی نہ رہے، بدبو دور ہو جائے تو ظاہر ہے کہ وہ ناپاک پانی پاک ہو جائے گا، کیوں کہ جس بنیاد پر وہ ناپاک ہوا تھا وہ بنیاد ختم ہوگئی، اور پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ غیر نجس العین اشیاء تجزیہ و ازالہ کی وجہ سے ناپاک ہونے کی بنیاد ختم ہو جانے پر پاک ہو جاتی ہیں، بلکہ اس قسم کے پانی کے متعلق تو فقہاء نے صراحت بھی کی ہے کہ تغیر اوصاف کی بنا پر ناپاک ہونے والا جاری پانی اس وقت پاک ہو جاتا ہے جبکہ اس پانی پر دوسرا پاک پانی بہا کر اس کے تغیر کو زائل کر دیا جائے، محیط برہانی کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ تمام باتیں اچھی طرح واضح ہو رہی ہیں، لکھا ہے: "یجوز التوضأ بالماء الجاری ولایحکم بتنجسه بوقوع النجاسة فیه مالم یتغیر طعمه أو لونه أوریحه وبعد ما تغیر أحد هذه الأوصاف وحکم بنجاسته لانحکم بطهارته مالم یزل ذلک التغیر بأن یرد علیه ماء طاهر حتی یزول ذلک التغیر وهذا لأن إزالة عین النجاسة عن الماء غیر ممکن فیقام زوال ذلک التغیر الذی حکم بالنجاسة لأجله مقام زوال عین النجاسة" (محیط برہانی ار۲۳۸)۔

ہندیہ میں ہے: "الماء الجاری بعد ما تغیر أحد أوصافه وحکم بنجاسته لایحکم بطهارته مالم یزل ذلک التغیر بأن یرد علیه ماء طاهر حتی یزیل ذلک التغیر" (ہندیہ ار۱۸)۔

حاصل یہ ہے کہ جاری و کثیر پانی جو گندہ اور ناپاک ہو گیا ہو اگر کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کے تغیر اور اوصاف نجاست کو زائل کر دیا جائے تو وہ پانی پاک اور قابل استعمال بن جائے گا، اس سے وضو و غسل کرنا، طہارت حاصل کرنا جائز اور درست ہوگا - تاہم چونکہ اس طرح تغیر زائل

Marfat.com

ہوجانے اور اوصاف نجاست رنگ، بو اور مزہ ختم ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجاست کے تمام ہی اجزاء مکمل طور پر ختم ہوجاتے ہوں ناپاکی اور گندگی کا کوئی جز اس میں باقی نہ رہتا ہو، سارے ہی نقصان دہ جراثیم دور ہوجاتے ہوں، اس لئے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ مجبوری کے بغیر اس پانی کو کھانے، پینے کے استعمال میں نہ لایا جائے۔

مکہ فقہ اکیڈمی کے گیارہویں سمینار کے فیصلوں میں ہے:

"کیمیاوی طریقہ پر پانی کی صفائی...... میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ترسیب ہے، یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹر یاز کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹر یاز دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا، ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے،...... لہٰذا المجمع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے رنگ، بو اور مزہ میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجائے گا اور اس پانی سے رفع حدث اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہوجائے گا کہ زیادہ پانی جس میں نجاست گر گئی ہو اگر نجاست کا ازالہ اس طرح ہوجائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجاتا ہے" (مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص ۲۶۲)۔

بعض دیگر فقہاء کے یہاں بھی تغیر کی بنیاد پر ناپاک ہونے والے پانی کے پاک ہونے کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ اس ناپاک متغیر پانی کا تغیر زائل ہوجائے - علامہ شیرازی رقمطراز ہیں: "إذا أريد تطهير الماء النجس نظر فإن كانت نجاسته بالتغير وهو أكثر من قلتين طهر بأن يزول التغير بنفسه أو بأن يضاف إليه ماء آخر أو بأن يؤخذ بعضه، لأن النجاسة بالتغير وقد زال" (المہذب مع المجموع ۱/ ۱۸۳)۔

Marfat.com

قلیل راکد ناپاک پانی کو کیمیاوی عمل سے پاک کرنے کا حکم:

لیکن اگر ناپاک پانی جاری وکثیر نہ ہو بلکہ قلیل راکد ہو تو اس کے ناپاک ہونے کی بنیاد تغیر اور اوصاف نجاست کا ظہور نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پانی میں نجاست کا صرف وقوع اور پانی سے اس کا صرف اختلاط وامتزاج ہے، چاہے تغیر ہو یا تغیر نہ ہو، جیسا کہ کتب فقہ میں بصراحت مذکور ہے۔ "وإذا کان قلیلا فھو بمنزلة الحباب والأواني یتنجس بوقوع النجاسة فیه وإن لم یتغیر أحد أوصافه" (محیط برہانی ۱/۲۴۱)۔

"قلیل النجاسة ینجس قلیل الماء وإن لم یظھر أثرہ فیه" (مراقی الفلاح ص ۲۱)۔ لہٰذا ایسا ناپاک پانی اس وقت پاک ہوگا جبکہ اس کے ناپاک ہونے کی مذکورہ بالا بنیاد مکمل طور پر ختم ہو جائے، صرف تغیر کو زائل کر دینا کافی نہ ہوگا۔ احقر کا خیال ہے کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ تغیر کو تو پورے طور پر زائل کیا جا سکتا ہے، مگر نجاست کا اختلاط وامتزاج مکمل طور پر زائل ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا، پانی کی رقت ولطافت کی وجہ سے نجاست اس میں اس طرح سرایت اور حلول کئے ہوئے ہوتی ہے کہ نجاست کے تمام ہی اجزاء کا پانی سے ازالہ بظاہر مشکل بلکہ ناممکن ہے، کوئی نہ کوئی جز تو ضرور اس میں باقی رہ جائے گا، محیط برہانی کی تصریح اس سلسلہ میں نہایت واضح ہے، "لأن إزالة عین النجاسة عن الماء غیر ممکن" (۱/۲۳۸)۔ لہٰذا جس طرح معمولی نجاست کے وقوع سے قلیل راکد پانی پاک نہیں رہتا، ناپاک کہلاتا ہے، اسی طرح معمولی نجاست باقی رہنے سے بھی قلیل راکد پانی ناپاک رہے گا، پاک نہیں کہلائے گا؛ کیوں کہ ناپاک ہونے کی بنیاد ختم اور زائل نہیں ہوئی ہے۔

اس بات کی بہت سی نظیریں کتب فقہ میں ملتی ہیں کہ ناپاکی کا جز باقی رہنے سے چیز ناپاک ہی باقی رہی، پاک نہ ہوئی، مثلاً: فقہاء نے لکھا ہے کہ شراب میں چوہا گر کر پھٹ گیا، اسے نکال دیا گیا، پھر شراب سرکہ بن گیا تو وہ سرکہ پاک نہ ہوگا، وجہ ظاہر ہے کہ چوہے کے پھٹنے کی وجہ

Marfat.com

سے نجاست کے اجزاء پھیل کر شراب میں سرایت کر گئے، پھر شراب کے سرکہ بن جانے کے باوجود وہ اجزاء اس میں باقی رہے، چاہے ہمیں محسوس نہ ہو، اس لئے وہ پاک نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے:"فارة وقعت فی الخمر ثم استخرجت قبل التفتت ثم صارت خلا لابأس بأكله وإن تفسخت فی الخمر ثم استخرجت ثم صار الخمر خلا لایحل أكله" (ہندیہ ۵/۴۵)۔ پس جب شراب جس میں اجزاء نجاست سرایت کر گئے وہ استحالہ (جو تطہیر میں نسبۃً قوی ہے اس) کے باوجود پاک نہ ہوا تو پانی جو شراب سے زیادہ رقیق اور لطیف ہے اس میں اجزاء نجاست سرایت کرنے سے تجزیہ وازالہ (جو تطہیر میں نسبۃً ضعیف ہے اس) کی وجہ سے کیوں کر پاک ہوگا؟ علامہ حصکفی کی صراحت کے ذیل میں علامہ شامی کی تعلیل وتوضیح سے یہ بات اچھی طرح منقح ہو جاتی ہے، حصکفی لکھتے ہیں:"فارة وجدت فی خمر فرمیت فتخلل، إن متفسخة تنجس وإلا لا"۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:"(قوله: إن متفسخة تنجس) لأنه ينفصل منها أجزاء بسبب الانتفاخ، وانقلاب الخمر خلا لایوجب انقلاب الأجزاء النجسة طاهرة، (قوله: وإلا لا) ای لایتنجس الخل لعدم بقاء شئ بعد التخلل والفارة وإن كانت نجسة قبل التخلل مثل الخمر لكن النجس لایؤثر فی مثله، فاذا ألقيت ثم تخلل الخمر طهر بانقلاب العين بخلاف ما إذا وقعت فی بئر فانها تنجسه لملاقاتها الماء الطاهر فتؤثر فيه ويجب النزح وإن لم تتفسخ ولا يرد ما إذا تفسخت فی الخمر لما علمت من ان ذلک الأثر بعد التخلل لاينقلب خلا فيؤثر فی طهارة الخل، فافهم" (الدرمع الرد ۱/۵۲۲)۔

نیز لکھا ہے کہ جس شراب میں پیشاب یا کتے کا لعاب ہو وہ سرکہ بن جانے کے باوجود پاک نہ ہوگا، وجہ وہی ہے جو گزری "وكذا الكلب إذا ولغ فی غصير ثم تخمر ثم تخلل لايحل أكله، لأن لعاب الكلب قائم فيه وانه لايصير خلا كذا فی قاضی

Marfat.com

خان و كذا إذا وقع البول في الخمر ثم تخلل هكذا في الخلاصة" (ہندیہ ۱/۴۵)۔

غرضیکہ قلیل راکد ناپاک پانی کیمیاوی عمل سے پاک نہیں ہوگا، کیوں کہ ناپاک ہونے کی بنیاد زائل نہیں ہوتی، یہی حکم ناپاک کنویں کا بھی ہے، اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر گزری، دوسری بات یہ ہے کہ کنواں پاک کرنے کے لئے پانی نکالنے کی جو مقداریں ذکر کی گئی ہیں ان کا تعلق عقل و قیاس سے نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اتباع آثار وروایات ہے جو غیر مدرک بالقیاس ہیں، اعلم أن مسائل الآبار مبنية على اتباع الآثار" (کبیری، ص ۱۳۷)، "ماعلينا لو أمرنا بنزح بعض الدلاء ولا نخالف السلف إلا أنا تركنا القياسين الظاهرين بالخبر والأثر. وضرب من الفقه الخفي" (بدائع ۱/۲۲۴) "وما علينا أن ننزح منها دلاء أخذاً بالآثار ومن الطريق أن يكون الإنسان في يد النبي ﷺ وأصحابه رضي الله عنهم كالأعمى في يد القائد" (ردالمحتار عن الفتح ۱/۳۶۶)۔ پس کیمیاوی عمل مقررہ مقادیر کے قائم مقام نہ ہوگا؛ اس لئے ناپاک کنویں کا پانی اس عمل سے پاک نہ ہوگا۔

مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے کے حوالہ سے کیمیاوی عمل تطہیر کے طریقہ کی جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں بھی غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس طریقۂ تطہیر سے تغیر اور ظہور اوصاف کو تو ختم کیا جاسکتا ہے مگر اجزاء نجاست مکمل طور پر علیحدہ ہو جائیں ایسا نہیں ہوسکتا، شاید یہی وجہ ہے کہ اس فیصلے میں ایک تو نجاست کے آثار و اوصاف کو بنیاد بنایا گیا ہے، دوسرے یہ کہ ماء جاری کی قید لگائی گئی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس طریقۂ تطہیر سے ماء جاری اور جو بحکم جاری ہے وہ تو پاک ہوسکتا ہے، ماء قلیل راکد پاک نہیں ہوسکتا۔

تنبیہات:

(۱) کیمیاوی عمل کے ذریعہ قلیل راکد ناپاک پانی کے پاک ہونے کے لئے دباغت، ذبح شرعی اور احراق رأس الشاہ وغیرہ فقہی تصریحات وجزئیات سے استدلال کرنا درست نہ

Marfat.com

ہوگا، کیوں کہ چمڑا اور رأس الشاۃ وغیرہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ جو اجزاء نجاست لگے ہیں ان کو ان چیزوں سے اس طرح ممتاز، علیحدہ اور زائل کرنا ممکن ہے کہ نجاست کا کوئی جز بھی ان کے ساتھ باقی نہ رہے، جس کی وجہ سے ناپاکی کی بنیاد ختم ہوجاتی ہے اور یہ چیزیں پاک ہوجاتی ہیں، احراق رأس الشاۃ کے مسئلہ میں علامہ شامی کی تعلیل سے یہ بات واضح ہورہی ہے:
"رأس شاة متلطخ بدم أحرق رأسه وزال عنه الدم فاتخذ منه مرقة جاز استعمالها والحرق كالغسل وقدمنا أنه من المطهرات" کے تحت لکھتے ہیں: (قوله: الحرق الغسل) لأن النار تأكل مافيه من النجاسة حتى لايقى فيه شئ أو تحليله فيصير الدم رماداً فيطهر بالاستحالة" (شامی: ۱۰/۵۸۴، مسائل شتی) غور کیجئے! اس عبارت میں یہ مذکور ہے کہ بکری کا سر جلانے کی وجہ سے پاک ہونے کی وجہ یا تو نجاست کا استحالہ ہے یا پھر اس طرح کا تجزیہ وازالہ ہے کہ "لايبقى فيه شئ" کہ ذرہ برابر نجاست باقی نہیں رہتی، اسی وجہ سے یہ چیز پاک ہوجاتی ہے، معلوم ہوا کہ ازالہ اس طرح ہونا چاہئے کہ لایبقی فیہ شئ، اور ایسا ازالہ مذکورہ بالا چیزوں میں ہو بھی جاتا ہے، لہٰذا وہ پاک ہوجاتی ہیں، جبکہ پانی کی حالت ایسی ہے کہ اس سے نجاست کے تمام اجزاء کو اس طرح ممتاز، علیحدہ اور زائل نہیں کیا جاسکتا کہ نجاست کا کوئی جز اس میں باقی نہ رہے، جس کی وجہ سے ناپاکی کی بنیاد مکمل زائل نہیں ہوتی، لہٰذا وہ پاک نہیں ہوگا۔

(۲) اسی طرح فقہاء نے ناپاک گھی، تیل، دودھ اور شہد وغیرہ کو پاک کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس سے بھی ماء قلیل راکد کی تطہیر کے لئے استدلال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، وہ طریقہ یہ ہے: "يطهر لبن وعسل ولبس ودهن يغلى ثلاثا، وفي الرد: (قوله: يطهر لبن وغسل الخ) قال في الدرر: ولوتنجس العسل فتطهيره أن يصيب فيه ماء بقدره فيغلى حتى يعود إلى مكانه والدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلو الدهن

Marfat.com

الماء فيرفع بشئ هكذا ثلاث مرات" (درودار ۵۴۳)۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے: "وأما المائعات المتنجسة كالزيت والسمن فانها تطهر بصب الماء عليها ودفعه عنها ثلاثا أو توضع في إناء مثقوب ثم يصب عليه الماء فيعلو الدهن ويحركه ثم يفتح الثقب إلى أن يذهب الماء وهكذا إذا كان مائعا فإن كان جامدا يقطع منه المتنجس ويطرح ويطهر العسل بصب الماء عليه وغليه حتى يعود كما كان- ثلاثاً" (۱/ ۲۳)۔

استدلال درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں اور پانی میں بڑا فرق ہے، ان چیزوں میں چکناہٹ ہوتی ہے، اور پانی جیسی رقت ولطافت نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے ان میں نجاست کے اجزاء اس طرح سرایت نہیں کرتے جس طرح پانی میں کرتے ہیں، پس مذکورہ طریقہ سے پانی استعمال کرکے ان چیزوں سے اجزاء نجاست کو مکمل طور پر زائل اور علیحدہ کیا جاسکتا ہے، لہٰذا وہ چیزیں پاک ہوجائیں گی، جبکہ پانی ان چیزوں سے قدرے مختلف ہے، اس میں رقت ولطافت ہے، چکناہٹ نہیں ہوتی ہے، اس لئے پانی سے اجزاء نجاست کو مکمل طور پر ممتاز اور علیحدہ نہیں کیا جاسکتا پس وہ پاک نہ ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے گھی، تیل وغیرہ کو پاک کرنے کا فقہاء نے یہ طریقہ ذکر کیا ہے مگر ناپاک پانی سے اجزاء نجاست کو مکمل طور پر زائل کردینے کا ایسا یا اور کوئی طریقہ ذکر نہیں کیا ہے۔

بہر حال قلیل راکد پانی جو وقوع نجاست کی وجہ سے ناپاک ہوگیا ہو، وہ کیمیاوی عمل سے پاک نہ ہوگا۔ البتہ ایسے پانی کو پاک کرنے کی یہ چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

(الف) ایسے پاک جاری یا کثیر پانی میں اس کو ڈال دیا جائے جس میں اس کی نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔

(ب) پاک پانی اس کے ساتھ ملا کر اسے جاری کردیا جائے، بشرطیکہ اس میں نجاست

Marfat.com

کا اثر ظاہر نہ ہو۔

(ج) ناپاک کثیر و جاری پانی میں ڈال کر اس کثیر و جاری پانی میں کیمیاوی عمل کیا جائے۔

فقہی عبارات وتصریحات حسب ذیل ہیں:

محیط برہانی میں ہے:

"لأن الماء النجس يطهر بالاختلاط بالماء الطاهر، ألا ترى أن الماء الراكد فى النهر إذا تنجس فنزل من أعلاه ماء طاهر أو أجراه وسيله فانه يطهر وإنما يطهر باختلاطه بالماء الطاهر وورود الماء الطاهر عليه" (محیط برہانی ۱/۲۴۳)۔

کبیری میں ہے:

ولو كان فى النهر ماء راكد فتنجس ذلك الماء الراكد ونزل من أعلاه ماء طاهر وأجراه أى أجرى الماء والنازل من أعلى النهر ذلك الماء الراكد وسيله فإنه أى الماء الراكد يطهر بغلبة الماء الجارى عليه ولو توضأ إنسان منه جاز إذا لم ير لها أى إذا لم يدرك للنجاسة التى قد تنجس بها الماء الراكد أثر من الأوصاف الثلاثة، لأن ذلك هو حكم الماء الجارى كما تقدم" (کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۸۲)۔

شامی میں ہے:

"(قوله: بمجرد جريانه) أى بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج ...... (قوله: وكذا البئر وحوض الحمام) اى يطهران من النجاسة بمجرد الجريان وكذا ما فى حكمه من الغرف المتدارك كما مر ...... وبقى شئ آخر سئلت عنه وهو أن دلوا تنجس فأفرغ فيه رجل ماء حتى امتلأ وسال من جوانبه، هل يطهر بمجرد ذلك أم لا؟ والذى يظهر لى

Marfat.com

الطهارة، أخذاً مما ذكرناه هنا ومما مر أنه لايشترط أن يكون الجريان بمدد وما يقال: إنه لايعد في العرف جاريا ممنوع ......" (شامی ۱/ ۳۴۵-۳۴۶، نیز دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۲۳، احسن الفتاوی ۲/ ۴۷)۔

خلاصۂ جواب:

مذکورہ بالا تفصیل وتحقیق کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) کثیر وجاری پانی جو آلودہ اور ناپاک ہوگیا ہو، کیمیاوی عمل کے ذریعہ بدبو اور آلودگی دور کرکے اس کی اس طرح صفائی کردی جائے کہ نجاست کے اوصاف واثرات زائل ہوجائیں تو وہ پانی پاک اور قابل استعمال بن جائے گا، اس سے وضو وغسل وغیرہ ہر طرح کی طہارت حاصل کرنا جائز اور درست ہوگا۔ البتہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ مجبوری نہ ہو تو کھانے پینے کے استعمال میں اس کو نہ لایا جائے۔

(ب) قلیل راکد پانی کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہونے کے باوجود پاک نہ ہوگا۔ البتہ اس کو پاک کرنے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پاک جاری یا کثیر پانی میں اس کو ڈال دیا جائے، یا پھر پاک پانی اس کے ساتھ ملا کر اس کو جاری اور بہتا کردیا جائے، یا پھر یہ کہ کثیر یا جاری ناپاک پانی میں اس کو ڈال کر تمام پانی کو کیمیاوی عمل سے پاک کیا جائے۔

۵- پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا درست ہے؟

اسلامی شریعت میں جب کسی شخص کو کسی چیز پر ملکیت حاصل ہوجائے تو پھر اس کی اجازت کے بغیر اور اس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی شخص اس میں کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے اور نہ ہی حکومت، اس میں مداخلت کا حق نہ تو کسی شخص کو ہے اور نہ ہی حکومت کو، البتہ ایسی ملکیت میں

Marfat.com

تصرف کرنے میں کچھ پابندیاں جیسے اس وقت لگائی جاسکتی ہیں جب وہ فضول خرچی میں ضائع کر رہا ہو یا اس میں سلیقہ سے خرچ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، اسی طرح پابندیاں اس وقت بھی لگائی جاسکتی ہیں جبکہ اس کے تصرف سے کسی دوسرے شخص کا یا معاشرہ کا معتد بہ نقصان ہو رہا ہو۔ "لايمنع أحد من التصرف فی ملكه مالم يكن فيه ضرر فاحش للغير" (درر الحکام ۲۲۰/۱۰)۔ "أما إذا كان فی تصرفه ضرر فاحش للغير فيمنع فی ذلك الحال" (درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام ۲۱۵/۱۰)۔ فقہی ضابطہ "الضرر لايكون قديما" کے تحت علامہ احمد الزرقاء لکھتے ہیں: "الضرر قسمان، عام وخاص، أما العام فانه يزال مطلقا بلاتفصيل فيه بين الفاحش وغير الفاحش، لأن كونه عاما يكفي لاعتباره فاحشا ...... وأما الخاص فهو نوعان فاحش وغير فاحش، فالفاحش يزال كما يزال الضرر العام ولاعبرة لقدمه ...... وأما الضرر الغير الفاحش ...... فإذا كان من القديم يعتبر قدمه ويراعى ولايجوز تغييره أو تبديله بغير رضا صاحب الحق كما تقدم مفصلا فی شرح القاعدة السابقة، لأنه يمكن حينئذ أن يكون مستحقا يوجه من الوجوه الشرعية" (شرح القواعد الفقہیۃ ص ۱۰۱-۱۰۲)۔

لہٰذا حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا اس وقت درست ہوگا جبکہ:

(الف) واقعۃً پانی کی قلت ہو جس سے عام ضرر لازم آرہا ہو اور اس پابندی سے پانی کی قلت کی تکلیف کم یا ختم ہوتی ہو۔

(ب) اس استعمال کا تعلق انسان کی اپنی واقعی ضرورت سے نہ ہو، ضرورت سے زائد ہو۔

(ج) اس استعمال کا تعلق کسی شرعی عمل سے نہ ہو۔

ان شرائط کے پائے جانے کی صورت میں حکومت کا پابندی لگانا درست ہے، اور اس

Marfat.com

کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔ بصورت دیگر نہ تو پابندی لگانا درست ہے اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

اس کی نظیر تسعیر یعنی قیمتوں پر کنٹرول اور نرخ اشیاء کی تعیین ہے، کہ اصل یہ ہے کہ چیز کا مالک ہو جانے کے بعد آدمی اپنی مملوکہ چیز کو جس قیمت سے چاہے فروخت کرے، اس کی شرعاً اجازت ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں تسعیر کو ناپسند کیا گیا ہے، تاہم اگر بھاؤ بہت چڑھ جائیں اور ضرر عام لازم آئے تو اشیاء ضروریہ کی خریداری کو آسان بنانے اور مناسب ومعتدل قیمت قائم رکھنے کے لئے قیمتوں پر کنٹرول کرنا اور اشیاء کا نرخ متعین کرنا حکومت کے لئے درست ہے، در مختار میں ہے: "ولا یسعر حاکم ...... إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعديا فاحشا بمشورة أهل الرأی ...... قلت وأفاد أن التسعير في القوتين لاغير وبه صرح العتابی وغيره لكنه إذا تعدى أرباب غير القوتين وظلموا على العامة فيسعر عليهم الحاكم بناء على ما قال ابو يوسف: ينبغي أن يجوز ذكره القهستانی، فإن أبا يوسف يعتبر حقيقة الضرر كما تقرر فتدبر، وفی رد المحتار، (قوله: فيسعر الخ) ای لا بأس بالتسعير حينئذ كما فی الهداية (قوله: ولايسعر حاكم) ای يكره ذلک (قوله: تعديا فاحشا) بينه الزيلعی وغيره بالبيع بضعف القيمة، (قوله: فيسعر الخ) ای لا بأس بالتسعير حينئذ كما في الهداية (قوله: بناء على ما قال ابو يوسف) ...... تقدم أن الإمام يرى الحجر إذا عم الضرر كما فی المفتی الماجن والمكاری المفلس والطبيب الجاهل، وهذه قضية عامة فتدخل مسألتنا فيه، لأن التسعير حجر معنى، لانه منع عن البيع بزيادة فاحشة وعليه فلا يكون مبنيا على قول أبی يوسف فقط كذا ظهر لی فتامل" (الدر مع الرد ۹/ ۵۷۳-۵۷۵)۔

Marfat.com

پس بوقت ضرورت حدیث نبوی: "لاضرر ولاضرار" (ابن ماجہ عن ابن عباس، کتاب الاحکام، باب ۱۷، من بنی فی حقہ) اور ضابطۂ فقہی: "الضرر یزال" (شرح القواعد الفقہیہ ص ۱۷۹) سے جس طرح تسعیر یعنی قیمتوں کے اعتبار سے پابندی لگانا درست ہے اسی طرح پانی کے بعض غیر ضروری بلکہ مضر عام استعمالات پر پابندی لگانا درست ہے، ضرر عام کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جاسکتا ہے، وہ اہون ہے، "رفع الضرر عن العامة أولى من رفع الضرر عن الواحد" (ہندیہ ۵/۳۹۵)۔

فقہی ضابطہ ہے: "یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" (شرح القواعد الفقہیہ ص ۱۹۷)۔ اس کے تحت علامہ احمد زرقاء لکھتے ہیں: "منه جواز التسعير إذا تعدى أرباب القوت في بيعه بالغبن الفاحش" (ص ۱۹۸)۔

۶- زیر زمین پانی کس کا مملوک ہے؟ مملوک زمین میں بورنگ کرنے سے روکنا درست ہے؟

انسان کی مملوکہ زمین کے اندر جو پانی پایا جاتا ہے وہ نہ اس انسان کی ملکیت ہے اور نہ حکومت کی، کیوں کہ پانی ان چیزوں میں سے ہے جو مباح الاصل ہیں اور جن پر احراز کے بغیر کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، یہاں نہ مالک زمین کی طرف سے احراز پایا گیا ہے اور نہ ہی حکومت کی طرف سے، اس لئے یہ پانی کسی کا مملوک نہیں، ہر ایک کو زیر زمین سے استفادہ کا پورا حق حاصل ہے۔

درمختار میں ہے:

"الماء تحت الأرض لايملک" (درمع الرد ۱۰/۹)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ کنواں کھودنے سے جو پانی کنویں میں آیا ہے جب تک اس کا احراز نہ ہو تب تک کنویں والا اس پانی کا مالک نہیں ہوتا۔ پس جو پانی ابھی تو زیر زمین ہے، کھود کر

Marfat.com

اسے نکالا بھی نہیں گیا ہے اس پانی کا مالک بدرجۂ اولی نہ صاحب زمین ہوگا اور نہ حکومت، شامی میں ہے: الماء فی البئر غیر مملوک" (۱۰/ ۱۳)، ایک مقام پر ہے: "قال الرملی: إن صاحب البئر لایملک الماء ...... وهذا مادام فی البئر أما إذا أخرجه منها بالاحتیال کما فی السوائی، فلا شک فی ملکه له لحیازته له فی الکیزان ثم صبه فی البرک بعد حیازته" (۲۵۸/۷)، اعلاء السنن میں ہے: "الحافر لادخل له فی وجود الماء وإنما الماء کان مستورا تحت الأرض فأظهر بالحفر ورفع الستر عن الشئ لیس باحراز فلایکون مالکا بالحفر" (۱۸۸/۱۴)۔

بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کنویں سے ڈول بھر کر جب تک اس بھری ڈول کو کنویں کے سرے اور کنارے سے الگ نہ کرلیا جائے تب تک آدمی اس پانی کا مالک نہ ہوگا۔ اس سے واضح ہے کہ زیر زمین پانی کا تو بدرجۂ اولی کوئی مالک نہ ہوگا۔ شامی میں ہے: "وانما عبر بالاحراز ای لا الأخذ إشارة إلیٰ أنه لو ملأ الدلو من البئر ولم یبعده من رأسها لم یملکه عند الشیخین، إذا الإحراز جعل الشئ فی موضع حصین" (۱۰/ ۱۳)، ہندیہ میں ہے: "السافی من البئر لایملک بنفس ملأ الدلو حتی ینحیه عن رأس البئر کذا فی القنیة" (۵/ ۳۹۲)۔

بہرحال زیر زمین پانی کسی کی ملکیت نہیں، ہر ایک کو اس پانی سے استفادہ کا پورا حق حاصل ہے۔ زمین انسان کی ملکیت ہے، اپنی ملک میں تصرف کرنے سے کسی کو روکا نہیں جاسکتا، جب تک کہ اس تصرف سے دوسرے کو ضرر فاحش لاحق نہ ہوتا ہو، جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے، لہٰذا مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے حکومت کا منع کرنا درست نہیں ہے، بالخصوص جبکہ انسان کی اپنی ضرورت اس سے متعلق ہو تب تو ممانعت کا کوئی جواز نہیں، اور اس امتناعی حکم کی تعمیل شرعا واجب نہیں ہے۔

Marfat.com

فقہاء نے ایک جزئیہ ذکر کیا ہے کہ مثلاً زید نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا، پھر بکر نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا، جس کی وجہ سے زید کے کنویں کا پانی جذب ہوکر ختم ہوگیا، تو اس صورت میں زید بکر کو کنواں کھودنے سے یہ کہہ کر منع نہیں کرسکتا کہ تیرے کنواں کھودنے سے میرے کنویں کا پانی ختم ہوگیا، کیوں کہ بکر اپنی زمین میں تصرف کرتا اور کنواں کھودرہا ہے، اور اپنی زمین میں تصرف کرنے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ اس جزئیہ سے واضح ہورہا ہے کہ جب واقعۃً پانی ختم ہوجائے تب بھی صاحب زمین کو اپنی مملوکہ زمین میں تصرف کرنے اور کنواں کھودنے سے روکا نہیں جاسکتا، تو پھر پانی کی سطح نیچے چلی جانے کے وہم یا خطرہ سے تو اپنی ملک میں تصرف کرنے اور مملوکہ زمین میں بورنگ کرنے سے بدرجۂ اولی نہیں روکا جاسکتا، لہٰذا نہ مملوکہ زمین میں بورنگ کرنے سے حکومت کا منع کرنا درست ہے اور نہ ہی اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

"المياه الجارية تحت الأرض لبست بملك لأحد، لأنها مباحة ولكل واحد من الناس أخذ هذه المياه والانتفاع منها ويتفرع عن ذلك مسائل: لو حفر أحد بئرا في ملكه وأخرج ماء ها ثم حفر آخر بئرا في ملكه في قرب تلك البئر فجذبت ماء البئر الأولى فليس لصاحب البئر الأولى منعه، لأن ذلك الشخص لايعتبر متعديا لتصرفه في ملكه كما أن المياه التي تحت الأرض ليس بملك أحد" (۱۰/ ۲۶۵)۔

ایک مقام پر ہے:

"ليس لبئر حفرها شخص في ملكه حريم في ملك آخر، فكذلك لجاره أيضا أن يحفر بئراً أخرى في ملك نفسه قرب تلك البئر، وليس لذلك الشخص منع جاره من حفر البئر في ملكه بقوله: إنها تجذب ماء بئره، كما أنه ليس له أن يتداخل في ماء بئر جاره الجديد" (۱۰/ ۲۱۱)۔

Marfat.com

۷-پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری یا افراد کی؟

پانی کی ذخیرہ اندوزی کی ذمہ داری اصلاً حکومت کی ہے نہ کہ افراد و اشخاص کی، تاہم اگر حکومت کسی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتی تو افراد و اشخاص کو بھی حسب استطاعت اسکا مکلف کیا جاسکتا ہے- جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نہر اعظم کی اصلاح و درستگی حکومت جو مصالح عامہ کی ذمہ دار ہے، اس کی ذمہ داری ہے، حکومت بیت المال سے یہ کام انجام دے گی، لیکن اگر بیت المال میں گنجائش نہ ہو تو پھر پبلک سے حسب استطاعت یہ کام لے گی۔

درالحکام میں ہے:

"کری النهر الغير المملوک الغير الداخل فی المقاسم كنهر النيل والفرات واصلاح مسناته ای تطهيزه على بيت المال، لأن كرى النهر المذكور واصلاحه هو لحفظ المصلحة العامة لئلا يخرج عن مجراه القديم وتخرب القرى والمزارع، كما أن مال بيت المال هو معد للمصالح العامة، فلزمت مؤونة كريه على بيت المال ويجب القيام بهذه المؤونة من واردات بيت المال من قسم الخراج والجزية وليس من قسم العشور والصدقات، لأن الثانی للفقراء والأول للنوائب، وإن لم يكن سعة فی بيت المال وامتنع الناس عن تطهيره بطيب أنفسهم فيجبر الناس على تطهيره، لأن فی ترک الكرى ضرا عظيما على الناس كما بين آنفا، وإنفاق العوام باختيارهم على المنافع والمصالح نادر، فلولی الأمر الناظر على منافع ومصالح العامة أن يجبرهم على ذلک وقد قال أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی نظير ذلک: "لو تركتم لبعتم أولادكم" فإذا أجبر الناس على التطهير على هذا الوجه فيجبر من كان قادرا على العمل بالاشتغال بنفسه ويجبر الأغنياء الغير القادرين على

Marfat.com

العمل علی دفع نفقة العاملین، کما یفعله فی تجهیز الجیوش، فانه یخرج من کان یطیق القتال وتجعل مؤونتهم علی الأغنیاء" (۱۰/۳۴۹)۔

مکان کے پورے حصہ کا مالک صاحب مکان ہے، کسی کی ملکیت میں بلااجازت ورضامندی نہ تصرف کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے تصرف پر مجبور کرنا درست ہے۔ البتہ دو صورتیں اس حکم عام سے مستثنیٰ ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ کسی کی ملکیت میں تصرف کرنے کی ضرورت اور مجبوری ہو، تو اس کی رضامندی کے بغیر بھی اس کو تصرف کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ "لایجوز التصرف فی ملک الغیر بدون إذنه سواء کان هذا التصرف مضرا بصاحب الملک أو غیر مضر مالم یوجد ضرورة فی التصرف بملک الغیر" (درر الحکام ۱۰/۲۱۱)۔ "لکل أن یتصرف فی ملکه باختیاره وأنه لایجبر أحد من قبل أحد علی التصرف فی ملکه إلا أنه إذا وجدت ضرورة علی الإجبار علی التصرف فیجوز الاجبار کما هو الحال فی هذه المادة، لأن الضرورات تبیح المحظورات" (درر الحکام ۱۰/۳۴۸)۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ حکومت رعایا کے متعلق ایسا کام کرے جس میں رعایا کا واقعی نفع ہو، وہ کام مضر یا بے فائدہ نہ ہو۔ تو اس صورت میں رعایا کی رضامندی کے بغیر بھی حکومت کو ایسا تصرف کرنے کا حق واختیار ہے، لیکن اگر وہ کام مضر یا بے فائدہ ہو تو پھر حکومت اس کی مجاز نہیں ہے۔

فقہی ضابطہ ہے: "التصرف علی الرعیة منوط بالمصلحة" (شرح القواعد ص: ۳۰۹، مجلة الاحکام ۱/۵۱)۔

علامہ احمد الزرقاء اس ضابطہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أی إن نفاذ تصرف الراعی علی الرعیة ولزومه علیهم شاؤوا أو أبوا معلق ومتوقف علی وجود الثمرة والمنفعة فی ضمن تصرفه، دینیة کانت أو

Marfat.com

دنيوية، فإن تضمن متفعة ما وجب عليهم تنفيذه وإلا رد، لأن الراعى ناظر وتصرفه حينئذ متردد بين الضرر والعبث وكلاهما ليس من النظر فى شئ، والمراد بالراعى كل من ولى أمرا من أمور العامة، عاما كان كالسلطان الأعظم أو خاصا كمن دونه من العمال، فإن نفاذ تصرفات كل منهم على العامة مترتب على وجود المنفعة فى ضمنها لأنه مأمور من قبل الشارع ﷺ أن يحوطهم بالنصح ومتوعد من قبله على ترك ذلک بأعظم وعيد ولفظ الحديث أو معناه: "من ولى من أمور هذه الأمة عملا فلم يحطها بنصح لم يرح رائحة الجنة" (شرح القواعد الفقہیہ رص۳۰۹)۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں اس ضابطہ کے تحت لکھا ہے:

"إن تصرف الراعى فى أمور للرعية يجب أن يكون مبنيا على المصلحة ومالم يكن كذلک لايكون صحيحا والرعية هنا هى عموم الناس الذين هم تحت ولاية الولى ...... والحاصل يجب أن يكون تصرف السلطان والقاضى والوالى والوصى والمتولى والولى مقرونا بالمصلحة وإلا فهو غير صحيح ولاجائز" (۵۱/۱-۵۲)۔

ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھا ہے:

"وليس لوال أو قاض أن يأذن بأخذ المياه من النهر إذا كان أخذ الماء منه مضرا بالعامة" (۲۸۵/۱۰)۔

نیز لکھا ہے: "وليس للوالى أو القاضى أن يمنح أحداً ليس له حق الشرب حق الشرب فى الأنهار المملوكة سواء كان ذلک مضرا أو غير مضر" (۲۸۶/۱۰)۔

Marfat.com

فتاوی ہندیہ میں ایک مسئلہ کی علت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لأن للسلطان ولاية النظر دون الاضرار بالعامة" (ہندیہ ٥/ ٤٠٦)۔

لسان الحکام میں ہے:

"ليس لأحد نصب الطاحونة ولاغيرها على الأنهار المشتركة لأقوام مخصوصين وليس للسلطان أن يأذن لهم بذلك وإن أذن لم يعتبر إذنه" (ص ٤٠٣، وکذا فی البزازیہ علی الہندیہ ٦/ ١١٥)۔

مذکورہ بالا تفصیل وتمہید سے صورت مسئولہ کا حکم واضح ہو رہا ہے کہ اصلاً تو صاحب مکان کی رضامندی کے بغیر مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے کا حکم دینے کا حکومت کو حق نہیں ہے، اور نہ ہی ایسے حکم کی تعمیل شرعاً واجب ہے، "لو أن رجلا احتفر بئراً أو نهراً أو قناة فی أرض لرجل بغیر إذنه فله أن یمنعه من ذلک وأن یأخذه بطم ما أحدث من الحفر فی أرضه" (کتاب الخراج/ ١٠٠)۔ البتہ اگر اس طرح کرنے کی واقعی ضرورت ہو یا واقعۃً اس میں شہریوں کا فائدہ ہو تو حکومت کو ایسا حکم دینے اور اس کو لازم قرار دینے کا حق ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔

٨- ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی کو انتقالِ مکانی پر مجبور کرنا:

امام وسلطان کو ایسا کام کرنے کا حق واختیار ہوتا ہے جس میں واقعۃً عام لوگوں کی مصلحت ومنفعت ہو جیسا کہ تفصیل سے گزرا، البتہ امام کو چاہئے کہ یہ کوشش کرے کہ اس میں کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہونچے، شامی میں ہے: "إذ له التصرف فی حق الكافة فیما فیه نظر المسلمین فإذا رأى ذلک مصلحة لهم كان له أن يفعله من غير أن يلحق ضرراً بأحد" (١٠/ ٤٧٢)۔ تاہم بوقت ضرورت ضرر عام کے مقابلہ میں ضرر خاص کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ "يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" (شرح القواعد/ ١٩٧)،

Marfat.com

نیز ضرورت کے موقع پر کسی کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا- پس صورت مسئولہ میں جب ڈیم تعمیر کرنے کی ضرورت ہے، اس میں اجتماعی مصلحت ومنفعت ہے تو اس مقصد کے لئے آبادی کو وہاں سے منتقل کرنا اور اسے انتقال مکانی پر مجبور کرنا درست ہے، بالخصوص جبکہ آبادی والوں کو متبادل زمین فراہم کی جائے تا کہ ان کا بھی کوئی حرج وضرر نہ ہو۔

اس کی نظیر فقہاء کا ذکر کردہ یہ مسئلہ ہے کہ منافع عامہ مثلاً عام راستہ یا گزرگاہ آب کی توسیع، مسجد کی کشادگی وغیرہ کے لئے بوقت ضرورت صاحب زمین کی رضامندی کے بغیر بھی امام وسلطان کی اجازت سے مناسب قیمت دے کر زمین مالک کے پاس سے لی جاسکتی ہے۔ مجلۃ الاحکام میں ہے: "یؤخذ لدی الحاجة ملک أی أحد بقیمته بأمر السلطان ویلحق بالطریق ولکن لا یؤخذ ملکه من یده مالم یؤد له الثمن"۔

شرح میں ہے: یستملک ملک أی أحد بقیمته الحقیقیة للمنافع العمومیة کالطریق والمسجد ومسیل الماء ولو لم یرض صاحبه ببیعه فلذلک یؤخذ لدی الحاجة۔ أی إذا کان الطریق ضیقا ومست الحاجة إلی توسیعه – ملک أی أحد بقیمته بأمر السلطان ولو لم یرض صاحبه ویلحق بالطریق، فلذلک لو کان مسجد ضیق وغیر کاف لاستیعاب المصلین وکان لأحد ملک متصل بذلک المسجد ووجدت حاجة لالحاق قسم من تلک الدار للجامع وتعنت صاحب الدار عن بیع ذلک المقدار من ملکه فلا ینظر لرضائه ویؤخذ المقدار اللازم للجامع وحریم الجامع بقیمته جبرا وکرها ویوسع الجامع وقد وسع الامام عمر والصحابة رضوان الله علیهم المسجد النبوی علی هذا الوجه وکذلک یؤخذ محل مرور المیاه بقیمته ولو لم یرض صاحبه

Marfat.com

...... ولكن لايجوز أخذ ملك أحد بدون رضائه مالم يثبت لزومه للمنافع العامة" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱۰/ ۲۴۵)۔

۹-خود کو نقصان سے بچانے کے لئے پانی کا باندھ کاٹ دینا:

ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان میں ڈالنا ہے، اور اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان میں ڈالنا شرعاً جائز اور درست نہیں ہے، اسلامی شریعت کا ضابطہ ہے: "لاضرر ولاضرار"، کتب فقہ میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں، جن میں اس طرح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

"في فتاوى أبي الليث: نهر عظيم لأهل قرية يتشعب منه نهران وعلى كل واحد من النهرين طاحونة فخربت إحدى الطاحونتين فأراد صاحبها أن يرسل الماء كله في النهر الآخر الذى عليه الطاحونة الأخرى حتى يعمر طاحونته وذلك يضر بالطاحونة الأخرى لم يكن له ذلك، لأنه يريد دفع الضرر عن نفسه بالاضرار بغيره" (۲۱/ ۹۱، ۷۹)۔

ہندیہ میں ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب وذلك بأن يميل الماء إلى هذا الجانب إذا انكسرت ضفته فتفرق القرى والأراضي" (۵/ ۳۹۱)۔

لہٰذا غرق کے قریب بستی والوں کا باندھ کو کاٹ دینا جس سے پانی آگے بڑھ کر دوسری بستی کے غرق ہونے کا خطرہ ہو، جائز نہ ہوگا۔

Marfat.com

۱۰- آبی وسائل عامہ سے کس حد تک استفادہ افراد و اشخاص کے لئے جائز ہے؟

اس سلسلہ میں تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے:

(الف) بڑی ندیوں اور دریاؤں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، اس لئے تمام لوگوں کو اس سے ہر طرح استفادہ کا حق حاصل ہے، کسی خاص فرد کو اس میں خصوصی اور امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے، تمام لوگ اس سے ''شفتہ'' یعنی ہر انسانی وحیوانی ضرورت کا پانی لے سکتے ہیں، جیسے: پینا، پکانا، وضو وغسل کرنا، کپڑے دھونا، جانوروں کو پلانا وغیرہ، اسی طرح اپنے کھیتوں اور باغات کو بھی اس سے سیراب کر سکتے ہیں، اپنے گھر اور کھیت کی طرف پانی پہنچانے کی نالی بھی بنوا سکتے ہیں، البتہ احراز یعنی برتن وغیرہ میں محفوظ کئے بغیر اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"المیاہ أنواع: الأول ماء البحر وھو عام لجمیع الخلق الانتفاع به بالشفة وسقی الأرض وشق الأنھار حتی أن من أراد أن یکری نھرا إلی أرضه لم یمنع من ذلک والانتفاع بماء البحر کالانتفاع بالشمس والقمر والھواء فلا یمنع من الانتفاع به علی أی وجه شاء" (ہندیہ ۵/ ۳۹۰-۳۹۱، وکذا فی الشامی ۱۰/ ۱۲)۔

درمختار میں ہے: "الشفة شرب بنی آدم والبھائم بالشفاہ"۔

اور ردالمحتار میں ہے: (قوله: بالشفاہ) ھذا أصله والمراد استعمال بنی آدم لدفع العطش أو للطبخ أو الوضوء أو الغسل أو غسل الثیاب ونحوھا کما فی المبسوط والمراد به فی حق البھائم الاستمال للعطش ونحوہ مما یناسبھا" (در مختار مع ردالمحتار ۱۰/ ۱۲)۔

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

"له أن ینتفع بالبحار والبحیرات الکبیرۃ بأن یشربه منھا ویفتح

Marfat.com

جدولا ويسقى بستانه منها أو حيواناته أو يسيل الماء إلى داره ومنزله لايمنع أحد من الانتفاع من ذلک کما يريد" (۱۰/ ۲۸۳-۲۸۴)۔

(ب) عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے بھی ہر آدمی کو "شفۃ" یعنی انسانی وحیوانی ضرورت کے لئے پانی لینے کا حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو دشواری پیش آتی ہو تو اس کی گنجائش نہیں، ورنہ اگر عام لوگوں کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی تو پھر اس کی بھی اجازت وگنجائش ہے؛ لیکن برتن وغیرہ میں محفوظ کئے بغیر اس پانی کو بھی نہیں بیچ سکتے۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"الثانى ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلبا وحق سقى الأرض إن لم يضر بالعامة" (رد المحتار ۱۰/ ۱۲)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الثانى ماء الأودية العظام كجيحون وسيحون ودجلة والفرات والنيل، للناس فيها حق الشفة على الاطلاق وحق سقى الأرض بأن أحيىٰ واحد أرضا ميتة وكرى منها نهرا ليسقيها إن كان لايضر بالعامة ولايكون النهر فى ملک أحد، ولهم نصب الأرحية والدوالى إن كان لايضر بالعامة، وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلک، لأن دفع الضرر عنهم واجب وذلک بأن يميل الماء إلى هذا الجانب إذا انكسرت ضفته فتغرق القرى والأراضى وكذا شق الساقية والدالية" (ہندیہ ۵/ ۳۹۰-۳۹۱)۔

نیز لکھا ہے:

"نهر فى مدينة أجراه الإمام للشفة فأراد بعض الناس أن يتخذ عليه

Marfat.com

بساتين إن لم يضر بأهل الشفة وسعه ذلك وإن أضر لايسعه ذلك كذا في التاتارخانية" (۳۹۱/۵)۔

درر الحکام شرح مجلة الاحکام میں ہے:

"إذا أجرى ماء من طرف السلطان لقرية لأجل الشفة وأراد بعض أهل القرية إسقاء بساتينهم من ذلك الماء ينظر فان كان ذلك مضرا بأهل القرية فهو غير جائز وإذا كان غير مضر فجائز" (۲۷۹/۱۰)۔

۱۱- علاقوں اور کھیتوں سے گزرنے والی نہر سے استفادہ کا حق:

نہر کے مختلف اقسام کے لحاظ سے احکام مختلف ہوں گے، تفصیل یہ ہے:

(الف) کھیتوں اور علاقوں سے گزرنے والی نہر اگر عام ہے، مخصوص لوگوں کی نہیں ہے اور نہ ہی اسے سرکار نے کسی خاص مقصد کے لئے جاری کی ہے تو اس نہر سے کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی وحیوانی ہر ضرورت کے لئے پانی لینا جائز ہے، اسی طرح اپنے کھیتوں اور باغات کو اس پانی سے سیراب کرنا بھی جائز ہے مگر اس طرح کہ دوسروں کو نقصان اور دشواری نہ ہو، ورنہ زمین کی سیرابی کا حق حاصل نہیں ہے۔

درر الحکام شرح مجلة الاحکام میں ہے:

"الأنهار العامة الغير المملوكة وهي الأنهار التي لم تدخل في مقاسم أي في مجاري ملك جماعة ليست ملك أحد كالبحار والبحيرات بل هي مباحة، فلذلك لكل أن ينتفع بها بشرط أن لايكون مضراً للعامة ...... وذلك أن له فتح جدول وأن يجري منه الماء إلى أرضه وأن يسقي أرضه وأن ينشئ طاحونا وأن يتخذ سانية ومشرعة، أما إذا كان مضرا بالعامة بأن تفيض المياه وتفسد حقوق الناس أو تمنع سير السفن فلكل الناس حق منعه، هذا في الأنهار

Marfat.com

وأما في البحر فانه ينتفع به وإن ضر وبه صرح القهستاني ...... ولكل الناس في هذه الأنهار العامة حق الشفة سواء كان ذلك مضرا بالعامة أو غير مضر" (۲٦٦/۱۰)۔

(ب) اور اگر وہ نہر دوسرے مخصوص لوگوں کی ہے، عام نہیں ہے، تو ان کھیتوں اور علاقے والوں کو اس نہر سے انسانی ضرورت کے لئے پانی لینا ہر حال میں جائز ہے، اور اپنے حیوانات کو بھی اس سے پلاسکتے ہیں بشرطیکہ حیوانات کی کثرت کی وجہ سے نہر کو کسی طرح کا نقصان پہونچنے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ نہر والوں کی اجازت کے بغیر اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب نہیں کرسکتے۔

ہندیہ میں ہے:

"الثالث مايجرى على نهر خاص لقرية فلغيرهم فيه شركة في الشفة وهو الشرب وسقي الدواب ...... نهر لقوم ولرجل أرض بجنبه ليس له شرب من هذا النهر كان لصاحب الأرض أن يشرب ويتوضأ ويسقي دوابه من هذا النهر وليس له أن يسقي منه أرضا أو شجرا أو زرعا ولا أن ينصب دولابا على هذا النهر لأرضه ...... وإن أراد قوم ليس لهم شرب من هذا النهر أن يسقوا دوابهم منه قالوا إن كان الماء لاينقطع بسقي الدواب ولايفني ليس لأهل النهر أن يمنعوهم وإن كان الماء ينقطع بسقيهم بأن كانت الإبل كثيرة كان لهم حق المنع وقال بعضهم إن كان تنكسر ضفة النهر ويخرب بالسقي كان لهم حق المنع وإلا فلا" (ہندیہ ۳۹۱/۵، وکذا فی درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲۸۵/۱-۲۸۸)۔

درمختار میں ہے:

"لاسقي دوابه إن خيف تخريب النهر لكثرتها ولاسقي أرض وشجره

Marfat.com

وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نهر غيره وقناته وبئره إلا بإذنه لأن الحق له فيتوقف على إذنه" (درمع الرد ۱۰/ ۱۳-۱۴)۔

(ج) اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے "شفۃ" یعنی انسانی وحیوانی ضرورت مثلاً پینا، پکانا، وضو وغسل، کپڑے دھونا، جانوروں کو پلانا وغیرہ کے لئے جاری کی گئی ہے تو کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی وحیوانی ہر ضرورت کے لئے اس سے استفادہ کرنا ہر حال میں جائز ہے، لیکن کھیتوں اور باغات کی سیرابی اس سے جائز نہیں، ہاں! البتہ اگر پانی میں اس کی گنجائش ہو اور لوگوں کو کوئی حرج وضرر نہ ہو تو پھر زمین وباغ کو سیراب کرنا بھی درست ہے۔ بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"نهر في مدينة أجراه الامام للشفة فأراد بعض الناس أن يتخذ عليه بساتين إن لم يضر بأهل الشفة وسعه ذلك وإن أضر لايسعه ذلك كذا في التاتارخانية" (ہندیہ ۵/ ۳۹۱)۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

"إذا أجرى ماء من طرف السلطان لقرية لأجل الشفة وأراد بعض أهل القرية إسقاء بساتينهم من ذلك الماء ينظر فإن كان ذلك مضرا بأهل القرية فهو غير جائز وإذا كان غير مضر فجائز" (۱۰/ ۲۷۹)۔

(د) اور اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے جاری کی گئی ہے تو کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے "شفۃ" یعنی انسانی وحیوانی ہر ضرورت کے ساتھ ساتھ اپنے کھیت اور باغات کو سیراب کرنے کا بھی پورا حق حاصل ہوگا۔ حکومت انسانی وحیوانی ضرورت پوری کرنے سے تو کسی کو نہیں روک سکتی، البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی کچھ لوگوں کو کھیت و

Marfat.com

باغات کی سیرابی سے روکنا چاہے تو حکومت کو اس کا حق حاصل ہے، کیوں کہ ایسی نہر مملوک کنویں کی طرح ہے، اور مملوک کنویں کا یہی حکم ہے۔

تکملۂ فتح الملہم میں ہے:

"وأما الأنهار الصغيرة التي تكريها الحكومات لسقي المزارع فانها مملوكة للحكومات وقياس ما ذكرنا أن يكون ماء ها في حكم ماء البئر المملوكة فلا يجوز للحكومة أن تمنع أحدا من الشرب أو من سقي دوابه منها ولكنها تستطيع أن تمنع ناسا من سقي مزارعهم منها وحينئذ ينبغي أن يجوز بيع ماء ها لسقي المزارع بشرط الأمن من جهالة المقدار كما أسلفنا فإن أمكن ضبط مقدار الماء بالعداد ونحوه ينبغي أن يجوز بيعه" (تکملۂ فتح الملہم ۱/ ۴۹۲)۔

مملوک کنویں کے متعلق "کتاب الخراج" میں ہے:

"كل من كانت له عين أو بئر او قناة فليس له أن يمنع ابن السبيل من أن يشرب منها ويسقي دابته وبعيره وغنمه منها ...... وله أن يمنع السقي للأرض والزرع والنخل والشجر وليس لأحد أن يسقي شيئا من ذلک إلا باذنه، فإن أذن له فلا بأس بذلک ......" (ص/ ۹۵)۔

اب وضاحت طلب بات یہ رہی کہ جن صورتوں میں کھیت کے لئے پانی لینے کی اجازت ہے ان میں کھیتوں کی سینچائی کی ترتیب کیا ہوگی؟ نیز یہ کہ کس کو کتنا پانی لینے کا حق اور اختیار ہوگا؟

چنانچہ ترتیب کے سلسلہ میں اصل مدار عرف ہے، اگر عرف یہ ہو کہ سینچائی دہانے سے اور بالائی حصہ سے شروع کی جائے تو ایسا کیا جائے، پھر آخر اور زیریں حصہ والا سینچائی کرے گا،

Marfat.com

اور اگر آخر اور نیچے سے سینچائی کا معمول ہو تو ایسا کیا جائے، اور اگر یہ معمول ہو کہ ایک مرتبہ دہانے سے سینچائی شروع کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ آخر سے تو ایسا کیا جائے، اس طرح ہر شخص اپنے کھیت کا تقاضہ پورا کرکے اگلے کو نمبر دے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری شخص کے درمیان سینچائی کے سلسلہ میں ہونے والے نزاعی واقعہ کے ذیل میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "**ثم إنهم لایذکرون تفصیل الاعلی أو الأسفل فی کتبنا فتتبعته حتی وجدت مسألة عن محمد فی غایة البیان للاتقان وهو أقدم من ابن الهمام، یمکن حمل الحدیث علیها، نقل عن محمد أن ذلک یبنی علی العرف فإن جری العرف یسقی الأعلی کما فی الحدیث فکذلک وإن جری علی التقسیم فعلی ماجری به العرف**" (فیض الباری شرح صحیح البخاری ۳/ ۵۶۲-۵۶۳)۔

ہاں! اگر کوئی عرف نہ ہو اور پہلے سے کوئی ترتیب نہ ہو تو پھر آپس کی رضامندی سے ترتیب بنائی جاسکتی ہے، چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ پہلے دہانے والا پھر بعد والا، یا اس کے برعکس، اور چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ ایک دن یہ سینچائی کرے اور دوسرے دن دوسرا۔ لیکن اگر اختلاف ہو جائے اور کوئی بات طے نہ ہو پائے تو پھر یہی ترتیب ہوگی کہ پہلے دہانے والا اور اوپر والا سینچائی کرے گا، اس کا حق ہوگا، پھر اس کے بعد والا اور نیچے والا سینچائی کرے گا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری شخص کے واقعہ کے ذیل میں علامہ عینی لکھتے ہیں:

"**فیه أن أهل الشرب الأعلی یقدم علی من هو أسفل منه ویحبس الأول الماء حتی یبلغ إلی جدر حائطه ثم یرسل الماء إلی من هو أسفل منه فیسقی کذلک ویحبس الماء کذلک ثم یرسله إلی من هو أسفل منه وهکذا**" (عمدۃ القاری شرح البخاری ۱۲/ ۲۰۳)۔

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

"قال العلماء: الشرب من نهر أو مسيل غير مملوك يقدم الأعلى فالأعلى ولاحق للأسفل حتى يستغنى الأعلى وحدّه أن يغطى الماء الأرض حتى لاتشربه ويرجع إلى الجدار ثم يطلقه" (فتح الباری، کتاب المساقات، باب شرب الاعلی قبل الاسفل ۵/ ۴۸، رقم: ۲۳۶۲)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"ينتفع الناس بماء الأمطار أو السيول أو النهر الصغير الذى يزدحم الناس فيه بأن يبدأ بالأعلى فيسقى أرضه حتى يصل إلى الكعب (النهاية) ثم يرسله إلى من يليه فيسقى ويحبس الماء حتى يصل إلى كعبه ثم يرسله إلى من يليه فيفعل كذلك وهلم جرا إلى آخره" ۲۱ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۹)۔

پھر جس کی باری ہو وہ کتنا پانی پلائے؟ کس حد تک استفادہ کرے؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی زمین کی حاجت وضرورت کے مطابق پانی پلائے اور سینچائی کرے، تاہم کعبین یا کھیت کی منڈیر تک پانی لینا چاہے تو لے سکتا ہے، اسے اس کا حق ہے۔

علامہ عینی نے اس سلسلہ کے مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے ابوالحسن ماوردی کی یہ مفید ومعتدل بات بھی نقل کی ہے: "ليس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان، لأنه يدور بالحاجة والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف مافيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقى" (عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۰۳-۲۰۴)۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اولاً یہی تعلیم دی تھی کہ اپنی ضرورت کے بقدر سینچائی کرکے انصاری شخص کو سینچائی کا موقع دے دے، مگر جب انصاری شخص نے غصہ کیا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو پورا حق وصول کرنے یعنی منڈیر تک پانی پلانے کو

Marfat.com

کہا-تکملۂ فتح الملہم میں ہے:"(قوله: اسق يا زبيرا ثم أرسل الماء إلى جارك) قاله رسول الله ﷺ مشورة، لأن فيه صلاحا للاثنين ورعاية للجانبين، فانه كان من حق الزبير رضى الله عنه بفضل كونه أعلى أن يحبس الماء ويسقى أرضه إلى أن يبلغ الماء إلى الكعبين وبذلك قضى رسول الله ﷺ فى قضايا كثيرة، فقد اخرج أبوداؤد وابن ماجة عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده "أن رسول الله ﷺ قضى فى سيل المهزور أن يمسك حتى يبلغ الكعبين، ثم يرسل الأعلى إلى الاسفل" ولكنه ﷺ أمر الزبيرؓ هنا بالإحسان إلى جاره وأرشده إلى أن يكتفى بقدر حاجته فى السقى، ثم يرسل الماء إلى جاره ...... (قوله: ثم يحبس الماء حتى يرجع إلى الجدر) ...... فالمعنى أن النبى صلى الله عليه وسلم أمره بحبسالماء إلى أن يصل إلى أصول النخل ويبلغ الجدر وكان هذا حقا للزبير رضى الله عنه كما تقدم، لأن بلوغ الماء إلى الجدر إنما يكون حين يبلغ إلى الكعبين من الرجل القائم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر الزبير أولا بالرفق مع جاره ولكنه لما لم يقبله أمره بالتمسك بحقه الأصلي" (تکملۃ فتح الملہم ۴/۵۰۵-۵۰۶)۔

ہر شخص اپنی زمین میں ضرورت کے بقدر سینچائی کرے، تاہم منڈیر تک یا کعبین تک بھی اپنا کھیت بھر سکتا ہے، اسے اس کا حق ہے، البتہ اس موقع پر کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے بعد والوں کو ضرر پہونچے، فقہاء نے ہر ایسی صورت سے منع فرمایا ہے جس سے دوسروں کو نقصان ہو۔ "ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقى الأرض إن لم يضر بالعامة" (ردالمحتار ۱۰/۱۲)۔

ہندیہ میں ہے:

Marfat.com

”وإذا أراد أهل أعلى النهر أن يحبسوا الماء عن أهل الأسفل فان كان الماء كثيرا فى النهر بحيث لو أرسل ولم يسكر يصل كل واحد منهم إلى حقه فى الشرب لايكون لأهل الاعلى ولاية الحبس فان كان الماء فى النهر قليلا بحيث لايصل أهل الأعلى إلى حقهم فى الشرب إلا بالسكر فالمسألة على وجهين: إن كان الماء بحال لو أرسل إلى أهل الأسفل لايمكن لأهل الأسفل الانتفاع أصلا بأن كان النهر ينشفه كان لأهل الأعلى الحبس، وإن كان الماء بحال لو أرسل إلى أهل الأسفل يمكنهم الانتفاع به لايكون لأهل الأعلى السكر بل يبدأ بأهل الأسفل حتى يرووا، ثم بعد ذلك لأهل الأعلى أن يسكروا ليرتفع الماء إلى أراضيهم، قال خواهر زاده واستحسن مشائخنا فى هذا الوجه أن الإمام يقسم بينهم بالأيام إذا أبى أهل الأسفل السكر ثم يصنع أهل الأعلى فى نوبتهم ما أحبوا نفيا للضرر عنهم ثم فى كل موضع جاز لأهل الأعلى السكر فإنما يجوز لهم ذلك بوضع لوح فى النهر وما أشبهه لا بالتراب كذا فى المحيط، فإن تراضوا على أن الأعلى يسكر النهر حتى تشرب أرضه جاز وكذا لو اصطلحوا على أن يسكر كل واحد منهم فى نوبته جاز أيضا، لأن الماء قد يقل فى النهر فيحتاج كل واحد منهم إلى ذلك كذا فى فتاوى قاضى خان“ (ہندیہ ۳۹۶/۵، نیز دیکھئے: رد المحتار ۲۱/۱۰-۲۲، درر الحکام شرح المجلۃ ۲۹۲/۱۰)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کب حاصل ہوتی ہے؟

جس طرح دیگر اسباب ملک مثلاً عقد یا نیابت ووراثت سے افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوسکتی ہے، اسی طرح ”احراز“ سے بھی افرد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوسکتی ہے، لہذا جن

Marfat.com

صورتوں میں احراز پایا جائے گا ان میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوگی، اور جن صورتوں میں احراز نہیں پایا جائے گا ان میں ملکیت حاصل نہ ہوگی۔

احراز کا مطلب ہے: ''کسی چیز کی طرف سبقت کر کے اس کو لیکر محفوظ جگہ میں رکھ دینا''، ''الاحراز يطلق على جعل الشئ فى موضع حصين'' (درر الحکام ۱۰/ ۲۷۵، شامی ۱۰/ ۱۳)، البتہ ضروری یہ ہے کہ احراز کا قصد وارادہ بھی ہو۔ اس کو حاصل کرنے اور لینے کے ارادہ سے اس کی طرف سبقت ہوئی ہو، پس اگر احراز کا قصد نہ ہو تو ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ إن الاصل قصد الاحراز وعدمه ومما صرحوا به لو وضع رجل طستا على سطح فاجتمع فيه ماء المطر فرفعه آخر إن وضعه الأول لذلک فهو له وإلا فللرافع'' (شامی ۱۰/ ۱۴)۔ مزید وضاحت کے لئے ذیل میں احراز اور عدم احراز کی مختلف صورتیں ذکر کی جارہی ہیں:

احراز ماء کی مختلف صورتیں:

(الف) برتنوں اور ٹنکیوں میں پانی بھر لیا جائے۔

ہندیہ میں ہے:

''الرابع ما أحرز فى حب ونحوه فليس لأحد أن يأخذ منه شيئاً بدون إذن صاحبه وله بيعه لأنه ملكه بالإحراز فصار كالصيد والحشيش'' (۵/ ۳۹۱، وکذا فی درر الحکام ۱۰/ ۲۷۵)۔

امام نووی لکھتے ہیں:

''أما إذا أخذ الماء فى إناء من الماء المباح فإنه يملكه هذا هو الصواب وقد نقل بعضهم الاجماع عليه'' (شرح مسلم ۲/ ۹۱)۔

تکملۂ فتح الملہم میں ہے:

Marfat.com

"الثانی الماء المحرز بالجرار والأوانی والأنابیب فی عصرنا وهو مملوک لمحرزه بالاجماع"(۵۹۱/۱)۔

(ب) بارش کا پانی حاصل کرنے کے قصد سے برتن رکھا جائے جس میں پانی بھر جائے۔

درر الحکام میں ہے:

"یقتضی أن یکون الاحراز مقرونا بالقصد حتی یحصل الإحراز فإذا کان غیر مقرون بالقصد فلا یحصل الإحراز فلذلک لو وضع أحد وعاء فی محل بقصد جمع میاه المطر فیه فیکون ماء المطر المجتمع فی ذلک الإناء ملکه" (۲۷۶/۱۰)۔

محیط برہانی میں ہے:

"رجل وضع طستا علی سطح واجتمع فیه ماء المطر فجاء رجل ورفع ذلک وتنازعا فیه ینظر إن وضع صاحب الطست لذلک فهو له، لأنه أحرزه وإن لم یضع لذلک فهو للرافع لأنه مباح غیر محرز" (۶۹/۱۹)۔

(ج) بڑا حوض یا گڑھا بارش کا پانی حاصل کرنے کے لئے بنایا جائے اور اس میں بارش کا پانی بھر جائے۔

درر الحکام میں ہے:

"کذلک الماء المجتمع فی الحوض أو الصهریج المنشأین لأجل جمع الماء فیهما ملک لصاحبهما فلذلک لو نزل ماء مطر سقف جاره إلی ذلک الصهریج فلیس للجار طلب مشارکته فی الماء المجتمع فی الصهریج"
(۲۷۶/۱۰، وکذا فی الشامی ۱۴/۱۰-۲۸۵/۷)۔

(د) حوض وغیرہ بنا کر یا گڑھا کھود کر، اسی طرح پانی کے ٹنکر میں برتن یا پائپ وغیرہ

Marfat.com

کے ذریعہ پانی بھر دیا جائے۔

کتاب الخراج میں ہے:

"وإن هيأ له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيرا ثم باع من ذلك فلا باس إذا وقع في الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه" (کتاب الخراج للامام ابی یوسف ر ۹۵)۔

تکملۂ فتح الملہم میں ہے:

"وأما حياض الماء التى تسمى "تنكات" فى عصرنا ويأتى إليها الماء بالأنابيب فالظاهر أنها من القسم الثانى (اى من الماء المحرز بالجرار والأوانى) وتدخل فى ماذكره الإمام أبويوسف بقوله: "وإن هيأ له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيراً ثم باع من ذلك فلا بأس" (۱ر ۴۹۲)۔

شامی میں ہے:

"فلو أحرزه فى جرة أو حب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر أو جص وانقطع جريان الماء فانه يملكه" (۱۰ر ۱۳، نیز ۷ر ۲۵۸)۔

اعلاء السنن میں ہے:

"لافرق بين الحوض والبئر عندنا فان كليهما معدان للماء، فلما يملك ماء البئر مع كون البئر مملوكة فكذلك ماء البركة والحوض، اللهم إذا ملأ شيئاً منهما بالدلاء ونحوها فالماء ملك له" (۱۴ر ۱۹۰)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"النوع الأول الماء المحرز فى أوان خاصة، هو ماجازه صاحبه فى آنية أو ظروف خاصة كالجرار والصهاريج والحياض والأنابيب ومنه مياه

Marfat.com

الشركات في المدن المتخصصة لتأمين ماء الدور، وهذا الماء ملك خاص لمن أحرزه بالاستيلاء عليه ككل مباح يمتلك باحرازه، فليس لأحد حق الانتفاع به إلا باذن صاحبه ولصاحبه بيعه أو التصرف به كما يشاء" (الفقہ الاسلامی ۵/ ۵۹۳، نیز درر الحکام ۱۰/ ۲۶۶)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''سوال: یہاں تقریباً ہر ایک کے پاس تالاب ہوتے ہیں اور ان تالابوں کے قرب وجوار میں زمین بھی ہوتی ہے، ان زمینوں میں کھیتی باڑی کرنے کے لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، زمین والا تالاب کا پانی پورا جو کہ تالاب میں موجود ہے خرید لیتے ہیں تو یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ بیع مجہول تو نہیں ہے؟

جواب: (اگر گڈھا کھود کر تالاب بنایا گیا اور پانی کو اس میں محفوظ رکھا گیا، اس کی حفاظت اور نگرانی کی گئی تو جس قدر پانی سامنے موجود ہے اس کی بیع درست ہے، اگرچہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو، مشار الیہ جب سامنے ہو تو اس کی مقدار معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، جبکہ اس کی کل کی بیع بصفقۃ واحدۃ کی جائے۔'' (فتاوی محمودیہ قدیم ۲۳/ ۳۲۹)۔

مذکورہ بالا تمام صورتیں پانی کے احراز کی ہیں جن میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا وہ پانی جو برتن، ٹنکی اور ٹنکر میں یا حوض، گڈھا، تالاب، ندی، دریا کھود کر اس میں بھر لیا گیا ہو، اسی طرح بارش کا وہ پانی جو بارش کا پانی حاصل کرنے کے ارادہ سے رکھے گئے برتن یا بنائے گئے حوض وغیرہ میں اکٹھا ہو گیا ہو وہ تمام پانی انسان کا مملوکہ ہوگا، وہ اس میں جس طرح تصرف کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

عدم احراز کی مختلف صورتیں:

عدم احراز کی صورتیں یہ ہیں جن میں افراد کو ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے:

Marfat.com

(الف): وہ پانی جو زیر زمین ہے، چاہے زمین مملوکہ ہو۔

شامی میں ہے:

"الماء تحت الأرض لايملک" (۷/۱۰)۔

(ب): وہ پانی جو بڑے سمندروں، دریاؤں اور ندیوں میں ہے۔

مجلۃ الاحکام میں ہے:

"البحار والبحيرات الكبيرة مباحة" (مع شرحہ درر الحکام ۲۶۵/۱۰)۔

شامی میں ہے:

"اعلم أن المياه أربعة أنواع، الأول ماء البحار ولكل أحد فيها حق الشفة وسقى الأرض فلا يمنع من الانتفاع على أى وجه شاء والثانى ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقى الأرض، إن لم يضر بالعامة" (۱۲/۱۰)۔

(ج): وہ پانی جو عوامی اور غیر مملوکہ کنویں میں یا نہر میں ہے۔

درر الحکام میں ہے:

"الآبار التى ليست محفورة بسعى وعمل شخص مخصوص اى لم يكن ذلک الشخص قد حفرها بنفسه بل هى من القديم لانتفاع كل وارد من ماء ها هى من الأشياء المباحة والمشتركة بين الناس فلذلک للعامة الانتفاع بهذه الآبار وليس لأحد الناس منع الآخر من الانتفاع" (۲۶۵/۱۰)۔

نیز لکھا ہے:

"الأنهار الغير المملوكة وهى الأنهار التى لم تدخل فى مجارى ملک جماعة ليست ملک أحد كالبحار والبحيرات بل هى مباحة" (۲۶۶/۱۰)۔

Marfat.com

(د): وہ پانی جو مملوک اور مخصوص کنویں، نہر یا حوض میں نکل آیا ہو۔

شامی میں ہے:

"قال الرملی: إن صاحب البئر لایملک الماء ...... وهذا مادام البئر أما إذا أخرجه منها بالاحتیال کما فی السوانی فلا شک فی ملکه لحیازته له فی الکیزان ثم صبه فی البرک بعد حیازته، تأمل، ثم حرر الف بین ما فی البئر ومافی الحباب والصهاریج الموضوعة فی البیوت لجمع الشتاء بأنها أعدت لإحراز الماء فیملک ما فیها" (۲۵۷/۷)۔

نیز لکھا ہے:

"فی الولوالجیة: ولو نزح ماء بئر رجل بغیر إذنه حتی یبست لا، علیه لأن صاحب البئر غیر مالک للماء" (شامی ۳/۱۰، نیز دیکھئے: درر الحکام ۲۷۷/۱۰)

اعلاء السنن میں ہے:

"لافرق بین الحوض والبئر عندنا فإن کلیهما معدنان للماء فلم یملک ماء البئر مع کون البئر مملوکة فکذلک ماء البرکة والحوض ال إذا ملأ شیئاً منهم بالدلاء ونحوهما فالماء ملک له" (۱۹۰/۱۴)۔

(ھ): وہ پانی جو حوض وغیرہ میں کہیں سے مثلاً دوسرے بہتے پانی سے آکر از خود ہوگیا ہے، اسی طرح بارش کا وہ پانی جو برتن وغیرہ میں اکٹھا ہوگیا اور بھر گیا ہے بشرطیکہ ان کو مقصد کے لئے رکھا اور بنایا نہیں گیا ہے۔

کتاب الخراج میں ہے:

"وکذلک لو کان فی مصنعة یجتمع فیها الماء من السیول فلا فی بیعه أیضاً فاذا کان انما یجتمع من السیول فلا خیر فی بیعه" (ص/۹۵)۔

Marfat.com

شامی میں ہے:

"العين أو الحوض الذی دخل فيه الماء بغير إحراز واحتيال فهو بمنزلة النهر الخاص" (شامی ۱۰/ ۱۴، ہندیہ ۳۹۱/۵)۔

شامی میں ہے:

"إن الأصل قصد الإحراز وعدمه ومما صرحوا به لو وضع رجل طستا على سطح فاجتمع فيه ماء المطر فرفعه آخر إن وضعه الأول بذلک فهو له وإلا فللرافع" (۱۰/ ۱۴)۔

درر الحکام میں ہے:

"أما مياه المطر التی تجمعت فی إناء وضعه بدون قصد ای بغير قصد جمع ماء المطر فيه فلاتكون ملكا له بل تكون مباحة ويسوغ لشخص غيره أن يأخذها ويتهلكها" (۱۰/ ۲۷۶)۔

مذکورہ بالا جملہ صورتیں عدم احراز کی ہیں جن میں افراد کو ملکیت حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا وہ پانی جو زیر زمین ہو، بڑے سمندروں، دریاؤں اور ندیوں میں ہو، غیر مملوکہ و مملوکہ کنویں وغیرہ میں نکلا ہو، یا بارش وغیرہ سے ایسے برتن وغیرہ میں آ کر اکٹھا ہو گیا ہو جنہیں اس مقصد کے لئے نہیں رکھا گیا ہے، یہ تمام پانی مباح اور غیر مملوک ہیں، ہر انسان کو اس سے استفادہ کا حق ہے، بغیر احراز کے اس کو کوئی شخص بیچ نہیں سکتا۔

۱۳- پانی کی تجارت جائز ہے؟

جی ہاں! جن صورتوں میں احراز پایا جاتا ہے اور آدمی پانی کا مالک بن جاتا ہے ان صورتوں میں اپنے مملوکہ پانی کو بیچنا اور اس کی تجارت کرنا جائز اور درست ہے، بالخصوص جبکہ آدمی نے اس کی تجارت ہی کے لئے اس کا احراز کیا ہو اور اس کے لئے اپنی محنت اور مال خرچ کیا

Marfat.com

ہوتو اس کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

کتاب الخراج میں ہے:

"لابأس ببيع الماء إذا كان فى الأوعية هذا ماء قد أحرز فإذا أحرزه فى وعاء ه فلا بأس ببيعه، وإن هيأ له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيرا ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع فى الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه" (ص/۹۵)۔

شرح منظومۃ ابن وہبان میں ہے:

"أما الماء المحرز فى الإناء فانه يجوز بيعه" (شرح منظومۃ لابن الشحنۃ، وکذا فی البدائع ۵/ ۲۷۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۳، الہندیہ ۵/ ۳۹۱)۔

درر الحکام میں ہے:

"لو أخذ أحد من نهر أو بئر أو منبع ماء بوعاء كالجرة والبرميل فباحرازه وحفظه فى ذلك الوعاء صار ملكه، لأنه قد ملكه بالاحراز، فلذلك أن يتملك ذلك الماء بأنواع التمليكات كأن يبيعه لآخر أو أن يهبه أو أن يوصى به كما أنه إذا مات يكون موروثا لورثته، كما أن المياه التى توضع فى الآستانة فى البراميل والقوارير وتباع من قبل أصحابها ...... هى ملك لأصحابها وليست مباحة" (۱۰/ ۲۷۵)۔

بیع ماء سے ممانعت کی احادیث اوران کی توجیہ وتوضیح:

مملوکہ پانی کی خرید وفروخت اور تجارت جائز ہونے پر نبی اکرم ﷺ کے ان ارشادات سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا جن میں آپ ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ ان ارشادات نبوی میں ممنوع البیع پانی سے ہر قسم کا پانی مراد نہیں ہے، بلکہ خاص پانی

Marfat.com

د ہے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے، اور جمہور کا مسلک ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف: ابن ماجہ کی روایت ہے: ''عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی علیه وسلم: ''المسلمون شرکاء فی ثلاث، فی الماء والکلأ والنار وثمنه ام'' قال سعید: یعنی الماء الجاری'' (کتاب الرہون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، ص ۱۸۰، ۲۴۷۳، ابوداؤد: کتاب البیوع، باب فی منع الماء، ص ۴۹۲)۔

☆ علامہ سندھی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ''المشهور بین العلماء أن راد ...... بالماء ماء السماء والعیون والأنهار التی لامالک لها ...... فالماء إذا رزه إنسان فی إناء وملکه یجوز بیعه ...... وفی الزوائد: حدیث عبد الله بن رش قد ضعفه أبو زرعة والبخاری وغیرهما وقال محمد بن عمار الموصلی: اب'' (ابن ماجہ مع حاشیۃ السندی، وتعلیقات مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ للبوصیری ۱۷۶/۲)۔

(ب): مسلم شریف کی روایت ہے: ''عن جابر بن عبد الله قال نهی: رسول ﷺ عن بیع فضل الماء'' (مسلم: کتاب المساقات ۱۸/۲، رقم: ۳۸۸۴)۔

☆ امام نووی اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں: ''أما إذا أخذ الماء من الماء سباح فإنه یملکه، هذا هو الصواب وقد نقل بعضهم الإجماع علیه'' (شرح مسلم وی ۱۹/۲)۔

تکملۂ فتح الملہم میں ہے: ''فإن الماء المحرز فی الجرار والأوانی مملوک جماع ...... فیجوز بیعه، فالمراد من الماء فی الحدیث ماء الأنهار والبحار ی لاملک فیها لأحد ویدل علیه ما أخرجه أحمد فی مسنده (۴۱۷:۳) عن س بن عبد من أصحاب النبی ﷺ، قال: ''لاتبیعوا فضل الماء، فان النبی ﷺ نهی عن بیع الماء، قال: والناس یبیعون ماء الفرات، فنهاهم'' فانه یدل اهره أن النهی وارد فی ماء الأنهار وأما کون الماء المحرز مملوکا فیدل

Marfat.com

عليه حديث الباب حيث خص النهى بفضل الماء مما يدل على أن بيع أصله مباح وانما الممنوع بيع فضله ...... الصيود كلها مباحة فى الأصل وتتملک بالصيد، فيقاس عليها الماء، فانه مباح فى أصله ويتملک بالإحراز وصارت هذه الاستنباطات اليوم مؤكدة بإجماع الأمة، فلا يجوز العدول عنه" (۳۸۹/۱)۔

(ج): ترمذی شریف میں ہے:"عن إياس بن عبد المزنى قال: نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع الماء ...... وحديث اياس حسن صحيح" (ابواب البیوع، باب ماجاء فی بیع فضل الماء ۲۴۰/۱، رقم: ۱۲۸۹)۔

☆ اعلاء السنن میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:"الحديث ليس على إطلاقه بل هو مقيد بالماء غير المملوک فجاز بيع الماء المحرز فى الآنية وغيرها بالاتفاق ولايجوز بيع ماء الأنهار غير المستخرجة بالاتفاق وأما بيع ماء الآبار ففيه اختلاف فمن قال: إنه مملوک ينبغى أن يجوز بيعه عنده، ومن قال: إنه غير مملوک فلايجوز بيعه عنده وهو مذهب الحنفية" (۱۸۷/۱۴)۔

کتاب الخراج میں ہے:"عن عائشة قالت: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الماء قال أبويوسف: وتفسير هذا عندنا والله أعلم أنه نهى عن بيعه قبل أنَ يحرز والاحراز لايكون إلا فى الأوعية والآنية، فأما الآبار والأحواض فلا" (ص/۹۷)۔

(د): ابوداؤد شریف کی روایت ہے: ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا نبی الله ما الشئ الذى لايحل منعه؟ تو آپ نے فرمایا: الماء (کتاب البیوع، باب فی منع الماء ۴۹۲/۲، رقم: ۳۴۷۳)۔

☆ اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے صاحب بذل المجہود رقمطراز ہیں:

Marfat.com

"الماء ای إذا لم یکن فی الأوانی والصهاریج والحیاض وأما إذا کان فیها فهو مملوک له یحل منعه" (۲۸۱/۴)۔

ایک ضعیف روایت سے بھی جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے: "أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع الماء إلا ما حمل منه" (رواہ ابوعبید ابن سلام فی الاموال، ص ۳۰۲، از اعلاء السنن ۱۴/۱۸۹)۔ یعنی: آپ ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا سوائے اس مقدار کے جسے نکال کر محفوظ کرلیا گیا ہو۔ موسوعہ فقہیہ میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے: یہ استثناء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلی حدیث میں وہ پانی مراد ہے جو قبضہ میں نہیں لیا گیا ہے، اس بناء پر عام کنویں کا پانی مباح الاستعمال ہے، اس میں کسی کی ملکیت نہیں، اِلا یہ کہ اس میں سے لے کر جمع کرلیا گیا ہو" (اردو ۱/۱۱۱)۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "وهذا الماء ملک خاص لمن أخذه بالاستيلاء علیه ککل مباح یمتلک بإحرازه فلیس لأحد حق الانتفاع به إلّا بإذن صاحبه ولصاحبه بیعه أو التصرّف به کما یشاء، فقد روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی عن بیع الماء إلا ما حمل منه وقد خصص حدیث المنع من بیع فضل الماء بالقیاس علی جواز بیع الحطب إذا أحرزه الحاطب لحدیث الرجل الذی أمره النبی ﷺ بالاحتطاب یستغنی به عن السؤال" (۵/۵۹۳)۔

بہر حال احراز سے پانی پر ملکیت ثابت ہو جانے کے بعد مملوکہ پانی کو بیچنا درست ہے؛ جبکہ عدم احراز کی صورتوں میں پانی پر ملکیت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس پانی کو بیچنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے:

"فإذا کان إنما یجتمع من السیول فلا خیر فی بیعه، وإن کان فی بئر أو عین یزداد ویکثر أو لایزداد ولایکثر فلا خیر في بیعه ولو باعه لم یجز البیع ومن لستقی منه شیئا فهو له" (ص/۹۵)۔

Marfat.com

محیط برہانی میں ہے:

"الماء قبل الإحراز بما وضع للإحراز لا يصير مملوكا لأحد وبيع ما لا يملك الإنسان لا يجوز" (۱۹/ ۸۴)۔

غیر محرز پانی کی بیع کے جواز کی ایک صورت:

البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں احراز کے بغیر بھی پانی بیچا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کنواں یا تالاب وغیرہ ہی بیچ دیا جائے تو اس صورت میں کنویں اور تالاب وغیرہ کے تابع ہو کر پانی کی بھی بیع ہو جائے گی، اور یہ درست ہوگا، جیسا کہ مدینہ منورہ میں پانی کی تنگی کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہودی سے کنواں خریدا تھا اور اسے وقف کر دیا تھا، علامہ عینیؒ اس واقعہ کے تحت لکھتے ہیں: "فيه جواز بيع الآبار" (عمدۃ القاری فی شرح البخاری ۱۲/ ۱۹۱، کتاب المساقات، باب فی الشرب)۔ وہبہ زحیلی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: "فهذا الحديث كما يدل على جواز بيع البئر نفسها وكذلك العين بالقياس عليها يدل على جواز بيع الماء ...... ثم إن الماء هنا داخل في البيع تبعا لبيع البئر وهذا لا خلاف فيه" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۴۵۲-۴۵۳)۔ محیط برہانی میں ہے: "ويدخل الشرب في البيع والإجارة تبعا للارض وقد يدخل الشئ في البيع تبعا لغيره وإن كان لايدخل مقصودا" (محیط برہانی ۱۹/ ۸۴، وکذا فی البدائع ۵/ ۲۷۶)۔

تنبیہات:

مملوک کنویں کا پانی مملوک ہے؟ اس کی بیع جائز ہے؟:

(۱): پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ کنویں میں جو پانی نکلتا ہے وہ غیر محرز ہوتا ہے، اس لئے نہ وہ مملوک ہے اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت بلا احراز درست ہے، لیکن اس سلسلہ میں

Marfat.com

بعض علماء کی رائے اس سے مختلف ہے، وہ یہ ہے کہ کنویں کا پانی بھی مالک کنواں کا مملوک ہے، اس لئے وہ اس کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے، اس کی خرید وفروخت درست ہے، چنانچہ "تحفۃ المعی شرح ترمذی" میں ہے:

"اپنے ذاتی کنویں کا پانی فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر علماء اس پانی کو مباح الاصل قرار دیتے ہیں، مگر میری رائے یہ ہے کہ اپنے کنویں کا پانی مملوکہ ہے اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث (یعنی: **نهى النبي ﷺ عن بيع الماء**) میں ممانعت مکارم اخلاق کی قبیل سے ہے،...... اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہ کا طے شدہ ضابطہ ہے کہ مملوکہ شئ کے زوائد مملوک ہوتے ہیں، جیسے آم کے درخت پر بارش کے پانی سے پھل آئے تو وہ درخت کے مالک کے مملوکہ ہیں، پس مملوکہ زمین میں جو گھاس خود بخود اگتی ہے وہ مملوکہ زمین کے زوائد ہیں، پس زمین کا مالک اس کا بھی مالک ہوگا اور جب وہ اس گھاس کا مالک ہے تو وہ اس کو بیچ سکتا ہے، یہی حکم کنویں کے پانی کا ہے" (تحفۃ المعی ۱۹۹/۴-۲۰۱)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے ایک فتوی سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کتاب الفتاوی میں ہے: "سوال: کیا پانی کی تجارت جائز ہے؟

جواب: جو پانی برتنوں میں محفوظ کرلیا جائے انسان اس کا مالک ہوجاتا ہے اور اس کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ ذاتی تالاب، کنویں کے زائد از ضرورت پانی کو بیچنا اور اس سے استفادہ کرنے والوں سے اس کی قیمت وصول کرنا بہتر نہیں ہے" (۱۹۸/۵)۔

شافعیہ کا مسلک بھی یہی ہے، علامہ نووی رقمطراز ہیں:

"إعلم أن المذهب الصحيح أن من نبع في ملكه ماء صار مملوكا له وقال بعض أصحابنا لايملكه" (نووی شرح مسلم ۱۹/۲، وکذا فی تکملۃ فتح الملہم ۴۹۱/۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

Marfat.com

"قال الشافعية في الأصح عندهم: يملك الشخص ماء البئر المحفورة في الأرض الموات للتملك أو المحفورة في ملك خاص، لأنه نماء ملكه كالثمرة واللبن والشجر النابت في ملكه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۵، وکذا فی اوجز المسالک إلی موطا مالک ۵/۳۱۴)۔

علامہ ابن ہمام نے اور ان کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم نے بھی اشکال کی صورت میں یہ پہلو ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: "على هذا لقائل أن يقول ينبغي أن حافر البئر يملك بناء ها ويكون بتكلفه الحفر والطى لتحصيل الماء يملك الماء كما يملك الكلأ بتكلفه سوق الماء إلى الأرض لينبت فله منع المستقي وإن لم يكن في أرض مملوكة" (فتح القدیر ۶/۵۶، البحر الرائق ۶/۱۲۷)۔

مگر اس رائے سے اتفاق مشکل معلوم ہوتا ہے کیوں کہ:

(الف): گھاس کے متعلق تو چاروں فقہی مذاہب میں راجح یہی ہے کہ زمین چاہے مملوکہ ہو مگر گھاس از خود پیدا ہوئی ہو تو وہ مباح ہے، کسی کی مملوک نہیں ہے، "حكم الكلأ أن لا يملك وإن نبت في أرض مملوكة بل هو مباح للناس جميعا، لهم أخذه ورعيه وليس لصاحب الأرض منعهم من ذلك، لأنه باق على الإباحة الأصلية وهو الراجح في المذاهب الأربعة لعموم حديث" الناس شركاء في ثلاثة: الماء والكلأ والنار" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲-۷/۵۰۵ ومسلک الحنفیہ فی الشامی ۱۰/۱۵)۔

(ب): علامہ شامی نے ابن ہمام کا اشکال نقل کر کے یہ جواب دیا ہے: "يمكن أن يفرق بينهما بأن سقى الكلأ كان سببا في إنباته فينبت بخلاف الماء فإنه موجود قبل حفره فلايملكه بالحفر" (شامی ۷/۲۵۸، منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۶/۱۲۷، وکذا فی النہر الفائق ۳/۴۲۴)۔

اعلاء السنن میں ہے: "وأورده في فتح القدير على من قال بثبوت الملك بالإنبات إنه يجب عليه أن يكون ماء البئر مملوكا للحافر، والجواب أن الحافر

Marfat.com

لادخل له في وجود الماء وإنما كان مستورا تحت الأرض فأظهر بالحفر ورفع الستر عن الشئ ليس باحراز له فلايكون مالكا بالحفر والسقی له دخل في وجود الكلأ كما هو ظاهر فيكون إحرازا له فثبت الفرق واندفع الايراد" (۱۸۸/۱۴)۔

(ج): حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ مملوکہ کنویں کا پانی بھی مملوک نہیں ہے، روایت میں ہے: "وردوا ماء فسألوا أهله أن يدلوهم على البئر فلم يدلوهم عليها، فقالوا، إن أعناقنا وأعناق مطابانا قد كادت تنقطع من العطش فدلونا على البئر وأعطونا دلواً نستقی به فلم يفعلوا فذكروا ذلك لعمر بن الخطابؓ، فقال: هلا وضعتم فيهم السلاح" (کتاب الخراج ۹۷)۔ غور کیا جائے! حضرت عمرؓ نے مملوکہ کنویں سے پانی نہ لینے دینے کی بناء پر اسلحہ سے قتال کرنے کا ذکر کیا۔ اگر یہ پانی مملوکہ ہوتا تو پھر اضطرار کی حالت میں بھی بلا اسلحہ لڑائی کرنے کی اجازت ہوتی جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے نہ کہ اسلحہ سے: "ولو كانت البئر أو العين أو الحوض أو النهر في ملك رجل ...... لومنعه عن ذلك وهو يخاف على نفسه ودابته العطش له أن يقاتله بالسلاح وإن كان محرزا في الأوانی فليس على الذى يخاف الهلاك من العطش أن يقاتل صاحب الماء بالسلاح على المنع ولكن يقاتله على ذلك بغير سلاح" (ہندیہ ۳۶۱/۵)۔ معلوم ہوا کہ ماء محرز جس طرح مملوک ہوتا ہے ماء بئر اس طرح مملوک نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہر ایک کو اس سے استفادہ کا حق ہوتا ہے، وہ حق نہ لینے دینے پر سلاح سے قتال کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: البدائع ۲۷۶/۵، الشامی ۱۵/۱۰-۱۶)۔

(د): جہاں تک مملوکہ شئ کے زوائد مملوک ہونے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں خیال حقیر یہ ہے کہ ان زوائد کو یعنی پانی اور گھاس کو دیگر عام زوائد پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ دونوں زوائد میں ایک فرق ہے، وہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مباح الاصل ہیں، ان میں اصل یہ ہے کہ وہ

Marfat.com

مباح ہوں، کسی کے مملوک نہ ہوں، تاکہ ہر ایک کا حق ان سے متعلق ہو اور ہر ایک ان سے استفادہ کرسکے۔ اسی نسبت سے ان کے متعلق وہ ارشادات نبوی وارد ہوئے جو پہلے ذکر کئے گئے، لہٰذا جب تک احراز نہ پایا جائے اس میں ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ جبکہ دیگر زوائد کا یہ حال نہیں ہے، اس لئے ان میں ملکیت ثابت ہونے کے لئے مملوکہ شئ کے زوائد ہونا بھی کافی ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے اس سلسلہ میں رہنمائی ملتی ہے، لکھتے ہیں:

"الماء الذی یکون فی الحیاض والآبار والعیون فلیس بمملوک لصاحبه بل هو مباح فی نفسه سواء کان فی أرض مباحة أومملوکة لکن له حق خاص فیه، لأن الماء فی الأصل خلق مباحا لقول النبی علیه الصلوٰة والسلام: "الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار" والشرکة العامة تقتضی الإباحة إلا أنه إذا جعل فی إناء وأحرزه به فقد استولی علیه وهو غیر مملوک لأحد فیصیر مملوکا للمستولی کما فی سائر المباحات الغیر المملوکة وإذا لم یوجد ذلک بقی علی أصل الإباحة الثابتة بالشرع فلایجوز بیعه" (۵/ ۴۷۲)۔

مذکورہ بالا رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ زیر زمین پانی مالک زمین کا مملوک ہے اس بات کا کوئی قائل نہیں ہے، "الماء تحت الأرض لایملک" (درمختار ۹/۱۰) حالانکہ یہ پانی بھی مالک کی زمین ہی میں ہے، اسی کی ملک سے متصل ہے، جبکہ زیر زمین پائی جانے والی دیگر اشیاء مثلاً معادن کے متعلق اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے کہ وہ مالک زمین کے مملوک ہیں: "قال الحنفیة والشافعیة والحنابلة فی أرجح الروایتین عندهم: المعادن تملک بملک الأرض، لأن الأرض إذا ملکت ملکت بجمیع أجزائها فإن کانت مملوکة لشخص کانت ملکا له وإن کانت فی أرض للدولة فهی للدولة وإن کانت فی ارض غیر مملوکة فهی للواجد، لأنها مباحة تبعا للأرض" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۷۴۳، ۵/ ۵۰۶)۔

Marfat.com

معلوم ہوا کہ پانی اور دیگر اشیاء میں فرق ہے، دیگر اشیاء میں تو ملکیت ثابت ہونے کے لئے مملوکہ شئ کے زوائد ہونا، مملوکہ شئ کے اندر پایا جانا، مملوکہ شئ سے متصل ہونا وغیرہ باتیں کافی ہیں، جبکہ پانی کے لئے اتنا کافی نہیں، احراز ضروری ہے۔ "الماء خلق مباح الاصل بالنص وإنما يأخذ حكم الملك بالإحراز بالأواني فلا يجوز بيعه لعدم الملک" (بدائع ۵/۲۷۵)۔

غرضیکہ مملوکہ کنویں وغیرہ کے پانی سے متعلق راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مملوکہ نہ ہوگا، مباح ہوگا، اس لئے اس کی خرید وفروخت درست نہ ہوگی۔

مملوکہ کنویں کا پانی سیرابی کے لئے بیچنا جائز ہے؟

(۲): بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ مملوکہ کنویں کا پانی شفت یعنی انسانی وحیوانی ضرورت کے لئے تو بیچنا جائز نہیں ہے مگر شرب یعنی کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے اس کو بیچنا درست ہونا چاہئے، بشرطیکہ فروخت شدہ پانی کی مقدار معلوم ومتعین کی جائے۔ اسی طرح حکومت جن چھوٹی نہروں کو کھیت کی سیرابی کے لئے جاری کرتی ہے ان کے پانی کو سیرابی کے لئے بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا بھی جائز ہونا چاہئے۔ جیسا کہ کتاب الخراج کی ایک عبارت سے استدلال کرتے ہوئے صاحب تکملۃ فتح الملہم حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"ثم إن الامام أبا يوسف رحمه الله قد ذكر حرمة بيع ماء البئر لأجل سقى المزارع، ولم يعلله بأنه يجب على صاحب البئر بذله أو إنه غير مالک له بل علله بأن القدر المبيع من الماء مجهول وقياس هذا التعليل أن يجوز ذلک اليوم، لأن اليوم وجدت العدادات التي يمكن بها ضبط مقدار الماء وعلى هذا ينبغي أن يجوز بيعه إذا أمكن ضبط مقداره بالعداد والله اعلم ...... وأما الأنهار

Marfat.com

الصغيرة التی تكريها الحكومات لسقی المزارع فإنها مملوكة للحكومات وقياس ماذكرنا أن يكون ماء ها فی حكم ماء البئر المملوكة، فلايجوز للحكومة أن تمنع أحدا من الشرب أو من سقی دوابه منها ولكنها تستطيع أن تمنع ناسا عن سقی مزارعهم منها وحينئذ ينبغی أن يجوز بيع مائها لسقی المزارع بشرط الأمن من جهالة المقدار كما أسلفنا فان أمكن ضبط مقدار الماء بالعداد ونحوه ينبغی أن يجوز بيعه والله سبحانه اعلم" (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۴۹۲)۔

مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ رائے بھی بوجوہ ذیل محل نظر ہے:

(الف): امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصریح و تعلیل سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے بیع ماء بیئر کے عدم جواز کی علت "لأنه مجهول غرر لايعرف" ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس عدم جواز کی صرف یہی علت ہے اور دیگر کوئی علت نہیں ہے، خود امام ابو یوسفؒ نیز دیگر فقہاء کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ مملوکہ کنویں کے پانی کی بیع کے عدم جواز کی بھی بنیادی علت و وجہ احراز نہ ہونے کی وجہ سے اس پانی کا غیر مملوک ہونا ہے، کتاب الخراج میں ہے: "نهی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن بيع الماء، قال أبويوسف وتفسير هذا عندنا والله أعلم أنه نهی عن بيعه قبل أن يحرز والإحراز لايكون إلا فی الأوعية والآنية فأما الآبار والأحواض فلا" (ص/ ۹۷)۔ امام ابو یوسفؒ کی اس تصریح سے واضح ہو رہا ہے کہ کنویں کا پانی ان کے نزدیک غیر محرز ہے، اور غیر محرز ہونے کی وجہ سے نہی کے تحت داخل ہے اور اس کی بیع ممنوع ہے، فقہاء کی عبارتیں بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہیں کہ کنویں کا پانی کنویں کے مالک کا مملوک نہیں ہے۔ "صاحب البئر غير مالك الماء الذی فی البئر بل هو مالك للبئر فقط" (درر الحکام ۱۰/ ۲۷۷)۔ ظاہر ہے کہ جس طرح حق شفت کے اعتبار سے مملوکہ کنویں کا پانی محرز اور مملوک نہیں ہوگا اسی طرح حق شرب کے لحاظ سے بھی وہ محرز اور مملوک نہ ہوگا، لہٰذا جس طرح شفت یعنی انسانی و حیوانی ضرورت کے لئے مملوکہ

Marfat.com

کنویں کا پانی بیچنا درست نہ ہوگا اسی طرح شرب یعنی کھیت اور باغات کی سیرابی کے لئے بھی اس کو بیچنا درست نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتاب الخراج کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اس میں کچھ آگے چل کر یہ صراحت موجود ہے کہ مقدار متعین کرنے کے باوجود غیر محرز اور غیر مملوک پانی کو بیچنا درست نہیں ہے، تکملۃ فتح الملہم میں وہ حصۂ عبارت مذکور نہیں ہے، پوری عبارت یہ ہے: "كل من كانت له عين أو بئر أو قناة فليس له أن يمنع ابن السبيل من أن يشرب منها ويسقي دابته وبعيره وغنمه منها وليس له أن يبيع من ذلك شيئا للشفة والشفة عندنا الشرب لبني آدم والبهائم والنعم والدواب، وله أن يمنع السقي للارض والزرع والنخل والشجر، وليس للأحد أن يسقي شيئا من ذلك إلا باذنه فإن أذن له فلا بأس بذلك وإن باعه ذلك لم يجز البيع ولم يحل للبائع والمشترى، لأنه مجهول غرر لايعرف، وكذلك ولوكان في مصنعة يجتمع فيها الماء من السيول فلا خير في بيعه أيضاً ولو سمى له كيلا معلوما أو عدد أيام معلومة لم يجز ذلك أيضا للحديث الذى جاء في ذلك والسنة، قال ولا بأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية هذا ماء قد أحرز، فإذا أحرزه في وعائه فلا بأس ببيعه، وإن هيأ له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيراً ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع في الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه، فاذا كان انما يجتمع من السيول فلاخير في بيعه ولو باعه لم يجز البيع ومن استقى منه شيئاً فهو له ......" (کتاب الخراج/۹۵)۔

دیکھئے اس فقرہ میں "لأنه مجهول غرر لايعرف" سے کچھ ہی آگے یہ عبارت ہے: "ولوسمى له كيلا معلوما أو عدد أيام معلومة لم يجز ذلك ايضا للحديث الذى جاء في ذلك والسنة"، اس سے واضح ہو رہا ہے کہ خود امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی مقدار متعین کر دینے کے باوجود غیر محرز اور غیر مملوک پانی کو بیچنا درست نہیں ہے۔

Marfat.com

(ب): فقہاء نے لکھا ہے کہ مملوک کنویں کے پانی میں سے ہر انسان شفت کے لئے پانی لے سکتا ہے، ہر انسان کو اس کا حق ہے، مگر شرب یعنی سیرابی کے لئے بلا اجازت پانی لینے کا حق نہیں ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص مملوک کنویں سے مالک کی اجازت کے بغیر سیرابی کے لئے پانی لیتا ہے تو اس کا یہ فعل درست تو نہ ہوگا اور بار بار ناحق طور پر ایسا کرنے سے اس کی تأدیب بھی کی جائے گی، مگر اس پر پانی کا کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

"لاسقي أرضه وشجره وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نهر غيره وقناته وبئره إلا باذنه، لأن الحق له فيتوقف على إذنه، اور ردالمحتار میں ہے: "(قوله: لاسقي ارضه) اضطر إلى ذلك أولا ولاضمان عليه إن سقي أرضه أو زرعه من غير إذن وإن أخذ مرة بعد مرة يؤد به السلطان بالضرب والحبس إن رأى ذلك" (شامی ۱۰/ ۱۳، وکذا فی الہندیہ ۵/ ۳۹۱، درر الحکام ۱۰/ ۲۷۷-۲۸۶)۔

اس جزئیہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مملوک کنویں کا پانی سیرابی کے لئے بھی قابل فروخت نہیں ہے؛ کیوں کہ جو چیز قابل فروخت ہوتی ہے وہ مملوک ہوتی ہے اور جو مملوک ہوتی ہے اس کے اتلاف سے ضمان واجب ہوتا ہے، "كل من يحرز شيئا مباحاً يملكه مستقلا..... فاذا أخذه آخر بدون إذنه واستهلكه يكون ضامنا" (درر الحکام ۱۰/ ۲۷۵) اور یہاں اتلاف یعنی سیرابی کے لئے بلا اجازت پانی لینا موجب ضمان نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہاں پانی نہ مملوک ہے اور نہ قابل فروخت ہے، ورنہ تو ضرور ضمان واجب ہوتا۔ "الماء قبل الإحراز غير مملوك لأحد وإتلاف غير المملوك لايوجب الضمان ولكن إذا تكرر الفعل المذكور أى السقي بلا إذن فيؤدب الفاعل بالحبس بأمر ولي الأمر" (درر الحکام ۱۰/ ۲۸۶)۔

(ج): مملوکہ کنویں سے دوسروں کو "شرب" یعنی سیرابی کا حق حاصل نہ ہونے کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس میں مالک کے حق کو باطل کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا لازم آتا ہے، یہ وجہ نہیں ذکر کی گئی ہے کہ کنویں والا اس اعتبار سے اس کا مالک ہے، "فليس له أن يمنع الناس

Marfat.com

من الشفة وهو الشرب بأنفسهم وسقي دوابهم منه لأنه مباح لهم وقد روى "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى منع نبع البئر" وهو فضل مائها الذى يخرج منها فلهم أن يسقوا منها لشفاههم ودوابهم فأما لزورعهم واشجارهم فله أن يمنع ذلک لما فى الاطلاق من إبطال حقه أصلاً - وليس لصاحب النهر أن يمنع من الشفة وهو شرب الناس والدواب وله أن يمنع من سقي الزرع والأشجار، لأن له فيه حقا خاصا وفي إطلاق السقي إبطال حقه، لأن كل أحد يتبادر إليه فيسقي منه زرعه وأشجاره فيبطل حقه أصلا ولو أذن بالسقي والنهر خاص له جاز لأنه أبطل حق نفسه" (بدائع ۵/۲/۵۷)۔اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ سیرابی کے اعتبار سے بھی کنویں والا نہ تو پانی کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی اس کو بیع واجارہ جیسے مالکانہ تصرفات کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(د): اسی طرح خود کنویں والے کو پانی کے تعلق سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کو "حق" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ "حق" سے تعبیر اس بات کی علامت ودلالت ہے کہ صاحب حق کو اس پر ملکیت حاصل نہیں ہے، "حقها اى حق الشفة وعبر بالحق، لأنه ليس ملكا لهم، لأنه غير محروز" (شامی ۱۰/۲۱)"قيل" حق الشفة" وهذا التعبير يدل على أنهم غير مالكين للماء المذكور، فإن هذا الماء غير محرز" (درر الحکام ۱۰/۵۸۲) پس جب کنویں والے کا کنویں کے پانی سے صرف حق متعلق ہے، باعتبار حق وہ دوسروں سے مقدم ہے اور بس! وہ کلیۃً اس کا مالک ومختار نہیں ہے تو سیرابی کے لئے ہی سہی اس پانی کو بیچنا اس کے لئے کیوں کر درست ہوگا۔

غرضیکہ مملوکہ کنویں کا پانی جس طرح شفت یعنی انسانی وحیوانی ضرورت کے لئے نہیں بیچا جاسکتا، اسی طرح شرب یعنی کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے بھی اس کو بیچنا درست نہیں ہے۔

Marfat.com

۱۴—تالاب اور نشیبی جگہ میں آبادیاں بسانا:

انسان کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے اس وقت تک نہیں روکا جاسکتا جب تک کہ اس کے تصرف سے دوسرے شخص کا یا معاشرہ کا معتد بہ نقصان اور ضرر لازم نہ آئے، "لايمنع أحد من التصرف في ملكه مالم يكن فيه ضرر فاحش للغير" (درر الحکام ۱۰/۲۲۰)۔ "أما إذا كان في تصرفه ضرر فاحش للغير فيمنع في ذلك الحال" ۲۱ (ایضاً ۱۰/۵۱۲)۔ پس صورت مذکورہ میں اگر تالاب میں آبادی بسانے سے واقعۃً آس پاس کی آبادی کو نقصان پہنچ رہا ہو کہ تالاب کا پانی آبادی میں پھیل کر لوگوں کی ایذاء و مضرت کا سبب بنتا ہو تو اس طرح تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا، حکومت کو چاہئے کہ اس پر پابندی لگائے، حکومت کی طرف سے پابندی اور ممانعت کے وقت یہ عدم جواز اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے، لیکن اگر آبادی بسانے کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ اطراف والوں کو کوئی نقصان نہ ہو، پانی کا راستہ اس طرح نکالا جائے کہ آبادی میں نہ پھیلے تو پھر تالاب کی جگہ آبادی بسانا درست ہے، اس مسئلہ کے نظائر مندرجۂ ذیل فقہی جزئیات ہیں:

کتاب الخراج میں ہے:

"إذا خاف أهل النهر أن ينشق عليهم فأرادوا تحصينه من ذلك فامتنع بعض أهله من الدخول معهم فيه، فان كان في ذلك ضرر عام أجبرهم جميعا على أن يحصنوه بالحصص وإن لم يكن فيه ضرر عام لم يجبروا على ذلك" (ص/۹۵، وکذا فی البدائع ۵/۲۷۸)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لوانشق ضفة النهر ويسيل الماء عنه فيتضرر الناس به فأصاب النهر يؤمرون بإصلاحه" (۵/۴۰۰)۔

Marfat.com

محیط برہانی میں ہے:

"إن خیف أن ینشق النهر الخاص وأرادوا أن یحصنوه فامتنع بعضهم فإن کان فی هذا ضرر عام بأن کان الماء یخرج إلی طریق المسلمین وإلی أراضیهم لو لم یصلحوا ...... یجبر الآبی علی ذلک وإن لم یکن فیه ضرر عام لایجبر بالاتفاق" (۸۲/۱۹)۔

ہاں! البتہ اگر وہ تالاب ایسا ہے کہ اس سے آس پاس کی آبادی والوں کا حق شفت متعلق ہے، لوگ اس سے اپنی انسانی وحیوانی آبی ضرورت پوری کرتے ہیں، اور وہاں آبادی بسانے میں لوگوں کی ضرورت متاثر ہوگی، انہیں دقت اور تکلیف کا سامنا ہوگا تو اس صورت میں حکومت کو چاہئے کہ ایسے تالاب میں آبادی بسانے پر پابندی لگائے، حکومت کو اس کا حق بلکہ اس کا یہ فرض ہے، اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے اس سلسلہ میں کافی روشنی ملتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"کل نهر له منفعة أکثر فلاینبغی للإمام أن یهدمه ولایتعرض له وکل نهر مضرته أکثر من منفعته فعلی الإمام أن یهدمه ویطمه ویسویه بالأرض إلا ماکان للشفة، فإن کان فیه ضرر علی قوم وصلاح الآخرین فی الشفة لم یتعرض له، وإن تعرض له قوم فسدوه أو طموه بغیر إذن الإمام فینبغی للإمام أن یأمر برده إلی حاله وأن یوجعوا عقوبة، لان شراب الشفة غیر شرب الأرضین، شرب الشفة نری القتال علیه ولأصحاب الشفة من هذا النهر أن یمنعوا رجلا أن یسقی زرعه من ذلک ونخله وشجره وکرمه إذا کان یضر بأصحابه" (کتاب الخراج ر ۹۴)۔

Marfat.com

ہندیہ کے ایک جزئیہ اور اس کی علت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۳۸۹/۵)۔

۱۵-آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے؟

فقہاء نے لکھا ہے کہ نہر اعظم جس میں اجتماعی ملکیت ہوتی ہے اور جس سے عامۃ الناس کی پانی کی منفعت وضرورت متعلق ہوتی ہے، اس کی کھدائی ومرمت اور اصلاح ودرستگی کی ذمہ داری حکومت کی ہے، حکومت سرکاری خزانہ سے یہ کام کرائے گی، الا یہ کہ حکومت کے لئے اس کی گنجائش نہ ہو تو پھر پبلک کے خرچہ اور محنت سے یہ کام کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے:

"على الإمام كرى هذا النهر الأعظم الذى لعامة المسلمين إن احتاج إلى كرى وعليه أن يصلح مسناته إن خيف منه" (ص/۹۷)۔

بدائع میں ہے:

"واحتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "الخراج بالضمان" وكذا لو خيف منه الغرق فعلى السلطان إصلاح مسناته من بيت المال لما قلنا" (۲۸۰/۵، نیز دیکھئے: محیط برہانی ۸۱/۱۹)۔

مذکورۂ بالا تصریحات فقہیہ سے مستفاد ومستنبط ہورہا ہے کہ عوام اور پبلک کی عام ضروریات ومنافع کی طرح آب رسانی کا انتظام بھی حکومت کے واجبات میں سے ہے، پس ہر شہری کا حق ہے کہ اس کا مطالبہ کرے، حکومت کو چاہئے کہ سرکاری خزانہ سے یہ انتظام مفت کرے، اس کی کوئی قیمت واجرت نہ لے، سرکاری خزانہ میں اس کی گنجائش ہوتے ہوئے نہ تو

Marfat.com

آب رسانی کی اجرت لینا درست ہے اور نہ ہی اجرت ادانہ کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حکومت کو حق ہے، ہاں! اگر سرکاری خزانہ میں اس کی گنجائش نہ ہو، اس کے لئے مطلوبہ لاگت کی ضرورت ہو تو حسب ضرورت آب رسانی کی اجرت لی جاسکتی ہے، اور اجرت ادانہ کرنے کی صورت میں پانی روکا جاسکتا ہے۔

۱۶-استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے؟

حفظان صحت کے اسباب عامہ کا انتظام بھی عام ضروریات ومنافع میں سے ہے، جن میں استعمال شدہ اور گندے پانی کی نکاسی بھی شامل ہے، لہٰذا ایسے پانی کی نکاسی حکومت کی ذمہ داری اور شہریوں کا حق ہوگی۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "حق المسیل هو تصریف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح إلى المصارف والمجارى العامة بواسطة مجرى سطحى أو أنبوب مستور عسواء من أرض أو دار أو مصنع ...... والمسيل قد يكون مملوكا للمنتفع به أو لصاحب الأرض التى يمر فيها وقد يكون فى مرفق عام ...... وتجب نفقات إصلاح المسيل على المنتفع به إذا كان فى ملكه أو فى ملك غيره، فان كان فى أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال" (۲۰۶/۵-۲۰۷)۔

هذا ما عندى والله سبحانه وتعالى أعلم۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل - مسائل اور حل

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

پانی انسان کی ایک بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے۔ جسے وہ کھانے، پینے، نہانے، دھونے اور روزمرہ کی دیگر ضروریات میں استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت ساری نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"هو الذى أنزل من السماء ماءً لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسيمون، ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والأعناب ومن كل الثمرات ان فى ذلك لآية لقوم يتفكرون" (النحل/۱۰-۱۱)۔

(وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا ہے جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے، اور جس سے درخت ہیں جن میں تم چرنے چھوڑ دیتے ہو، اس سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ پانی تمام انسانوں کے لئے مباح عام ہے، عام حالات میں نہ تو اس پر کسی کی اجارہ داری قائم ہوسکتی ہے اور نہ بندگان خدا کو اس سے نفع اٹھانے سے منع کیا جاسکتا ہے بلکہ ہر شخص کو حق ہے کہ حسب ضرورت اس سے فائدہ اٹھائے۔

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

Marfat.com

۱-پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

پانی کا استعمال جس طرح کھانے پینے میں ہوتا ہے، اسی طرح طہارت ونظافت کے حصول کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، کپڑوں کی تطہیر کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وثیابک فطھر والرجز فاھجر" (المدثر ۴-۵)۔اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔

حضرت ابن عباس، ابن زید، حسن بصری اور ابن سیرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"اغسلها بالماء ونقّها من الدرن والقذر" (البنایہ ۱/۱۰۷، روح المعانی ۲۹/۱۱۸)۔

انہیں پانی سے دھل دو اور میل کچیل اور گندگی سے صاف ستھرا کرو۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ نے محدث کے لئے وضو کرنے اور جنبی کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا، ارشاد خداوندی ہے:

يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين وإن كنتم جنبا فاطهروا (المائدہ:۷)۔

(اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو)۔

اسی طرح حالت حیض میں عورت کے ساتھ مجامعت کی حرمت کے تعلق سے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

ویسئلونک عن المحیض قل هو أذی فاعتزلوا النساء فی المحیض

Marfat.com

ولا تقربوھن حتی یطھرن (البقرۃ:۲۲۲) (اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہہ دے وہ گندگی ہے سو تم عورتوں سے حیض کے وقت الگ رہو اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہو)۔

نافع، ابوعمرو، ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم نے روایت حفص میں "یطہرن" کو سکون طاء اور ضم ہا کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ، کسائی، مفضل اور روایت ابوبکر میں عاصم نے "یطہرن" کو تشدید طاء وہا، اور ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ علامہ طبری نے تشدید طاء کی قراءت کو راجح قرار دیا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

رجح الطبری قرأة تشدید الطاء وقال ھی بمعنی یغتسلن لاجماع الجمیع علی أن حراما علی الرجل أن یقرب امرأته بعد انقطاع الدم حتی تطھر (تفسیر قرطبی: ۸۶/۳)۔

طبری نے تشدید طاء کی قرأت کو راجح قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ یغتسلن کے معنی میں ہے اس لئے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انقطاع دم کے بعد مرد پر اپنی عورت کے پاس جانا حرام ہے، یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہو جائے۔

پانی کے استعمال کے تعلق سے یہ اور اس طرح کے بہت سے احکام کتاب وسنت میں بصراحت موجود ہیں۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا مسئلہ:

اسلامی شریعت نے زندگی کے تمام مراحل میں اعتدال کو پسند اور بے اعتدالی کو ناپسند کیا ہے، حتی کہ پانی کے استعمال میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھنے کی خاص تاکید کی گئی ہے کہ اسے ضرورت کے بقدر ہی خرچ کیا جائے، اور اگر کوئی شخص مطلوبہ مقدار سے زیادہ پانی کا استعمال کرتا ہے تو وہ از روئے شرع اسراف کرتا ہے جو ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے:

Marfat.com

فقال أفي الوضوء إسراف قال: نعم وإن كنت على نهر جار" (ابن ماجہ:۳۴)۔

رسول اللہ ﷺ کا گزر حضرت سعد پر ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: یہ اسراف کیا ہے؟ انھوں نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ تم بہتی ندی پر کیوں نہ ہو۔

اسی اعتدال پسندی کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ ایک مد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أن النبي ﷺ كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع فقيل له: إن لم يكفنا فغضب وقال: لقد كفى من هو خير منكم وأكثر شعرا" (بخاری شریف، بدائع الصنائع ۱/۱۴۴)۔

نبی اکرم ﷺ ایک مد سے وضو اور ایک صاع سے غسل کرتے تھے، حضرت جابر سے کہا گیا: اگر اتنا کافی نہ ہو تو آپ اس پر غصہ ہوئے اور کہا: اس شخص کے لئے اتنا کافی رہا جو تم سے بہتر اور زیادہ بال والا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں اس حدیث کے ذیل میں صراحت فرمائی ہے کہ اس سے پانی کے استعمال میں فضول خرچی کی کراہیت معلوم ہوتی ہے۔

"وفيه كراهية الاسراف في استعمال الماء" (۲/۱۳)۔

اس حدیث میں پانی کے استعمال میں اسراف کی کراہیت کا پتہ چلتا ہے، علماء کرام نے پانی کے اسراف کی کراہیت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ بذل المجہود میں ہے:

"وقد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوء اكان أو غسلا أو طهارة عن النجاسات وإن على شط نهر جار كما ورد في الحديث" (بذل ۱/۲۴۷)۔

امت کا طہارت میں اسراف کی کراہیت پر اجماع ہے خواہ وہ وضو ہو یا غسل ہو یا

Marfat.com

نجاستوں سے پاکی، اگر چہ بہتی ندی کے کنارے پر ہو جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

علامہ شامی نے واضح کیا ہے کہ اسراف سے مراد شرعی ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا ہے، لکھتے ہیں:

"الاسراف بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية" (ردالمحتار ۱/ ۸۵۲)۔

اسراف یہ ہے کہ پانی حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اعضاء وضو کو تین سے زیادہ مرتبہ سنت جان کر دھویا کسی نے ایک وضو کے بعد کسی مقصود عبادت کو ادا کئے بغیر دوسرا وضو کیا تو فقہاء نے اس کو اسراف مانا ہے (ردالمحتار ۱/ ۲۴۱، ۱/ ۲۵۸)۔ اور اس طرح کے بے جا اسراف کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے (ردالمحتار ۱/ ۲۵۸)۔ علامہ نووی نے المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں مکروہ تنزیہی کو اظہر قرار دیا ہے:

وأجمع العلماء على النهى عن الإسراف فى الماء ولو كان على شاطئ البحر، والأظهر أنه مكروه كراهة تنزيه وقال بعض أصحابنا: الإسراف حرام (۴/ ۲۲۷)۔

علماء کا پانی میں اسراف سے منع کرنے پر خواہ دریا کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو اجماع ہے، اور اظہر یہ ہے کہ وہ مکروہ تنزیہی ہے، ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اسراف حرام ہے۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کا شرعی حکم:

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسلام نے اس کی حفاظت پر کافی زور دیا ہے، اور اس کو آلودگی سے بچانے کی خاص تاکید فرمائی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اس درجہ احتیاط برتنے کی بات کہی ہے کہ اگر کسی چیز میں توہم نجاست ہو تب بھی اسے پانی سے دور رکھا جائے تا کہ پانی نجس نہ ہو۔ آپ نے فرمایا:

"إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده فى الإناء حتى يغسلها

Marfat.com

ثلاثا فانه لایدری أین باتت یده" (صحیح مسلم ۱/۱۷۰)۔

جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ تین بار اسے دھل لے، اس وجہ سے کہ اسے معلوم نہیں ہے کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں گیا ہے۔

علامہ کاسانی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا:

"لو کان الماء لاینجس بالغمس لم یکن للنهی والاحتیاط لوهم النجاسة معنی" (بدائع الصنائع ۱/۲۱۷)۔

اگر پانی، ہاتھ ڈالنے سے نجس نہ ہوتا تو وہم نجاست کی وجہ سے نہی واحتیاط کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

متوہم النجاسۃ ہاتھ کو پانی میں ڈالنے کی صورت میں علماء کا ضرور اختلاف ہے کہ وہ نجس ہے یا نہیں؟ تاہم کوئی بھی اس طرح پانی میں ہاتھ ڈالنے کو ہرگز پسند نہیں کرے گا، اور نظافت پسند طبیعت اِبا کرے گی کہ دھوئے بغیر ہاتھ پانی میں ڈالا جائے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے علامہ ابوالولید باجی مالکی کا قول نقل کیا ہے کہ:

"اس معاملہ میں اہل عراق کا قول زیادہ پسندیدہ ہے کہ دراصل یہ حکم طہارت کے بجائے نظافت سے متعلق ہے یعنی اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سونے کے بعد ہاتھوں کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دینا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے" (درس ترمذی ۱/۲۳۰)۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا:

"عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه نهی أن یبال فی الماء الراکد" (صحیح مسلم ۱/۱۷۸)۔

Marfat.com

کرنے سے منع فرمایا۔

علامہ نوویؒ نے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے کہ اگر جاری پانی کثیر ہو تو حدیث کے مفہوم مخالف کے سبب اس میں پیشاب کرنا حرام نہیں ہے لیکن اس سے اجتناب کرنا اولی ہے، اور اگر جاری پانی قلیل ہو تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کے بقول مکروہ ہے اور مختار یہ ہے کہ وہ حرام ہے، اور اگر ٹھہرا ہوا پانی کثیر ہو تو ہمارے اصحاب کے بقول مکروہ ہے حرام نہیں ہے، اگر اسے حرام کہا جائے تو کوئی بعید بھی نہ ہوگا، اور اگر ٹھہرا ہوا پانی قلیل ہو تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اسے مکروہ کہا ہے، اور صواب و مختار یہ ہے کہ اس میں پیشاب کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ اس سے پانی نجس ہو جاتا ہے، اس کی مالیت برباد ہو جاتی ہے اور دوسرے کو اس کے استعمال میں دھوکہ ہوتا ہے (المنہاج شرح مسلم بن الحجاج ۱/ ۱۷۹)۔

انھوں نے مزید لکھا:

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: والتغوط في الماء كالبول فيه وأقبح وكذلك إذا بال في إناء ثم صبه في الماء وكذا إذا بال بقرب النهر بحيث يجرى إليه البول فكله مذموم قبيح منهى عنه على التفصيل المذكور.

قال العلماء: ويكره البول والتغوط بقرب الماء وإن لم يصل إليه لعموم نهى النبى ﷺ عن البراز فى الموارد ولما فيه إيذاء المارين ولما يخاف من وصوله إلى الماء" (المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ۱/ ۱۷۹)۔

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے کہا: پانی میں پاخانہ کرنا اس میں پیشاب کرنے کی طرح ہے، اور اس سے زیادہ قبیح ہے، اسی طرح کسی برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دینا، نیز ندی کے قریب پیشاب کرنا کہ اس میں بہہ کر چلا جائے یہ سب مذموم یا قبیح اور مذکورہ تفصیل کے تحت ممنوع ہیں......... علماء نے کہا: پانی کے قریب بول و براز کرنا گو کہ وہاں تک نہ پہنچ پائے

Marfat.com

مکروہ ہے، اس وجہ سے کہ نبی اکرم ﷺ نے گھاٹوں میں پاخانہ کرنے سے علی العموم منع فرمایا ہے اور اس وجہ سے کہ اس میں گزرنے والوں کو ایذاء دینا اور اس کے پانی تک پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جنبی کو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

"لایغتسل أحدکم فی الماء الدائم وھو جنب" (صحیح مسلم ۱۸۰/۱)۔

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں بحالت جنابت غسل نہ کرے۔

درمختار میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ پانی میں ناک صاف کرنا اور کھنکھار ڈالنا ممنوع ہے (درمختار ۳۶۰/۱)۔ مذکورہ تفصیلات دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانا شرعاً واجب ہے۔

۴- گندے پانی کو کیمیاوی طریقے پر قابل استعمال بنانے کا مسئلہ:

پانی کی طہارت ونجاست کا مسئلہ فقہاء کرام کے یہاں بہت اہمیت کا حامل رہا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے بیس سے زائد اقوال ہیں، کتب فقہ میں اس مسئلے کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر جاری پانی میں نجاست غیر مرئیہ واقع ہو جائے تو جب تک اس کا رنگ یا مزہ یا بو متغیر نہ ہو جائے نجس نہیں ہوگا، اور اگر اس میں نجاست مرئیہ جیسے مردار وغیرہ واقع ہو اور پورا یا اکثر پانی مردار پر بہتا ہو تو پانی نجس ہوگا، اگر اقل پانی مردار پر اور اکثر پانی طاہر حصے پر بہتا ہو تو طاہر ہوگا، اور اگر مردار پر نصف یا نصف سے کچھ کم پانی بہتا ہو تو قیاساً طاہر اور استحساناً نجس ہوگا، اور اگر پانی ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

اصحاب ظواہر کا خیال ہے کہ اس میں نجاست واقع ہونے سے پانی نجس نہیں ہوگا، خواہ جاری ہو یا راکد، قلیل ہو یا کثیر، اس کا رنگ یا بو یا مزہ متغیر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

دیگر علماء نے کہا کہ اگر پانی قلیل ہے تو نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہے تو نجس نہیں ہوگا؛

Marfat.com

البتہ قلیل وکثیر کے درمیان حد فاصل کے سلسلے میں ان حضرات کا اختلاف ہے، امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اس کا رنگ یا مزہ یا بو متغیر ہو جائے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر پانی دو قلہ ہے تو کثیر مانا جائے گا اور اس سے کم ہے تو قلیل، علماء حنفیہ نے کہا کہ اگر پانی کا ایک جزء دوسرے جزء کی طرف پہونچ جاتا ہو تو قلیل ہے اور اگر نہ پہونچتا ہو تو کثیر (بدائع الصنائع ۱/۲۱۶-۲۱۷)۔

آج اگر کسی کیمیاوی عمل کے ذریعے گندے اور آلودہ پانی کے رنگ و بو اور مزہ کو دور کر کے صاف کرلیا جائے تو اصحاب ظواہر کے مسلک کے مطابق کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ان کے یہاں پانی کی طہارت کے لئے اس کی طبیعت یعنی رقت وسیلان کا باقی رہنا کافی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ امام مالکؒ کے یہاں بھی اس میں گنجائش نظر آتی ہے کہ اگر کسی طرح پانی کے اوصاف کا تغیر زائل ہو جائے تو اس کو طاہر مانا جاسکتا ہے، علامہ ابن قیم نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''اعلام الموقعین'' میں اہل حجاز کے مسلک کو درست بتاتے ہوئے کہا:

هذا الماء والطعام كان طيبا لقيام الصفة الموجبة لطيبة فإذا زالت تلك الصفة وخلفتها صفة الخبث عاد خبيثا فاذا زالت صفة الخبث عاد إلى ماكان عليه وهذا كالعصير الطيب إذا تخمر صار خبيثا فإذا عاد إلى ما كان عليه عاد طيبا والماء الكثير إذا تغير بالنجاسة صار خبيثا فإذا زال التغيرعاد طيبا (اعلام الموقعین ۱/۳۹۲)۔

یہ کھانا پانی، پاکی کو ثابت کرنے والی صفت کے پائے جانے کے سبب پاک ہے جب یہ صفت زائل ہو جائے گی اور اس کی جگہ ناپاکی کی صفت آجائے گی تو وہ ناپاک ہو جائے گا، پھر جب ناپاکی کی صفت زائل ہو جائے گی تو اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا۔ یہ پاک رس کی طرح ہے کہ جب وہ شراب بن جائے گا تو ناپاک ہو جائے گا، پھر جب اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے

Marfat.com

تو وہ پاک ہوجائے گا، اور زیادہ پانی جب نجاست سے متغیر ہوجائے تو ناپاک ہوجائے گا، پھر جب تغیر زائل ہوجائے تو پاک ہوجائے گا۔

علماء شافعیہ کے یہاں بھی اگر ایک قلہ نجس پانی میں ایک قلہ اور ملادیا جائے تو وہ پانی طاہر ہوجائے گا جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے:

"ولو أضيفت قلة نجسة إلى قلة نجسة عادتا طاهرتين عندهم فإن فرقتا بعد ذلک فهما على طهوريتها" (معارف السنن ۱؍۲۲۳)۔

اگر ایک قلہ نجس پانی میں ایک قلہ نجس پانی ملادیا جائے تو دونوں شوافع کے یہاں طاہر ہوجائیں گے، اور اگر اس کے بعد دونوں کو علیحدہ کردیا جائے تب بھی طاہر رہیں گے۔

علماء احناف کے یہاں جاری پانی میں نجاست کے واقع ہونے سے اگر اس کا کوئی ایک وصف متغیر ہوجائے تو وہ نجس ہوجاتا ہے لیکن اگر اس میں پاک پانی ملادیا جائے جس سے اس کے وصف کا تغیر ختم ہوجائے تو وہ پانی پاک ہوجاتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"والماء الجاری بعد ما تغير أحد أوصافه وحكم بنجاسته لايحكم بطهارته مالم يزل ذلک التغير بأن يرد عليه ماء طاهر حتى يزيل ذلک التغير" (عالمگیری ۱؍۱۰)۔

جاری پانی جبکہ اس کا ایک وصف متغیر ہوچکا ہو اور اس پر نجاست کا حکم لگ چکا ہو تو جب تک وہ تغیر زائل نہ ہواسے پاک نہیں کہا جائے گا، وہ اس طرح پر کہ اس پر پاک پانی اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ تغیر زائل ہوجائے۔

مذکورہ تفصیلات کے نقل کرنے کا منشا یہ ہے کہ نجس پانی بھی بعض حالات میں طاہر ہونے کی پوزیشن میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی کیمیاوی عمل سے اس کی آلودگی دور کردی جائے تو عقل میں یہ بات آتی ہے کہ اسکو طاہر مان لیا جائے مگر مشکل یہ ہے کہ کتب فقہ کی عبارات سے

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کا ازالہ قلبِ ماہیت سے ہوتا ہے یا کسی دلیل نقلی سے اور زیر بحث مسئلے کے لئے اس طرح کی واضح نص نہیں معلوم ہوتی، اس لئے راقم سطور کی ناقص رائے یہ ہے کہ جہاں پانی کی قلت ہو اور بغیر اس عمل کے صاف ستھرا پانی میسر نہ ہو تو وہاں کے لوگوں کے لئے کیمیاوی عمل کے ذریعہ سے صاف کیا ہوا پانی پاک مانا جائے، تاکہ لوگ حرج وتنگی میں نہ پڑ جائیں؛ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں حرج کو دفع کیا گیا ہے، نیز فقہی قاعدے: "المشقة تجلب التيسير" اور "إذا ضاق الامر اتسع" سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ "طرح زبل في القساطل" کے مسئلے سے بھی اس سلسلے میں روشنی ملتی، علامہ شامی نے لکھا ہے:

قد اعتيد في بلادنا إلقاء زبل الدواب في مجارى الماء إلى البيوت لسد خلل تلك المجارى المسماة بالقساطل فيرسب فيها الزبل ويجرى الماء فوقها فهومثل مسئلة الجيفة وفي ذلك حرج عظيم إذا قلنا بالنجاسة والحرج مدفوع بالنص" (ردالمحتار ۱/۳۳۶)۔

ہمارے ملک میں یہ عام ہے کہ گھروں تک جانے والی نہروں میں جانوروں کا گوبر ڈالا جاتا ہے، تاکہ قساطل نامی ان نہروں کے شگاف کو بند کیا جاسکے، وہ گوبر نیچے بیٹھ جاتا ہے اور پانی اس کے اوپر بہتا ہے، یہ مردار کے مسئلہ کی طرح ہے، اگر ہم اسے نجس کہیں تو اس میں بڑا حرج ہے اور حرج نص سے دفع کیا گیا ہے۔

۵-حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے کا مسئلہ:

اگر کسی علاقے میں پانی کی قلت ہے اور حکومت دیکھ رہی ہے کہ اگر عوام کو علی الاطلاق اس کے استعمال کی اجازت دے دی جائے گی تو خود عوام کے لئے بہت سے مسائل پیدا ہوجائیں گے تو ایسی صورت میں حکومت کے فرائض میں سے یہ ہے کہ پانی کے بعض استعمالات

Marfat.com

پر پابندی لگائے، اور اپنے حسن انتظام سے اپنی رعایا کو مستقبل میں پیش آنے والی مشکلات سے ہر ممکن محفوظ رکھنے کی سعی کرے۔ جیسا کہ "جب حضرت یوسفؑ ملک مصر پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے پھر سات برس کے قحط میں ایک بھاؤ میانہ باندھ کر بکوایا" (حاشیۂ عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند ۳۲۱)۔

غلہ جات کا ریٹ طے کرنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر غلہ مالکان اس کی قیمت ضرورت سے زیادہ بتانے لگیں تو حکومت کو اجازت ہے کہ مناسب قیمت طے کردے تاکہ عوام کو دشواری پیش نہ آئے۔

کنز الدقائق میں ہے:

لایسعر السلطان إلا أن یتعدی أرباب الطعام عن القیمة تعدیا فاحشا"
(کنز الدقائق: ۳۵۲)۔

بادشاہ کسی چیز کی قیمت مقرر نہیں کرے گا الا یہ کہ غلہ مالکان قیمت کے سلسلے میں ناقابل برداشت حد تک آگے بڑھ جائیں۔

رعایا کی نفع رسانی کے لئے حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ حالات کے تحت اس طرح کی پابندی لگانے کا فیصلہ کرے جیسا کہ ہیضہ کی وبا کے عام ہونے کی صورت میں حکومت خربوزہ کی خرید وفروخت اور اس کے کھانے پر پابندی لگا سکتی ہے اور عوام کو اس پابندی کا لحاظ کرنا لازم ہوتا ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب ہیضہ کی وبا پھوٹ رہی ہو تو حکومت یہ پابندی لگا سکتی ہے کہ خربوزہ کی خرید وفروخت اور اس کا کھانا ممنوع ہے جب تک حکومت کی طرف سے عائد کردہ یہ پابندی باقی رہے اس وقت تک خربوزہ کھانا اور اس کا بیچنا شرعاً ناجائز ہوجائے گا" (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۱۴۱)۔

Marfat.com

۶-مملوکہ زمین میں پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

جو پانی زمین کے نیچے بہہ رہا ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، خواہ وہ زمین کسی کی مملوکہ ہو یا حکومت کی ملکیت میں ہو۔ سلیم رستم باز لبنانی نے شرح مجلّہ میں مادہ/۱۲۳۵ کے تحت تحریر فرمایا ہے:

الماء الجاری تحت الأرض لیس بملک لأحد (۶۷۶/۱)۔

زمین کے نیچے بہنے والا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، اگر حکومت کسی کی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے کہ اس سے پانی کی سطح نیچی ہو جائے گی تو حکومت کو ایسا کرنے کی اجازت ہوگی اور عوام پر لازم ہوگا کہ شرعی طور پر اس حکم امتناعی کی پابندی کریں۔ شریعت نے اپنی ملک میں تصرف کرنے سے اس صورت میں منع فرمایا ہے جب کہ پڑوسی کو اس سے ''ضرر بین'' لاحق ہو رہا ہو۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

"لایمنع الشخص فی تصرفه فی ملکه إلا إذا کان بجاره ضررا بینا" (ردمحتار ۵۵۹/۲)۔

آدمی کو اس کی ملک میں تصرف سے منع نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس کے پڑوسی کو ضرر بین لاحق ہو۔

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں "لیس للرجل التصرف فی ملکه تصرفا یضر بجاره" کے تحت مثال دیتے ہوئے لکھا:

أو یحفر بیرا إلی جانب بیر جاره یجتذب ماءها" (المغنی ۵۲/۷) یا جیسے اپنے پڑوسی کے بغل میں کنواں کھودے کہ اس کا پانی کھینچ لے۔

اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے کنوں وغیرہ کی حریم طے کی، اور اس حد کے اندر

Marfat.com

دوسرے کو کنواں کھودنے سے منع کیا گیا، اور اگر کوئی کھود لیتا ہے تو اس کو پاٹنے کی بات کہی گئی، جس کا واحد مقصد ہر ایک شخص کو ضرر سے بچانا ہے، جب شریعت نے انفرادی مسائل میں دفع ضرر پہ خاص توجہ فرمائی ہے تو اگر مسئلہ پورے ملک کا ہو اور حکومت عوامی مصلحت کے تحت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے منع کر رہی ہو تو اسے بدرجہ اولی حق منع حاصل ہوگا، اور عوام پر لازم ہوگا کہ اس طرح کی پابندیوں پر عمل کرنے۔

۷-حکومت کا لوگوں کے لئے اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے کو لازم قرار دینا:

اگر حکومت عوامی مصلحت کے تحت پانی کی حفاظت کی ذمہ داری عوام پر ڈالتی ہے تو شرعاً درست ہوگا، اس لئے کہ حکومت اپنے ملک اور وہاں کے باشندوں کی صورت حال کو بہتر جانتی ہے، کہ کس طرح پانی کی ذخیرہ اندوزی کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے اور اس نوع کی پیش آمدہ مشکلات کا بحسن وخوبی مقابلہ کیا جاسکتا، جبکہ حکومت زندگی سے جڑے ہوئے اس طرح کے عوامی مسائل کو حل کرنے کی ذمہ دار ہے، امیر المومنین حضرت عمر فاروق کا احساس ذمہ داری اس حد تک ہے کہ:

"لو مات كلبٌ على شاطئ الفرات جوعاً لكان عمر مسئولا عنه يوم القيامة" (توفیق الرحمٰن: ۳۴)۔

اگر کوئی کتا فرات کے ساحل پر بھوکا مرجائے تو قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی عمرؓ سے سوال کیا جائے گا۔

اسی لئے حضرات فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر امام وقت کا فعل مصالح پر مبنی ہو اور شریعت سے متصادم نہ ہو تو اس کا حکم نافذ ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں

Marfat.com

تحریر فرمایا ہے:

"إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعا إلا إذا وافقه فإن خالفه لم ينفذ" (الاشباہ:۱۸۹)۔

اگر امام کا فعل عام امور سے متعلق مسائل میں مصلحت پر مبنی ہو تو شرعاً اس کے حکم کا نفاذ اس وقت ہوگا جب کہ شریعت کے موافق ہو، مخالف ہونے کی صورت میں نافذ نہیں ہوگا۔

حکومت پانی کی ذخیرہ اندوزی خود کرسکتی ہے اور حسب مصلحت عوام الناس کو بھی اس کا مکلف بنا سکتی ہے، اس میں بظاہر شرعی کوئی قباحت نظر نہیں آتی، لہٰذا حکومت کا لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دینا کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کردیں تو یہ درست ہوگا۔

۸- پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کے منتقل کرنے کا مسئلہ:

اگر حکومت عوامی مصالح کے مدنظر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے ایک بڑا پروگرام بناتی ہے اور اس کے لئے ایک بڑی جگہ کا انتخاب کر کے بڑے پیمانے پر پانی کا ذخیرہ کرنا چاہتی ہے لیکن اس ضمن میں وہاں کی آبادی کو منتقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو وہاں کی آبادی کا بامعاوضہ منتقل کرنا اجتماعی مصالح کے پیش نظر درست ہوگا؛ اس لئے کہ امام کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ ردالمحتار میں زیلعی کے حوالے سے مرقوم ہے:

"إن للإمام ولاية عامة وله أن يتصرف في مصالح المسلمين" (ردالمحتار ۲۹۸/۶)۔

امام کو ولایت عامہ حاصل ہے، اور اسے مسلمانوں کی مصالح میں تصرف کرنے کا

Marfat.com

یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی" کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے:

"السبب الشرعی ماجعله الشرع سببا للملک وجواز التصرف کالبیع والهبة والإرث والوصیة، وفی شرح السیر ۲/۲۷۴ قال رسول الله ﷺ: لایحل مال امرء مسلم إلا بطیبة نفس منه - نعم مواضع الضرورة مستثناة، وفی ۲/۲۴۵: وللأم أن یاخذ مال الغیر عند الضرورة بشرط الضمان" (۱۱۰)۔

سبب شرعی وہ ہے جس کو شریعت نے ملک اور جواز تصرف کا سبب بنایا جیسے بیع، ہبہ، وراثت اور وصیت۔ شرح السیر ۲/۲۷۴ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے، ہاں ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں، نیز شرح السیر ۲/۲۴۵ میں ہے کہ امام ضرورت کے وقت دوسرے کا مال ضمان کی شرط کے ساتھ لے سکتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت ضرورت کے وقت آبادی کو منتقل کرسکتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یا تو وہاں کے باشندگان کو زمین ومکان کا معقول معاوضہ دیا جائے یا متبادل زمین ومکان فراہم کئے جائیں تا کہ وہ لوگ نقل مکانی کے سبب مزید الجھنوں میں گرفتار نہ ہوسکیں، بلکہ حکومت کو چاہئے کہ ایسی صورت میں زمین ومکان کے بہتر سے بہتر متبادل کا نظم کرے؛ تا کہ پشتینی زمین وجائداد کے چھوڑنے، مانوس علاقوں کو خیر باد کہنے اور بچپن کی حسین یادوں سے جڑے ہوئے درودیوار کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہنے کی اشک شوئی بھی ہوسکے۔

۹-سیلاب میں باندھ کاٹ کر اپنی حفاظت کرنے کا مسئلہ:

اگر کسی بستی کے لوگوں نے سیلاب کی روک تھام کے لئے باندھ باندھا، لیکن سیلاب

Marfat.com

بڑھتے بڑھتے اتنا زبردست ہوگیا کہ بستی کے لئے خطرہ بن گیا، یا کسی علاقے میں تباہ کن سیلاب سے نمٹنے کے لئے باندھ کی پہلے سے تعمیر ہے لیکن سیلاب کی شدت سے بستی کے غرق ہونے کا خطرہ منڈلانے لگا، اور بچنے کی صرف ایک صورت باقی رہی کہ باندھ کو کسی طرف سے کاٹ دیا جائے تاکہ آبادی پر پانی کا بڑھتا ہوا دباؤ کم ہوجائے اور وہ لوگ محفوظ رہ سکیں۔ اس طرح یہ بستی غرق ہونے سے تو بچ جائے گی لیکن نشیب میں واقع ہونے والی دیگر بستیاں غرقاب ہوجائیں گی، اس سنگین صورت حال میں پہلی بستی والوں کے لئے جائز ہوگا کہ دفع مضرت کے لئے باندھ کاٹ کر پانی آگے بڑھادیں، اور اپنے کو مصیبت سے بچالیں، علامہ شاطبیؒ نے ''موافقات'' میں جلب منفعت اور دفع مضرت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"إن الظلم لا أسوة فيه ولايلزم أحدا أن يولج نفسه فى ظلم مخافة أن يوضع الظلم على غيره والله تعالىٰ يقول: إنما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون فى الأرض بغير الحق۔

ورأيت فى بعض المنقولات نحو هذا عن يحيىٰ بن عمر أنه لا بأس أن يطرحه عن نفسه مع العلم بأنه يطرحه على غيره إذا كان المطروح جوراً بيناً" (الموافقات ۲/۳۵۱)۔

ظلم میں کوئی ہمدردی نہیں ہے، اور کسی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ظلم میں ڈالے، اس خوف سے کہ یہ ظلم دوسرے پر ڈالا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔

میں نے بعض منقولات میں اسی طرح یحیی بن عمر سے مروی دیکھا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی ظلم کو اپنے سے دفع کرے، باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ اس ظلم کو دوسرے پر ڈال رہا ہے، بشرطیکہ دفع کیا ہوا ظلم واضح قسم کا ظلم ہو۔

Marfat.com

اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

وذكر عبد الغنى فى المؤتلف والمختلف عن حماد بن أبى أيوب قال: قلت لحماد بن أبى سليمان: إنى أتكلم فترفع عن النوبة فإذا رفعت عنى وضعت على غيرى، فقال: إنما عليك أن تكلم فى نفسك فإذا رفعت عنك فلا تبالى على من وضعت (الموافقات: ۲/ ۳۵۲)۔

عبد الغنی نے المؤتلف والمختلف میں ذکر کیا ہے کہ حماد بن ابی ایوب نے حماد بن ابی سلیمان سے کہا: میں بات کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھ سے مصیبت ٹال دی جاتی ہے، جب مجھ سے ٹلتی ہے تو دوسرے پر ڈال دی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے پر بس اتنا لازم ہے کہ تم اپنے بارے میں گفتگو کرو، جب تم سے مصیبت ٹال دی گئی تو اس کی فکر مت کرو کہ کس پر ڈالی گئی۔

اسی طرح امام عزالدین بن عبدالسلام نے ''قواعد الاحکام'' میں تحریر فرمایا ہے:

وإذا اجتمعت مصالح ومفاسد فإن أمكن تحصيل المصالح ودرء المفاسد فعلنا ذلك امتثالا لأمر الله تعالىٰ: فاتقوا الله ما استطعتم (التغابن:۱۶) **وإن تعذر الدرء والتحصيل فإن كانت المفسدة أعظم من المصحلة درأنا المفسدة ولا نبالى لفوات المصلحة قال تعالىٰ: يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما اكبر من نفعهما"** (البقرة:۲۱۹) **حرمهما لأن مفسدتهما أكبر من منفعتهما"** (المجتمع، عدد:۱۹۱۹، شوال ۱۴۳۱)۔

جب مصالح ومفاسد جمع ہو جائیں، مصالح کا حصول اور مفاسد کا دفع کرنا ممکن ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم ''اللہ سے جہاں تک تم سے ہو سکے ڈرو'' کی تعمیل میں ہم ایسا کریں گے، اور اگر مفاسد کا ٹالنا اور مصالح کا حاصل کرنا دشوار ہو اور مفسدہ، مصلحت سے بڑا ہو تو ہم مفسدہ کو دفع کریں گے اور مصلحت کے فوت ہونے کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لوگ آپ

Marfat.com

سے شراب وقمار کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں، اوران کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام اس وجہ سے کیا کہ ان کا فساد ان کے نفع سے کہیں بڑا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ باندھ کاٹنے کا مقصد دوسرے کو مصیبت میں مبتلا کرنا نہیں ہے اور نہ شریعت میں اس کی اجازت ہے، یہاں صرف ایک مصیبت زدہ کا مصیبت سے نجات پانے اور اپنی جان ومال اور پوری آبادی کو سیلاب بلاخیز کی آفتوں سے محفوظ رکھنے کا مسئلہ ہے۔ علامہ شاطبی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "الموافقات" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

إن إضرار الغير في المسائل المتقدمة والأصول المقررة ليس بمقصود في الإذن وإنما الإذن لمجرد جلب الجالب ودفع الدافع وكونه يلزم عنه إضرار أمر خارج عن مقتضى الإذن (الموافقات:۳۵۲)۔

گزشتہ مسائل اور مقررہ اصول میں جو اجازت ہے اس سے دوسرے کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ یہ اجازت محض جلب جالب اور دفع دافع کے لئے ہے، رہ گیا یہ کہ اس سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو یہ اجازت کے مقتضی سے خارج امر ہے۔

۱۰-دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ کی اجازت کی حد:

علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی کتاب "ردالمحتار" میں پانی کی چار قسمیں بتائی ہیں، اور ہر ایک سے کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے، نہایت اختصار کے ساتھ واضح فرمایا ہے:

اعلم أن المياه أربعة أنواع، الأول: ماء البحار ولكل احد فيها حق الشفة وسقي الأراضي فلا يمنع من الانتفاع على اى وجه شاء، والثاني: ماء الأودية العظام كسيحون، وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقي الأراضي إن

Marfat.com

لم یضر بالعامة، والثالث: ما دخل فی المقاسم أی المجاری المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع: المحرز فی الأوانی ينقطع حق غيره عنه" (ردالمحتار ۱۰/۱۲)۔

جاننا چاہئے کہ پانی کی چار قسمیں ہیں: اول: سمندر کا پانی، اس میں ہر شخص کے لئے پانی پینے، اس کے استعمال کرنے، جانوروں کو پلانے اور زمین کو سیراب کرنے کا حق ہے، جس طرح پر بھی اس سے نفع اٹھائے منع نہیں کیا جائے گا، دوم: بڑی ندیوں کا پانی جیسے سیحون، اس میں لوگوں کے لئے خود پینے اور جانوروں کو پلانے کا حق ہے، نیز اگر عام لوگوں کو ضرر نہ پہونچے تو اس سے زمین سیراب کرنے کا حق ہے، سوم: کسی جماعت مخصوصہ کی مملوکہ نہروں کا پانی، اس میں پینے پلانے کا حق ہے، چہارم: برتنوں میں جمع کیا ہوا پانی، اس سے دوسرے کا حق منقطع ہو جاتا ہے۔

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ دریا، ندی کے پانی کو ہر شخص پینے، کھانا پکانے، وضو کرنے، غسل کرنے، کپڑا دھلنے جیسی ضروریات میں استعمال کرسکتا ہے، نیز جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق حاصل ہے، اس پر چکی لگانا، زمینوں کو سیراب کرنا بھی ہر شخص کا حق ہے، اس سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لانے کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ عام لوگوں کو اس سے نقصان نہ پہونچے، کنز الدقائق میں ہے:

الأنهار العظام كالدجلة والفرات غير مملوكة ولكل أن يسقی أرضه ويتوضأ به ويشربه وينصب الرحی عليه ويكری منها نهرا إلی أرضه إن لم يضر بالعامة (کنز الدقائق: ۳۵۵)۔

بڑی ندیاں جیسے دجلہ وفرات کسی کی مملوک نہیں ہیں، اور ہر ایک شخص کو حق ہے کہ اپنی زمین سیراب کرے، اس سے وضو کرے، اس پر چکی لگائے اور ان ندیوں سے ایک نہر کھود کر اپنی زمین تک لائے بشرطیکہ عام لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔

Marfat.com

نقصان یہ ہے کہ پانی بہہ جائے، لوگوں کے حقوق تلف ہو جائیں، یا بڑی ندی سے پانی آنا بند ہو جائے، یا کشتیاں نہ چل سکیں تو ہر شخص کو منع کرنے کا یکساں طور پر حق حاصل ہے، لیکن یہ مسئلہ ندیوں کے بارے میں ہے، سمندر میں نقصان ہو تب بھی اس سے ہر طرح کا نفع حاصل کرنے کی عام اجازت ہے (رد المحتار ۱۰/۱۳)۔

کنواں، حوض اور چشموں کا پانی مباح عام ہوتا ہے، خواہ یہ مباح زمین میں ہوں یا مملوکہ زمین میں، اس لئے اس پانی کو ہر شخص پی سکتا ہے، اپنے جانوروں کو پلا سکتا ہے، البتہ کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرنے کی اجازت نہ ہوگی، یہ اس صورت میں ہے جبکہ کنواں وغیرہ کسی اور کے ہوں، جیسا کہ درمختار کی مندرجہ ذیل عبارت سے اشارہ ملتا ہے:

"لاسقي دوابه إن خيف تخريب النهر لكثرتها ولاسقي أرضه وشجره وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نهر غيره وقناته وبيره إلا باذنه" (رد المحتار ۱۰/۱۳)۔

دوسرے کی نہر، نالی اور کنویں سے اس کی اجازت کے بغیر اگر جانوروں کی کثرت کے سبب نہر کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو تو جانوروں کو پانی نہ پلائے، اسی طرح اپنی زمین، درخت، کھیت کو سیراب نہ کرے اور نہ کوئی مشین وغیرہ لگائے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب کی نوعیت اس سے مختلف ہوگی، اور ان سے کھیتوں کی سیرابی یا دوسرے وہ عمل کرنے کی اجازت ہوگی جس میں عوام الناس کا نقصان نہ ہو اور سرکاری نظام کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔

۱۱- مختلف علاقوں سے گزرنے والی نہروں سے استفادہ کا مسئلہ:

مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرنے والی نہریں، سرکاری نہریں ہوتی ہیں، ان کے بنانے کا مقصد لوگوں کو پانی فراہم کرنا ہوتا ہے، تاکہ پانی سے

Marfat.com

وابستہ تمام ضروریات پوری کی جاسکیں، اور تمام لوگ حسب ضرورت اس سے استفادہ کرسکیں، لہٰذا تمام لوگوں کو ان نہروں سے ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا یکساں طور پر حق حاصل ہوگا، اس بات کے لحاظ کے ساتھ کہ ان میں کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے عوام کو نقصان پہنچے، اور نہ سرکاری قانون ونظام کی خلاف ورزی ہو، تاکہ آب پاشی وغیرہ کے نظام میں خلل واقع نہ ہو اور ہر شخص ان نہروں سے بسہولت مستفید ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی ندی میں بھی کوئی ضرر رساں عمل کرتا ہے تو اس سے منع کیا جاتا ہے۔ کتاب الخراج میں ہے:

وإن أراد رجل أن يكرى نهرا فى أرضه من هذا النهر الأعظم فإن فى ذلك ضرر في النهر الأعظم لم يكن له ذلك ولم يترك يكريه وإن لم يكن فيه ضرر ترك يكريه (۱۰۵)۔

اگر کوئی شخص بڑی ندی سے ایک نہر اپنی زمین میں کھود کر لاتا ہے تو اگر اس میں بڑی ندی کو ضرر پہنچ رہا ہو تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے اور اسے کھودنے نہیں دیا جائے گا، اور اگر اس میں ضرر نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے گا کہ کھودے۔

۱۲- پانی پر ملکیت کا مسئلہ:

پانی مباح عام ہے، ہر شخص اس سے استفادہ کرنے کا یکساں طور پر مستحق ہے، البتہ اگر کوئی اس کو اپنے قبضے میں کرلے تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

الماء فى الأصل خلق مباحا لقول النبى ﷺ: "الناس شركاء فى ثلاث: الماء والكلاء والنار" والشركة العامة تقتضى الإباحة إلا أنه إذا جعل فى إناء وأحرزه به فقد استولى عليه وهو غيره مملوك لأحد فيصر مملوكا للمستولى كما فى سائر المباحات الغير المملوكة (بدائع ۲۷۵/۵)۔

Marfat.com

پانی دراصل مباح بنایا گیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تمام لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ''، عام شرکت تقاضا کرتی ہے کہ وہ مباح ہو، مگر جب یہ پانی کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کوئی شخص اس کو برتن میں رکھ کر محفوظ کرلے تو وہ اس پر قابض ہوگیا، اور یہ قبضہ کرنے والے کی ملکیت میں ہو جائے گا، جیسا کہ تمام غیر مملوکہ مباح اشیاء میں ہوا کرتا ہے۔

احراز یعنی کسی چیز کو محفوظ جگہ میں رکھ دینے سے پانی ملکیت میں آجاتا ہے، ردالمحتار میں ہے:

لو أحرزه فی جرة أو جب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر اوجص وانقطع جريان الماء فإنه يملكه (۱۰/ ۱۳)۔

اگر کسی نے تانبے کے گھڑے، پیتل کے مٹکے اور مسجد کے گچ سے بنے ہوئے حوض میں پانی کو محفوظ کرلیا اور پانی کا بہاؤ منقطع ہوگیا تو وہ اس پانی کا مالک ہو جائے گا۔

شرح المجلہ میں ہے:

''وكل من أحرز شيئا مباحا كان مالكا له مستقلا فلو تناول الماء من نهر بيده أو بوعاء كالعلبة فإنه يملكه بإحرازه وحفظه فی ذلک الوعاء وليس لغيره أن ينتفع به وإذا أخذه آخر بدون إذنه واستهلكه كان ضامنا'' (شرح المجلہ ۱/ ٦٨٠)۔

جس نے بھی مباح شیٔ کو جمع کیا تو وہ اس کا مستقل مالک ہو جائے گا، پس اگر کسی نے ندی سے اپنے ہاتھ یا چمڑے وغیرہ کے برتن میں پانی لیا تو اس برتن میں اس کے جمع کرنے اور محفوظ کرنے سے وہ مالک ہو جائے گا، دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کی اجازت کے بغیر لیتا ہے اور ضائع کردیتا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔

Marfat.com

البحر الرائق میں بھی اس کی صراحت موجود ہے:

یوصب ماء رجل کان فی الحب یقال له املأ الإناء لأن صاحب الحب مالک للماء وهو من ذوات الأمثال فیضمن مثله" (البحر الرائق ۱/۱۲۲)۔

اگر کسی نے مٹکے میں رکھے ہوئے کسی کے پانی کو بہادیا تو اس سے برتن بھرنے کو کہا جائے گا، اس وجہ سے کہ مٹکے والا پانی کا مالک ہے، پانی ذوات الامثال میں سے ہے اس لئے وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی گرچہ مباح الاصل ہے، لیکن اگر اس پر قبضہ کرلیا جائے تو مملوک بن جاتا ہے اور اس سے دوسرے کا حق ختم ہوجاتا ہے۔

۱۳- پانی کی بیع کا مسئلہ:

نبی اکرم ﷺ نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ پانی ملکیت میں نہ ہو، ملکیت میں آجانے کے بعد اس کی بیع درست ہے، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں تحریر فرمایا ہے:

"عن عائشة قالت نهی رسول الله ﷺ عن بیع الماء، قال أبو یوسف: تفسیر هذا عندنا - والله أعلم - أنه نهی عن بیعه قبل أن یحرز" (کتاب الخراج/۱۰۵)۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے، ابو یوسف نے کہا: ہمارے نزدیک اس کا مطلب (اللہ بہتر جانتا ہے) یہ ہے کہ آپ ﷺ نے احراز سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

أما من حاز فی قربته وإنائه فذلک غیر المذکور فی الحدیث وهو

Marfat.com

بمنزلة سائر المباحات إذا حازها إلى ملكه ثم أراد بيعها كالحطب والكلأ والملح قد قال النبي ﷺ لأن يأخذ أحدكم حبلا فيأخذ حزمة من حطب فيبيع فيكف الله بها وجهه خير له من أن يسأل الناس أعطى أو منع رواه البخاری (زاد المعاد ۴/۲۵۹)۔

جو شخص پانی اپنے مشک یا برتن میں جمع کرلے تو یہ حدیث میں مذکورہ حکم کے علاوہ ہے، یہ لکڑی، گھاس اور نمک جیسی تمام مباحات کے درجہ میں ہے، جبکہ انہیں اپنی ملکیت میں لائے پھر اس کے بیچنے کا ارادہ کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھر باندھ کر فروخت کرے، جس سے اللہ تعالیٰ اس کی آبرو بچائے، یہ اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، اس کو دیا جائے یا انکار کر دیا جائے۔

صاحب کفایہ نے "الناس شركاء في الثلاث: الماء والكلأ والنار" کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"والمراد بالماء الذي في الأنهار والآبار أما إذا أخذه وجعله في وعاء فقد أحرزه فجاز بيعه" (کفایہ شرح ہدایہ ۳/۹۷)۔

حدیث میں مذکور پانی سے مراد ندی اور کنویں کا پانی ہے، رہا وہ پانی جس کو کسی نے لے کر برتن میں رکھ لیا تو اس نے اس کو محفوظ کرلیا تو اس کی بیع جائز ہے۔

پانی کو اپنے برتن وغیرہ میں محفوظ کر لینے سے مملوک ہو جاتا ہے، اور اس کی بیع درست ہوتی ہے۔ مبسوط سرخسی میں ہے:

أما إذا أحرز الماء في حب أو جرة أو قربة فهو مملوك له حتى يجوز بيعه فيه وليس لأحد ان يأخذ شيئاً منه إلا برضاه (المبسوط ۲۲/۱۶۴)۔

اگر کسی نے مٹکے یا گھڑے یا مشک میں پانی محفوظ کرلیا تو وہ اس کا مملوکہ ہے، یہاں تک

Marfat.com

کہ اس کی بیع جائز ہے، اور کوئی شخص اس کی رضا کے بغیر اس میں سے نہیں لے سکتا۔

کتاب الخراج میں ہے:

لا بأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية هذا ماء قد أحرز فإذا أحرزه في وعائه فلا بأس ببيعه (ص ر ۱۰۳)۔

اگر پانی برتن میں ہو تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں، یہ محروز پانی ہے، جب پانی کو برتن میں محفوظ کرلیا جائے تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے پانی اکٹھا کرنے کے لئے کوئی حوض بنایا اور اس میں پانی جمع کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے:

وإن هيأ له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء اكثيرا ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع في الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه (كتاب الخراج ر ۱۰۳)۔

اگر پانی کے لئے حوض بنایا اور اپنے برتنوں سے اس میں بہت سارا پانی اکٹھا کرلیا پھر اس سے بیچا تو کوئی حرج نہیں ہے، برتن میں آنے کے بعد اس کا احراز ہوگیا اور اس کی بیع درست ہوگئی۔

ردالمحتار میں بھی اس کی صراحت موجود ہے:

ومثله المحرز في الصهاريج التي توضع لإحراز الماء في الدور (رد المحتار ۱۰ ر ۱۴)۔

گھڑے میں محفوظ کئے ہوئے پانی کے مثل ان حوضوں کے محفوظ پانی بھی ہیں جنہیں پانی کے جمع کرنے کے لئے گھروں میں بنایا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ اگر پانی کو بالقصد کسی برتن یا جگہ میں محفوظ کرلیا جائے تو وہ مملوک ہے اور اس کی بیع جائز ہے، اور علامہ کاسانی نے صراحت کی ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں اس کی بیع بلا

Marfat.com

نکیر ہوتی رہی ہے (بدائع الصنائع ۶/ ۱۸۸)۔

۱۴-تالاب میں آبادی بسانے کا مسئلہ:

ہر آبادی کے قریب چھوٹے بڑے تالاب ہوتے ہیں، ان سے آبادی والوں کی بہت سی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اگر انہیں پاٹ کر ختم کردیا جائے تو اس سے بہت ضرر لاحق ہوتا ہے؛ اس لئے انہیں پاٹ کر آبادی بسانا ضرر عام کے سبب درست نہیں ہوگا، اسی وجہ سے شہر سے قریب کی وہ جگہیں جن سے شہر والوں کی منفعتیں وابستہ ہیں، امام وقت انہیں کسی کو الاٹ نہیں کرسکتا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"ما کان خارج البلدة من مرافقها محتطبا لأهلها أو مرعى لهم لايكون مواتا حتى لايملك الإمام إقطاعها، لأن ماكان من مرافق أهل البلدة فهو حق أهل البلدة كفناء دارهم وفي الإقطاع إبطال حقهم" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۳)۔

شہر کے باہر کی سب کے کام کی جگہیں، جہاں اہل شہر گھاس گھڑتے ہیں اور اپنے جانوروں کو چراتے ہیں وہ موات نہیں ہوں گی، یہاں تک کہ امام ان کو الاٹ نہیں کرسکتا، اس وجہ سے کہ اہل شہر کی یہ جگہیں ان کے گھر کے صحن کی طرح ان کا حق ہیں اور الاٹ کرنے میں ان کے حق کو باطل کرنا ہے۔

کتاب الخراج میں ہے:

إذا نضب الماء عن جزيرة في دجلة - مثل هذه الجزيرة التي بحذاء بستان موسى وهذه الجزيرة التي من الجانب الشرقي - فليس لأحد أن يحدث فيها شيئا لا بناءاً ولازرعا لأن مثل هذه الجزيرة اذا حصنت وزرعت كان ضررا على أهل المنازل والدور (ص/ ۹۹)۔

Marfat.com

اگر دجلہ کے جزیرہ (جیسے باغ موسیٰ کے مقابل کے جزیرے اور مشرقی حصے کے جزیرے) کا پانی خشک ہو جائے تو کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس میں نئی چیز بنائے نہ عمارت نہ کھیت، اس وجہ سے کہ یہ جزیرہ اگر محفوظ کرلیا جائے اور اس میں کاشت ہونے لگے تو وہاں کے گھر اور مکان والوں پر ضرر ہوگا۔

اسی طرح امام ابو یوسف نے مزید لکھا:

وإذا انصب الماء عن جزيرة في دجلة والفرات وكانت بحذاء منزل رجل وفنائه فأراد أن يصيرها في فنائه ويزيدها فيه فليس له ذلك ولايترك ذلك (کتاب الخراج ر ۱۰۰)۔

اگر دجلہ اور فرات کے جزیرہ کا پانی خشک ہو جائے اور وہ کسی کے گھر اور اس کے صحن کے سامنے ہو، اس نے چاہا کہ اس کو اپنے صحن میں ملا کر بڑھائے تو اس کو اس کا حق نہیں ہے اور نہ اسے چھوڑا جائے گا۔

البتہ اگر حکومت دیکھتی ہے کہ تالاب پاٹنے میں کوئی ضرر نہیں ہے تو اس کی اجازت دے سکتی ہے، اور اگر ضرر ہو تو تالاب کی وہ زمین حکومت بھی کسی کو الاٹ نہیں کرسکتی، اور اگر کوئی شخص بصورت ضرر اس میں کوئی نیا کام کرتا ہے تو اس کو ختم کردیا جائے گا۔ کتاب الخراج میں ہے:

الجزائر التي ينصب عنها الماء في مثل الفرات ودجلة فللإمام أن يقطعها إذا لم يكن في ذلك ضرر على المسلمين فإن كان في ذلك ضرر لم يقطعها ومن أحدث فيها حدثا وكان فيه ضرر ردت إلى حالها الأولى (ص ر ۱۰۱)۔

وہ جزیرے جہاں سے پانی فرات و دجلہ وغیرہ میں چلا جائے تو اگر مسلمانوں پر کوئی ضرر نہ ہو تو امام ان کو الاٹ کرسکتا ہے، اور اگر اس میں ضرر ہو تو امام اس کو الاٹ نہیں کرے گا، اور اگر کسی نے اس میں نیا کام کیا اور اس میں ضرر ہے تو اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے گا۔

Marfat.com

۱۵-حکومت پر عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچانے کی ذمہ داری:

حکومت اپنی رعایا کے جملہ امور کی نگراں ہوتی ہے اور اس کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں ہوتا ہے، قول نبی ﷺ: "**کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته**" سے یہ بات پورے طور پر عیاں ہے۔ عوام کے لئے پانی کا نظم کرنا بھی ان امور میں سے ایک ہے، یہی وجہ ہے کہ عوام الناس کے لئے بڑی ندی کی کھدائی اور اس کی درستگی کی ذمہ داری امام وقت پر ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وعلی الإمام کری هذا النهر الأعظم الذی لعامة المسلمین ان احتاج إلی کری وعلیه أن یصلح مسناته إن خیف منه (کتاب الخراج/۱۰۵)۔

اگر اس بڑی ندی جو عامۃ المسلمین کے لئے ہے کی کھدائی کی ضرورت ہو تو اس کی کھدائی امام کے ذمہ ہے، اور اسی کی ذمہ داری ہے کہ اس کے بند کو درست کرائے اگر اس سے کوئی خطرہ ہو۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بندھ باندھنے، تالاب تیار کرانے، پانی کے تقسیم کرکے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے" (الفاروق ۵۶/۲ بحوالہ مقریزی ۷۶/۱)۔

ملک کے ہر شہری کو اپنے حقوق کے مطالبے کا حق ہوتا ہے، اگر کسی علاقہ میں پانی کا نظم دشوار ہو اور خورد ونوش کے علاوہ جانوروں اور کاشتکاری کے لئے مطلوبہ پانی دستیاب نہ ہو تو وہاں کے باشندگان اپنی حکومت سے پانی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

''نہر ابی موسی، یہ نہر ۹ میل کی لمبی تھی، جس کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے، ان میں حنیف بن قیس بھی تھے، انہوں نے نہایت پُر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظ منقول ہے، اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے، حضرت عمر نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے، چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی'' (الفاروق ۲/۸۷ بحوالہ فتوح البلدان ۳۵۶-۳۵۷)۔

آج حکومت عوام تک پانی کی سپلائی ایک نظام کے تحت کرتی ہے، پہلے اس پانی کو اسٹور کرتی ہے اور اپنے قبضے میں لاکر اسے لوگوں تک پہونچاتی ہے، اس کے اس نظام میں اخراجات بھی ہوتے ہیں اس لئے حکومت اس کی اجرت طے کر سکتی ہے، اور اگر کوئی اجرت نہ دے تو حکومت کو یہ حق ہوگا کہ اس کی سپلائی روک دے، اس وجہ سے کہ وہ اپنے مملوکہ پانی کا عوض بھی لے سکتی ہے اور اس تعلق سے بہت سے کاموں کی اجرت بھی لے سکتی ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

''پائپ لائن میں پانی آنے سے وہ شخص اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اسے پانی بند کرنے کا اختیار ہے'' (احسن الفتاوی ۸/ ۲۶۴)۔

۱۶- پانی کی نکاسی کا مسئلہ:

اسلامی شریعت نے حکومت کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ عوام الناس کی جملہ ضروریات کا لحاظ رکھے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من ولی شیئا من أمر المسلمین لم ینظر اللہ فی حاجته حتی ینظر فی

Marfat.com

حوائجهم" (مجمع الزوائد ۵/ ۱۱۲)۔

جو شخص مسلمان کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کی فکر نہیں فرمائیں گے یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کی ضرورتوں کی فکر کرے۔

اس لئے جس طرح حکومت کے فرائض میں عوام تک پانی کا پہونچانا ہے، اسی طرح اگر کسی علاقے میں پانی جمع ہو رہا ہو تو اس کو وہاں سے نکالنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، جیسا کہ ندیوں کی کھدائی کی ذمہ داری بادشاہ وقت پر ہوتی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال لأن منفعتها لعامة المسلمين فكانت مؤنتها من بيت المال لقوله عليه الصلاة والسلام: الخراج بالضمان" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۰)۔

اگر ان ندیوں کی کھدائی کی ضرورت ہو تو بادشاہ بیت المال سے اس کی کھدائی کرائے گا، اس وجہ سے کہ اس کی منفعت عام مسلمانوں کے لئے ہے، تو اس کا خرچ بھی بیت المال پر ہوگا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خراج، ضمان سے ہے۔

پھر اگر پانی نہ نکلنے سے گندگی اور عفونت پیدا ہونے لگے اور صحت عامہ کے متاثر ہونے کا خطرہ لاحق ہونے لگے تو حکومت کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے، ہر دور میں حکومتوں نے رعایا کی مشکلات کو دور کرنے کا اہتمام کیا ہے، البتہ عوام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ حکومت کے اس طرح کے نظام میں معاون ثابت ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

آبی وسائل سے متعلق مختلف مسائل

مفتی راشد حسین ندوی☆

پانی کی لغوی بحث:

پانی کو عربی میں ''ماء'' کہتے ہیں، اس کی لغوی بحث کرتے ہوئے صاحب القاموس المحیط فرماتے ہیں:

''الماء والماه والماءة: وهمزة الماء منقلبة عن هاء ، وسمع اسقنی ''ما'' بالقصر ، جمعه أمواه ومياه'' (باب الہاء فصل المیم)۔

(ماء، ماہ، ماءۃ (تین لغت ہیں)، ماء کا ہمزہ ہاء سے بدلا ہوا ہے، اور سنا گیا: ''اسقنی ما'' (مجھے پانی پلاؤ) الف مقصورہ سے، جمع امواہ ومیاہ)۔

اسی سے ملتی جلتی لیکن تفصیلی بحث لسان العرب میں بھی ہے (لسان العرب: مادۃ ''موہ'')۔

پانی کی اہمیت:

پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے جس پر انسان، حیوانات اور نباتات کی زندگی کا مدار ہے، اور اس کی ضرورت جس قدر اہم ہے اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے پانی کو سہل الوصول کیا ہے، اور مخلوقات عالم پر اپنی فیض رسانی کو عام رکھا ہے، اس کی اہمیت کی طرف اشارہ

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

Marfat.com

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وجعلنا من الماء كل شئ حيّ أفلا يؤمنون" (سورۃ الانبیاء/۳۰)۔

(اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے)۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ و بلاواسطہ پانی سے بنائی گئی ہیں" (آیت مذکورہ کے تحت حاشیہ عثمانی)۔

دنیا کی سرسبزی و شادابی، طرح طرح کے پھل، رنگ برنگے پھول، لہلہاتے پیڑ پودے یہ سب اپنی بقا کے لئے پانی کے محتاج ہیں، اسی لئے قرآن نے بار بار پانی کی اس اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

"وما أنزل الله من السماء من ماء، فأحيا به الأرض بعد موتها" (سورہ البقرہ/ ۱۶۴)۔

(اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے بعد)۔

"وأنزل من السماء ماءً فأخرج به من الثمرات رزقا لكم" (سورۃ البقرۃ/ ۲۲)۔

(اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردہ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں کی غذا کو تم لوگوں کے واسطے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان نظام بنا رکھا ہے، اگر انسان سمندر کے پانی کو فلٹر کرتا تو بڑا خرچ آتا (جیسا کہ بعض ممالک نے تجربہ کر کے بھی دیکھ لیا)، وہاں سے مختلف علاقوں تک اس پانی کو پہنچانے میں پریشانی بھی ہوتی، اور خاصہ وقت اور سرمایہ لگتا، پھر اس کو محفوظ رکھنے کے لئے خاصا بڑا انتظام کرنا پڑتا، لیکن اللہ نے نظام بنا دیا کہ گرمی کی شدت سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر آتا ہے، جس سے نمکین ذرات الگ ہو جاتے ہیں، پھر ہوائیں اس کو

Marfat.com

مختلف علاقوں میں لے جاتی ہیں، پھر خاص طرح کا ٹمپریچر ہوتا ہے تو بارش ہونے لگتی ہے، جس سے کھیت کھلیان سیراب ہوتے ہیں، کچھ پانی تالابوں اور جھیلوں میں جمع ہوکر جانداروں کے مختلف کاموں مین استعمال ہوجاتا ہے، کچھ زمین میں جذب ہوکر گویا قدرتی ٹینک میں محفوظ ہوجاتا ہے، جس کو کنوؤں، چشموں اور اب بورنگ اور ہینڈ پائپ وغیرہ کے ذریعہ نکالی کر استعمال کیا جاتا ہے، کچھ پہاڑوں کے گلیشروں میں منجمد ہوکر تھوڑا تھوڑا اگر کے قدرتی واٹر پلانٹ کے ذریعہ دریاؤں کی شکل میں ضروریات پوری کرتا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"وأرسلنا الرياح لواقح فأنزلنا من السماء ماء فاسقينكموه وما أنتم له بخازنين" (سورۃ الحجر/ ۲۲)۔

(اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے رہتے ہیں جو کہ بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے)۔

"ماءً بقدر فأسكناه في الأرض" (سورۃ المومنون/ ۱۸)۔

(اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار کے ساتھ پانی برسایا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا)۔

اسی لئے نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس نظام کی طرف بھی اشارہ کیا:

"أفرأيتم الماء الذي تشربون، ء أنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون لونشاء جعلنه أجاجا أفلا تشكرون" (سورۃ الواقعہ/ ۶۸ تا ۷۰)۔

(اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

Marfat.com

"قل أرئيتم إن أصبح مائكم غوراً فمن يأتيكم بماء معين" (سورۃ الملک/ ۳۰)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (یعنی کنویں کی سوت کو جاری کر دے)۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے پانی کو بقدر ضرورت اور سب کے لئے سہل الوصول بنا رکھا ہے، لیکن کچھ انسانی غلطیوں کی بدولت کبھی بعض علاقوں میں اس میں قلت پیدا ہو جاتی ہے، اور کبھی بعض علاقے سیلاب سے تباہ ہونے لگتے ہیں، اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ تمام جانداروں کی بقا کا جیسا کہ عرض کیا گیا اسی پر انحصار ہے، اسی لئے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ تنازع للبقاء کی فطرت کے پیش نظر خطرہ اس کا ہے کہ انسانی غلطیوں کی وجہ سے پانی میں قلت ہوگی اور تیسری جنگ عظیم پانی کی قلت ہی کے سبب ہوگی، چنانچہ ہندوستان کا نیپال، بنگلہ دیش اور پاکستان سے بعض ندیوں کے پانی کے بٹوارے کے سلسلہ میں اختلاف اور نرم گرم باتیں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، تمل ناڈو اور کرناٹک کی جنگ کچھ سال پہلے ذرائع ابلاغ کا موضوع رہ چکی ہے، اسی تناظر میں کچھ سوالات کا شرعی جواب حل طلب ہے، ہم ذیل میں ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱: پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

صلاحیت تطہیر:

اللہ تعالیٰ نے پانی کے فوائد گناتے ہوئے اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی بتایا ہے کہ اس سے انسان طہارت حاصل کرتا ہے:

"وينزل عليكم من السماء ماء ليطهر كم به" (سورۃ الانفال/ ۱۱)۔

(اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے)۔

Marfat.com

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سمندر کے پانی کا حکم پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: "هو الطهور ماءه" (رواہ مالک: ۱۲، والترمذی: ۱۱/۶۹، والنسائی: ۵۹، وابن ماجہ: ۳۸۶، مشکوٰۃ: کتاب الطہارۃ، باب احکام المیاہ ۱/۵۱) (اس کا پانی پاک کرنے والا ہے)۔

فقہاء نے اسی حکم میں کنویں، چشمہ اور تالاب وغیرہ کے پانی کو بھی قرار دیا، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"الطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء والأودية والعيون والآبار والبحار" (ہدایہ، کتاب الطہارات، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ ۱/۳۳)۔

(حدثوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، بارش، دریاؤں، چشموں، کنووں اور سمندروں کے پانی سے)۔

پھر اگر وضو یا غسل کرنا ہے تو اس کے لئے پانی کو ضروری قرار دیا گیا، کسی دوسرے سیال سے وضو یا غسل کر کے نجاست حکمیہ کو دور کرنا بالاتفاق درست نہیں ہے، ہاں اگر پانی موجود نہ ہو تو تیمّم کو اس کا بدل البتہ بنایا گیا ہے:

"فإن لم تجدوا ماء، فتيمموا صعيدا طيبا" (سورۃ المائدہ/۶)۔

(پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو)۔

اور اگر حقیقی نجاست دھونا ہے تو احناف کے یہاں کسی دوسرے مائع سے بھی اس کا ازالہ کیا جاسکتا ہے جس سے اس کا ازالہ ممکن ہو۔

"وبكل مائع طاهر يمكن إزالتها به كالخل وماء الورد ونحو ذلك" (ہدایہ، طہارات، باب الانجاس وتطہیرہا ۱/۷۱)۔

(نجاست حقیقیہ کا ازالہ پانی کے ساتھ ساتھ ہر ایسے سیال سے بھی کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ اس کا ازالہ ممکن ہو جیسے سرکہ اور عرق گلاب وغیرہ)۔

Marfat.com

پانی میں اسراف:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسراف سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"وكلو واشربوا ولاتسرفوا" الآية (سورۃ الاعراف/۳۱)۔

(اور کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو)۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"عن عبد الله بن مغفل عن رسول الله ﷺ قال: إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء" (ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب فی الاسراف فی الوضوء:۹۶)۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب اس امت میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگی جو طہارت کے حصول اور دعا میں حدود سے تجاوز کرے گی)۔

اسراف حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں، مثلاً وضو یا غسل کرتے ہوئے پانی کثرت سے بہائے، یا وضو کرتے ہوئے تین سے زیادہ بار دھوئے، بذل المجہود میں ہے: "قد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوء كان أو غسلاً أو طهارة عن النجاسات وإن كان على شط نهر جار كما ورد في الحديث" (بذل المجہود ۱/ ۸۹۴، تحقیق الدکتور تقی الدین الندوی تحت حدیث:۹۶)۔

(طہارت حاصل کرنے میں اسراف کرنے کی کراہت پر امت کا اتفاق ہے، خواہ وضو ہو یا غسل یا نجاستوں سے پاکی حاصل کرنا، اگرچہ وہ رواں دریا کے کنارہ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے)۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کا وضو اور غسل:

"عن أنس رضی الله عنه أن النبی ﷺ یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع إلی خمسة أمداد" (بخاری: کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد، رقم الحدیث:۲۰۱، مسلم: کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة:۳۲۵)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مد سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے لیکر پانچ مد پانی تک سے غسل فرماتے تھے)۔

مد دو رطل کا ہوتا ہے، اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے جس کی مقدار کے سلسلہ میں خاصا اختلاف ہے، البتہ علماء ہند کے نزدیک ایک صاع ۰۸۲ء۱۹۴۱ء۳ کیلوگرام کا، اور ایک صاع لیٹر میں ۰۳ء۲۱۷ء۴ لیٹر کا ہوتا ہے، اور چونکہ ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں لہٰذا گرام کے اعتبار سے ایک مد ۰۲۳ء۷۸۷ گرام کا اور لیٹر کے حساب سے ۵۲۸ء۱۳۰ء۱ کا ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ایک صاع چار لیٹر سے کچھ زیادہ اور ایک مد ایک لیٹر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے (الاوزان المحمودہ ص ۳۴)۔

اب آج کل استنجا خانے، وضو خانے اور غسل خانے میں جس طرح پانی کا استعمال ہوتا ہے اس تفصیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناجائز اور اسراف میں داخل ہے۔

پانی میں پیشاب وغیرہ کی ممانعت:

(۱) "عن أبی هریرة عن النبی ﷺ: لایبولن أحدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه" (بخاری: کتاب الوضوء، باب البول فی الماء الدائم:۲۲۹، مسلم: کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراکد:۲۸۲)۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے

Marfat.com

فرمایا: تم میں سے کوئی اس ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے جو جاری نہ ہو کہ پھر اس میں غسل کرے)۔

(۲) "وعنه: لایغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب، قالوا: کیف یفعل یا أبا هریرة؟ قال: یتناوله تناولاً" (مسلم: کتاب الطہارۃ باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد: ۲۸۳)۔

(تم میں سے کوئی حالت جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! وہ کیا کرے گا؟ فرمایا: پانی لے کر غسل کرلے)۔

۲: پانی میں فضول خرچی:

اسلام ہر چیز میں توازن اور اعتدال کو پسند کرتا ہے، چاہے وہ مال و دولت کو صرف کرنے میں ہو، چاہے زندگی کے دوسرے امور میں، اسی طرح پانی کے خرچ کرنے میں بھی اسراف ممنوع اور مکروہ ہے، اس کے بارے میں سوال نمبر ا کے تحت حدیث اور اسراف کی کراہت سے متعلق صاحب بذل کی تحقیق کہ امت کا اس پر اتفاق ہے، گزر چکی ہے، صاحب بذل نے اسراف کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا:

"وههنا یتحقق إما بالزیادة علی الثلاث فی غسل الأعضاء أو بإراقة الکثیر من الماء" (بذل المجہود، تحقیق الدکتور تقی الدین الندوی ۱/ ۵۸۴)۔

یہاں اسراف یا تو اعضاء کو دھونے میں تین کے عدد پر زیادتی سے متحقق ہوگا یا بہت سارا پانی بہانے سے)۔

اس عبارت سے اسراف کی دو قسمیں معلوم ہوئیں:

۱- ایک تو وضو غسل اور تطہیر نجاسات میں اگر کوئی عدد متعین کیا گیا ہے تو اس کو تجاوز کرنا اسراف میں داخل ہوگا، مثلاً وضو میں اعضاء کو چار بار یا اس سے زیادہ دھوئے، چنانچہ

Marfat.com

حدیث شریف میں ہے:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال: جاء أعرابی إلی النبی ﷺ یسأله عن الوضوء فأراه ثلاثا ثلاثا ثم قال: هکذا الوضوء فمن زاد علی هذا فقد أساء و تعدی و ظلم (رواہ النسائی وابن ماجہ ورواہ ابوداؤد بمعناہ، مشکوٰۃ: باب سنن الوضوء ۱/۴۷)۔

(عمرو ابن شعیب اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ سے وضو کے متعلق سوال کرنے آیا، تو آپ نے اس کو تین تین بار دکھلایا، پھر فرمایا: وضو اسی طرح ہوتا ہے، تو اگر کوئی اس پر اضافہ کرے گا تو وہ گناہ کرے گا، حد سے تجاوز کرے گا اور ظلم کرے گا)۔

۲-اسراف کی دوسری قسم یہ معلوم ہوئی کہ معینہ عدد کا تو خیال رکھے لیکن جتنے پانی سے کام چل سکتا تھا اس سے زیادہ بہائے، جیسا کہ آج کل ٹونٹی پوری کھول دی جاتی ہے، اس سے بغل والوں پر چھینٹیں بھی پڑتی ہیں اور بلاوجہ پانی بھی ضائع ہوتا ہے، اسی طرح نجاست کے ازالہ میں جس قدر پانی سے کام چل سکتا تھا اس سے زیادہ صرف کیا تو وہ بھی اسراف میں داخل ہے، حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن النبی ﷺ مر بسعد وهو یتوضأ فقال: ما هذا السرف یا سعد!؟ قال: أفی الوضوء سرف؟ قال: نعم! و إن کنت علی نهر جار" (رواہ احمد وابن ماجہ، مشکوٰۃ سنن الوضوء ۱/۴۷)۔

(حضرت عبداللہ ابن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت سعد کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ اسراف کیسا؟ حضرت سعد نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں، اگر چہ تم رواں دریا کے کنارہ ہو)۔

ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"فإن فیه إسراف الوقت وتضییع العمرا وتجاوزاً عن الحد الشرعی"

(مرقاۃ ۲/۲۲ اباب سنن الوضوء الفصل الثالث، طفیل پبلیکیشنز)۔

Marfat.com

(اس لئے کہ اس میں وقت کا اسراف ہے، عمر کو ضائع کرنا ہے یا یہ کہ شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے)۔

احادیث کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اس طرح اسراف کرنا مکروہ تحریمی ہے، الدر المختار میں اس کی تصریح بھی موجود ہے:

"ومکروهه ...... والإسراف، ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لو بماء النهر والمملوک له، أما الموقوف على من يتطهر به ومنه المدارس فحرام" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: کتاب الطہارۃ قبیل مطلب فی التمسح بمندیل ۱/۹۷، ط فیض القرآن)۔

(وضو میں مکروہ .... اور اسراف کرنا ہے، اور اسی میں سے مکروہ تحریمی تین پر زیادتی کرنا بھی ہے اگر نہر یا اپنے مملوکہ پانی سے ہو، رہا وہ پانی جو طہارت کرنے والوں پر وقف ہو تو اس سے تین پر اضافہ حرام ہوگا، مدارس کا پانی بھی اسی میں سے ہے)۔

لیکن علامہ شامی نے طویل بحث کر کے اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، البتہ موقوف پانی میں اسراف کی حرمت کی انھوں نے بھی توثیق کی ہے (رد المحتار ۱/۹۷، ۹۸)۔

خلاصہ کلام یہ کہ ذاتی اور مباح الاصل پانی میں اسراف کرنا شرعاً کم از کم مکروہ تنزیہی ہے، بعض علماء نے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، احادیث میں بھی اس سے سختی سے روکا گیا ہے، اور اگر موقوفہ پانی ہو (جیسا کہ مساجد وغیرہ میں ہوتا ہے) تو اس میں اسراف کرنا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

۳: پانی آلودہ کرنا ممنوع ہے:

سوال نمبر ۱ کے ذیل میں احادیث نقل کی گئی ہیں کہ پانی میں پیشاب کرنے کو منع کیا گیا ہے، اس انداز سے ممانعت کا مطلب ہی یہی ہے کہ یہ حکم صرف اخلاقی نہیں ہے، بلکہ اس سے روکنا مطلوب ہے، اسی لئے فقہاء نے صراحت سے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، ہندیہ میں ہے:

"البول في الماء الجاري مكروه كذا في الخلاصة، ويكره البول في

Marfat.com

الماء الراكد وهو المختار" (ہندیہ ۱؍۲۵، الباب الثالث فی المیاہ کتاب الطہارۃ)۔

(ماء جاری میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، الخلاصہ میں اسی طرح ہے، اور نہر کے پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، یہی مختار ہے)۔

اور شامی میں ہے: "فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلابد من النظر في دليله، فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم، إلا لصارف للنهي عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل نهيا، بل كان مفيداً للترك الغير الجازم فهي تنزيهية" (رد المحتار ۱؍۷۹)۔

(فقہاء جب کسی مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل پر غور کرنا ضروری ہے، اگر وہ نہی ظنی ہو تو کراہت تحریم کا حکم لگایا جائے گا الا یہ کہ تحریم سے ندب کی طرف پھیرنے والی کوئی دلیل ہو، اور اگر دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر حتمی ترک کا فائدہ دے رہی ہو تو کراہت تنزیہی ہوگی)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔

۲- ایک دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ پانی وغیرہ کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا جائے:

"خمروا الآنية، و أوكوا الأسقية" (رواہ البخاری ومسلم، مشکوۃ: باب تغطیۃ الاوانی، ص ۳۷۲)۔

(برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشکیزوں کا منھ باندھ دیا کرو)۔

۳- تیسرا حکم برتن میں سانس لینے کی ممانعت کا ہے:

"عن ابن عباس قال: نهى رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ فيه" (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوۃ: باب الاشربۃ، ص ۳۷۱)۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے)۔

۴- کئی ایسی جگہیں ہیں جہاں بول و براز سے منع کیا گیا ہے، ان جگہوں میں ایک پانی

Marfat.com

کی گزرگاہیں ہیں، عام طور سے اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ ممانعت کی علت گزرنے والوں کی پریشانی ہے، لیکن اس کی ایک وجہ پانی وغیرہ کو آلودگی سے بچانا بھی ہوسکتی ہے:

"عن معاذ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز فی الموارد وقارعة الطریق والظل" (رواه ابوداود، رقم: ۲۸، وابن ماجۃ، رقم: ۳۲۸، مشکوٰۃ: کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء، ۱/۳۵۵)۔

(حضرت معاذ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لعنت کی تین جگہوں سے بچو: پانی کی گزرگاہوں، راستہ کے درمیان اور سایہ میں (بول و براز سے)۔

اور شامی کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کے اعتبار سے ان جگہوں پر اس آلودگی پھیلانے کا شرعی حکم کراہت تحریمی یا کم از کم کراہت تنزیہی کا ہونا چاہئے۔

۴: کیمیاوی طریقہ سے فلٹر کئے ہوئے پانی کا حکم:

عین نجاست کے اندر طہارت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ہے، مثلاً شراب، پیشاب یا خون وغیرہ کے پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ انقلاب ماہیت ہو جائے اور شراب سرکہ اور خون مشک بن جائے، شامی میں ہے:

"وکذا یطهر محل نجاسته، أما عینها فلا تقبل الطهارة" (قوله اما عینها) ...... ولایرد طهارة الخمر بانقلابها خلا، والدم بصیرورته مسکا، لأن عین الشیٔ حقیقته، وحقیقة الخمر والدم ذهبت، وخلفتها أخری، وإنما یرد ذلک لو قلنا ببقاء حقیقة الخمر والدم مع الحکم بطهارتها" (شامی ۱/۲۴۰، باب الانجاس، ط مکتبہ فیض القرآن دیوبند)۔

(اسی طرح اس کا محل نجاست بھی پاک ہو جاتا ہے، رہی عین نجاست تو وہ طہارت کو قبول نہیں کرتی ہے (قولہ اما عینہا)...... اور سرکہ میں تبدیل ہو کر شراب کے اور مشک میں تبدیل

Marfat.com

ہو کر خون کے پاک ہو جانے سے اعتراض وارد نہیں ہوتا، اس لئے کہ عین شئ نام ہے اس کی حقیقت کا، اور شراب اور خون کی حقیقت جا چکی ہے، اور اس کی جگہ دوسری حقیقت لے چکی ہے، اعتراض تو اس وقت ہوتا جب ہم خمر اور خون کی حقیقت باقی رہتے ہوئے ان کی طہارت کا حکم لگاتے)۔

اس لئے فلٹر کرنے کا یہ عمل عین نجاست پیشاب، پاخانہ میں کیا جائے تو وہ پاک نہیں ہوں گے، مولانا نظام الدین صاحبؒ پیشاب کے فلٹر کئے جانے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اس کشیدگی کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور ضرر رساں اجزاء کو نکال دیا گیا، اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں، اور پیشاب بجمیع اجزاء نجس العین اور نجس بنجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقیماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بنجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی، اس کو قلب ماہیت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تجزیہ وتخرجہ ہوا الخ'' (منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۶۲، ۷۲)۔

نجس پانی کو فلٹر کیا جائے تو اس پر بھی یہ تمام بحث صادق آتی ہے، سوائے اس کے کہ وہ نجس العین نہیں ہے جبکہ پیشاب نجس العین ہے، اس طرح کے پانی کے نجس العین نہ ہونے کی دلیل بدائع کی یہ عبارت ہے:

"أما غسالة النجاسة الحقيقية، وهي ما إذا غسلت النجاسة الحقيقية ثلاث مرات فالمياه الثلاث نجسة (الى) وهل يجوز الانتفاع بالغسالة فيما سوى الشرب والتطهير (الى) لأنه لما لم يتغير دل أن النجس لم يغلب على الطاهر، والانتفاع بما ليس بنجس العين مباح في الجملة" (بدائع: کتاب الطہارۃ احکام النجاسۃ ۱/ ۲۰۶، ۲۰۷ وکذا فی الہندیہ ۱/ ۱۹ کتاب الطہارۃ الباب الثالث فی المیاہ الفصل الثانی)۔

Marfat.com

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پانی نجس لغیرہ ہوتا ہے اور کئی صورتیں ایسی ہیں کہ نجس پانی کو پاک تسلیم کرلیا جاتا ہے:

۱- علامہ شامی ایک خاص مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لأن الماء النجس لایطهر بتغیره بنفسه إلا إذا جری بعد ذلک بماء صاف" الخ (شامی ۱/۱۳۹، باب المیاہ، تنبیہ مہم فی طرح الزبل الخ)۔

(اس لئے کہ نجس پانی خود سے تغیر ہوجانے پر پاک نہیں ہوتا، الا یہ کہ اس کے بعد صاف پانی کو لیکر بہے)۔

۲- زمین پر طرح طرح کی گندگیاں رہتی ہیں، جن کو زمین جذب کرتی ہے، پھر گویا قدرتی فلٹر کے ذریعہ صاف ہوکر نیچے کے پانی میں مل جاتا ہے، پھر بورنگ وغیرہ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے اور اگر رنگ، بو اور مزے میں فرق نہ ہو تو عرفاً و شرعاً پاک سمجھا جاتا ہے۔

۳- پانی جیسے بعض دوسرے سیال بھی اگر نجس ہوجائیں، تو فقہی کتابوں میں پوری تفصیل سے ان کے پاک کرنے کا طریقہ درج ہے:

"ویطهر لبن ودبس یغلی ثلاثا قوله: ویطهر لبن وعسل الخ) قال فی الدرر: لو تنجس العسل فتطهره الخ (ایضاً)۔

(دودھ، شہد اور شیرہ پاک ہوجائے گا، جسے تین بار کھولا گیا ہو (قوله ویطهر الخ) الدرر میں فرماتے ہیں: اگر شہد نجس ہوجائے تو اس کی تطہیر یوں ہوگی کہ اس میں اسی کے بقدر پانی ڈالا جائے اور کھولایا جائے یہاں تک کہ الخ)۔

پہلے زمانہ میں پانی میں ملی ہوئی گندگی کو دور کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا، لہٰذا اس طرح کی کوئی بحث بھی نہیں ملتی ہے، آج گندگی دور کرنے کے طریقے موجود ہیں، لیکن ان طریقوں سے انقلاب ماہیت تو ہوتا نہیں، صرف مضر اور بدبودار اجزاء الگ کئے جاسکتے ہیں،

Marfat.com

میرے علم کے مطابق ایسا کوئی طریقہ آج بھی موجود نہیں ہے کہ پانی میں ملے ہوئے پیشاب اور دوسری گندگیوں کو پورا کا پورا نکالا جاسکے، پوری صفائی کر لینے کے باوجود اس میں پیشاب ملا ہوا ہوگا لہٰذا اس پر وہی بحث صادق آئے گی جو مولانا نظام الدین صاحب کے حوالہ سے گزر چکی ہے، وہ پاک تبھی ہوگا جب اس پر پاک پانی. کا جریان ہو جیسا کہ شامی کے حوالہ سے گزرا، تو یہ پاکی صفائی کے بجائے جریان کے سبب ہو رہی ہے اور جریان سے تو غیر فلٹر پانی بھی پاک ہو جاتا ہے، اس میں فلٹر سے کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

خلاصۂ کلام:

یہ کہ اس طرح کیمیاوی طریقہ سے صاف کرنے سے پانی پاک نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ کوئی ایسی تکنیک وجود میں آجائے جس کے ذریعہ پیشاب وغیرہ نجاستوں کے تمام اجزاء کو نکالا جاسکے، ایسا ہو جائے تو اس کی پاکی کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس کی نجاست لعینہ نہیں ہے، لغیرہ ہے، جب وہ ''غیر'' زائل ہو جائے، تو جس طرح دودھ تیل اور شہد نجاست دور کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ پانی بھی شرعاً پاک ہوگا۔

۵: حکومت کی طرف سے پانی کے بعض استعمالات پر پابندی:

۱- اگر ان استعمالات کی وجہ سے عوام کو ضرر پہنچ رہا ہے، یا ضرر پہنچنے کا ظن غالب ہے، تو حکومت کے لئے اس طرح کے استعمالات پر پابندی لگانا جائز ہوگا۔

''فكان كل أحد بسبيل من الانتفاع لكن بشرط عدم الضرر بالنهر كالانتفاع بطريق العامة، وإن أضر بالنهر فلكل واحد من المسلمين منعه، لما بينا انه حق لعامة المسلمين، وإباحة التصرف فى حقهم مشروطة بانتفاع الضرر كالتصرف فى الطريق الاعظم'' (بدائع الصنائع: کتاب الشرب ۵/ ۲۷۹۲، مکتبہ زکریا، ہدایہ ۴/ ۴۸۴، ۴۸۵، کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل الشرب، ردالمحتار ۵/ ۳۱۱، کتاب احیاء الموات فصل الشرب)۔

Marfat.com

(تو (بڑی ندیوں سے) ہر شخص کو انتفاع کا حق ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دریا کو ضرر نہ پہنچے جیسے عوام کے راستہ سے انتفاع کا حکم ہے، اور اگر دریا کو ضرر ہو تو مسلمانوں میں سے ہر شخص کو روکنے کا حق ہوگا، اس لئے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے، اور ان کے لئے تصرف کی اباحت ضرر نہ ہونے پر مشروط ہے جیسے بڑی شاہراہ میں تصرف کا حکم ہے)۔

۲- اگر اسلامی مملکت ہو تو اس آیت اور اس کے ہم معنی نصوص سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

"یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" (سورہ نساء:۵۹)۔

(اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی)۔

۳- اگر غیر اسلامی ملک میں قیام ہو تب بھی ایک تو وہاں کا قیام ایک طرح کا معاہدہ ہے کہ قوانین پر عمل کریں گے اس لئے حکم قرآنی کے مطابق اس معاہدہ کی پابندی ضروری ہے، دوسرے عمل نہ کرنے پر سزا ہو سکتی ہے جس سے ایک مسلمان (یعنی خود) کی توہین کرنے کا سبب بننے کا گناہ ہوگا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لئے شرعاً بھی اس طرح کے احکام کی پابندی ضروری ہوگی، واللہ اعلم۔

۶: مملوکہ زمین کا پانی:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، اس کا وہ انسان مالک ہوتا ہے، خواہ تالاب یا جھیل ہو، یا کنواں اور بورنگ وغیرہ، اس میں انسان کو ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق

Marfat.com

ہے، شامی میں ہے:

"اعلم أن الماء أربعة أنواع ...... والثالث مادخل فی المقاسم ای المجاری المملوکة بجماعة مخصوصة وفیه حق الشفة، والرابع المحرز فی الأوانی ینقطع حق غیره عنه وتمامه فی الهدایة وحاصله ...... وفی الثالث حق الشفة فقط ولاحق فی الرابع لأحد" (ردالمحتار ۳۱۱/۵، کتاب احیاء الموات، فصل الشرب)۔

(جان لو کہ پانی کی چار قسمیں ہیں ...... اور تیسری قسم اس پانی کی ہے جو حصوں یعنی مخصوص جماعت کی نالیوں میں داخل ہو جائے، اس میں پانی پینے کا حق ہوتا ہے، اور چوتھی قسم برتنوں میں محفوظ کر دیئے جانے والے پانی کی ہے اس سے دوسرے کا حق ختم ہو جاتا ہے الخ)۔

اور ہدایہ میں ہے:

"ولو کان البئر أو العین أو الحوض أو النهر فی ملک رجل له أن یمنع من یرید الشفة من الدخول فی ملکه "الخ (ہدایہ: کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل الشرب ۴۸۶/۴)۔

(اور اگر کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر کسی شخص کی ملکیت میں ہو تو اسے اختیار ہے کہ جو پانی پینا چاہتا ہو اسے اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے روک دے الخ)۔

لیکن اگر خصوصی حالات پیدا ہو جائیں، اور ماہرین کا مشورہ ہو کہ فلاں فلاں تصرفات کئے گئے مثلاً بورنگ کثرت سے کی گئی تو زمین کا پانی نیچے چلا جائے گا اور لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے تو حکومت اس طرح کے خاص حالات میں جب تک یہ حالات رہیں اس وقت تک کے لئے پابندی لگا سکتی ہے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱ – القاعدة الخامسة: الضرر یزال، أصلها قوله علیه السلام لاضرر ولاضرار أخرجه مالک فی الموطأ ...... ویبتنی علی هذه القاعدة کثیر من

Marfat.com

أبواب الفقه، فمن ذلك: الرد بالعيب وجميع أنواع الخيارات والحجر بسائر أنواعه على المفتى به والشفعة فإنها للشريك لدفع ضرر القسمة وللجار لدفع ضرر الجار الخ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم، الفن الاول، القاعدۃ الخامسۃ ص ۱۳۹)۔

(پانچواں قاعدہ: ضرر زائل کیا جائے گا، اس کی اصل آنحضرت ﷺ کا قول ہے: نہ ضرر پہنچایا جائے نہ خود ضرر اٹھایا جائے، اس کی تخریج امام مالک نے موطا میں کی ہے...... اس قاعدہ پر بہت سے فقہی ابواب کی بناء ہے، اس میں سے عیب کی بنیاد پر سامان واپس کرنا اور ہر طرح کے خیار ہیں اور مفتی بہ قول کے مطابق اپنی تمام اقسام سمیت حجر ہے، اور شفعہ ہے، اس لئے کہ وہ شریک کو ضرر قسمت دور کرنے کے لئے اور جار کو ضرر جوار دفع کرنے کے لئے ملتا ہے)۔

۲- "يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام .... ومنها وجوب نقض حائط مملوك مال إلى طريق العامة على مالكها دفعا للضرر العام ...... الخ (ایضاً ص ۱۴۲، ۱۴۳)۔

(ضرر عام دور کرنے کے لئے ضرر خاص برداشت کرلیا جائے گا...... اس کی مثالوں میں یہ بھی ہے کہ عوام کے راستہ کی طرف جھک جانے والی دیوار کا توڑنا مالک پر واجب ہے، ضرر عام کو دور کرنے کے لئے...... الخ)۔

۳- "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما" (ایضاً ص ۱۴۵)۔

(جب دو مفاسد میں ٹکراؤ ہو جائے تو زیادہ ضرر والے کی رعایت کی جائے گی ہلکے ضرر کا ارتکاب کر کے)۔

۷: پانی کی فراہمی کس کے ذمہ ہے؟

چھوٹے پیمانہ پر پانی کے حصول کی کوشش انسان کا انفرادی معاملہ ہے جس کے لئے

Marfat.com

اسے ہینڈ پمپ وغیرہ کے ذریعہ کوشش کرنی چاہئے، جس طرح کہ غذا وغیرہ کی فراہمی اس کا انفرادی مسئلہ ہوتا ہے، چنانچہ قرون اولی میں مدینہ منورہ اور دوسرے اسلامی شہروں میں حکومت کی طرف سے گھر گھر پانی پہونچانے کا نظم نہیں کیا جاتا تھا، اگرچہ کنویں فراہم کرنے اور بعض نہروں کی صفائی کروانے یا کھدوانے کی مثالیں ملتی ہیں، البتہ بڑے پیمانہ پر اس طرح کی کوششیں عوام کے لئے ممکن نہیں ہوتیں، لہٰذا بڑے دریاؤں کی درستگی، بڑی بڑی نہروں کا قیام اور اب موجودہ دور میں پانی کی بڑی ٹنکیاں بنوانا، یا جن علاقوں میں پانی کافی نچلی سطح میں ہوتا ہے، اور عام انسان کے لئے وہاں کنواں کھودنا یا بورنگ کرانا ممکن نہیں ہوتا ہے وہاں پانی کی فراہمی بلاشبہ حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کا استدلال اس عبارت سے کیا جاسکتا ہے:

"ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال لما قلنا" (بدائع ۲۸۰/۵، کتاب الشرب)۔

(اگر ان (بڑے) دریاؤں کو کھدائی صفائی کی ضرورت ہو، تو سلطان پر بیت المال سے ان کی کھدائی ضروری ہے، اس لئے کہ ان کی منفعت عام مسلمانوں کے لئے ہے، لہٰذا اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا اس دلیل سے جو ہم دے چکے ہیں)۔

ہدایہ میں ہے: "فالأول كرية على السلطان من بيت مال المسلمين ...... فإن لم يكن في بيت المال شئ فالإمام يجبر الناس على كريه" (ہدایہ: کتاب الشرب، فصول فی مسائل الشرب فصل فی ....)۔

(تو پہلے (بڑے دریاؤں) کا کھدوانا سلطان کے ذمہ ہے مسلمانوں کے بیت المال سے، اور اگر بیت المال میں کچھ نہ ہوتو امام لوگوں کو اس کی کھدائی پر مجبور کرے گا)۔

اور اگر کسی علاقہ میں خشک سالی کے سبب بڑے پیمانہ پر پانی ذخیرہ کرنے کی ضرورت ہو، ورنہ خطرہ ہے کہ پانی زمین کی نچلی سطح پر چلا جائے گا، اور پورا ملک دشواری میں پڑے گا، تو

Marfat.com

اصلاً تو حکومت ہی کو اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن مسئلہ اتنا سنگین ہو کہ صرف حکومتی سطح کی کوشش ناکافی ہو رہی ہو تو حکومت بلاشبہ لوگوں پر بھی اس طرح کی ذمہ داری ڈال سکتی ہے، اور اس حکم کی تعمیل کرنا عوام پر واجب اور ضروری ہوگا، دلائل پیچھے لکھے جا چکے ہیں، ایک عبارت مزید درج کی جاتی ہے، الاشباہ والنظائر لابن نجیم میں ہے:

”إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفد حكمه شرعاً إلا إذا وافقه، فان خالفه لم ينفذ (قال الحموی) قوله فإن خالفه لم ينفذ، قال المصنف فی شرح الکنز ناقلا عن ائمتنا: إطاعة الإمام فی غير المعصية واجبة، فلو أمر الإمام بصوم يوم وجب“ (الاشباہ مع شرحہ للحموی: الفن الاول، القاعدۃ الخامسۃ تصرف الامام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ، ص ۱۸۹)۔

(جب امور عامہ سے متعلق چیزوں میں امام کا فعل مصلحت پر مبنی ہو تو وہ شرعاً اسی وقت نافذ ہوگا جب شریعت کے موافق ہو اور اگر اس کے مخالف ہو تو نافذ نہیں کیا جائے گا، (اس کی شرح میں حموی کہتے ہیں: مصنف نے کنز کی شرح میں ہمارے ائمہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ معصیت کے علاوہ میں امام کی اطاعت واجب ہے تو اگر امام کسی دن کے روزہ کا حکم دے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا)۔

خلاصہ یہ کہ خاص حالات میں حکومت کو اس طرح کا حکم دینے کا اختیار ہے، اور اس کی پابندی عوام پر ضروری ہوگی، بڑے پیمانہ پر پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کا کام ہے لیکن خاص حالات میں عوام پر بھی یہ ذمہ داری ڈالی جا سکتی ہے۔

۸: لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کرنے کا حکم:

کسی بھی حکومت کے لئے عام حالات میں یہ جائز نہیں ہے کہ عوام سے ان کی زمینیں اور جائدادیں چھین لے۔

Marfat.com

"قال الإمام أبويوسف في كتاب الخراج من باب إحياء الموات:

"وليس للإمام أن يخرج شيئاً من يد أحد إلا بحق ثابت معروف" (الاشباہ لابن نجیم: الفن الاول، القاعدة الخامسة تصرف الامام على الرعية منوط بالمصلحة، ص ۱۸۹)۔

(امام ابو یوسف کتاب الخراج کے باب احیاء الموات میں فرماتے ہیں: اور امام کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کے قبضہ سے کوئی بھی چیز حق ثابت معروف کے بغیر نکال لے)۔

لیکن اگر سڑک، ڈیم، مسجد یا اسی جیسی عوامی فائدہ کی کوئی چیز بنوانی ہو تو جبری طور پر بھی کسی سے اس کی ملک لی جا سکتی ہے، اس کا استدلال درج ذیل عبارت سے ممکن ہے:

"تؤخذ أرض و دار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها (قوله بالقيمة كرها) لما روى عن الصحابة رضى الله تعالى عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة" (شامی ۴۲۱/۳، کتاب الوقف)۔

(مسجد کے بغل کی زمین، گھر اور دوکان بقیمت جبراً لے لی جائے گی جب مسجد لوگوں پر تنگ ہوگئی ہو (قوله بالقيمة) اس لئے کہ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جب مسجد حرام میں تنگی ہوگئی تو انہوں نے مالکوں سے بالقیمت جبراً زمین لے لی)۔

۹: باندھ کھولنے کا حکم:

اگر باندھ کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے، اسے کھول دیا جائے تو قریبی آبادی بچ سکتی ہے، لیکن دور دراز کے علاقے ڈوب جائیں گے، اور ان کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، تو اس طرح اپنے کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسروں کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں، "الضرر لا يزال بالضرر" کا عام قاعدہ فقہیہ اس پر دلالت کر رہا ہے، اور بعض فقہی روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے:

Marfat.com

۱- ”خرب رجل ضفة نهر، والماء فی ذلک الوقت منقطع، ثم وصل الماء فوصل من موضع التخريب فی أرض رجل فأضر بالأرض أو أفسد زرعا فی الأرض قال: ينظر، إن جرى الماء بنفسه يضمن المخرب إذا كان النهر للعامة لأنه مسبب متعد“ (ہندیہ: کتاب الشرب، الباب الثالث فیما یحدثہ الانسان الخ ۴۰۰/۵)۔

(ایک شخص نے نہر کا پاٹ خراب کردیا، اس وقت پانی منقطع تھا، پھر پانی پہنچ گیا اور خراب کرنے کی جگہ سے کسی شخص کی زمین میں پہونچ گیا، اور اس نے زمین بے کار کردی یا زمین کی کھیتی برباد کردی، فرمایا: دیکھا جائے، اگر پانی خود سے بہتا ہے تو اس صورت میں خرابی پیدا کرنے والا ضامن ہوگا جب نہر عوام کی ہو، اس لئے کہ وہ مسبب اور تعدی کرنے والا ہے)۔

۲- فی فتاوى أبی الليث رحمه الله تعالىٰ: نهر عظيم لأهل قرية، يشعب منه نهران، وعلى كل واحد من النهرين طاحونة، فخربت إحدى الطاحونة، فأراد صاحبها أن يرسل الماء كله فی النهر الآخر الذی عليه الطاحونة الأخرى حتى يعمر طاحونته، وذلک يضر بالطاحونة الأخرى لم يكن له ذلک، لأنه يريد ...... دفع الضرر عن نفسه بالإضرار بغيره“ (ایضاً)۔

(ابواللیث رحمہ اللہ کے فتاوی میں ہے: ایک بستی والوں کا بڑا دریا ہے، جس سے دو دریا نکلتے ہیں، ہر دو نہروں پر پن چکی ہے اور ایک پن چکی خراب ہوگئی اور اس کے مالک نے چاہا کہ پورا پانی دوسرے دریا (نہر) میں ڈال دے جس میں دوسری پن چکی ہے تا کہ اپنی چکی کی مرمت کرلے اور اس سے دوسری چکی کو ضرر ہوگا تو اسے اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ دوسروں کو ضرر پہنچا کر اپنے سے ضرر دور کرنا چاہتا ہے)۔

البتہ اگر صورت حال یہ ہو کہ باندھ کھولنے میں تو جان و مال کا معمولی نقصان ہوگا، نہ

Marfat.com

کھولنے پر غیر معمولی نقصان ہوگا، ماہرین باقاعدہ اس کی یہی رپورٹ دیں تو حتی الامکان آبادیوں کی حفاظت کا انتظام کر کے حکومتی سطح پر ایسا کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ اہون البلیتین ہے، اشباہ میں ہے:

"إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما"
(الاشباہ لابن نجیم: قاعدہ رابعہ تحت القاعدۃ الخامسہ: الضرر یزال، ص ۱۴۵)۔

(جب دو مفاسد میں تعارض ہو جائے تو دونوں میں سے اخف کا ارتکاب کر کے ضرر میں بڑھے ہوئے مفسدہ کی رعایت کی جائے گی)۔

۱۰: عوامی آبی وسائل سے عوام کے استعمال کی حد:

دریا، ندی عوامی چشمے اور سرکاری تالاب سے پیاس بجھانے کے لئے پانی لینا ہر حال میں جائز ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بڑے دریاؤں سے نہر وغیرہ بنا کر کھیتوں کی سینچائی کرنا درست ہے بشرطیکہ مفاد عام کے خلاف نہ ہو، ورنہ اس سے روک دیا جائے گا:

(قوله في كل ماء لم يحرز) اعلم أن الماء أربعة أنواع: الأول: ماء البحار، ولكل أحد فيها حق الشفة وسقي الأراضي فلا يمنع من الانتفاع على أى وجه شاء، والثاني: ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيها حق الشفة مطلقا وحق سقي الأراضي إن لم يضر بالعامة والثالث: مادخل في المقاسم أى المجارى المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع: المحرز في الأواني ينقطع حق غيره عنه وتمامه في الهداية وحاصله أن لكل أحد من الاوليين حق الشفة والسقي لأرضه وفي الثالث حق الشفة فقط ولاحق في الرابع لأحد" (ردالمحتار شامی ۵/ ۳۱۱، کتاب احیاء الموات، فصل الشرب، ہدایہ: کتاب احیاء الموات.....)۔

(قوله في كل ماء لم يحرز) جان لو کہ پانی کی چار قسمیں ہیں: پہلی قسم: سمندروں

Marfat.com

کا پانی، اس میں ہر ایک کو پینے اور زمین سیراب کرنے کا حق ہے، تو اسے جس طرح چاہے انتفاع کرنے سے نہیں روکا جائے گا، دوسری قسم: بڑے دریاؤں کا پانی جیسے سیحون، اور اس میں لوگوں کو پینے کا حق مطلق طور پر ہوتا ہے اور اگر عام لوگوں کو ضرر نہ ہو تو زمینوں کی سیرابی کا بھی حق ہوتا ہے، تیسری قسم: جو حصوں یعنی کسی مخصوص جماعت کی مملوکہ نالیوں میں داخل ہو جائے اس میں پینے کا حق ہوتا ہے، چوتھی قسم: جسے برتنوں میں محفوظ کرلیا جائے اس سے دوسروں کا حق ختم ہو جاتا ہے، پوری تفصیل ہدایہ میں ہے، اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلی دو قسموں میں ہر ایک کو پینے اور سینچنے کا حق ہوتا ہے، تیسری قسم میں صرف پینے کا، اور چوتھی قسم میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے)۔

(قوله إن لم يضر بالعامة) فإن أضر بأن يفيض الماء ويفسد حقوق الناس أو ينقطع الماء عن النهر الأعظم أو يمنع جريان السفن تتارخانية، فلكل واحد مسلما كان أو ذميا أو مكاتبا منعه بزازيه" (شامی ۵/ ۳۱، کتاب احیاء الموات فصل الشرب)۔

((مصنف کا قول کہ اگر عام لوگوں کو ضرر نہ ہو) اور اگر ضرر ہو اس طور پر کہ پانی گھٹ جائے اور لوگوں کے حقوق فاسد ہو جائیں یا بڑے دریا سے پانی رک جائے یا کشتیوں کے چلنے سے مانع بن جائے تو ہر ایک کو اسے روکنے کا حق ہوگا خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو یا مکاتب ہو)۔

جب نہر خاص سے پینے کے لئے پانی لینا درست ہے تو عوامی تالاب وغیرہ سے اس مقصد سے لینا بدرجہ اولی درست ہوگا، جہاں تک تالاب اور جھیل سے سینچائی کا تعلق ہے، تو اگر عرف میں رائج ہو، اور لوگوں کا اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہو تو دریا ہی پر قیاس کر کے اس سے سینچائی کرنا بھی جائز ہوگا، لیکن اگر ایسا کرنا مفاد عامہ کے خلاف ہو تو ظاہر ہے جب اس صورت میں ندی سے سینچائی کرنے سے ہر ایک کے لئے روکنا جائز ہے تو تالاب وغیرہ سے تو بدرجہ اولی روکنے کا حق ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

Marfat.com

"الناس شركاء فی ثلاث: الماء والكلأ والنار" (ابوداؤد: کتاب الاجارہ، باب فی منع الماء، حدیث نمبر: ۳۴۷۷ واسنادہ صحیح، احمد فی المسند ۵/ ۳۶۴، ابن ماجہ کتاب الرہون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، حدیث نمبر: ۲۴۷۲)۔

(لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ)۔

دوسری حدیث میں ہے:

"لايمنع عن فضل الماء" (مسلم: باب تحریم فضل الماء)۔

(فالتو پانی سے نہیں روکا جائے گا)۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"ما الشئ الذی لايحل منعه قال: الماء" (ابوداؤد: اجارہ، باب فی منع الماء، حدیث نمبر: ۳۴۷۶)۔

(آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا: کس چیز سے روکنا حلال نہیں ہے؟ فرمایا: پانی سے)۔

اس حدیث کے تحت صاحب بذل فرماتے ہیں: "أی إذا لم يكن فی الأوانی والصهاريج والحياض، وأما إذا كان فيها فهو مملوك له يحل منعه" (بذل المجہود ۱/ ۴۸۵، تحقیق دکتور تقی الدین الندوی)۔

(یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب پانی برتنوں اور حوضوں میں نہ ہو، رہی وہ صورت جب پانی ان چیزوں میں ہو تو وہ اس کے زیر ملکیت ہے اس سے روکنا حلال ہے)۔

۷: دریا وغیرہ سے استفادہ کی صورتیں:

دریا وغیرہ سے استفادہ کی صورتیں جواب نمبر ۱۰ کے تحت گزر چکی ہیں، اور اس سے متعلق نصوص بھی احادیث اور عبارات فقہیہ سے درج کی جا چکی ہیں، نہر بھی حکومت عوام کے

Marfat.com

استعمال ہی کے لئے کھودواتی ہے، اور اس کا اصل مقصد کھیتوں کو سیراب کرنا اور ان سے بھرپور پیداوار لینا ہی ہوتا ہے، لہٰذا احکام میں ان کا حکم بھی انہیں دریاؤں جیسا ہوگا۔

لیکن اب عصر حاضر میں حکومتوں نے نہروں کے نظام کو پوری طرح منضبط کردیا ہے، اس کا پورا محکمہ موجود ہے، کھیتوں کا سروے کیا جاتا ہے، اور اسی کی روشنی میں استفادہ کا کچھ عوض سینچائی کے نام سے مقرر کیا جاتا ہے، لہٰذا ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ مسلمان ان ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے ان نہروں سے استفادہ کریں، قانونی طور پر کوئی چیز ممنوع ہو تو اس کا کرنا شرعاً بھی ناجائز ہوگا، اس سے متعلق تفصیلات اوپر کے سوالوں کے جوابات کے تحت گزر چکی ہیں۔

۱۲- پانی پر ذاتی ملکیت کب ہوتی ہے:

انسان جب دریا یا کسی عوامی جگہ سے پانی لے کر اپنے ذاتی برتن ٹنکی یا حوض وغیرہ میں کرلے تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے، اس سلسلہ کی عبارات پچھلے سوالات کے تحت گزر چکی ہیں، ایک عبارت یہاں بھی نقل کی جاتی ہے:

"أما الأول (وهو الماء الذی یکون فی الأوانی والظروف فهو مملوک لصاحبه لاحق لأحد فیه، لأن الماء وإن کان مباحا فی الأصل، لکن المباح یملک بالاستیلاء إذا لم یکن مملوکا لغیره کما إذا استولی علی الحطب والحشیش والصید" (بدائع الصنائع: کتاب الشرب ۵/ ۲۷۴، ط مکتبہ زکریا)۔

(رہی پہلی قسم (یعنی وہ پانی جو برتنوں اور ظروف میں ہو) تو وہ اس کے مالک کے زیر ملکیت ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اس لئے کہ پانی اگرچہ مباح الاصل ہے، لیکن قبضہ سے اس صورت میں مباح پر ملکیت ہوجاتی ہے جب وہ دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو جیسے کہ وہ لکڑی، گھاس اور شکار پر قابض ہوجائے تو ملکیت ہوجاتی ہے)۔

Marfat.com

۱۳: پانی کی تجارت کا حکم:

آدمی جب مندرجہ بالا صورت میں پانی کا مالک ہو جائے، تو اس کے لئے اس کی خرید وفروخت اور تجارت جائز ہے، اوپر بدائع کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کے معا بعد صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"فیجوز بیعه کما یجوز بیع هذه الأشیاء، وکذا السقاؤون یبیعون المیاه المحروزة فی الظروف، به جرت العادة فی الأمصار وفی سائر الأعصار بغیر نکیر، فلم یحل لأحد أن یاخذ منه فیشرب من غیر إذنه" (بدائع: کتاب الشرب ۵/ ۲۷۴، مکتبہ زکریا)۔

(لہٰذا جس طرح ان اشیاء کی بیع جائز ہے اسی طرح اس پانی کا بیچنا بھی جائز ہے، اسی طرح سقاء لوگ ظروف میں محفوظ پانی کی بیع کرتے ہیں، تمام شہروں میں ہر زمانہ میں بغیر نکیر کے اس کا عرف رہا ہے، لہٰذا کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس میں سے لے کر اس کی اجازت کے بغیر پئے)۔

اور شامی میں ہے:

"لا ینتفع به إلا بإذن صاحبه لملکه بإحرازه" (قوله لملکه بإحرازه" فله بیعه ملتقی" (شامی ۵/ ۳۱۲، کتاب احیاء الموات، فصل الشرب، مکتبہ فیض القرآن)۔

(محفوظ کر لینے کے سبب اس کے مالک ہو جانے کی وجہ سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس سے انتفاع نہیں کیا جائے گا **(قوله لملکه بإحرازه)** تو اس کو اس کے فروخت کرنے کی اجازت ہوگی)۔

۱۴: نشیبی علاقوں میں آبادی کا حکم:

لوگ جن زمینوں اور علاقوں کے مالک ہیں ان میں ان کا ہر طرح کا تصرف کرنا جائز

Marfat.com

ہے، لہٰذا اگر کوئی زمین کا مالک ہے، اور پلاٹنگ کر کے زمین فروخت کرتا ہے، تو یہ اپنے مال میں تصرف کرنا ہے جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ اگر ماہرین کی رپورٹ یہ ہے کہ اس طرح آبادی بسنے سے مفاد عام کو نقصان پہونچے گا، اور حکومت اس کے پیش نظر اس سے منع کرتی ہے تو عوام کو حکومت کے احکام کی پابندی کرنی چاہئے اور اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- جواب نمبر ۷، و ۸ کے تحت گزرنے والے دلائل۔

۲- حکومت کا حکم نہ ماننے پر اس پر پولیس کی طرف سے جبر ہوگا، بعض اوقات گرفتاری اور سزا ہوگی جس سے اپنے کو بچانا ضروری ہے۔

۱۵: آب رسانی کس کی ذمہ داری ہے:

بہت سی چیزوں کے احکام زمانہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، پہلے زمانہ میں پینے کے پانی کے لئے افراد خود کوشش کرتے تھے، اور کنویں یا ہینڈ پمپ وغیرہ کا نظم کرتے تھے، آج بھی ہندو پاک کے بہت بڑے رقبہ میں خاص طور سے دیہاتوں میں یہی انتظام چل رہا ہے، جہاں سہولت سے یہ انتظام چل رہا ہے وہاں کے بارے میں پہلے بھی یہی حکم تھا اور آج بھی یہی حکم ہے کہ یہ انسان کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے کہ جس طرح اپنے کھانے کا نظم کرے اسی طرح اپنے پینے کا بھی نظم کرے۔

البتہ جہاں کنویں اور ہینڈ پمپ کے ذریعہ پانی حاصل کرنا ممکن نہیں، بلکہ اس کے لئے بڑے پیمانہ پر کوشش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ مثلاً ہندوستان کے بڑے شہروں ممبئی اور حیدرآباد وغیرہ میں ہے کہ پانی کی فراہمی کے لئے بڑی جھیلیں ہیں، پھر اس کی سپلائی کا پورا نظام ہے جس کو صرف حکومتی سطح پر ہی انجام دینا ممکن ہے، انفرادی طور پر یہ نظام چلانا آسان نہیں ہے، وہاں کے نظام کو فقہی کتابوں میں موجود بڑے دریاؤں کے حکم میں قرار دیا جاسکتا ہے، جس

Marfat.com

کے بارے میں تمام کتابوں میں موجود ہے کہ ان کی اصلاح اور دیکھ بھال حکومت بیت المال کے صرفہ سے انجام دے گی اور بیت المال میں رقم نہ ہو تو حکومت اپنی نگرانی میں عوام سے اصلاح کرائے گی (عبارتوں کی تفصیل جواب نمبر ۷ کے تحت گزر چکی ہے)۔

موجودہ دور میں جن بڑے شہروں اور علاقوں میں پانی کی فراہمی کے لئے بڑے پیمانہ پر کام کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بلاشبہ یہ نظام قائم کرنا اسی طرح حکومت کی ذمہ داری ہے جس طرح ان بڑے دریاؤں کی اصلاح حکومت کی ذمہ داری ہے، اور حکومت ذمہ داری پوری نہ کرے تو عوام اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

اور چونکہ حکومتوں کو اس کے لئے مستقل عملہ رکھنا پڑتا ہے، پانی پہنچانے کے لئے انجن یا پانی کا موٹر لگانا پڑتا ہے، جس میں ڈیزل یا بجلی کے مستقل مصارف ہوتے ہیں، لہٰذا "الغنم بالغرم" کے اصول کے مطابق حکومت کچھ اجرت بھی متعین کر دے تو شرعاً غلط نہ ہوگا، خاص طور سے جب حکومتی خزانے سے دوسری فلاحی اسکیمیں چلانے کی زیادہ ضرورت ہو، یا خزانہ میں اس کے لئے رقم ہی موجود نہ ہو۔

اس طرح پانی کی اجرت لینے کو اگرچہ منع کیا گیا ہے جیسا کہ جواب نمبر ۱۰ کے تحت گزر چکا ہے، لیکن یہاں ایک تو ماء محرز دیا جاتا ہے، دوسرے یہ عوض پانی کا نہیں بلکہ پانی کی سپلائی پر آنے والے مصارف کا ہے۔

اور جب ہم اتنی بات تسلیم کر لیں تو جس طرح پانی کو ظرف میں رکھ لینے والا عوض کے بغیر دینے سے انکار کر سکتا ہے اسی طرح مخصوص اجرت نہ دینے پر حکومت پانی کی سپلائی بند کر سکتی ہے، لیکن اس طرح کرنا ہو تو حکومت کو چاہئے کہ محلہ میں ایک دو نلکے مفت بھی فراہم کرے تا کہ غریبوں اور اتفاقی طور پر فیس جمع نہ کر پانے والوں کو حرج عظیم نہ ہو۔

جہاں تک ان علاقوں کا تعلق ہے جہاں پرانے نظام کے تحت لوگ پانی کا بندوبست

Marfat.com

خود کرتے ہیں، وہاں پانی کی فراہمی حکومت کے واجبات میں سے نہیں ہے، لیکن حکومتیں صاف پانی فراہم کرنے کے لئے عمدہ قسم کے ہینڈ پمپ لگوانے کی اسکیمیں چلارہی ہیں، اور خود ہی اس کو عوام کے حقوق میں سے قرار دے رہی ہیں، لہٰذا اگر کسی علاقہ میں ضرورت ہو تو وہاں کے عوام بلاشبہ ان اسکیموں کے نفاذ کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

۱۶: پانی کی نکاسی کا نظام:

اس سوال کا تعلق بھی تغیر زمان سے ہے، پہلے یہ انسان کا انفرادی معاملہ تھا، لیکن اب بڑے پیمانہ پر نظم قائم کئے بغیر پانی کی نکاسی بھی آسان نہیں ہے، اور جیسا کہ جواب نمبر ۱۵ اور جواب نمبر ۷ کی عبارتوں کے بین السطور سے واضح ہوتا ہے اس طرح کے امور کی انجام دہی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

اس نظام کی بھی اہمیت کسی طرح کم نہیں قرار دی جاسکتی، جس طرح پانی کے بغیر انسان کا جینا محال ہے، اسی طرح نکاسی کا نظم نہ ہو تو وبائی امراض پھوٹ پڑیں گے، راستے بند ہو جائیں گے، لوگوں کی صحت خراب ہوگی، اور عوامی زندگی میں خلل پڑے گا، لہٰذا اس کا نظم بنانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام

مولانا روح الامین☆

۱- پانی کے عمومی احکام:

پانی انسان کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے، بلکہ اس پر اس کی زندگی کا مدار ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالی نے جہاں خود اس کے نزول کا اہتمام فرمایا، وہیں اس کی حفاظت کے انتظامات بھی فرمائے، اور کچھ عمومی اور بنیادی ایسے احکامات دیئے، جن کے التزام سے ہر کس وناکس اپنی ضرورت پوری کر سکے، اور ہر قسم کی آلودگی سے بھی اس کی حفاظت ہو سکے۔ ذیل میں کچھ ایسے بنیادی احکامات ذکر کیے جاتے ہیں۔

(الف) پانی پر کسی کی اجارہ داری نہیں:

اسلام کا اصل منشا یہ ہے کہ پانی ایک عام اور بنیادی ضرورت کی چیز ہے، اور اس کا وجود محض قدرت کا کرشمہ ہے، انسانی صنعت کو اس میں کوئی دخل نہیں، لہذا ہر شخص پانی سے فائدہ اٹھائے اور کوئی بھی اپنی اجارہ داری قائم نہ کرے۔ مندرجہ ذیل روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے:

۱- المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء والكلأ والنار (ابوداؤد:۳۴۷۷)۔

مسلمانوں کے درمیان تین چیزیں مشترک ہیں: پانی، گھاس اور آگ۔

۲- عن امرئ يقال له بهيسة عن أبيها قال: يا نبي الله! ما الشيئ الذي لا يحل منعه؟ قال الماء (ابوداؤد:۳۴۷۶)۔

☆ استاذ حدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات۔

Marfat.com

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا، ایسی کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی چیز پانی ہے۔

۳-لا یمنع فضل الماء لیمنع به الکلأ (بخاری: ۲۳۵۳، ابوداود: ۳۴۷۳)۔

فاضل پانی سے نہ روکو کہ (مباح) گھاس سے روکنا لازم آئے۔

۴-ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ تین اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، ان میں سے ایک وہ ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو روکے۔

رجل کان له فضل ماء بالطریق فمنعه من ابن السبیل (صحیح بخاری: ۲۳۵۸)۔

بلکہ ایک حدیث میں یہ وعید ہے کہ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ میں آج اپنا فضل تجھ سے روک دوں گا جیسا کہ تو نے اس چیز کے فاضل حصہ سے روکا، جس کے وجود میں تیرے ہاتھوں کا دخل نہ تھا۔

الیوم أمنعک فضلي کما منعت فضل ما لم تعمل یداک (صحیح بخاری: ۲۳۶۹)۔

۵-أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع فضل الماء (ابوداود: ۳۴۷۸)۔

زائد از ضرورت پانی کو فروخت کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

(ب) پانی کے استعمال میں اسراف نہ ہو:

عبادات کے لیے بھی پانی کے استعمال میں شریعت فضول خرچی کو پسند نہیں کرتی، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "لا تسرف لا تسرف" یعنی زیادہ پانی استعمال نہ کرو (سنن ابن ماجہ: ۴۲۴)، بلکہ ایک روایت میں یہاں تک آیا ہے: "من الوضوء إسراف ولو کنت علی شاطئ نهر" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۶۸) یعنی نہر کے کنارے بیٹھ کر زیادہ پانی بہانا بھی اسراف میں داخل ہے، حالاں کہ وہ پانی نہر ہی میں داخل ہوگا۔ جب عبادات میں شریعت کو اسراف گوارہ

Marfat.com

نہیں تو عام استعمالات میں کیسے گوارہ ہوسکتا ہے؟ مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

(ج) آلودگی سے پانی کی حفاظت ہو:

پانی آلۂ طہارت ونظافت ہے، اس لیے شریعت ہر ایسے طریقۂ استعمال سے روکتی ہے جو اس کی تطہیری و تنظیفی صلاحیت کو متاثر کرے۔ جس کی کچھ تفصیل ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

(د) پانی کی ذخیرہ اندوزی:

پانی کی ایسی ذخیرہ اندوزی جو دوسرے کی حق تلفی کا سبب بنے درست نہیں ہے، چنانچہ ایک دریا کے پانی کے سلسلہ میں مخاصمت ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے یوں فیصلہ فرمایا: "إن الماء إلى الكعبين لا يحبس الأعلى على الأسفل" (ابوداؤد: ۳۶۳۸) یعنی ٹخنوں تک پانی بھرنے کے بعد اوپر والا نیچے والے سے پانی کو روک کر نہ رکھے۔ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے درمیان مخاصمت ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: "اسق یا زبیر ثم أرسل إلى جارك" (بخاری: ۲۳:۵۹) یعنی سیرابی کے بعد اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔

۲- پانی میں اسراف اور اس کی صورتیں:

بے محل اور حاجت ضروریہ وشرعیہ سے زائد بے دریغ پانی کا استعمال اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے۔ چنانچہ ابن عابدین شامی اسراف کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:

والإسراف أي بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية (ردالمحتار ۱/ ۲۵۸)۔

اسراف یہ ہے کہ حاجت شرعیہ سے زائد پانی کا استعمال ہو۔

صاحب معجم المصطلحات والألفاظ الفقہیہ دکتور محمود عبدالرحمن عبدالمنعم فرماتے ہیں:

الإسراف هو مازيد بعد تيقن الواجب أو المطلوب وهو مكروه بخلاف الإسباغ، ومثله إطالة الغرة تكون بالزيادة على المحدود وفوق الواجب في الوضوء، فهي إسباغ وزيادة (۱/ ۱۷۴)۔

اسراف وہ مقدار ہے جو مقدار واجب یا مقدار مطلوب کے تیقن کے بعد زائد ہو اور یہ

Marfat.com

مکروہ ہے، بخلاف اسباغ کے، جیسے اطالۂ غرہ، یہ محدود اور وضو میں واجب مقدار پر زیادتی ہے (لیکن مطلوب ہے، بعض روایات کی بناء پر) اس لیے یہ اسباغ ہے اور زیادتی ہے، یعنی اسراف میں داخل نہیں ہے۔

اس مذکورہ حقیقت کے پیش نظر بہت سی صورتیں اسراف میں داخل ہوسکتی ہیں۔ ذیل میں کچھ صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جن میں بعض صورتیں خود فقہاء نے ذکر کی ہیں:

(۱) اعضائے وضو کو تین سے زائد مرتبہ دھونا۔

(۲) اعضائے وضو پر ضرورت سے زائد پانی بہانا، جب کہ آپ ﷺ وضو میں ایک مد کا استعمال منقول ہے، جس کی مقدار ایک لیٹر سے کچھ زائد ہوتی ہے۔

(۳) بلا فصل وضو کی تجدید کرنا۔

(۴) استعمال کے دوران نل کو مسلسل جاری رکھنا۔

(۵) چوراہوں پر لگے ہوئے فواروں سے من وجہ پانی کا اسراف ہوتا ہے، چاہے وہ پانی ضائع نہ جاتا ہو، کیوں کہ حدیث میں ہے: "لو کنت علی شاطئ نھر"۔

(۶) Swiming Pool میں غسل کرنے سے بظاہر زائد پانی استعمال ہوتا ہے، اور آپ ﷺ غسل میں عموماً ایک صاع کے بقدر پانی استعمال فرماتے ہیں، جس کی مقدار چار لیٹر سے کچھ زائد ہوتی ہے، نیز یہ طریقہ انغماس فی الماء کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔

(۷) پینے کے لیے ضرورت سے زائد پانی لے کر مابقیہ کو پھینک دینا۔

یہ چند جزئیات بطور مثال ذکر کی گئیں ورنہ اصول وہی ہے جس کا ذکر سابق میں آیا۔

اسراف کا حکم:

اسراف کے نتیجہ میں اگر پانی بالکل ضائع ہوجاتا ہے اور کسی طرح قابل استعمال نہیں رہتا تو ایسا اسراف مکروہ تحریمی ہے، اور اگر پانی کا ضیاع نہیں ہوتا، جیسے نہر کے کنارے پر ہو اور

Marfat.com

پانی بہہ کر نہر ہی میں گر رہا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

ويؤيده ما قدمه الشارح عن الجواهر من أن الإسراف في الماء الجاري جائز لأنه غير مضيع، وقدمنا أن الجائز قد يطلق على مالايمتنع شرعا فيشمل المكروه تنزيها (ردالمحتار ۱/۲۵۹)۔

شارح نے سابق میں جواہر سے نقل کیا کہ ماء جاری میں اسراف جائز ہے، اس لیے کہ وہاں پانی ضائع نہیں ہوتا، اور ہم ماقبل میں کہہ چکے ہیں کہ جائز کا اطلاق کبھی اس امر پر بھی ہوتا ہے جو شرعاً ممتنع نہ ہو، لہذا جائز اس معنی کے لحاظ سے مکروہ تنزیہی کو بھی شامل ہے۔

پھر یہ اس صورت میں جب کہ پانی اپنی ملک ہو ورنہ اگر وقف کا پانی ہو تو اسراف حرام ہے۔

أما الموقوف على من يتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام (درمع الشامی ۱/۲۵۸)۔

بہر حال وہ پانی جو طہارت حاصل کرنے والوں کے لیے وقف ہو، اور مدارس کا پانی بھی اسی قبیل سے ہے، تو پھر اسراف حرام ہے۔

۳- پانی کی آلودگی سے متعلق احکام:

شریعت نے پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے جو احکام دیئے ہیں، ان میں بعض وجوب کے درجہ میں ہیں، اور بعض صرف اخلاقی نوعیت کے ہیں، اگر کسی تصرف سے پانی کی تطہیر متاثر ہوتی ہے تو اس تصرف سے پانی کی حفاظت وجوب کے درجہ کی ہوگی، اور اگر تنظیف متاثر ہوتی ہے تو پھر ایسے تصرف سے پانی کی حفاظت اخلاقی نوعیت کی ہوگی، ہاں بعض اسباب جیسے ایذاء کا باعث وغیرہ کی وجہ سے شرعاً حکم میں شدت یعنی خلاف اولی سے کراہت اور کراہت سے تحریم ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

(الف) پانی میں بول وبراز کی ممانعت:

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ثم يغتسل منه (ابوداؤد:۶۹)۔

تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے اسے غسل بھی کرنا ہے۔

(ب) پانی میں داخل ہوکر غسل کرنے کی ممانعت:

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم ولا يغتسل فيه من الجنابة (ابوداؤد:۷۰)۔

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں داخل ہوکر غسل نہ کرے۔

(ج) سوکر اٹھنے کے بعد پانی میں ہاتھ داخل کرنے کی ممانعت:

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: إذا قام أحدكم من الليل فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاث مرات فإنه لا يدري أين باتت يده (مسلم:۶۴۲)۔

تم میں سے کوئی شخص رات میں سوکر بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ ہاتھ کو تین مرتبہ دھولے اس لیے کہ معلوم نہیں رات میں ہاتھ کہاں تھا۔

(د) پانی کے گھاٹ پر بول وبراز کی ممانعت:

عن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول الله ﷺ: اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل (ابوداؤد:۲۶)۔

لعنت کے تین کاموں سے بچو: پانی کی گزرگاہوں یا پانی کے گھاٹ پر، اور درمیان راہ میں، اور سایہ میں بول وبراز کرنے سے۔

في البذل: البراز في الموارد أي قضاء الحاجة فيها واحده موردة وهي

Marfat.com

طرق الماء أو منهل الماء الذي يرد عليه الناس من عين أو نهر (بذل المجہود ۱/۲۵۶)۔

براز فی الموارد کا مطلب ہے ان جگہوں پر قضائے حاجت کرنا، اور اس کا واحد موردۃ ہے، اور وہ پانی کے راستوں کو یا چشمہ ونہر کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں لوگ پانی کے لیے آتے ہیں۔

(ہ) پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ممانعت:

عن ابن عباسؓ قال: نهى رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ فيه (ابوداؤد: ۳۷۲۸)۔

آپ ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "لأنه ربما حصل له تغير من النفس أما لكون المتنفس كان متغير الفم بمأكول مثلا أو لبعده عهده بالسواك والمضمضة أو لأن النفس يصعد ببخار المعدة والنفخ في هذه الأحوال كلها أشد من النفس" (فتح الباری ۳/۴۰، مطبع عباس باز)۔

ممانعت اس لیے ہے کہ تنفس کی وجہ سے مشروب میں تغیر ہو جاتا ہے، یا تو اس بنا پر کہ سانس لینے والے کا منہ کسی چیز کے کھانے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مسواک وکلی کئے ہوئے کافی وقت ہو چکا تھا، یا اس لیے کہ سانس معدہ کے بخارات کے ساتھ چڑھتی ہے، اور ان تمام احوال میں پھونک سانس سے زیادہ مؤثر ہے۔

(و) مشکیزہ یا چھاگل وغیرہ سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت:

نهى النبي ﷺ أن يشرب من في السقاء (بخاری: ۵۶۲۸)۔

نبی کریم ﷺ نے مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔

ابن حجر عسقلانیؒ نہی کی علت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اختلف في علة النهي فقيل يخشى أن يكون في الوعاء حيوان أو ينصب

Marfat.com

بقوة فيشرق به أويقطع العروق الضعيفة التي بإزاء القلب فربما كان سبب الهلاک أوبما يتعلق بفم السقا من بخار النفس أوبما يخالط الماء من ريق الشارب فيتقذره غيره أولأن الوعاء يفسد بذلک في العادة فيكون من إضاعة المال، قال والذي يقتضيه الفقه أنه لا يبعد أن يكون النهي لمجموع هذه الأمور وفيها مايقتضيه الكراهة وفيها مايقتضيه التحريم، والقاعدة في مثل ذلک ترجيح القول بالتحريم" (فتح الباری ۳/ ۹۳)۔

نہی کی علت میں اختلاف ہے: (۱) اس بات کا اندیشہ ہے کہ برتن میں کوئی جانور ہو۔ (۲) یا پانی قوت کے ساتھ نکلے جس سے کپڑے اور بدن بھیگ جائے۔ (۳) یا وہ باریک رگیں کٹ جائیں جو دل کے محاذی ہیں اور یہ کبھی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔ (۴) یا سانس کی تپش سے مشکیزہ کا منہ متاثر ہو جائے۔ (۵) یا پینے والے کا تھوک پانی میں مل جائے اور دوسرے کے لیے گھن کا باعث بنے۔ (۶) یا کبھی مشکیزہ خراب بھی ہو جاتا ہے تو یہ اضاعت مال کا سبب ہوگا۔ فرماتے ہیں (محمد بن ابی جمرہ) کہ عقل اس بات کی مقتضی ہیں کہ کوئی بعید نہیں کہ ممانعت ان تمام ہی امور کی بنیاد پر ہو اور ان میں بعض امور کراہت کا تقاضہ کرتے ہیں اور بعض تحریم کا تقاضہ کرتے ہیں، اور ایسے موقع پر ضابطہ کے مطابق حرمت کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(ز) برتن کو ڈھانکنے کا حکم:

عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: أطفئوا المصابيح إذا رقدتم، وغلقوا الأبواب، وأوكؤا الأ. تية، وخمروا الطعام والشراب (بخاری: ۵۶۲۳)۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سونے کے وقت چراغ گل کردو، دروازے بھیڑ دو، مشکیزوں کے منہ باندھو اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانک دو۔

(ح) پانی میں تھوکنے اور کھنکھارنے اور ناک کی ریزش ڈالنے کی ممانعت:

في الدر "وإلقاء النخامة والامتخاط في الماء" (درمع الشامی ۱/ ۶۶)۔

(مکروہات میں سے ہے) پانی میں بلغم اور ناک کی ریزش ڈالنا۔

Marfat.com

۴-ناپاک پانی کی تطہیر

ناپاک پانی کی تطہیر کے سلسلہ میں حنابلہ کے یہاں تین طریقے ہیں:

(۱) مکاثرہ یعنی پاک پانی شامل کر کے اضافہ کر دینا۔

(۲) زوال تغیر یعنی پانی متغیر ہو گیا تھا، کسی طرح اس کا تغیر زائل ہو گیا تو یہ پانی پاک سمجھا جائے گا۔

(۳) اس قدر پانی نکال دیا جائے کہ تغیر زائل ہو جائے اور اس کے بعد دو قلہ کے بقدر پانی رہے تو وہ پاک ہے۔

مغنی کی ایک عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

فصل ناپاک پانی کو پاک کرنے کے بیان میں: اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) پانی دو قلہ سے کم ہو، تو اس کی تطہیر دو پاک قلہ کے بقدر اضافہ سے ہوگی، یا تو پانی اس میں ڈالا جائے یا اس کے چشمہ سے ابل پڑے اور اس کی وجہ سے اس کا تغیر زائل ہو جائے اگر وہ متغیر تھا، اور اگر متغیر نہیں تھا تو محض پانی کے اضافہ سے پاک ہو جائے گا، اس لیے کہ دو قلہ پانی تغیر ہی سے ناپاک ہوتا ہے۔

(۲) پانی دو قلہ کے بقدر ہو تو (دو حال سے) خالی نہیں ہے کہ (۱) اگر نجاست کی وجہ سے متغیر نہ ہوا تھا تو مذکورہ طریقہ پر اضافہ سے پاک ہو جائے گا۔ (۲) اگر متغیر تھا تو پھر دو طریقوں میں سے ایک سے پاک ہو جائے گا۔ مذکورہ طریقہ پر اضافہ سے جب کہ یہ اضافہ تغیر کو زائل کر دے یا ایسے ہی چھوڑ دینے سے یہاں تک کہ طول مکث کی بنا پر اس کا تغیر زائل ہو جائے۔

(۳) پانی دو قلہ سے زائد ہو، تو اس کی دو حالتیں ہیں: (۱) بغیر تغیر کے ناپاک ہوا ہو تو اس کی تطہیر کے لیے مکاثرہ (اضافہ) کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ (۲) نجاست کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو، تو اس کی تطہیر کے تین طریقے ہیں: (۱) مکاثرہ یا طول مکث کی بناء پر تغیر کا زائل

Marfat.com

ہوجانا، (۲) اس قدر پانی نکال دینا جس سے اس کا تغیر زائل ہوجائے اور اس کے بعد دوقلہ یازائد باقی رہے، اس لیے کہ اگر زوال تغیر سے پہلے دوقلہ سے کم باقی رہا تو پھر ناپاک ہونے کی علت "تغیر" نہیں رہے گی، کیوں کہ وہ تو اس کے بغیر بھی ناپاک ہے، لہٰذا اب تغیر کے زوال سے ناپاکی زائل نہ ہوگی، اسی وجہ سے کثیر پانی نزح اور طول مکث سے پاک ہوجاتا ہے، اور قلیل پانی پاک نہیں ہوتا، اس لیے کہ کثیر کے ناپاک ہونے کی علت جب تغیر ہے تو اس کی ناپاکی علت کے زوال سے زائل ہوجائے گی، جیسے شراب جب سرکہ سے بدل جائے، اور قلیل کے ناپاک ہونے کی علت نجاست کا ملنا ہے، تغیر نہیں، تو تغیر کا زوال ناپاکی کے ازالہ میں مؤثر نہ ہوگا (المغنی علی مختصر الخرقی لابن قدامہ ۱؍۵۳)۔

حاصل یہ ہے کہ حنابلہ کے نزدیک جب ناپاکی کی علت تغیر ہے تو تغیر کے زائل ہونے سے پانی پاک ہوجائے گا، اب چاہے تغیر کا زوال مکاثرہ سے ہو یا نزح سے ہو یا طول مکث کی بناء پر ہو، اور اگر علت قلت ماء یا محض اختلاط نجاست (تغیر کے بغیر) ہو تو پھر مکاثرہ سے پاک ہوجائے گا۔

مسلک شافعی:

یہی مسلک تقریباً شافعیہ کا بھی ہے، البتہ ان کے نزدیک اضافہ کردہ پانی کا طاہر ہونا بھی شرط نہیں بلکہ ناپاک پانی بھی شامل کردیا جائے اور تکثیر کی بنیاد پر تغیر زائل ہوجائے تو پانی پاک ہوجائے گا، نیز دوقلہ سے کم پانی قلت کی بناء پر ناپاک ہو تو دوقلہ کا اضافہ شرط نہیں بلکہ اتنا اضافہ بھی کافی ہے کہ کل پانی دوقلہ کے بقدر ہوجائے۔

شرح مہذب کی عبارت ملاحظہ ہو:

إذا زال تغير الماء النجس وهو أكثر من قلتين نظر إن زال بإضافة ماء آخر طهر بلاخلاف سواء كان الماء المضاف طاهرا أونجسا قليلا أو كثيرا وسواء صب الماء عليه أونبع عليه وإن زال بنفسه بأن لم يحدث فيه شيئا بل زال تغيره بطلوع الشمس أوالريح أومرور الزمان طهر أيضا على المذهب وبه

Marfat.com

قطع الجمهور .... وإن كان نجاسته بالقلة بأن يكون دون القلتين طهر بأن ينضاف إليه ماء حتى يبلغ قلتين (المجموع شرح المہذب ۱/ ۱۳۲-۱۳۵)۔

جب ناپاک پانی کا تغیر زائل ہو جائے اور وہ دوقلہ سے زائد ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر دوسرے پانی کے اضافہ سے زائل ہو تو بغیر کسی اختلاف کے وہ پانی پاک ہے، خواہ اضافہ کردہ پانی پاک ہو یا ناپاک، قلیل ہو یا کثیر، اور خواہ اوپر سے ڈالا گیا ہو یا نیچے سے ابلا ہو، اور اگر تغیر خود زائل ہو جائے بایں طور کہ اس میں اور کوئی چیز شامل نہ ہو بلکہ اس کا تغیر سورج کی تپش سے یا ہوا سے یا مرور زمان سے، تو بھی اصل مذہب کے مطابق پاک ہو جائے گا، اسی پر جمہور نے جزم کیا ہے .... اور اگر اس کی ناپاکی قلت کی بناء پر ہو بایں طور کہ دوقلہ سے کم ہو تو پاک ہو جائے گا جب کہ اس میں اس قدر پانی شامل کر دیا جائے کہ وہ دوقلہ ہو جائے۔

البتہ یہ پانی مطہر ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ان کے یہاں تفصیل بھی ہے اور کچھ اختلاف بھی، تاہم راجح یہ ہے کہ وہ مطہر ہے (تفصیل کے لیے مراجعت کریں المجموع ۱/ ۱۳۸)۔

ان ائمہ کے مذہب کی رو سے ناپاک اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ سے قابل استعمال بنالیا جائے، اور اس کی بدبو وآلودگی دور کر دی جائے اور کسی قسم کا تغیر باقی نہ رہے تو ایسا پانی نہ صرف صاف بلکہ پاک سمجھا جائے گا، کیوں کہ ان کے نزدیک جب ناپاکی کی علت تغیر ہے اور تغیر کا ازالہ کر دیا جائے تو وہ پانی پاک ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسلک حنفی:

حنفیہ کے یہاں ناپاک پانی کے پاک ہونے کی ایک ہی شکل ملتی ہے، وہ یہ کہ پانی جاری ہو جائے، یعنی ایک جانب سے پانی داخل ہو اور دوسری جانب سے خارج ہو تو وہ پانی پاک ہو جائے گا، کیوں کہ جاری ہونے کی صورت میں شک پیدا ہو گیا کہ نجاست بھی اسی کے ساتھ نکل چکی ہو، لہذا اب نجاست کا بقاء مشکوک ہو گیا اور شک کی بناء پر پانی کے ناپاک ہونے کا یقین نہ رہا، اس لیے اسے پاک سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه أي بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج (درمع الشامی ۱/۳۴۵)۔

پھر مختار قول محض جاری ہونے سے ناپاک کی طہارت کا ہے، بایں طور کہ ایک طرف سے داخل ہو اور داخل ہونے کے دوران ہی دوسری طرف سے خارج ہو، اگرچہ نکلنے والا پانی قلیل ہو۔

في البدائع: ومنها تطهير الحوض الصغير إذا تنجس ......قال الفقيه أبوجعفر الهندواني إذا دخل فيه الماء وخرج بعضه يحكم بطهارته بعد ألا تستبين فيه النجاسة، لأنه صار ماء جاريا ولم يستيقن ببقاء النجس فيه وبه أخذ الفقيه أبو الليث (بدائع الصنائع ۱/۸۷، مطبع بیروت)۔

تطہیر کے طریقوں میں سے، چھوٹے حوض کو پاک کرنا ہے جب کہ وہ ناپاک ہو جائے......فقیہ ابوجعفرؒ نے کہا کہ جب پاک پانی اس میں داخل ہو اور کچھ پانی نکل جائے تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا، بشرطیکہ اس میں نجاست ظاہر نہ ہو، اس لیے کہ اس کا پانی جاری ہو گیا اور نجاست کے باقی رہنے کا یقین نہ رہا، اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے۔

دوسری شکل

حنفیہ کے یہاں ناپاک شی کی تطہیر کا ایک عام ضابطہ استحالہ اور تبدیلی ماہیت بھی ہے، یعنی جب شی کی اپنی حقیقت اور ماہیت ختم ہو جائے تو شی کا سابق حکم باقی نہیں رہتا، چنانچہ جب کتا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے اور گوبر آگ میں جل کر راکھ ہو جائے تو شرعاً وہ پاک سمجھا جاتا ہے، یہ امام محمدؒ کا مذہب ہے اور حنفیہ کے یہاں یہی مفتی بہ قول ہے۔ صاحب بدائع اس کی علت یوں بیان کرتے ہیں:

وجه قول محمد أن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف،

Marfat.com

وصارت کالخمر إذا تخللت (بدائع الصنائع ۱؍۴۴۲)۔

امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب نجاست کی حالت تبدیل ہوگئی اور اس کے اپنے اوصاف اور خواص جاتے رہے تو وہ شی نجاست ہونے سے نکل گئی، اس لیے کہ نجاست نام ہے ذات موصوف کا، لہٰذا وصف کے معدوم ہوجانے سے وہ معدوم ہوجائے گی، جیسے شراب سرکہ بن جائے۔

محل بحث صورت کا حکم:

حنفیہ کی بیان کردہ مذکورہ دونوں شکل کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر فلٹر کر کے بدبو اور آلودگی کو دور کردیا جائے تو پانی صاف ہونے کے ساتھ شرعا پاک بھی سمجھا جائے۔

اولاً اس لیے کہ شکل اول میں پانی کے پاک ہونے کی بنیاد اور علت یہ پیش کی گئی کہ جب پانی کا ایک حصہ خارج ہوگیا تو نجاست کے اس کے ساتھ نکل جانے کے امکان کی بناء پر بقائے نجاست کا یقین نہ رہا تو اب اس کو پاک سمجھا جائے گا، بعینہ یہی صورت حال یہاں بھی ہے، کیوں کہ فلٹر کے ذریعہ پانی کا ایک حصہ بلکہ خاص طور پر آلودہ حصہ کو علیحدہ کردیا جاتا ہے، اور اس کے بعد مابقیہ پانی صاف شفاف نظر آتا ہے، کسی قسم کی بدبو اور آلودگی نظر نہیں آتی اور کثیر پانی کی ناپاکی کا مدار تو تغیر ہی پر ہے، تو اب جب کہ تغیر باقی نہ رہا تو پاک تصور کرنا چاہئے، جیسے کہ جاری پانی اور کنویں کے پانی کو بظاہر اسی بنیاد پر پاک تصور کرلیا جاتا ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ شکل ثانی کے مطابق جب نجس العین شی بھی اپنی ماہیت اور حقیقت کھو بیٹھتی ہے تو وہ پاک ہوجاتی ہے، اور محل بحث صورت میں تو نجاست عارضی ہے اس لیے کہ پانی میں اصل طہوریت ہے، تو اگر کیمیائی طریقہ کے طور پر اس عارض کو ختم کردیا جائے اور اس کی خوبو بھی باقی نہ رہے، حتی کہ تکنیکی طریقہ پر اس کا ٹیسٹ نجاست کے اجزاء کے بقاء کا انکار کرتا ہے، تو

Marfat.com

پھر ظاہر یہ ہے کہ ایسے پانی کو شرعا بھی پاک تصور کیا جائے گا۔ هذا ما أرى وما أبرئ نفسي۔

۵- پانی کے استعمال پر حکومت کی پابندی:

حکام کے تصرفات اور ان کے فرامین بنیادی طور پر دو شرطوں کے ساتھ نافذ اور واجب التعمیل ہوتے ہیں: (۱) شریعت کے کسی حکم کے متناقض نہ ہو۔ (۲) مصلحت عامہ پر مبنی ہو۔

مزید یہ ہے کہ اس حکم سے کسی پر ظلم نہ ہو اور مستقل قانون کے طور پر نہ ہو بلکہ عارضی طور پر ہو؛ کیوں کہ جس چیز کو شرع نے حلال ومباح قرار دیا ہو، اسے مستقل طور پر ممنوع یا حرام قرار دینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

ارشاد ہے: "قل أرأيتم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراما وحلالا، قل آلله أذن لكم أم على الله تفترون" (یونس:۵۹)۔

آپ کہہ دیجئے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اللہ تعالی نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال بنا ڈالا، آپ کہئے کہ اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

في الأشباه "إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعا إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ" قال المصنف في شرح الكنز ناقلا عن أئمتنا إطاعة الإمام في غير المعصية واجبة فلو أمر الإمام بصوم يوم وجب (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی ۱/ ۴۱۲)۔

جب امام کا فعل مصلحت پر مبنی ہو، ان امور میں جن کا تعلق عام لوگوں سے وابستہ ہے، تو اس کا حکم شرعا نافذ نہ ہوگا الا یہ کہ شرع کے موافق ہو، لہذا اگر اس کے مخالف ہو تو نافذ نہ ہوگا، مصنف نے شرح کنز میں ائمۂ احناف سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ امام کی اطاعت معصیت کے علاوہ میں واجب ہے، اگر امام ایک دن کے روزہ کا حکم دے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا۔

Marfat.com

مذکورہ اصول کے پیش نظر اگر حکومت مصلحت عامہ کی خاطر پانی کی قلت کی بناء پر کسی استعمال پر کوئی عارضی اور وقتی پابندی عائد کرتی ہے، تو یہ پابندی بجا ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہے۔

نیز اس خاص مسئلہ میں ایک روایت سے بھی استدلال ممکن ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا: "**إنكم ستأتون غدا إن شاء الله عين تبوك وإنكم لن تأتوها حتى يضحي النهار، فمن جاءها منكم فلا يمس من ماءها شيئا حتى آتي**" (صحیح مسلم:۵۹۰۶، کتاب الفضائل باب فی معجزات النبی ﷺ)۔

تم لوگ آئندہ کل انشاء اللہ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے، اور تم نہیں پہنچ سکو گے یہاں تک کہ دن روشن ہو جائے گا، لہذا تم میں جو بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کے پانی کو ذرہ بھی مس نہ کرے، یہاں تک کہ میں پہنچ جاؤں۔

علامہ ابوالولید باجی مالکیؒ شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

فيه دليل على أن الإمام أن يمنع من الأمور العامة كالماء والكلأ من المنافع التي يشترك فيها المسلمون لما يراه من المصلحة (تکملہ فتح الملہم ۱۰/۴۲۰)۔

اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ امور عامہ جیسے پانی، گھاس سے منع کردے، جس میں مسلمانوں کی منفعت مشترک ہو، جب کہ وہ کوئی مصلحت دیکھے۔

مذکورہ روایت میں آگے یہ بھی ہے کہ دو شخص پہلے پہنچ گئے اور آپ ﷺ کو محسوس ہوا کہ انہوں نے پانی کو مس کیا، دریافت کرنے پر انہوں نے اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے اس پر ان کی سرزنش کی (دیکھئے مفصل روایت بحوالۂ مذکورہ بالا)، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے ایسے احکام واجب التعمیل ہیں۔

Marfat.com

۶-مملوکہ زمین میں پانی کس کی ملکیت؟

زیر زمین پانی مباح الاصل ہے، اس پر کسی کی ملکیت نہیں حتی کہ مملوکہ زمین میں واقع کنویں کا پانی بھی حنفیہ کے مشہور قول اور حنابلہ وشافعیہ کے ظاہر مذہب کے مطابق مملوک نہیں، ہاں عام لوگوں کے مقابلہ میں اس کا حق مقدم ہے، جس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

اگر حکومت مصلحت عامہ کی خاطر بورنگ وغیرہ پر پابندی عائد کرتی ہے، تو شرعا اس کی گنجائش ہے، چنانچہ فقہاء نے یہ جزئیہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے ارض موات میں کنواں کھودا، تو اس کے حریم میں دوسرے شخص کو کنواں کھودنا جائز نہیں، کیوں کہ اس میں اول شخص کا ضرر ہے کہ اس کے کنویں کا پانی ختم ہوجائے یا کم ہوجائے۔

"فمن أراد أن يحفر في حريمها منع منه لئلا يؤدي إلى تفويت حقه والإخلال به" قال العيني لأنه ربما يذهب ماء البير الأول أوينقص ففي الأول فوات حقه وفي الثاني الإخلال بحقه وكلاهما لايجوز لأن به ضررا به (ہدایہ مع حاشیہ: ۴۸۱)۔

پھر کوئی شخص اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اسے منع کیا جائے گا، تاکہ یہ اس کے حق کو فوت کرنے کا یا اس میں خلل اندازی کا سبب نہ بنے۔ علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ اس لیے کہ کبھی پہلے کنویں کا پانی ختم ہوسکتا ہے یا کم ہوسکتا ہے، پہلی صورت میں اس کا حق فوت ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اس کے حق میں خلل اندازی، اور یہ دونوں امر جائز نہیں کیوں کہ اس میں ضرر ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب متوقع ضرر خاص کو دفع کرنے کے لیے کنواں کھودنا جائز نہیں ہے، تو متوقع ضرر عام سے تحفظ کی خاطر حکومت اس قسم کی پابندی عائد کرتی ہے، تو شرعا اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور جب شرعا مباح ہے تو پھر واجب التعمیل بھی ہوگی۔

Marfat.com

البتہ حکام کے تصرفات کے سلسلہ میں اوپر ذکر کیے گئے شرائط عامہ کے علاوہ یہاں ایک اور شرط ملحوظ ہوگی، اور وہ یہ کہ حکومت عوام تک آب رسانی کا معقول نظم کرے اور منظم منصوبہ بندی کے تحت لوگوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لے، ورنہ حکومت کی یہ پابندی حق تلفی پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظلم ہوگی، جس کی شرعاً گنجائش نہیں، اور پھر یہ ضابطہ بھی ہے: "الضرر لا یزال بالضرر" (ایک ضرر کے ذریعہ دوسرے ضرر کو دور نہیں کیا جائے گا) (الاشباہ والنظائر ص ر ۱۰۸، مطبع بیروت)۔

۷- پانی کی حفاظت کس کے ذمہ؟

پانی ایک قدرتی شی ہے، جس سے ہر ایک کی ضرورت وابستہ ہے، اور ہر شخص کو انتفاع کا حق ہے، لہذا اخلاقی طور پر ہر فرد ذمہ دار ہے کہ اس کی حفاظت کرے، لیکن ہر فرد کا دائرۂ اختیار محدود ہے اور دوسری طرف ہر ایک کی سوچ مختلف، لہذا حکومت اپنی ولایت عامہ اور وسیع اختیارات کی حامل ہونے کی بناء پر مکلّف ہے کہ مفاد عامہ کی خاطر اپنے وسائل کو پانی کے ذخائر کی حفاظت کے لیے استعمال کرے۔

اگر حکومت اس غرض سے لوگوں کے لیے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لیے مخصوص کریں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے اور اس کی تعمیل واجب ہے، البتہ یہ حکم علی العموم نافذ نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ہر صاحب مکان اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس کے لیے جائداد کے تناسب سے کوئی معیار ہو، جس کے تحت اتنی جائداد کے مالک کو اس کی ذمہ داری دی جائے، ورنہ علی العموم یہ حکم ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے واجب التعمیل نہ ہوگا، جیسا کہ تصرف امام کی شرائط میں گزر چکا۔

۸- پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لیے آبادیوں کا انتقال:

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) بلا معاوضہ مجبور کرنا (۲) جبراً معاوضہ دے کر حاصل کرنا۔

Marfat.com

بلا معاوضہ تو انتقال مکانی پر مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

یأیھا الذین امنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم (النساء:۲۹)۔

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔

اس آیت میں یہ اصول واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے، کسی بھی شخص کا کوئی مال اس کی مرضی اور معاوضہ کے بغیر کسی کے لیے حلال نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے "بالباطل" کی تفسیر اس طرح منقول ہے: "**الباطل ھو کل ما یؤخذ من الإنسان بغیر عوض**" (التفسیر الکبیر:۱۰رص:۶۹)۔

باطل ہر وہ مال ہے جو کسی انسان سے بلا معاوضہ (زبردستی) لیا جائے۔

دوسری صورت اور وہی محل بحث ہے کہ معاوضہ دے کر انتقال مکانی پر مجبور کرنا، آیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

یہ درحقیقت بیع بالاکراہ (جبری بیع) ہے، شرعاً بیع کے باب میں اصل حکم یہ ہے کہ فریقین کی باہمی رضامندی سے ہو، کوئی فریق دوسرے فریق کو مجبور نہیں کرسکتا، چنانچہ مذکورہ بالا آیت میں تجارت (بیع) کے ساتھ تراضی کی بھی شرط مذکور ہے، اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إنما البیع عن تراض (ابن ماجہ، کتاب التجارات:۲۲۴۸)۔

بیع تو باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔

فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں "**بیع المضطر وشراؤہ فاسد**" (درمع الشامی ۷ر۲۴۷)۔

الغرض اصل حکم یہی ہے، نہ کسی فرد کے لیے اس کی گنجائش ہے اور نہ حکومت کے لیے۔

البتہ بعض ناگزیر حالات میں فقہاء نے استثنائی صورتیں بھی ذکر کی ہیں، اور جبری بیع

Marfat.com

کی اجازت دی ہے، اوراس اجازت کا ماخذ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے:

قلت: يارسول الله! إنا نمر بقوم فلا هم يضيفون ولاهم يؤدون مالنا عليهم من الحق ولا نحن نأخذ منهم، فقال رسول الله ﷺ: إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں، تو نہ وہ ہماری مہمان داری کرتے ہیں، اور نہ وہ حقوق ادا کرتے ہیں، جو ہمارے ان پر واجب ہیں، اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر وہ زبردستی کئے بغیر انکار ہی کرتے رہیں تو ان سے زبردستی لے لو۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكذلك إذا نزلت بالناس مخمصة، وعند بعضهم طعام لزمهم البيع منهم، فإن أبوا أجبروا عليه (عارضۃ الاحوذی ۷ر۸۷)۔

اسی طرح جب لوگوں پر بھوک کی حالت مسلط ہو اور بعض لوگوں کے پاس کھانا موجود ہو، تو ان پر اس کھانے کی بیع لازم ہو جاتی ہے، اگر وہ انکار کریں تو انہیں اس پر مجبور کیا جائے گا۔

چنانچہ فقہائے کرام نے ضرورت کی بناء پر جبری خریداری کو جائز قرار دیا ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

قالوا: وللسلطان أن يجعل ملك الرجل طريقا عند الحاجة۔

فقہاء نے کہا ہے کہ سلطان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے وقت کسی شخص کی ملکیت کو راستہ قرار دے دے (فتاوی قاضی خاں، کتاب الزکوۃ، فصل في أحياء الموات ار ۱۳۳)۔

درمختار میں ہے:

تؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها۔

جو مسجد لوگوں کے لیے تنگ ہوگئی ہو اور اس کے قریب کوئی زمین یا گھر یا دکان ہو تو اس

Marfat.com

کو قیمۃً زبردستی لیا جاسکتا ہے (در مع الشامی کتاب الوقف ۶/ ۵۷۶)۔

جبری بیع کی یہ اجازت ضرورت کی بناء پر ہے، لیکن اجتماعی حاجت بھی کبھی ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے، چنانچہ فقہاء کے یہاں یہ قاعدہ مشہور ہے:

الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة الخاصة في حق أحاد الناس۔

عمومی حاجت کو اس انفرادی ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے جو افراد کو پیش آتی ہے (موسوعۃ القواعد الفقہیۃ ۵/ ۶۷)۔

نیز مذکورہ بالا جزئیات (مسجد یا راستہ کی توسیع کے لیے جبری بیع کی اجازت) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عمومی حاجت بھی ضرورت کے حکم میں ہے۔

محل بحث صورت کا حکم:

تفصیل بالا کے پیش نظر اجتماعی مصلحت کی خاطر حکومت کے لیے شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ وہ لوگوں کی املاک کو ڈیم تعمیر کرنے کے لیے جبراً حاصل کرے، اور انہیں انتقال مکانی پر مجبور کرے، بشرطیکہ متبادل زمین فراہم کرے یا بازاری نرخ (Market Value) کے مطابق اس کا معاوضہ ادا کرے، کیوں کہ شرعاً جبری خریداری کی اجازت اسی وقت ہے جب کہ اس کی قیمت یا ضمان ادا کیا جائے، جیسا کہ اوپر گزرا، اور قیمت سے مراد بازاری نرخ ہی ہے، محض کسی حاکم کی طرف سے استبدادی طور پر معاوضہ کا تعین قیمت یا ضمان نہیں۔

۹- سیلاب آنے پر باندھ کو کاٹ دینا:

شریعت اسلامی سراپا رحمت ہے، اس کا منشاء مصالح کی تکمیل اور مضرتوں کا ازالہ ہے، اس کے تمام احکامات اسی منشاء کی عکاسی کرتے ہیں، اسی کے پیش نظر فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے:

"الضرر یزال" یعنی نقصان کو دور کیا جائے گا (الاشباہ والنظائر ص/ ۱۰۵)۔

یہی قاعدہ "الضرر مدفوع في الشرع" کے الفاظ سے بھی ذکر کیا جاتا ہے (دیکھئے

Marfat.com

موسوعۃ القواعد الفقہیۃ ۲۵۹/۶)۔

پھر اس قاعدہ کی حدود وقیود متعین کرنے کے لیے اور اس کی تنقیح کے طور پر اصولیین نے مختلف ضابطے ذکر کیے ہیں:

(۱) الضرر لایزال بالضرر أوبمثلہ (ایضاً ۲۵۷/۶)۔

نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا۔

یعنی ضرر کا ازالہ اگرچہ مشروع ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ازالہ کسی اور ضرر کا سبب نہ بنے، اگر اسی کے مثل کسی اور ضرر کا سبب بنتا ہے تو اس کا ازالہ جائز نہیں، اس لیے کہ یہ تحصیل حاصل اور اشتغال بمالایعنی ہے، چنانچہ کسی مضطر کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی بھوک کو دور کرنے کے لیے اپنے ہی جیسے کسی اور مضطر کا مال لے لے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

(۲) الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف (ایضاً ۲۵۳/۶)۔

شدید نقصان کو خفیف نقصان کے ذریعہ زائل کیا جائے گا۔

یعنی معاملہ دو ضرر کے درمیان دائر ہو، لیکن ایک ضرر نسبۃً خفیف ہے، اور دونوں سے کوئی مفر نہیں تو خفیف کو اپنا کر شدید کو دور کیا جائے گا، جیسے حاملہ عورت کے بطن میں بچہ مرجائے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جائے ورنہ ماں کی جان کے لیے خطرہ ہو تو ایسا کرنا درست ہے۔

(۳) الضرر الخاص یتحمل لدفع ضرر عام (ایضاً ۲۵۴/۶)۔

عام ضرر کو دفع کرنے کے لیے خاص ضرر کا تحمل کیا جائے گا۔

یعنی ایک ضرر کا متعلق فرد خاص سے ہو یا معدود چند افراد سے ہو، اور دوسرے ضرر کا تعلق جماعت سے یا مجموع افراد سے ہو، اور دونوں سے کوئی چارہ نہیں تو ضرر عام کو دفع کرنے کے لیے ضرر خاص کو اپنا لیا جائے گا، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کفار اگر مسلمان قیدیوں یا بچوں کو ڈھال بنائیں تو بھی تیر اندازی جائز ہے۔

Marfat.com

(۴)الیقین مقدم علی الظن والظن مقدم علی الشک (موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۱۲؍ ۴۴۳)۔

یقین گمان پر مقدم ہے اور گمان شک پر مقدم ہے۔

اس ضابطہ کے پیش نظر اگر ایک طرف ضرر یقینی یا مظنون ہو اور دوسری طرف موہوم ہو تو مظنون ضرر کو دفع کیا جائے گا اور موہوم کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر مسئولہ مسئلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہوگی:

الف- باندھ کاٹنے کے نتیجہ میں مبتلا بستی کا تحفظ ہو، اور کسی بستی کو کوئی جانی و مالی خطرہ لاحق نہیں ہو تو "الضرر یزال" کے تحت باندھ کاٹنا جائز ہے۔

ب- اگر اگلی بستی کے ڈوبنے کا خطرہ یقینی نہیں بلکہ موہوم ہو، اور مبتلا بستی کا تحفظ یقینی تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہے۔

ج- اگر اگلی بستی کے نقصان کا ظن غالب ہو، لیکن نقصان کا تخمینہ نسبۃً کم ہو، تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہونا چاہئے، کیوں کہ "الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف"۔

د- اگر اگلی بستی کے نقصان کا ظن غالب ہو، اور اس کے نشیبی علاقہ میں واقع ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو باندھ کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینے کی شرعا گنجائش نہ ہوگی۔ واللہ أعلم بالصواب۔

۱۰- دریا، ندی وغیرہ سے استفادہ:

اس سلسلہ میں فقہاء کے کلام سے مندرجہ ذیل تفصیل معلوم ہوتی ہے:

الف- سمندر کے پانی سے ہر شخص کو پانی لینے، جانور کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ ہر طرح کے انتفاع کی اجازت ہے۔

ب- دریاؤں اور بڑی نہروں و چشموں کے پانی سے پانی لینے اور جانوروں کو پلانے کا

Marfat.com

حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ج- عوامی کنویں اور چشمے وغیرہ جو مخصوص جماعت کی ملک ہوں تو عرف کے مطابق اس سے اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، جانوروں کو بھی پلایا جاسکتا ہے، البتہ بلا اجازت کھیت و باغ سیراب نہیں کیا جاسکتا۔

سرکاری تالاب بھی اسی حکم میں ہے؛ کیوں کہ وہ مخصوص علاقے کے لیے ہوتے ہیں، مزید یہ ہے کہ سرکاری ضابطہ کے مطابق ہی اس سے استفادہ کی اجازت ہوگی۔

اعلم أن المياه أربعة أنواع: الأول ماء البحار ولكل أحد فيها حق الشفة وسقي الأراضي فلا يمنع من الانتفاع على أي وجه شاء۔

والثاني ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقي الأراضي إن لم يضر بالعامة۔

والثالث مادخل في المقاسم أي المجاري المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة۔

والرابع المحرز في الأواني ينقطع حق غيره عنه (ردالمحتار ۱۰/۱۲)۔

پانی کی چار قسمیں ہیں: (۱) سمندروں کا پانی: اس میں ہر ایک کے لیے حق شفہ (آدمی اور جانوروں کے لیے پینے کا حق) اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق ہے، لہذا انتفاع ممنوع نہیں ہے، چاہے جس طریق پر ہو۔ (۲) بڑے دریاؤں کا پانی، جیسے سیحون: اس میں تمام کے لیے حق شفہ علی الاطلاق ہے، اور زمین سیراب کرنے کا حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ عام لوگوں کو ضرر نہ ہو۔ (۳) وہ پانی جو (مشترک ہونے کی وجہ سے) لوگوں کے درمیان تقسیم ہو یعنی ایسے کنویں و تالاب وغیرہ کا پانی جو مخصوص جماعت کی ملک ہو، اس میں حق شفہ ہے۔ (۴) جو برتنوں میں محفوظ کرلیا گیا ہو، اس سے دوسرے کا حق منقطع ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

جس پانی میں حق شفہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پینے، کھانا پکانے، وضو، غسل، کپڑے دھونے وغیرہ کے لیے پانی استعمال کیا جاسکتا ہے اور ایسے ہی جانوروں کی ضروریات کے لیے بھی لے سکتے ہیں۔

في الدر: والشفة شرب بني آدم والبهائم۔ (قال الشامي) هذا أصله والمراد استعمال بني آدم لدفع العطش أوللطبخ أوالوضوء أوالغسل أوغسل الثياب ونحوها كما فيالمبسوط، والمراد فيحق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها (در مع الشامی ۱۰/۱۲)۔

شفہ: بنی آدم اور بہائم کے پینے کا حق ہے، (شامی نے کہا) یہ اس کی اصل ہے، اور مراد ہے انسان کا پیاس بجھانے کے لیے، پکانے کے لیے، وضو غسل کے لیے، کپڑے دھونے وغیرہ کے لیے اس کا استعمال کرنا، جیسا کہ مبسوط میں ہے، اور جانوروں کے حق سے مراد پیاس اور اس کے مانند مناسب ضروریات کے لیے استعمال کرنا ہے۔

۱۱-نہروں سے کھیتوں کو سیراب کرنا:

جو نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے، ایسے نہر کے پانی میں حق شفہ ہے، جس کی تفصیل اوپر گزری، اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے باب میں تفصیل یہ ہے کہ جہاں سے پہلے گزرتی ہے ان کا حق مقدم ہوگا اور پھر اس کے بعد والوں کا حق ہوگا، اور اس کی حد عموماً فقہاء نے احادیث کی روشنی میں یہ متعین کی ہے کہ کھیت کی منڈیروں تک پانی بھر سکتے ہیں، جس کو حدیث میں "حتى يرجع إلى الجدر" یا "حتى يبلغ الكعبين" سے تعبیر کیا گیا ہے، البتہ علامہ ابوالحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تحدید ہر زمانہ اور ہر علاقے کے اعتبار سے عام نہیں ہے، بلکہ حاجت پر دائر ہے، اور حاجت زمین، اس میں لگی کھیتی، یا درخت، کھیتی کے وقت اور سیرابی کے وقت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

لہذا ضرورت کے بقدر اسراف اور دوسرے کی حق تلفی اور ضرر سے اجتناب کرتے ہوئے اس قسم کی نہروں سے استفادہ کیا جائے گا۔

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

إن ماءِ الأودية التي لا تستنبط بعمل فيما مباح، ومن سبق إليه فهو أحق به، وفيه أن أهل الشرب الأعلى يقدم على من هو أسفل منه ويحبس الأول الماء حتى يبلغ إلى جدار حائطه، ثم يرسل الماء إلى ما هو أسفل منه فيسقي كذلک ويحبس الماء كذلک، ثم يرسله إلى من هو أسفل منه وهكذا، وفي حديث الباب احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر وفي حديث عبدالله بن عمرو الذي أخرجه أبوداؤد وابن ماجة من رواية عمروبن شعيب عن أبيه عن جده: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في سيل المهزور أن يمسک حتى يبلغ الكعبين ثم يرسل الأعلى إلى الأسفل...... وقال الرافعي لا مخالفة بين التقديرين لأن الماء إذا بلغ الكعب بلغ أصل الجدار ...... وقال أبو الحسن الماوردي ليس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان لأنه يدور بالحاجة، والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف مافيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقي، الخ (عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۸۵، مکتبہ عباس باز)۔

دریاؤں کا پانی جسے کسی عمل کے ذریعہ نکالا نہ گیا ہو مباح ہے، جس تک پہلے پہنچے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اور اس میں اوپر والا حصہ دار مقدم ہوگا نیچے والے سے، اور اوپر والا پانی روک سکتا ہے، یہاں تک کہ اپنے باغ کی منڈیر تک پانی پہنچا لے، پھر وہ نیچے والے کے لیے پانی چھوڑ دے گا، پھر وہ اسی طرح سیراب کرے گا، روکے گا پھر نیچے والے کی طرف چھوڑ دے گا، اسی طرح ہر حقدار کرے گا۔ حدیث باب میں "حتی یرجع إلی الجدر" ہے اور عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں جس کی تخریج ابوداؤد وابن ماجہ نے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مہزور کی نہر میں

Marfat.com

یہ فیصلہ فرمایا کہ روکے رکھے حتی کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے، پھر اوپر والا نیچے کی طرف چھوڑ دے،......
رافعی کہتے ہیں کہ دونوں تحدید میں کوئی مخالفت نہیں ہے، اس لیے کہ پانی جب ٹخنہ تک پہنچے گا تو دیوار کی جڑ تک پہنچ ہی جائے گا،......اور ابوالحسن ماوردی کہتے ہیں کہ ٹخنوں تک پہنچنے کی تحدید زمانہ ومکان کے عموم پر نہیں ہے، اس لیے کہ حاجت پر مدار ہے، اور حاجت زمین، اس میں لگی کھیتی، درخت اور زراعت وسیرابی کے وقت کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔

۱۲-پانی پر ملکیت:

الف- جس پانی کو کسی نے اپنے خاص برتن، حوض، ٹینک، ٹنکی یا پائپ لائنوں میں محفوظ کرلیا ہو، وہ پانی خاص اس کی ملک ہے۔

ب-مملوک زمین یا مباح زمین میں کسی نے کنواں کھودا یا ٹیوب ویل لگایا، تو حنفیہ کے نزدیک یہ پانی خاص اس کی ملک نہیں، یہی حنابلہ کا مسلک ہے، البتہ مالکیہ کا مشہور قول، شافعیہ کا اصح مسلک اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر مملوکہ زمین ہو یا مباح زمین میں مالک بننے کی غرض سے کنواں کھودا تو یہ پانی بھی اس کی خاص ملک ہے۔

الماء المحرز في أوان خاصة: هو ماحازه صاحبه في انية أوظروف خاصة كالجرار والصهاريج والحياض والأنابيب ......هذا الماء ملك خاص لمن أحرزه، الخ۔

ماء العيون والآبار والحياض وهو الذي يستخرجه الشخص لنفسه، وحكمه عندالحنفية أنه ليس بمملوك لصاحبه بل هو مباح في نفسه ولصاحبه حق خاص فيه سواء أكان في أرض مباحة أومملوكة ...... وقال الشافعية في الأصح عندهم، يملك الشخص ماء البئر المحفورة في الأرض الموات للتملك أو المحفورة في ملك خاص، لأنه نما ملكه (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۳)۔

Marfat.com

وہ پانی جو برتنوں میں محفوظ کرلیا گیا ہو، یہ وہ پانی ہے جس کو آدمی نے کسی برتن یا مخصوص ظروف جیسے گھڑے، ٹینک، حوض، پائپ وغیرہ میں محفوظ کرلیا ہو، یہ پانی محفوظ کرنے والے کی ملک ہے۔

چشموں، کنووں اور حوض کا پانی، جس کو کسی نے اپنے لیے نکالا ہو، اس کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے لیے اور اس کے شریک کے لیے مباح ہے اور اس میں ان کا خاص حق ہے، خواہ ارض مباح میں ہو یا ارض مملوکہ میں۔ اور اصح قول کے مطابق شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ انسان ارض موات میں تملک کی غرض سے اور ملک خاص میں کھودے گئے کنویں کے پانی کا مالک ہے، کیوں کہ یہ اس کی ملک کی افزائش ہے۔

۱۳- مملوکہ پانی کی تجارت

سابق میں پانی پر ملکیت حاصل کرنے کی دو صورتیں ذکر کی گئیں، ان میں سے پہلی صورت میں بالاتفاق پانی کو فروخت کرنا جائز ہے۔

ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

أما ما يحوزه من الماء في إنائه أو يأخذه من الكلأ في حبله، أو يحوزه في رحله، أو يأخذه من المعادن، فإنه يملكه بذلک، وله بيعه بلاخلاف بين أهل العلم، فإن النبي ﷺ قال: "لأن يأخذ أحدكم حبلا، فيأخذ حزمة من حطب، فيبيع، فيكف الله به وجهه، خير له من أن يسأل الناس، أعطي أو منع، رواه البخاری" وروی أبو عبيد في "الأموال" عن المشيخة أن النبي ﷺ نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه، وعلى ذلک مضت العادة في الأمصار ببيع الماء في الروايا والحطب والكلأ من غير تنكير (المغنی ۱۴۶/۶)۔

جس پانی کو اپنے برتن میں محفوظ کرلیا ہو، یا جس گھاس کو اپنی رسی میں باندھ لیا ہو، یا

Marfat.com

اپنے کجاوہ میں جمع کرلیا ہو، یا جو چیز کانوں سے لے لی ہو، تو وہ اس کی ملک ہے، اور اس کے لیے اس کا بیچنا اہل علم کے درمیان بلا کسی اختلاف کے جائز ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کسی شخص کا رسّی لے کر ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھر بنانا اور پھر اس کو بیچنا، جس سے اللہ تعالی اس کی آبرو کو (سوال کی ذلت سے) بچالے بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، پھر اس کو دیا جائے یا منع کر دیا جائے'' بخاری نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابوعبید نے کتاب الاموال میں مشیخہ سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو بیچنے سے منع فرمایا، مگر جس پانی کو اٹھالیا گیا ہو، اور شہروں میں یہی عادت جاری ہے کہ مشکیزوں کے پانی کو اور ایندھن کی لکڑیوں کو اور گھاس کو بیچا جاتا ہے اور اس پر نکیر نہیں کی جاتی۔

دوسری صورت میں تو جمہور کے یہاں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے فروختگی جائز نہیں، ہاں شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، لہذا فروختگی جائز ہے، تاہم امام احمد بن حنبلؒ پانی کی فروختگی کو مستحسن نہیں قرار دیتے تھے۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

والوجه الآخر يدخل في الملک لأنه نماء الملک وقد روى عن أحمد ما يدل على أنه يملک، والصحيح أن الماء لايملک، قال أحمد لايعجبني بيع الماء البتة (المغنی ۶/۱۴۵)۔

(اصحاب شافعی کی) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا پانی ملکیت میں داخل ہو جائے گا اس لیے کہ ملک کا نمو ہے، اور امام احمدؒ سے ایک قول ایسا منقول ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ پانی مملوک ہے، اور صحیح یہ ہے کہ پانی مملوک نہیں ہوگا، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں بہر حال ایسے پانی کی فروختگی کو پسند نہیں کرتا۔

یہ تو اصل حکم ہے، لیکن شریعت کا اصل منشا یہ ہے کہ پانی کی تجارت نہ کی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، آگ اور گھاس (ابوداؤد: ۳۴۷۷)۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کیا جائے (بخاری:۲۳۵۳)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ تین اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، ان میں سے ایک وہ ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو منع کرے (بخاری:۲۳۵۸)، بلکہ پانی پلانے کے مستقل فضائل احادیث میں آئے ہیں، امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا: "باب فضل سقي الماء" اوراس کے تحت یہ واقعہ درج کیا کہ اللہ تعالی نے ایک شخص کی مغفرت اس وجہ سے کردی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا، اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت اس لیے جہنم رسید ہوئی کہ اس نے ایک بلی کو پیاسا اور بھوکا مار ڈالا (صحیح بخاری: ۲۳۶۳، ۲۳۶۴، ۲۳۶۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ پانی کا انتظام بڑے اجر وثواب کا سبب ہے، اسی لیے اس کو صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا ہے، حضرت سعدؓ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ "أي الصدقة أعجب إليک" (کونسا صدقہ آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے؟)، آپ نے فرمایا: "الماء" (ابوداؤد:۱۶۷۹)۔

مذکورہ روایات سے یہ امر بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی تجارت پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

۱۴–تالاب میں آبادیاں بسانا:

عن عمر بن المنكدر أن رسول الله ﷺ قال: كل ذي مال أحق بماله، قال ابن وهب يضع به ما يشاء (السنن الکبری للبیہقي ۱۷۸/۶، بیروت)۔

ہر مال والا اپنے مال کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے، حدیث کے راوی ابن وہب کہتے ہیں: وہ اپنے مال میں جو چاہے تصرف کریں۔

تصرف الإنسان في خالص حقه إنما يصح إذا لم يتضرر به سواه وفي لفظ تصرف المالک في ملكه لايتقيد بشرط السلامة۔

الأولى أصل عند أبي حنيفةؒ، والثانية أصل عند صاحبيه رحمهما الله۔

Marfat.com

وقيل إن الثانية هي قول المتقدمين وهو القياس، والمتأخرون على استثناء ما إذا كان الضرر بينا (موسوعۃ القواعد الفقہیۃ ۴/ ۳۰۹، بحوالہ مبسوط)۔

انسان کا اپنے خالص حق میں تصرف اسی وقت صحیح ہے، جب کہ اس کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ ہو۔ (دوسرا ضابطہ) انسان کا اپنی ملکیت میں تصرف سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اول اصول امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور دوسرا اصول صاحبین کے نزدیک ہے۔ اور بعض نے کہا کہ دوسرا اصول متقدمین کا قول ہے اور یہی قیاس کا مقتضی ہے، اور متاخرین نے اس عموم سے اس تصرف کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جس سے کوئی واضح ضرر لازم آئے۔

مذکورہ عبارات کے پیش نظر اگر تالاب انسان کی اپنی ملک ہے، تو وہ اس میں پلاٹنگ کر کے فروخت کر سکتا ہے اور اس میں اس کے لیے آبادیاں بسانا درست ہے، خصوصاً جب کہ حکومت کی طرف سے کوئی ممانعت بھی نہ ہو، کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالک کا تصرف سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ نیز محض ضرر کے احتمال کی بنیاد پر انسان کو اپنے حق سے منع نہیں کیا جا سکتا۔

والحنفية والشافعية يرون أن الفعل مشروع في أصله، واحتمال الضرر لا يصلح دليلا على الضرر المتوقع فلا يمنع حق لمجرد احتمال الضرر (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۲۲)۔

حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ فعل اصلاً مشروع ہے، اور ضرر کا احتمال متوقع ضرر کی دلیل نہیں بن سکتا، لہٰذا انہیں احتمال ضرر کی بنیاد پر حق سے نہیں روکا جائے گا۔

اسی طرح نادر الوقوع ضرر یا ضرر قلیل کا بھی اعتبار نہیں ہے، اور اس بنیاد پر کسی کو اپنے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

الضرر القليل وهو أن يكون الضرر المرتب على استعمال الحق المأذون فيه نادر الوقوع، أو كان في ذاته قليلا، وهو لايلتفت إليه لقلته، إذ

Marfat.com

العبرة بأصل الحق الثابت فلايعدل عنه إلا لعارض الضرر الكثير بالغير (ایضا)۔

ضرر قلیل اور وہ ایسا ضرر ہے جو کسی جائز حق کے استعمال پر مرتب ہو، لیکن نادر الوقوع ہو، یا فی نفسہ قلیل ہو، جس کی طرف قلت کی بناء پر التفات نہ کیا جاتا ہو، اس لیے کہ ثابت شدہ اصل حق کا اعتبار ہے، اس سے عدول اسی وقت کیا جائے گا جب کہ غیر کو ضرر کثیر لاحق ہو۔

حتی کہ جائز تصرف کے نتیجہ میں کوئی ضرر لاحق ہو جاتا ہے، تب بھی صاحب حق اس کا ذمہ دار نہیں، ہاں! دیانۃً اور اخلاقی طور پر مکلف ہے کہ ایسے تصرف سے باز رہے، جس سے دوسروں کو واقعی ضرر لاحق ہو۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

لو حفر نهرا أو بئرا في داره فنزت من ذلك أرض جاره لا يضمن ولا يؤمر في الحكم أن يحوّل ذلك عن موضعه، وفيما بينه وبين الله عليه أن يكف عن ذلك إذا كان يتضرر به غيره كذا في فتاوى قاضيخان۔

اگر کسی نے اپنے احاطہ میں کوئی نہر یا کنواں کھودا، جس کے نتیجہ میں پانی اپنے پڑوسی کی زمین میں پہنچ گیا، تو ضامن نہیں ہوگا، اور اس کو قضاءً حکم نہیں دیا جائے گا کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹالے، اور دیانۃً اس پر لازم ہے کہ ایسے تصرف سے رُکے، جب کہ اس کی وجہ سے دوسرے کو ضرر ہو (فتاوی عالمگیری ۶/۷۴، کوئٹہ)۔

الغرض حکومت کی طرف سے کوئی ممانعت نہ ہو، تو ایسے علاقہ میں پلاٹنگ جائز ہے، تاہم کوئی مجبوری نہ ہو تو مستقبل کے متوقع ضرر عام کے پیش نظر دیانۃً ایسا نہ کرے۔

ہاں اگر حکومت نے عمومی حالات کے پیش نظر مصلحت عامہ کی غرض سے ممانعت کر دی ہو، تو پھر یہ عمل شرعاً بھی جائز نہ ہوگا، جیسا کہ اس سے پہلے حکومت کے تصرفات کے سلسلہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

Marfat.com

۱۵-آب رسانی کا انتظام:

جن علاقوں میں بسہولت پانی دستیاب ہے، اور ہر شخص کی اپنی ضروریات پوری ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ ان علاقوں میں آب رسانی کے انتظام کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، ہاں جن علاقوں میں پانی دستیاب نہیں اور لوگوں کو اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بھی پانی بسہولت میسر نہیں ہوتا، ان علاقوں میں آب رسانی کا انتظام حکومت کے وظائف میں سے ہے، اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اولاً تو اس لیے کہ رعایا کی ضروریات کو فراہم کرنا اور مصالح عامہ کا تحفظ حکومت کے وظائف میں سے ہے۔

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

أن يباشر بنفسه مشارفة الأمور وتصفح الأحوال، لينهض بسياسة الأمة وحراسة الملة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۷۰۱)۔

حاکم کے وظائف میں سے یہ بھی کہ حاکم بذات خود تمام امور کی نگرانی کرے اور احوال کا تفقد کرے، تاکہ امت کی مصالح اور ملت کے تحفظ کے لیے مستعدی کے ساتھ قدم اٹھائے۔

حاصل یہ ہے کہ قومی مصالح کا انتظام اور ملی مفادات کا تحفظ بھی حکومت کے وظائف میں سے ہے، اس لیے ایسے علاقہ میں آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہوگا۔

دوسرے اس لیے کہ جو چیز شخصی ملکیت نہ ہو، بلکہ قومی ملکیت ہو، اس کا تحفظ اور اس کو کارآمد بنانا قومی حکومت کی ذمہ داری ہے، فقہاء کا ذکر کردہ یہ جزئیہ اس پر دلیل ہے:

النهر العظيم الذي لم يدخل في المقاسم كالفرات ودجلة وجيحون وسيحون والنيل، إذا احتاج إلى الكرى وإصلاح شطه يكون على السلطان من بيت المال (فتاوی عالمگیری ۵/۳۸۱)۔

بڑے دریا جو لوگوں کی قسمت میں داخل نہیں (یعنی ہر ایک اس سے منتفع ہو سکتا ہے)

Marfat.com

جیسے فرات، دجلہ وغیرہ، جب اس کی مٹی نکالنے اور کناروں کو مرمت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو حاکم کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال سے اس ضرورت کو پورا کرے۔

پھر اگر حکومت انتظام کرے اور اس کی کوئی اجرت مقرر کرے تو یہ جائز ہے، کیوں کہ حکومت احراز کے بعد اس کو سپلائی کرے گی، اور احراز سے پانی پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، جس پر معاوضہ لینا درست ہے، نیز یہ فقط پانی کا عوض نہیں ہے، کیوں کہ اس کی سپلائی میں بہت سے دیگر اخراجات ہوتے ہیں، لہذا ان تمام کی اجرت ہوگی، جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ نیز انتظام کی غرض سے اجرت ادا نہ کرنے پر حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۶- پانی کی نکاسی کا انتظام:

مذکورہ بالا تفصیل سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ اخلاقی طور پر ہر شخص مکلف ہے کہ مستعمل پانی کی نکاسی کا ایسا انتظام کرے کہ پڑوسی، محلہ اور آبادی کی فضا آلودہ نہ ہو، پھر مفادات عامہ کے خاطر اس سلسلہ میں حکومت بھی اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کی شرعا مکلف ہوگی، اور حکومت اس کے لیے جو معقول نظم کرے، اس کو اپنانا شہریوں کی ذمہ داری ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

آبی وسائل-شریعت کی روشنی میں

مفتی عبدالرحیم کشمیری ☆

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم اما بعد!

اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو جن عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان میں سے ایک اہم ترین اور حیات افزا نعمت پانی ہے، یہ پانی جہاں بیشمار مخلوقات کی حیات وتندرستی کیلئے تحفظ وبقا کا ذریعہ ہے وہیں اس کے ذریعہ سے اشرف المخلوقات انسان اپنی عبادات کی صحیح ادائیگی، اپنے سماجی تشخص ورتبے کی حفاظت، اپنے تمدن کو بام عروج تک پہنچانے، اپنے ظاہر، باطن اور گردو پیش کی طہارت ونظافت کیساتھ اپنے مذہب وطن اور ملک وقوم کی نیک نامی وسربلندی کا کارنامہ بھی انجام دیتا ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی کسی کیلئے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر اس عظیم نعمت کے تئیں انسان مجرمانہ غفلت وبے توجہی، فضول خرچی وبے اعتدالی کا طرز اپنائے اور اسکے پاکیزہ ومیٹھے ذخائر کے ساتھ ظالمانہ دست درازی کر کے انہیں نجس وناپاک کر دینے کا خوف ناک جرم کرنے پر تل جائے تو یہ صحت عامہ اور عبادات واخلاقیات کیلئے ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام تر شعبوں کیلئے ہمہ گیر تباہی اور زوال کا ایسا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے جس کی تلافی بھی نہایت مشکل ہوگی، اسلئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس عظیم نعمت کے سلسلہ میں خالق کائنات کی مقدس شریعت میں جو حیات بخش احکامات انسانوں کے دنیوی واخروی نفع کیلئے دئے گئے ہیں ان کو اچھی طرح معلوم کر کے ان پر پوری دیانت داری واخلاص کے ساتھ عمل

☆ مہتمم دارالعلوم المصطفوی، بارہمولہ، کشمیر۔

Marfat.com

کرے؛ چنانچہ زیر نظر مقالہ میں ان میں سے چند اہم احکام پیش خدمت ہیں۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق احکام شریعت:

الفقہ علی المذاہب الاربعہ سے ایک طویل عبارت کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جس میں پانی کے استعمال سے متعلق احکامات ایک نظر میں آگئے ہیں:

رہا پاکیزہ پانی کا حکم تو اسکی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم تو وہ اثر ہے جسکو شارع نے اسپر مرتب کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ پاکیزہ پانی حدث اصغر (وہ حدث جس کی بنا پر وضو کرنا لازم ہوجاتا ہے) اور حدث اکبر (وہ حدث جس کی وجہ سے غسل فرض ہوجاتا ہے) کو دور کردیتا ہے؛ چنانچہ اس پانی سے وضو کرنا، غسل جنابت کرنا، غسل حیض کرنا اور محسوس ہونے والی نجاستؑ کو زائل کرنا درست ہے، اسی طرح اس پاکیزہ پانی کو استعمال کر کے فرائض، واجبات، مستحبات اور تمام قسم کی نفلی عبادتیں (جو تقرب الی اللہ کا باعث بنتی ہیں) مثلاً جمعہ وعیدین کا غسل کرنا اور اسکے علاوہ باقی عبادات بھی اس سے شرعاً ادا کی جاتی ہیں۔ نیز پینے، پکانے، آٹا گوندھنے، کپڑا دھونے اور زمین کو سیراب کرنے کے لئے بھی اسکا استعمال شرعاً درست اور صحیح ہے۔ دوسری قسم اس پاکیزہ پانی کے استعمال کے احکام سے متعلق ہے یعنی اسکا استعمال کب واجب ہے اور کب حرام، کہاں مستحب ہے، کہاں جائز اور کہاں مکروہ۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مستحب سے مراد ہمارے نزدیک وہ صورت بھی ہے جو سنت کو شامل ہے؛ کیوں کہ بعض ائمہ کے نزدیک مستحب ومسنون ایک ہی چیز ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں الگ چیزیں ہیں۔ بہر حال جہاں پر پانی کا استعمال کرنا واجب ہے تو اس سے مراد وہ فرض عبادت ہے جس کی ادائیگی حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہونے پر موقوف ہو جیسے نماز (کہ وہ دونوں قسم کے حدثوں سے پاک ہوئے بنا ادا نہیں ہوگی) اور وقت نماز کی گنجائش وتنگی کے لحاظ سے پاکیزہ پانی کے مذکورہ استعمال کا حکم بھی وسعت وتنگی پر مشتمل ہوگا (مثلاً اگر نماز کا وقت ختم ہونے میں کافی وقت ہے تو ادائیگی نماز کے لئے

Marfat.com

پانی کے استعمال کا وجوب بھی گنجائش کے ساتھ لاگو ہوگا اس طور پر کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے ایک مکلف مسلمان پر ادیگی نماز کے لئے پانی کا استعمال لازم ہوگا فی الفور نہیں لیکن اگر وقت تنگ ہو اور ختم ہونے کے قریب ہو تو فی الفور ہی نماز کی ادیگی کے لئے پاکیزہ پانی کا استعمال واجب ہوگا)۔

باقی جن صورتوں میں پانی کا استعمال حرام و ناجائز ہے تو ان میں سے چند صورتیں یہ ہیں:

۱- جس پانی کو استعمال کیا جارہا ہے وہ دوسرے کی ملکیت ہو اور اس نے استعمال کی اجازت نہ دی ہو۔

۲- سبیلوں میں جو پانی پینے کی غرض سے مخصوص کر کے رکھا جاتا ہے اس سے بھی وضو (وغسل) کرنا حرام ہے۔

۳- پانی کے استعمال کی وجہ سے اگر شدید ضرر اور تکلیف میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی شخص وضو یا غسل کرنے کی وجہ سے بیمار ہو جائے (یا اگر پہلے سے بیمار ہے) تو اسکی بیماری و مرض میں پانی کے استعمال سے اضافہ ہو جائے۔

۴- اسی طرح پانی اسقدر شدید گرم یا سرد ہو جسکی وجہ سے اس کے استعمال سے سخت تکلیف یا ضرر پہنچے۔

۵- یا جو پانی کوئی شخص استعمال کرنے جارہا ہے اسکے استعمال کی وجہ سے کسی ایسے جاندار کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو جسکا ہلاک کرنا یا ضائع کرنا شرعاً ناجائز ہو (مثلاً گائے، بکری، بھینس وغیرہ) تو ان سب صورتوں میں بھی پانی کا استعمال کرنا حرام و ناجائز ہوگا۔

رہیں وہ صورتیں جن میں پانی کا استعمال کرنا مستحب ہے تو جیسے وضو پر وضو کرنا اور جمعہ کا غسل (اور عیدین نیز دیگر وہ مواقع جن میں غسل کرنا مستحب ہے) اس کے تحت آتے ہیں، رہی وہ صورت جس میں پانی کا استعمال کرنا مباح و جائز ہے، تو اسکا اطلاق پانی پینے، اس سے آٹا گوندھنے اور اسکے علاوہ پانی کے دیگر جائز استعمال پر ہوگا۔ اور جہاں تک پانی کے استعمال کرنے

Marfat.com

کی وہ صورتیں ہیں جو شرعاً مکروہ ہیں تو ان میں پانی کے ایسے شدید گرم یا شدید سرد ہونے کے دوران اسکا استعمال ہے جو بدن کے لئے مضر نہ ہو، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسا پانی اگرچہ بدن کے لئے مضر نہیں ہے تاہم شدید سرد یا شدید گرم ہونے کی وجہ سے اسکے استعمال کی صورت میں وضو کے اندر مطلوبہ عبدیت اور خشوع وخضوع کی شان جو شرعاً وضو کرنے والے سے مطلوب ہے وہ جلد بازی میں وضو کرنے یا ناپسندیدگی کے ساتھ وضو کرنے کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ١/٢٩-٣٠)۔

اس کے علاوہ احناف کے یہاں سورج کی تپش سے گرم شدہ پانی سے بھی وضو وغسل کرنا مکروہ ہے جبکہ یہ پانی سونے وچاندی کے برتن کے علاوہ کسی دوسرے برتن میں رکھا ہو، یا ایسے ہی شرابی شخص کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے جبکہ شراب سے ملا ہوا لعاب دہن اس شرابی کے جھوٹے پانی سے مل جائے نیز چیل، کوے اور آوارہ پھرتے والے مرغ وغیرہ اور بلی کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ جانور عموماً نجاست سے کم ہی پرہیز کرتے ہیں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ١/٣٠)۔

٢-پانی میں فضول خرچی کی صورتیں اور فضول خرچی کا شرعی حکم:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ولا تسرفوا...... الآية" (الانعام نا ١۴١) (اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے)، اور حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں لوگوں کو ہر چیز میں فضول خرچی سے روکا گیا ہے، اور حضرت ایاس بن معاویہؒ نے فرمایا: جس چیز میں تو اللہ کے حکم سے تجاوز کرے وہی اسراف ہے۔ اور مشہور مفسر قرآن امام ابن جریرؒ کے نزدیک حضرت عطاءؒ کا یہ قول ہی پسندیدہ ہے کہ اس آیت میں ہر چیز کے اندر اسراف وفضول خرچی سے منع کیا گیا ہے اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بات بالکل درست ہے (مختصر تفسیر ابن کثیر ١/١٢٥)۔

وأما بيان مقدار الماء الذي يغتسل به فقد ذكر في "ظاهر الرواية" وقال: أدنىٰ ما يكفي في الغسل من الماء صاع وفي الوضوء مد، لما روى عن

Marfat.com

جابرؓ "أن النبی ﷺ کان یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع، فقیل له: إن لم یکفنا، فغضب وقال: لقد کفی من هو خیر منکم وأکثر شعراً" (بخاری ۱/۴۰۳، مسلم ۱/۲۵۸، بدائع الصنائع ۱/۱۴۴)۔

(اور پانی کی اس مقدار کے متعلق کہ جس سے غسل کیا جائے وضاحت یہ ہیکہ ظاہر روایت کے اندر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہیکہ غسل کے اندر ادنیٰ ترین مقدار بھی آدمی کو کافی ہوسکتی ہے ایک صاع ہے، اور وضو کے اندر ادنیٰ ترین کفایتی مقدار پانی کی ایک مد ہے؛ جبکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مد پانی سے وضو فرماتے اور ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے، اس پر حضرت جابرؓ سے کہا گیا: اگر یہ مقدار ہمیں کافی نہ ہو تو کیا کریں؟ یہ سن کر حضرت جابرؓ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ مذکورہ مقدار اس ذات مقدس ﷺ کیلئے کافی ہو چکی ہے جو تم سے بہتر اور زیادہ موئے مبارک والے تھے)۔

(واضح رہے کہ ایک مد چھ سو گرام کے مساوی ہے آجکل کے لحاظ سے، اور ایک صاع دو ہزار چار سو گرام کے برابر ہے؛ کیونکہ ایک صاع چار مد پر مشتمل ہوتا ہے)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: ثم إن محمداً ذکر الصاع فی الغسل، والمد فی الوضوء مطلقاً عن الأحوال ولم یفسره۔

پھر امام محمدؒ نے غسل کے سلسلے میں ایک صاع اور وضو کے متعلق ایک مد کا مطلقاً بغیر کسی تفسیر کے ذکر فرمایا ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ثم هذا التقدير الذي ذكره محمدؒ من الصاع والمد فی الغسل والوضوء لیس بتقدیر لازم بحیث لا یجوز النقصان عنه أو الزیادة علیه، بل هو بیان مقدار أدنی الکفایة عادةً، پھر بھی یہ مقدار جو امام محمدؒ نے صاع اور مد کی غسل اور وضو کے سلسلے میں ذکر فرمائی ہے ایسی حتمی و لازمی نہیں ہے کہ اس مقدار سے کمی یا اس

Marfat.com

پر زیادتی ناجائز ہو؛ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عادۃً پانی کے استعمال کے متعلق ادنی کفایتی مقدار کا بیان ہے۔

والدلیل علیه ما روی "أن رسول الله ﷺ کان یتوضأ بثلثی مد (ابوداود، حدیث نمبر ۹۴، نسائی ۱/ ۵۸، ابن خزیمہ وابن حبان)، لکن ینبغی أن یزید علیه بقدر ما لا إسراف فیه لما روی "أن النبی ﷺ مر علی سعد بن أبی وقاص وهو یتوضأ ویصب صباً فاحشاً فقال: إیاک والسرف، فقال: أو فی الوضوء سرف؟ قال: نعم لو کنت علی ضفة نهر جار" وفی روایة: "ولو کنت علی شط بحر" (ابن ماجہ واحمد)۔

اور ہمارے اس دعوے پر یہ دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ مد (ایک خاص پیمانہ) کے دوتہائی پانی کے حصہ سے وضوفرماتے تھے؛ لیکن مناسب یہ ہے کہ یہاں بھی اس مقدار پر اس حد تک اضافہ کیا جائے جسمیں اسراف نہ ہو، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گذر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر اس حال میں ہوا جبکہ وہ وضو کر رہے تھے اور وضو میں خوب پانی بہار ہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اسراف سے بچو، انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگر چہ تم جاری ورواں نہر کے کنارے پر وضو کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ تم سمندر کے کنارے وضو کرو (بدائع الصنائع ۱/ ۱۴۴-۱۴۵)۔

خلاصہ: اور جیسے وضو کے پانی میں اسراف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح ضرورت سے کم پانی خرچ کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اور تقتیر (ضرورت سے کم پانی کا استعمال کرنا) حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ڈھلے ہوئے عضو سے وضو کے پانی کے قطرات نہ دکھائی دیں، اور یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ وضو میں استعمال ہونے والا پانی وضو کرنے والے کی ملکیت میں ہو، لیکن اگر پانی وقف شدہ ہو جیسا کہ مساجد کے وضوخانوں وغیرہ میں ہوتا ہے تو ایسے پانی میں اسراف کرنا بہر صورت حرام ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۷۱-۷۲)۔

Marfat.com

۳-پانی کو آلودگی سے بچانے کے متعلق شریعت مقدسہ کے احکام:

ثالثاً: لا یجوز أن یقضی حاجته فی الماء الراکد، و هذا أیضاً من الأمکنة التی لا یجوز قضاء الحاجة فیها، والماء الراکد هو الذی لا یجری، فقد رویٰ جابرؓ عن رسول الله ﷺ أنه نهی أن یبال بالماء الراکد، رواه مسلم وابن ماجة وغیرهما ویلحق بالبول التغوط، لأنه أقبح، والنهی عنه أشد (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۸۷)۔

(اور قضائے حاجت کے آداب میں سے تیسرا ادب یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں قضائے حاجت کرنے والے کیلئے اپنی حاجت (بول و براز) پوری کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ موقع (ٹھہرا ہوا پانی) بھی ان مواقع میں سے ہے جن میں قضائے حاجت شرعاً درست نہیں۔ اور ٹھہرے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی ہے جو جاری نہ ہو جیسا کہ حضرت جابرؓ نے جناب رسول ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور (یاد رہے کہ) اس ممانعت میں پاخانہ کرنا بھی داخل ہوگا؛ کیونکہ پاخانہ بہ نسبت پیشاب کے زیادہ گندی چیز ہے لہٰذا ممانعت بھی اس کے متعلق شدید ہوگی)۔

اسکے بعد تفصیل مذاہب کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

حضرات احنافؒ فرماتے ہیں کہ کم پانی میں قضائے حاجت سخت ناجائز اور حرام ہے اور اگر پانی زیادہ ہو تو بھی اسمیں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے اس معنی کر کہ سابقہ حرمت میں کثیر ہونے کی وجہ سے کچھ نرمی ہوئی (نہ کہ جائز ہوگیا)، اور اگر پانی جاری ہو تو بھی اسمیں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا (یہ حکم تو اپنے مملوکہ پانی سے متعلق ہے) لیکن اگر پانی دوسرے کی ملکیت ہے اور وہ اسمیں پیشاب کرنے کی اجازت نہ دے تو اسمیں پیشاب کرنا ناجائز ہی رہیگا اگرچہ وہ کم ہونے کے بجائے زیادہ بھی ہو، یہی حکم اس صورت کا ہے جبکہ پانی وقف شدہ ہو یعنی اس میں بھی پیشاب کرنا حرام و ناجائز ہوگا (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۸۷)۔

Marfat.com

(حضرات مالکیہ" فرماتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر وہ کم مقدار میں ہو تو قضائے حاجت (بول و براز) حرام ہے الا یہ کہ وہ کم مقدار کے بجائے بڑی مقدار میں ہو جیسے بڑے بڑے باغات کے اندر پائے جانے والے تالاب اور بڑے بڑے حوض ہوتے ہیں۔ تو ان میں پیشاب کرنا (جبکہ وہ اپنی ملکیت میں ہوں) حرام نہیں ہے، لیکن اگر یہی تالاب اور بڑے حوض دوسرے کی ملکیت میں ہوں اور وہ انکا پانی استعمال کرنے کی اجازت نہ دے، یا اجازت تو دے مگر ان میں پیشاب کرنے کی اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں ان میں پیشاب کرنا حرام ہی ہوگا اور اگر پانی جاری ہو تو اپنی ملکیت میں ہونے کی صورت میں اسمیں پیشاب کرنا جائز ہے لیکن اگر دوسرے کی ملکیت میں ہے تو اسکی اجازت نہ ہونے یا وقف شدہ ہونے کی صورت میں بھی اس جاری پانی میں پیشاب کرنا حرام ہی ہوگا (حوالۂ سابق)۔

(حضرات حنابلہ" فرماتے ہیں کہ رواں پانی میں پاخانہ پیشاب کرنا حرام و ناجائز ہے چاہے پانی کم ہو یا زیادہ، البتہ سمندر اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں بول و براز حرام نہیں؛ کیونکہ (سمندری راستوں سے) اسفار کے دوران سمندر میں بول و براز کرنے (یا ڈالنے کی) ضرورت پڑ جاتی ہے اور سمندر کی بے پناہ وسعت اور اس (بول و براز) کا سمندر کی وسعت و گہرائی میں دب جانا اس پر مستزاد ہے (لہٰذا جواز میں کوئی کلام نہیں) بہرحال جہاں تک پیشاب کا تعلق ہے تو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے حرام نہیں بالکل اسی طرح جیسے رواں اور کثیر پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور جو پانی رواں ہو اور قلیل مقدار میں ہو تو اسمیں پیشاب کرنا مکروہ نہیں (مذکورہ تمام احکام جو اوپر بیان کیے گئے) کا اطلاق وقف شدہ اور کسی کے ملکیتی پانی پر نہیں ہوگا جبکہ اس کی طرف سے پانی کے استعمال کی عام اجازت نہ ہو کیونکہ ایسے وقف شدہ اور ملکیتی پانی میں قضائے حاجت مطلقاً حرام ہے (حوالہ سابق)۔

(حضرات شوافع" فرماتے ہیں کہ پانی چاہے کم ہو یا زیادہ اس میں قضائے حاجت (بول و براز) کرنا حرام نہیں بلکہ صرف مکروہ ہے، ہاں اگر پانی دوسرے کی ملکیت میں ہو اور اس کی

Marfat.com

طرف سے استعمال کی اجازت نہ ہو یا پانی کی چھوٹی نالی ہو تو ان دونوں صورتوں میں پانی میں قضائے حاجت کرنا حرام ہوگا مگر یہ بات بھی ہے کہ حضرات شوافع نے پانی کے اندر قضائے حاجت کے مکروہ ہونے کے معاملے میں رات اور دن میں فرق کیا ہے اور فرمایا ہیکہ کم پانی کے اندر دن میں قضاء حاجت کرنا مکروہ ہے خواہ وہ کم پانی رواں ہو یا ٹھہرا ہوا ہو اور جہاں تک رات کا تعلق ہے تو فرماتے ہیں کہ رات کے وقت پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے چاہے وہ پانی کم ہو یا زیادہ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱ر ۸۷)۔

اس بحث میں اپنا قیمتی تبصرہ مذاہب اربعہ کی تفصیلات بیان فرمانے کے بعد علامہ عبد الرحمٰن الجزیری یوں رقم فرماتے ہیں:

وهذا الحكم الفقهي من أجمل الأحكام التي يقرها العلم، ويرضاها العقل السليم، فإن تلويث الماء المعد للانتفاء به غالباً من أقبح الخصال الذميمة فضلاً عما قد يترتب عليه من عدوى "البلهارسيا" ونحوها من الأمراض، فمن مكارم الإسلام ان جعل عبادة الله مرتبة دائماً على ما تقتضيه مصلحة الإنسان نفسه۔

اوپر حضرت جابرؓ کی روایت کردہ حدیث بحوالۂ مسلم شریف، ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث نقل فرمانے کے بعد کہ جس میں آپ ﷺ نے ٹھہرے اور رکے ہوئے پانی میں پیشاب (اور پاخانہ) کرنے سے منع فرمایا ہے، علامہ جزیری فرماتے ہیں: "اور شریعت اسلامیہ و فقہ اسلامی کا یہ حکم انتہائی خوبصورت اور عمدہ ترین احکام میں سے ایک حکم ہے، جن کی عمدگی و عظمت کا اعتراف علم جدید اور سائنس نے بھی کیا ہے اور عقل سلیم بھی بخوشی اس حکم کو قبول کرتی ہے، اس لئے کہ جو پانی خلق خدا کی مختلف ضروریات میں نفع اٹھانے اور اکثر اوقات فیضیاب ہونے کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس کو گندگی سے ملوث کرنا بری عادتوں میں سے بدترین خصلت ہے، اس کے ساتھ ہی ایسا کرنے سے "بلہارسیا" (مثانہ کے اندر ایک مخصوص جرثومہ کی وجہ سے پیدا ہونے

Marfat.com

والی بیماری) اور اس جیسے متعدی امراض پھیلتے ہیں۔ پس یہ اسلام کی عظمت و بزرگی ہے کہ اس نے ہمیشہ اللہ کی بندگی کو انہی قواعد و اصول پر استوار کیا ہے جن میں خود انسان کے لئے بیشمار مصلحتیں اور منفعتیں پوشیدہ ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۸۷)۔

پھر اس کے بعد اسی مبحث "آداب قضائے حاجت" میں ادب نمبر (۴) کے تحت فرماتے ہیں:

رابعاً یحرم قضاء الحاجة فی موارد الماء ،ومحل مرور الناس، و استظلالهم لقوله ﷺ "اتقوا اللاعنین، قالوا: وما اللاعنان یا رسول الله قال: الذی یتخلیٰ فی طرق الناس، أو فی ظلهم (رواہ مسلم وابوداؤد)۔

(چوتھا ادب یہ ہے کہ (قضائے حاجت کرنے والا اس بات کو دھیان میں رکھے کہ) پانی کے وسائل و موارد (آبگاہوں) لوگوں کی گذرگاہوں اور سایہ دار جگہوں پر قضائے حاجت (بول و براز) کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستہ میں قضائے حاجت کرے، اور دوسرے یہ کہ انکے سایہ کی جگہ میں ایسا کرے (صحیح مسلم بروایت ابو ہریرہ وابوداؤد)، اس حدیث میں "اللاعنان" سے مراد ایسے دو کام ہیں جو اپنے کرنے والے کیلئے لعنت کا سبب بنتے ہیں وہ اس طرح کہ جو شخص لوگوں کے راستوں میں پیشاب یا پاخانہ کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کو اس تکلیف دہ حرکت کی وجہ سے لعنت و گالی کا نشانہ بناتا ہے اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین لعنت کا سبب بننے والے کاموں سے بچو یعنی (آبگاہوں، لوگوں کی گذرگاہوں اور لوگوں کے سایہ میں بیٹھنے کی جگہ) پر قضائے حاجت اور پیشاب پاخانہ کرنے سے پرہیز کرو۔ اس حدیث میں "الملاعن" سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں قضائے حاجت کرنے سے آدمی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے کیونکہ جو شخص ان مذکورہ جگہوں میں قضائے حاجت کرے گا تو

Marfat.com

یقیناً اس نے اپنے آپ کو لوگوں کی لعنت کا نشانہ بنالیا۔ اسی طرح حدیث میں "الظل" سے مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ سایہ میں بیٹھنے کی غرض سے قیام کرتے ہوں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۸۸)۔

اسکے بعد نقل مذاہب کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

حضرات شوافعؒ واحنافؒ نے فرمایا ہے کہ آبگاہوں، گذرگاہوں اور سایہ کی تمام جگہوں (مثلاً عام تفریح گاہوں جس میں آج کل پارکیں، تفریحی باغات، بسوں اور چھوٹی گاڑیوں کے اڈے واسٹاپس، ریلوے اسٹیشن، ہوائی اڈے اور عارضی اقامت گاہوں مثلاً ٹرمنل اور ویٹنگ رومز وغیرہ شامل ہیں) پر قضائے حاجت کرنا مکروہ ہے (اغلب یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہو لاطلاق لفظ الکراھۃ) اور یہ کراہت بھی جب ہے جبکہ مذکورہ جگہیں انہیں مقاصد کیلئے وقف شدہ نہ ہوں یا دوسرے کی ملک نہ ہوں لیکن اگر مذکورہ جگہیں مذکورہ اغراض کے لئے وقف شدہ ہوں یا دوسرے کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ان مذکورہ جگہوں پر قضائے حاجت کرنا حرام ہوگا، پس خلاصہ یہ ہیکہ ائمہ اربعہ عام پبلک مقامات کہ جن میں سے لوگ گذرتے ہیں اور آب گاہوں اور (آرام وسایہ حاصل کرنے کیلئے) مخصوص جگہوں پر قضائے حاجت کرنے کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔ بس فرق اتنا ہیکہ حضرات شوافعؒ واحنافؒ تو اس عمل کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتے ہیں۔ اور حضرات مالکیہؒ اور حنابلہؒ اس کام (قضائے حاجت اندریں مقامات) کی حرمت کے قائل ہیں، اور (یہ بات قابل غور ہے) کہ مذکورہ دونوں فتوے اس اثر اور نتیجہ کے تابع رہیں گے، جو اس عمل یعنی مذکورہ جگہوں پر قضائے حاجت سے پیدا ہوگا پس اگر ان جگہوں پر قضائے حاجت کی وجہ سے لوگوں کو شدید قسم کی تکلیف پہنچتی ہو یا صحت عامہ پر برے اثرات مرتب ہوں تو ان جگہوں پر قضائے حاجت کرنا بالاجماع حرام ٹھہرے گا، اس لئے کہ لوگوں کو نقصان پہنچانا، ان کو تکلیف دینا اور (اس قسم کی حرکت سے) بیماریاں پیدا کرنا انتہائی سختی کے ساتھ شرعاً ممنوع ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ جن حضرات (شوافعؒ، احنافؒ) نے اس حرکت کو مکروہ

Marfat.com

قرار دیا ہے انہوں نے ان جگہوں کو پیش نظر رکھا ہے جہاں وسیع اور خالی جگہیں (جنگل وغیرہ) موجود ہوں اور قضائے حاجت کے لئے الگ سے انتظامات نہ ہوں جس کی وجہ سے ضرر شدید لاحق ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا ہے (کیوں کہ جنگل وسیع ہے اور انتظام بھی الگ سے نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ معذور ہیں) (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۸۸)۔

۴- گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقے پر قابل استعمال بنانے کا حکم:

الف- گندے پانی وغیرہ کے استعمال کا حکم:

نجس پانی کے احکام اور اسمیں مذاہب فقہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) حضرات حنفیہؒ نے فرمایا کہ نجس چیزیں یا تو سیال و بہنے والی ہونگی جیسے پانی اور اس جیسی سیال چیزیں خون بھی اسی میں شامل ہے، یا پھر جامد وٹھوس ہونگی جیسے خنزیر، مردار اور نجس گوبر، پس جہاں تک (ان دوقسموں میں سے) پانی اور اس جیسی سیال چیزوں کا تعلق ہے تو ان کا استعمال کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنٰی ہیں:

۱- اس نجس پانی سے مٹی کا گارا بنانا اور اسی طرح اس پانی سے چونا، گچ اور سیمنٹ وغیرہ ملا کر استعمال کرنا، ۲- اس نجس پانی سے جانوروں کو سیراب کرنا اور انہیں پانی پلانا، لیکن یہ دونوں صورتیں اس شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ نجاست کی وجہ سے اس نجس پانی کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو۔

(۲) حضرات مالکیہؒ کے یہاں نجس پانی کو کھانے پینے وغیرہ میں استعمال کرنا تو ناجائز ہے لیکن اسکے علاوہ صورتوں میں نجس پانی استعمال کیا جا سکتا ہے (مثلاً گارا بنانا، جانوروں کو پانی پلانا وغیرہ) البتہ مساجد کی تعمیر میں یہ پانی استعمال نہیں ہو سکتا۔

(۳) حضرات شافعیہؒ فرماتے ہیں کہ پانی اور اس جیسی سیال نجس چیزوں سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنٰی ہیں: ۱- اس نجس پانی وغیرہ سے آگ بجھانا

Marfat.com

جیسے چولہوں میں جلنے والی آگ وغیرہ، ۲۔ جانوروں اور کھیتوں کو نجس پانی سے سیراب کرنا۔

(۴) حضرات حنابلہؒ فرماتے ہیں کہ نجس پانی کا استعمال جائز نہیں ہے مگر مٹی کا گارا بنانے اور چونے وغیرہ میں ملانے کے لئے نجس پانی کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ مسجد شریف یا نماز کیلئے عارضی جگہ (صفہ وغیرہ) اس گارے و چونے وغیرہ سے نہ بنائی جائے جسمیں نماز پڑھی جائے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ا ص ۴۳۔۴۴)

(ب) سیال اور جامد حلال چیزوں میں نجاست مل جانے کا حکم:

اور وہ نجاست جو حلال چیزوں سے مل جائے (خواہ سیال ہوں یا جامد) تو اسکے بارے میں اصل بنیاد وہ حدیث مشہور ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت میمونہؓ سے مروی ہے" کہ نبی کریم ﷺ سے اس چوہے کے متعلق سوال کیا گیا جو گھی میں گر جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو اس میں گرے ہوئے چوہے اور اس چوہے کے ارد گرد جو گھی ہے اسے پھینک دو اور باقی کھالو، اور اگر مذکورہ گھی پگھلا ہوا سیال ہو تو سارے کو پھینک دو یا اسکے قریب مت جاؤ (بخاری ۱/۲۹۶، موطأ مالک ۲/۹۷۱)۔

فقہاء امت کے کھانے پینے کی حلال چیزوں میں ملی ہوئی نجاست کے سلسلے میں دو موقف ہیں: ا۔ ایک رائے ان حضرات کی ہے جن کے نزدیک کھانے پینے کی حلال چیزوں میں نجاست کا خالی مل جانا ہی اس حلال چیز کے حرام ہونے کیلئے کافی ہے اگرچہ اس نجاست کے مل جانے کی وجہ سے اس حلال چیز کا رنگ، بو اور مزہ بھی تبدیل نہ ہوا ہو، یہی اس سلسلے میں مشہور مذہب ہے اور جمہور فقہاء امتؒ و ائمۂ اربعہؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ۲۔ دوسری رائے ان حضرات کی ہے جو ان حلال چیزوں کو اس وقت تک حرام قرار نہیں دیتے جب تک کہ ان میں ملی ہوئی نجاست کی وجہ سے ان حلال چیزوں کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو جائے۔ یہ اہل ظاہر کا قول ہے۔ اور امام مالکؒ سے ایک روایت ہے (بدایۃ المجتہد ۲/۲۱)۔

Marfat.com

(ج) ناپاک پانی کو پاک کرنے کا طریقہ:

ومنها استحالة عين النجاسة إلى صلاح، كصيرورة الخمر خلاً، ودم الغزال مسكاً ومنها حرق النجاسة بالنار على اختلاف المذاهب الحنفية قالوا: حرق النجاسة بالنار مطهر، الشافعية والحنابلة لم يعدوه من المطهرات، فيقولون: ان رماد النجس ودخانه نجسان، المالكية قالوا: ان النار لا تزيل النجاسة، واستثنوا رماد النجس على المشهور۔

(اور ان امور میں سے (کہ جن سے نجاست زائل کر کے اسے پاک کیا جاتا ہے) عین نجاست کا پاک چیز میں تبدیل ہو جانا ہے جیسے مثلاً شراب کا تبدیل ہو کر سرکہ بن جانا اور ہرن کی جھلی میں موجود خون کا مشک میں بدل جانا اور نجاست کو جلا کر اس کی ماہیت بدل دینا، مثلاً گوبر کو جلا کر راکھ کر دینا)۔

اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان درج ذیل اختلاف ہے:

۱۔ حضرات احناف" کے نزدیک نجاست کو آگ سے جلا کر اسے راکھ کر دینا اس نجاست کے لئے پاک ہو جانے کا باعث ہے، ۲۔ حضرات شافعیہ" اور حضرات حنابلہ" کے نزدیک یہ عمل باعث تطہیر نہیں ہے لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ نجس چیز (مثلاً گوبر وغیرہ) کی راکھ اور اس کا دھواں بدستور ناپاک ہیں، ۳۔ اور حضرات مالکیہ" کے نزدیک بھی اگرچہ آگ کسی نجس چیز کی نجاست کو زائل نہیں کرتی تاہم ان کے مشہور قول کے مطابق نجس چیز کی راکھ پاک ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۲۶-۲۷)۔

گذشتہ عبارتوں کا خلاصہ:

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرات مالکیہ اور حنفیہ سرکہ میں تبدیل شدہ شراب کی پاکی پر متفق ہیں خواہ یہ تبدیلی (شراب کا سرکہ میں بدل جانا) از خود ہو جائے یا کسی کے کرنے سے، البتہ دونوں

Marfat.com

مذاہب کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ شراب کے سرکہ میں تبدیل ہو جانے سے قبل ہی اگر مذکورہ شراب میں کوئی نجاست گر جائے تو کیا اب بھی (مذکورہ شراب جو کہ سرکہ میں تبدیل ہو گئی ہے) پاک ہو گی یا نہیں؟ چنانچہ مالکیہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مذکورہ تبدیل شدہ شراب پاک نہیں ہوگی (کیونکہ اس میں نجاست گر گئی ہے) لیکن حضرات احناف کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ (مثلاً اگر چوہا گر جائے تو) اگر پھولنے و پھٹنے سے قبل ہی وہ مذکورہ تبدیل شدہ شراب میں سے نکال کر پھینک دیا جائے اور اسکے بعد وہ شراب سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس صورت میں وہ شراب پاک ہو جائے گی (لیکن اگر شراب سرکہ میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس کے بعد چوہا گر جائے تو مذکورہ شراب سرکہ میں تبدیل ہو جانے کے بعد بھی نجس ہی رہے گی)، اور جہاں تک حضرات شافعیہ وحنابلہ کا تعلق ہے تو ان کا موقف یہ ہے کہ سرکہ میں تبدیل شدہ شراب اگر از خود شراب سے سرکہ میں بدل گئی ہو تو پاک ہے، لیکن اگر کسی کے تبدیل کرنے سے یہ شراب سرکہ میں بدل گئی ہے تو بدستور ناپاک رہے گی اسی طرح اگر شراب کے سرکہ میں بدلنے سے قبل اس میں کوئی نجاست گر جائے تو اس شراب کے سرکہ میں بدل جانے کے باوجود بھی وہ بدستور ناپاک ہی رہے گی (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۱۱)۔

اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی مکہ کی قرارداد:

نالیوں میں بہنے والے پانی سے اسکے فلٹر کرنے کے بعد پاکی حاصل کرنے کا حکم:

المجمع کے اس اجلاس میں اس سوال پر غور کیا گیا کہ جاری پانی کی صفائی کر دی جائے تو اس سے وضو اور غسل کیا جا سکتا ہے اور نجاست کا ازالہ اس پانی سے ہو جاتا ہے کہ نہیں؟

کیمیاوی طریقہ پر پانی کی صفائی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا، انہوں نے واضح کیا ہیکہ اس صفائی میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ترسیب ہے یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر

Marfat.com

الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹریاز کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹریاز دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا۔ ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے، یہ ماہرین مسلمان، عادل اور صدق وامانت میں قابل اعتماد ہیں۔

لہٰذا المجمع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اس جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا اور اس پانی سے رفع حدث (پاکی کا حکم) اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہو جائے گا کہ زیادہ پانی جس میں نجاست گر گئی ہو اگر نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اسکا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے (المجمع الفقہی الاسلامی کے دسویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ مؤرخہ ۱۳ تا ۱۹ رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۶ فروری ۱۹۸۹ کا پانچواں فیصلہ بحوالہ مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص ۲۶۲)۔

مذکورہ فیصلہ سے اختلاف کا نقطۂ نظر:

نالے کے صاف کئے گئے پانی کا مباح اور شرعی استعمال:

الحمد للہ وبعد

نالے دراصل اس غرض سے تیار کئے جاتے ہیں کہ لوگوں کیلئے دینی اور جسمانی اعتبار سے ضرر رساں چیزیں وہاں ڈال دی جائیں تاکہ پاکی حاصل رہے اور ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔

اب ایسے جدید وسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کے ذریعہ نالوں کے گندے پانی کو صاف وشیریں پانی میں تبدیل کر کے اسے مختلف شرعی اور مباح استعمال کے قابل بنا دیا جاتا ہے جیسے اس پانی سے پاکی حاصل کرنا، اس کو پینا، اسی سے سینچائی کرنا، اس ترقی کے پیش نظر جب نالے کے پانی کی ان علتوں اور اوصاف کی تحقیق کی جائے جن کی وجہ سے اس پانی کے استعمال کی ہر صورت یا بعض صورتیں ممنوع تھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نالے کے پانی میں درج

Marfat.com

ذیل علتیں ہوتی ہیں۔

اول: مزہ، رنگ اور بووالی نجس فضلات

دوم: متعدی امراض کے فضلات اور دواؤں و جراثیم کی کثافت،

سوم: گندگی اور خبائث جو نالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتے ہیں، اور اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑوں اور حشرات جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں، ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہیکہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ، مزہ اور بو بدل جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتیں اور نقصان دہ جراثیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

زراعتی محکمیں برابر یہ آگاہی دیتے رہتے ہیں کہ صاف کیے گئے اس پانی سے ان کھیتوں کو سیراب نہ کیا جائے جن کی سبزیاں بغیر پکائے کھائی جاتی ہیں، تو ایسے پانی کو براہ راست استعمال کرنا کیسا ہو سکتا ہے، جسم کی محافظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے، اس لئے کسی بیمار کو صحت مند کے ساتھ نہیں رکھا جاتا ہے اور جس طرح دین کی اصلاح کے ضرر رساں چیزوں کی ممانعت ہے جسم کی اصلاح کے لئے بھی مضر چیزوں کی ممانعت واجب ہے، اور اگر یہ علتیں زائل بھی ہو جائیں تو اپنی اصل کے اعتبار سے اس کی خباثت اور گندگی کی علت باقی رہتی ہے کیونکہ یہ پانی پیشاب اور پاخانہ سے کشید کیا جاتا ہے تا کہ اسے شرعیات اور عادات میں برابر طور پر استعمال کیا جائے۔

یہ معلوم ہے کہ شافعی مذہب میں اور حنابلہ کے معتمد مذہب میں استحالہ کی وجہ سے یہ طہارت کی طرح منتقل نہیں ہوتی۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں جلالہ (نجاست کھانے والے) پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دوہنے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے نیز دیگر علتیں بھی ان فقہاء کے پیش نظر ہیں۔

یہ بھی واضح ہے کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہوتے ہوئے مسئلہ پر علماء متقدمین

Marfat.com

میں جو اختلاف جاری ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے اور بالیقین انہوں نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ نالوں پر منطبق نہیں کیا ہے جس میں نجاستیں، گندگیاں، ڈسپنسری اور ہاسپٹل کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اور آج کے مسلمان ابھی اضطرار کی اس حالت کو نہیں پہنچے ہیں کہ پاخانہ کو صاف کر کے اسے طہارت حاصل کرنے اور اسکو پینے کیلئے دیا جائے، کافر ملکوں میں اسکو دولت سمجھنے کا تصور ہمارے لئے قابل اعتبار نہیں کہ ان کے طبائع کفر کی وجہ سے فاسد ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں یہ متبادل موجود ہے کہ سمندر کے پانی کو صاف کیا جائے اور اخراجات کے ایک بڑے حصہ کو اسطرح پورا کیا جائے کہ پانی کے استعمال کی قیمت اتنی بڑھادی جائے جس میں ضرر نہ ہوتا کہ پانی کے بے جا خرچ کی ممانعت کا قاعدۂ شرعی جاری کیا جائے (بکر ابوزید، رکن المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ)۔

اس مسئلہ میں صاحب بدائع الصنائع کی جامع تحریر:

إن النجاسة إذا تغيرت بمضى الزمان و تبدلت أوصافها تصير شيئا آخر، عند محمدؒ فيكون طاهراً، وعند ابى يوسفؒ لا يصير شيئا آخر فيكون نجساً و على هذا الأصل مسائل بينهما منها: الكلب إذا وقع فى الملاحة والجمد والعذرة إذا أحرقت بالنار وصارت رماداً، وطين البالوعة إذا جف وذهب أثره، والنجاسة إذا دفنت فى الأرض وذهب أثرها بمرور الزمان وجه قول أبى يوسفؒ: إن أجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت الطهارة مع بقاء العين النجسة، والقياس فى الخمر إذا تخلل أن لا يطهر لكن عرفناه نصا بخلاف القياس، بخلاف جلد الميتة، فإن عين الجلد طاهرة، وإن من نجس ما عليه من الرطوبات وإنها تزول بالدباغ، وجه قول محمدؒ: إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت (بدائع الصنائع ۱/ ۲۴۳ بیان ما یقع بہ التطہیر)۔

Marfat.com

(بیشک نجاست جب وقت گذرنے کے ساتھ تبدیل ہو جائے اور اسکے اوصاف بدل جائیں تو وہ (پہلی حقیقت سے) بدل کر دوسری چیز بن جاتی ہے امام محمدؒ کے نزدیک (یعنی اس کی حقیقت بدل جانے کی وجہ سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے) لہٰذا امام محمدؒ کے نزدیک ایسی نجاست پاک ہو جاتی ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں (مذکورہ نجاست تبدیل ہو کر دوسری چیز نہیں بنتی) لہٰذا گندی ہی رہتی ہے پاک نہیں ہوتی اور اس اصولی اختلاف کی بنا پر ان دونوں حضرات کے درمیان چند مسائل میں اختلاف ہے جن میں سے ایک اختلاف کتے کے بارے میں ہے جبکہ وہ نمک کی کان اور برف میں گر جائے، اسی طرح پاخانہ جبکہ اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے، بدرو (نجاست کا گڑھا یا نالی) کی مٹی خشک ہو کر نجاست کا اثر اس میں سے ختم ہو جائے۔ زمین میں مدفون نجاست کا مرور زمانہ کی وجہ سے اثر ختم ہو جانے کے بارے میں ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مذکورہ چیزیں بدستور نجس رہیں گی کیونکہ نجاست کے اجزاء بالکلیہ ختم نہیں ہوئے ہیں (صرف نجاست کا اثر ختم ہوا ہے) لہٰذا عین نجاست کے باقی رہنے کی وجہ سے پاکی ثابت نہیں ہوگی اور جہاں تک شراب کے سرکہ بن جانے کی صورت پر قیاس کا تعلق ہے تو اگرچہ قیاس کی رو سے وہاں بھی مذکورہ شراب ناپاک ہی رہتی ہے اور پاک نہیں ہوتی لیکن نص شرعی کی وجہ سے ہم وہاں قیاس پر عمل کو چھوڑ دیتے ہیں اور مردار کی کھال جو دباغت کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہے وہاں بھی ہمارا جواب یہ ہے کہ عین مردار کی کھال نجس نہیں ہے بلکہ اس کھال کے اوپر جو رطوبتیں خون وغیرہ ہے وہ ناپاک ہیں تو جب دباغت کی وجہ سے کھال سے وہ زائد رطوبتیں ختم ہو گئیں تو مردار کا چمڑہ اپنی اصل پاکی کی حالت پر واپس آکر پاک ہو گیا۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مذکورہ اشیاء (کتے کا نمک کی کان میں گر جانا، پاخانے کا جل کر راکھ ہو جانا) میں استحالہ (انقلاب عین) (کسی چیز کی حقیقت کا بدل جانا) پایا جا رہا ہے، نیز ان چیزوں کے بنیادی اوصاف و معانی بھی بدل چکے ہیں لہٰذا وہ نجس ہونے کی صفت سے نکل جاتے ہیں کیونکہ جن اوصاف کی وجہ سے ان کی ذات قائم تھی وہ اوصاف ہی منعدم ہو، ختم ہو چکے ہیں لہٰذا یہ چیزیں بھی اس شراب کی مانند اپنی حقیقت و

Marfat.com

حکم بدل چکے ہیں جو سرکہ میں تبدیل ہو گیا ہو)۔

مسئلہ ہذا پر علامہ حصکفیؒ وعلامہ شامیؒ کے موقف کا خلاصہ:

(لا) يكون نجساً (رماد قذر) وإلا لزم نجاسة الخبز في سائر الأمصار (و) لا (ملح كان حماراً) أو خنزيراً ولا قذر وقع في بئر فصار حمأة لانقلاب العين، به يفتىٰ قوله: (لانقلاب العين) علة للكل، وهذا قول محمد، وذكر معه في الذخيرة والمحيط أبا حنيفة 'حليه' قال في الفتح: وكثير من المشائخ اختاروه، وهو المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل؟ فإن الملح غير العظم واللحم فإذا صار ملحاً ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس ويصير خلاً فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها [تنبيه] يجوز أكل ذلك الملح والصلوة على ذلك الرماد كما في المنية وغيرها۔

(نجس چیزوں کی راکھ نجس نہیں ہے ورنہ تو تمام شہروں کی پکی ہوئی روٹیوں کا نجس ہونا لازم آئے گا (یعنی جب وہ روٹیاں سوکھے ہوئے گوبر کے ٹکڑوں اور اوپلوں کی آگ سے پکائی جاتی ہیں تو ظاہر ہیکہ راکھ کو نجس ماننے کی صورت میں وہ روٹیاں بھی نجس ہو جائیں گی) نہ وہ نمک نجس ہے جو پہلے گدھا تھا (پھر نمک میں گر کر وہ گدھا بھی نمک بن گیا) یا خنزیر تھا لیکن پھر نمک کی کان میں گر کر وہ بھی نمک بن گیا، اور نہ وہ نجاست ناپاک ہے جو کنویں میں گر کر کیچڑ یا کالی بدبو دار مٹی بن گئی ہو کیونکہ ان سب صورتوں میں انقلاب عین ہو گیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے (یعنی نجاست کی ذات وصفات بالکل بدل گئے ہیں جسکی وجہ سے حکم بھی بدل گیا) اس کے تحت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں (لانقلاب العین) تمام مذکورہ صورتوں کے لئے علت (اور وجہِ پاکی) ہے، یہ

Marfat.com

حضرت امام محمدؒ کا قول ہے، اور ''ذخیرہ'' و''محیط'' نامی فقہی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے (حلیہ) اور صاحب فتح القدیر (علامہ ابن ہمامؒ) نے فرمایا کہ بہت سارے مشائخ رحمہم اللہ نے اس قول کو پسند کیا ہے اور یہ قول ہے بھی لائق پسندیدگی، اس لئے کہ شریعت نے مذکورہ چیزوں میں نجاست کے حکم کو ان چیزوں کی بنیادو حقیقت یعنی گندگی و ناپاکی کی وجہ سے نجس قرار دیا ہے اور جب اس بنیاد و حقیقت (نجاست) کے بعض اجزاء اسکے مفہوم سے خارج ہو جائیں تو پھر یہ حقیقت (نجاست) ختم بھی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ اسکے سارے اجزاء ہی اسکے بنیادی مفہوم سے نکل جائیں (اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ اس نجاست پر پاکی کا حکم لگائیں گے) پس بیشک جو نمک مذکورہ صورت میں گدھے اور خنزیر کی ہڈیوں اور گوشت سے تبدیل ہو کر نمک بن چکا ہے وہ بہر حال اب نمک ہی ہے (نہ کہ مذکورہ ہڈیوں و گوشت و پوست پر مشتمل نمک میں تحلیل ہونے سے پہلے والا گدھا و خنزیر) لہٰذا اب اس تبدیل شدہ گدھے اور خنزیر پر موجودہ بدلی ہوئی شکل یعنی نمک ہی کا حکم مرتب ہوگا اور اسکی مثال شریعت مقدسہ میں ''نطفہ'' ہے جو ابتدا میں نجس تھا پھر ''علقہ'' خون کا لوتھڑا بنا تب بھی نجس تھا پھر جب تبدیل ہو کر ''مضغہ'' گوشت کا ٹکڑا بن گیا تو پاک ہو گیا۔ ایسے ہی انگور کا شیرہ پہلے پاک تھا پھر شراب بن کر نجس ہو گیا پھر یہی شراب جب سرکہ میں تبدیل ہوئی تو پاک ہو گئی۔ اس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کی حقیقت بدل جانے سے اس چیز پر مرتب شدہ سابق حکم کا بدل جانا بھی لازمی بات ہے (لہٰذا اگر پہلے وہ نجس تھی تو اب حقیقت بدل جانے کی وجہ سے پاک ہو جائے گی)۔

انتباہ: اوپر ذکر کیے گئے نمک (یہاں گدھے اور خنزیر کے نمک بن جانے کی مذکورہ بحث کی طرف اشارہ ہے) کا کھانا جائز ہے اور مذکورہ راکھ پر بھی نماز پڑھنا درست ہے جیسا کہ منیہ وغیرہ میں ہے (ردالمحتار علی الدر المختار ۱/ ۵۳۳-۵۳۴)۔

تقریباً اسی جیسے مسئلہ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کی اہم راہ نمائی بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے:

Marfat.com

(الف) تجزیہ کی صورت کا حکم

ایک چیز ہے کسی شی کی ماہیت اور حقیقت کو تبدیل کر دینا اور دوسری اس کا تجزیہ کر گذرنا (decompose)، اگر کسی چیز کی حقیقت ہی یکسر بدل دی جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے، اور اگر محض اس کے بعض اجزاء کسی طرح الگ کر لئے جائیں تو اسکی وجہ سے اسکے احکام نہیں بدلیں گے۔ مثلاً پاخانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تب وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی۔

شراب میں نمک ڈال کر سرکہ بنا دیا جائے تو اسکی حرمت اور ناپاکی ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی طرح سائنٹیفک طریقے پر اس کے بعض اجزاء نکال لئے جائیں جس سے بو ختم ہو جائے گی تو اسکے باوجود وہ ناپاک رہے گا۔

پیشاب فلٹر (Filter) کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لئے جاتے ہیں اس لئے وہ ناپاک ہی رہے گا، اس کا پینا یا وضو وغسل وغیرہ کیلئے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصہ کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا (جدید فقہی مسائل ص ۱۰۸)۔

(ب) پیشاب کا نمک

پیشاب کو پکا کر اس کی "شوریت" کو نکال کر نمک بنا دیا جاتا ہے۔ اس نمک کا کھانا درست ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ایک اصول سمجھ لینا چاہئے دو چیزیں ہیں، اور دونوں کے احکام جداگانہ ہیں۔ ایک ہے حقیقت کا بدل جانا، جس کو فقہاء "استحالہ" وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں، دوسرے ایک شی کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا جس کو "تجزیہ" کہا جا سکتا ہے۔ کسی شی کی حقیقت بدل جائے تو احکام بدل جاتے ہیں۔ مگر محض "تجزیہ" سے احکام نہیں بدلتے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہاں حقیقت ہی بدل گئی ہے یا صرف مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے نمک کو بھی الگ کر دیا گیا ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں اس کا کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو ناپاک اور حرام ہی سمجھا جائے (جدید فقہی مسائل ص ۱۱۴)۔

Marfat.com

خلاصۂ کلام: گزشتہ تمام مباحث کی روشنی میں کیمیاوی طریقہ سے قابل استعمال بنائے گئے پانی کے متعلق کوئی واضح حکم سامنے نہیں آیا ہے لہٰذا یہ ''مشکوک'' کے حکم میں داخل ہونا چاہئے: "والقول بالتوقف فی مثل هذا لتعارض الأدلة دليل العلم وغاية الورع" (حاشیہ نور الایضاح ص ۲۷)، لیکن پانی کی قلت اور شدید ضرورت وحاجت کی صورت میں اس پانی سے پینے کے علاوہ دیگر استفادہ درست ہوگا، البتہ حالت اضطرار میں پینے کی بھی اجازت ہوگی چنانچہ شامی کی درج ذیل عبارت اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے:

(وطين شارع) "عفو" وفي الفيض: طين الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطاً بالعذرة وتجوز الصلوة معه. والحاصل ان الذی ينبغی انه حيث كان العفو للضرورة وعدم إمكان الاحتراز أن يقال بالعفو وإن غلبة النجاسة ما لم ير عينها ولو أصابه بلا قصد وكان ممن يذهب ويجئ، وإلا فلا ضرورة۔

(اور راستے کا کیچڑ (نماز کے جواز کے سلسلے میں) معاف ہے اور ''فیض'' میں ہے کہ راستوں کا کیچڑ معاف ہے اگرچہ اس سے کپڑے بھی بھر جائیں ضرورت شرعیہ کی وجہ سے، اگرچہ یہ کیچڑ گندگیوں کے ساتھ بھی خلط ملط ہو تب بھی اس کے ہوتے ہوئے نماز درست وجائز ہے، اور اس سلسلے میں مناسب بات یہ ہے کہ جب تک ضرورت شرعیہ ہو اور راستوں کی نجاست سے بچنا ممکن نہ ہو تو معاف ہونے کا موقف اپنایا جائے اگرچہ اس کیچڑ پر نجاست کا غلبہ ہو جب تک کہ عین نجاست کو نہ دیکھے، اگر یہ کیچڑ بلا قصد وارادہ اس کے کپڑوں میں لگ جائے اور وہ شخص جس کو کیچڑ لگا ہے ایسے کیچڑ والے راستوں سے آنے جانے والا ہو ورنہ ضرورت متحقق نہ ہوگی (رد المحتار مع الدر المختار ۱/ ۵۳۰-۵۳۱)۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں موجود پانی کا حکم:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) جمع کیا ہوا پانی خواہ وہ بارش وبرف کا جمع کیا ہوا ہو یا کسی حوض یا ٹنکی وغیرہ میں یا سرکاری سپلائی سے آیا ہوا

Marfat.com

پانی ہو جسے حوض یا ٹنکی وغیرہ میں جمع کیا ہو، اس صورت کا حکم تو اوپر تفصیلاً گذر چکا ہے، (۲) مملوکہ زمین میں پانی کنویں، چشمے یا حوض کی شکل میں ہو تو اس کا حکم درج ذیل ہے:

چشموں، کنووں اور حوضوں کے پانی کی ملکیت کا حکم:

ماء العيون والآبار والحياض: وهو الذى يستخرجه الشخص لنفسه، وحكمه عند الحنفية انه ليس بمملوك لصاحبه، بل هو مباح فى نفسه ولصاحبه حق خاص فيه، سواء اكان في أرض مباحة، أو مملوكة، لأن الماء فى الأصل مباح لجميع الناس، لقوله ﷺ: "الناس شركاء فى ثلاث: الماء والكلأ والنار" وعليه فانه يثبت فيه حق الشفة، دون حق الشرب، فالأول لا يختص بشخص دون آخر، فهو لمستحقه، ولغيره من الناس، يأخذون منه حاجتهم لشربهم وشرب دوابهم استعمالهم المنزلى، فإن أبى صاحبه كان للمحتاج أخذه جبراً، ولو بالقوة، وله أن يقاتله بسلاح، لأن الماء فى البئر مباح غير مملوك، ولكن يشترط أن لا يجد المحتاج ماء آخر قريباً منه. والدليل لحق المحتاج: إن قوماً سفراً وردوا ماءً، فطلبوا من أهله السماح لهم بالشرب منه و يسقى دوابهم التى كادت أن تهلك من العطش، فأبوا، فذكروا ذلك لعمر ابن الخطابؓ فقال: "هلا وضعتم فيهم السلاح" (الخراج لأبى يوسفؒ)..... وقال الشافعية فى الأصح عندهم:(مغنى المحتاج) يملك الشخص ماء البئر المحفورة فى الأرض الموات للتملك، أو المحفورة فى ملك خاص، لأنه نماء ملكه، كالثمرة واللبن والشجر النبات فى ملكه ولا يلزم المالك عند الشافعية بذل ما فضل عن حاجته لزرع وشجر، ويجب بذل الفاضل منه عن شربه وشرب ماشيته، وزرعه لشرب غيره من الآدميين ولماشية غيره على الصحيح (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۶۶۲-۴۶۶۳)۔

Marfat.com

(چشموں، کنوؤں اور حوضوں کے پانی سے مراد وہ پانی ہے جس کو کوئی شخص اپنے ذاتی استعمال کی غرض سے نکالے اور اس پانی کا حکم حضرات احناف ؒ کے یہاں یہ ہے کہ یہ پانی اپنے لئے نکالنے یا نکلوانے والے کی ملکیت نہیں ہے بلکہ فی نفسہ (ہر ایک کے لئے) مباح ہے؛ البتہ مذکورہ شخص کو اس پانی میں خاص حق حاصل ہے اور مذکورہ حکم بہرحال واجب العمل ہے خواہ یہ پانی مباح (افتادہ) زمین (جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتی) میں ہو یا کسی کی ملکیتی زمین میں۔ اسلئے کہ پانی بنیادی طور پر شرعاً سب لوگوں کیلئے مباح ہوتا ہے دلیل اسکی وہ فرمان رسول ﷺ ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "سب لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں: ا۔ پانی ۲۔ گھاس (خودرو) ۳۔ آگ" (ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی واحمد) چنانچہ اس حدیث کی بنا پر مذکورہ پانی اپنے لئے نکالنے یا نکلوانے والے کیلئے اس پانی میں ایک مخصوص حق ہوگا اور وہ ہے "حق شرب"، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس پانی سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد اپنی زمین، کھیتی و درختوں کی سینچائی و سیرابی کیلئے بھی اس کا استعمال کرسکتا ہے جبکہ دیگر لوگ اس مخصوص حق میں اس کے شریک نہیں ہونگے بلکہ صرف اپنے پینے، اپنے جانوروں کو پلانے اور اپنے ضروری گھریلو استعمال کے لئے ہی اس پانی سے استفادہ کرسکتے ہیں تاہم لوگوں کا یہ حق (حق شفہ) مذکورہ پانی میں اسقدر مؤکد ہے کہ اگر اس پانی کو اپنے لئے نکلوانے والا شخص لوگوں کو یہ حق دینے سے انکار کردے تو واقعی ضرورت مند شخص کیلئے جبراً اپنا یہ حق وصول کرنا جائز ہے اگرچہ اس سلسلے میں اسے اپنی طاقت واسلحہ کا بھی استعمال کرنا پڑے کیونکہ مذکورہ کنویں (یا حوض وچشمہ) کا پانی سب کیلئے شرعاً مباح ہے اور کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہے لیکن (جبراً اپنا حق قوت واسلحہ کے بل پر حاصل کرنے کے لئے) یہ شرط ہے کہ واقعی ضرورت مند شخص اس پانی کے علاوہ کوئی ایسا دوسرا پانی نہ پائے جو اسکے قریب ہو اور اس واقعی محتاج شخص کیلئے اس حق کو ثابت کرنے کیلئے یہ دلیل ہے کہ (عہد فاروقی میں) ایک مسافر قوم کا گذر (اسی قسم کے) ایک پانی پر ہوا چنانچہ انہوں نے اس پانی سے وابستہ لوگوں سے اپنے پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کیلئے جو

Marfat.com

پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے پانی طلب کیا مگر انہوں نے انکار کر دیا، بعد میں جب ان پانی مانگنے والے لوگوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے اسکا تذکرہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جب انہوں نے انکار کیا تھا تو تم لوگوں نے اس موقعہ پر اپنے ہتھیار کیوں نہ اٹھا لئے؟ (الخراج لابی یوسفؒ)، اور اس مسئلہ میں حضرات شافعیہؒ کے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے (مغنی المحتاج) کہ افتادہ زمین میں کھودے ہوئے کنویں کا پانی کھودنے وکھدوانے والے کی ملکیت بن جاتا ہے اسی طرح اپنی خاص ملکیتی زمین میں کنواں بنانے کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ پانی کنواں بنانے والے کی ملکیت ہے؛ کیونکہ جس طرح سے زمین کی پیداوار پھل، درخت وغیرہ اور اپنی ملکیتی گائے کا دودھ آدمی کی اپنی ملکیت میں ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ کنووں کے پانی کا بھی حکم ہے، تاہم صحیح قول کے مطابق شوافع کے یہاں بھی اگرچہ پانی کی ملکیت کی بنا پر اپنی ضروریات سے زائد پانی دوسروں کو (حق شرب) کھیتی و درختوں کو سیراب کرنے کیلئے دینا مذکورہ شخص پر لازم نہیں ہے لیکن اسپر واجب ہیکہ اپنے پینے کی ضروریات پوری کر کے، اپنے جانوروں کو سیراب کرنے اور اپنی زمین وغیرہ کو سیراب کرنے کے بعد جو پانی بچا رہے اسے انسانوں اور جانوروں کے پینے کیلئے خرچ کرے)۔

فقہاء امت کی ان تصریحات سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوتے ہیں:

چونکہ مملوکہ زمین میں پانی جس صورت میں بھی ہو بہر حال مذکورہ بالا احادیث مبارکہ وآثار صحابہؓ اور فقہاء امت کی تصریحات کے مطابق مالک زمین کو اس پانی میں (حق شفہ) اپنے پینے، جانوروں کو پلانے اور گھر کی ضروریات پوری کرنے کا حق اور (حق شرب) اپنی کھیتی، اور درختوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے لہٰذا وہ اسی کی ملکیت ہے نہ کہ حکومت کی اور جب اسکی ملکیت ہے تو حکومت اس مالک کو اپنی زمین میں بورنگ کرانے سے قطعاً منع نہیں کر سکتی نہ شرعاً حکومت کو اس منع کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی یہ حکم حکومت کا واجب العمل ہے۔

باقی جہاں تک پانی کی سطح نیچے چلے جانے کا معاملہ ہے تو حکومت اسکے لئے مفاد عامہ

Marfat.com

کے تحت کوئی دوسری قسم کی جائز کاروائی یا اقدامات کرسکتی ہے اور لوگوں کے واجب حقوق میں مداخلت کئے بغیر ہی اس کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوگا تاکہ انفرادی املاک کا تحفظ بھی ہو جائے اور مفاد عامہ وصحت عامہ بھی متاثر نہ ہوں۔

۸- مفاد عامہ اور اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا:

انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے چوتھے اجلاس منعقدہ جدہ، سعودی عرب مورخہ ۱۸ تا ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۶ تا ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء میں اس موضوع پر پیش کئے گئے مقالات کو بغور دیکھا، چونکہ انفرادی ملکیت کا احترام شریعت میں ایک مسلمہ اصول ہے، بلکہ اسے دین کے ناقابل انکار قطعی احکام میں شمار کیا گیا ہے، مال کی حفاظت ان پانچ ضروریات میں سے ہے جن کی رعایت شریعت کے مقاصد میں داخل ہے، اور ان کی حفاظت پر قرآن وسنت کی متعدد نصوص وارد ہیں، دوسری جانب سنت نبوی، صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والوں کے عمل سے یہ بات ثابت ہیکہ مفاد عامہ کے پیش نظر عوامی املاک کو حاصل کیا جاسکتا ہے، نیز یہ مصالح کی رعایت کے سلسلہ میں شریعت کے عمومی قواعد، اجتماعی حاجت کو ضرورت کا درجہ حاصل ہونے اور اجتماعی ضرر کو دور کرنے کیلئے انفرادی ضرر کو گوارا کرنے سے متعلق اصول پر مبنی ہے، ان تفصیلات کی روشنی میں اکیڈمی طے کرتی ہیکہ:

اول: انفرادی ملکیت کی رعایت اور کسی بھی زیادتی سے اسکا تحفظ ضروری ہے، انفرادی ملکیت کے دائرے میں تنگی پیدا کرنا یا اسے ختم کر دینا جائز نہیں ہے، مالک کو اپنی املاک پر اختیار حاصل ہے، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اسے ہر طرح کے تصرف اور انتفاع کا حق ہے۔

دوم: مفاد عامہ کی خاطر عوامی اراضی کا حصول صرف درج ذیل شرعی شرائط اور ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ہی جائز ہوسکتا ہے:

۱- املاک کا فوری اور ایسا عادلانہ معاوضہ دیا جائے جسکی تعیین ماہرین وواقف کار کریں

Marfat.com

اور جو اسکی بازاری قیمت سے کم نہ ہو۔

۲- سربراہ یا اسکے نائب ہی کو املاک کے حصول کا اختیار ہوگا۔

۳- یہ حصول کسی ایسے مفاد عام کے لئے ہو جو اجتماعی حاجت کے درجہ کی ہو، کہ یہ بھی ضرورت کے حکم میں ہوتی ہے جیسے مساجد، راستے اور پل۔

۴- مالک سے حاصل کی جانے والی املاک کو عمومی یا خصوصی سرمایہ کاری میں نہ لگایا جائے اور یہ کہ اسے وقت سے پہلے حاصل نہ کیا جائے۔

اگر یہ شرائط یا ان میں سے بعض شرائط بھی نہ پائے جائیں تو اراضی کا حصول ظلم ہوگا اور غصب قرار دیا جائے گا، جس سے اللہ اور اس کے رسول علیہ نے منع فرمایا ہے۔

اگر حاصل شدہ املاک کو مذکورہ مفاد عام میں استعمال کرنے کی رائے باقی نہ رہے تو اصل مالک یا اس کے ورثاء ہی مناسب معاوضہ پر اس کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہوں گے۔ واللہ اعلم

....درج بالا فیصلہ کی رو سے چونکہ ڈیم کی تعمیر بھی مفادعام اواجتماعی حاجت کے درجہ کی چیز ہے لہذا درج بالا شرائط کے ساتھ حکومت وقت تعمیر ڈیم کیلئے کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کر سکتی ہے۔

۹- تباہ کن سیلاب کی صورت میں باندھ کو کاٹ دینے کا حکم:

للانتفاع بالمياه أحكام عامة أهمها ما يأتي:

۱ - المحافظة على حافة البئر أو العين أو النهر (مجرى الماء مطلقاً) فإن لم يفعل كان لصاحب المجرى منعه من الانتفاع دفعاً للضرر عنه، عملاً بالحديث النبوى: "لا ضرر ولا ضرار" ومن الضرر تسرب الماء إلى أرض الجار على وجه غير معتاد، وعليه الضمان إذا كان متعدياً. قال الحنفية: ولا يضمن من ملأ أرضه ماء فنزت أرض جاره أو غرقت، اى فى حال سقى المعتاد الذى تتحمله الأرض عادةً لأنه متسبب غير معتد، فإن كان سقى غير معتاد، ضمن وعليه الفتوىٰ (تكملة الفتح، الدر المختار، الأموال ونظرية العقد فى الفقه الإسلامي بحواله الفقه الاسلامى وادلته ۶/۴۶۶۲)۔

Marfat.com

(پانی سے نفع اٹھانے کے سلسلے میں شریعت کے کچھ عام احکام ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۱- کنویں، چشمے اور نہر و دریا کی منڈیر اور پانی گذرنے کی جگہوں کی حفاظت کرنا ان چیزوں کا پانی استعمال کرنے والے پر لازم ہے، اگر وہ حفاظت نہیں کرتا (بلکہ الٹا نقصان کرتا ہے) تو پانی کے مالک (فرد، افراد یا قوم) کے لئے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کی غرض سے ایسے شخص کیلئے پانی سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ بننے کی اجازت ہے اور اسکا مقصد حدیث نبوی "لا ضرر ولا ضرار" نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ پر عمل کرنا ہوگا، پھر نقصان پہنچانے کی ایک خاص صورت پڑوسی کی زمین میں عام معمول سے زیادہ مقدار میں پانی بھر دینا ہے اور مذکورہ صورت میں پڑوسی کے خلاف زیادتی ثابت ہو جانے پر ضمان لازم ہوگا، حضرات احناف ؒ نے یہی حکم بیان فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے)۔

عبارت مذکورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہیکہ تباہ کن سیلاب آنے کی صورت میں جبکہ کوئی بستی غرق ہونے کے قریب ہو اپنے طور پر اس بستی والوں کا پانی ذخیرہ کرنے اور روکنے کے لئے تعمیر شدہ باندھ کو شگاف وغیرہ ڈال کر کاٹ دینا شرعا درست نہیں ہے اس لئے کہ "لا ضرر ولا ضرار" کے اصول کے تحت اگر پڑوسی کی زمین میں دوسرے پڑوسی کا غیر معتاد اور معمول سے زائد پانی بھر دینا ایسا جرم ہے جس کی وجہ سے ضمان لازم آتا ہے حالانکہ یہاں صرف مالی انفرادی نقصان کا خطرہ ہے یعنی پڑوسی کی پیداوار وغیرہ کا نقصان اور باندھ کاٹ دینے کی صورت میں بستیوں کی بستیاں ویران اور برباد ہو جاتی ہیں، بیشمار جانی و مالی نقصانات ہوتے ہیں، وبائی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں اور لاکھوں انسان اور جانور بے خانماں، برباد اور بے سہارا ہو کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں لہٰذا مذکورہ بستی والوں کا از خود ایسا اقدام کرنا قطعا درست نہیں ہے؛ کیونکہ اگر اس بات کی اجازت دی جائے تو بہت زیادہ مفاسد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے خصوصا جب کہ خیر

Marfat.com

القرون سے بُعد کی بنا پر خوف خدا، تصور آخرت اور ایثار و ہمدردی کے مبارک جذبات میں نمایاں کمی آچکی ہے البتہ حکومت کی اہم ذمہ داری ہے کہ ایسے موقعہ پر نہایت دیانتداری، انسان دوستی اور خوف خدا کے ساتھ سنجیدہ کوششیں کر کے زیر آب آنے والی پہلی بستی کے انخلا، ان کی باعزت باز آبادکاری اور تمام علاقہ کو سیلاب سے بچانے کی خاطر نہایت حکیمانہ و عادلانہ منصوبہ بندی اور اس پر فوری و دیانت دارانہ عمل آوری کو یقینی بنائے، اس سلسلہ میں اگر حکومت کو اجتماعی مصالح اور مفاد عامہ کے تحت کوئی بھی بستی خالی کر کے شگاف ڈال کر باندھ کا پانی اس بستی کی طرف پھیرنا پڑ جائے تو حکومت ایسا کر سکتی ہے اس سلسلہ میں درج ذیل عبارت قابل غور ہے:

یجب علی المنتفع إمرار الماء من طریق عام إن وجد، فإن لم یوجد، کان علی صاحب الطریق الخاص الإذن بإمرار الماء، أو إخراج حاجته من الماء لقول عمرؓ لمحمد بن مسلمةؓ حینما شکاه الضحاک بن خلیفة الذی أراد إمرار ماء من أرض بن مسلمة: "والله لیمرّنّ به ولو علی بطنک" (تنویر الحوالک شرح موطأ بحوالہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۶/۴۶۶۶-۴۶۶۷)۔

(پانی سے نفع اٹھانے والے کے لئے پانی کے لئے مقرر شدہ عام گذرگاہ (نالی، نالہ وغیرہ) سے ہی پانی گذارنا ضروری ہے لیکن اگر وہ موجود نہ ہو تو اگر اس پانی کو کسی خاص آدمی کے ملکیتی راستے سے گذارنا ضروری ہو تو اس آدمی کو اپنے خاص راستے سے پانی گذارنے کی اجازت دینا لازم ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم یہ پانی ضرور گذرے گا اگر چہ تمہارے پیٹ پر سے ہی ہو کر گذرے، اور یہ آپؓ نے اس وقت فرمایا تھا جب ضحاک بن خلیفہ نے آپؓ سے محمد بن مسلمہ کی یہ شکایت کی کہ وہ اسے اپنے خاص راستے سے پانی گذارنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے)۔

الغرض باندھ میں شگاف ڈال کر کسی بستی کا اپنے کو بچانا اور اپنے سے کئی گنا بڑے نشیبی علاقے کو ہلاکت میں ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اس مصیبت سے نمٹنے میں حکومت وقت ہی مفاد عامہ کے پیش نظر اس قسم کا کوئی بھی مناسب و ضروری قدم اٹھا سکتی ہے۔

Marfat.com

۱۰، ۱۱، ۱۴- دریا، ندی، عوامی تالاب اور چشموں سے استفادہ کی حدود اور خشک شدہ تالاب وغیرہ میں پلاٹنگ کرنے کا حکم:

عام نہروں کا پانی: اس سے مراد وہ پانی ہے جو عام آبی گذر گاہوں میں جاری و رواں ہوتا ہے، جو کسی کی خاص ملکیت میں نہیں ہوتا بلکہ ساری قوم کی ہی ملکیت ہوتا ہے، مثلاً نیل، دجلہ، فرات اور اسطرح کی عظیم ندیاں اور دریا (گنگا، جمنا، برہم پتر، راوی، جہلم وغیرہ)، اور اس پانی کا حکم یہ ہے کہ ان نہروں اور دریاؤں میں کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہے، نہ ان کے پانی میں اور نہ اس پانی کی گذر گاہوں میں بلکہ اس پانی میں تمام جماعت اور قوم کا حق ہے اور ہر فرد کے لئے فائدہ اٹھانا درست و جائز ہے خواہ یہ فائدہ خود پینے اور جانوروں کو پلانے کے طور پر اٹھائے یا اپنی کھیتیوں اور درختوں کی سینچائی کر کے یہ نفع حاصل کرے، اسی طرح ان دریاؤں کے پانی میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں کاٹنے، اور اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لئے پانی کھینچنے کے آلات (مثلاً موٹر، جنریٹر وغیرہ) ان پر نصب کرنے، اور اسی طرح کے دیگر نفع بخش طریقے اپنا کر ان دریاؤں سے پانی حاصل کرنے کی بھی شرعاً اجازت ہے اور کسی حاکم و افسر کے لئے ان مذکورہ صورتوں میں پانی سے نفع اٹھانے پر کسی شخص کے حق میں پابندی لگانا اور منع کرنا اس وقت تک قطعاً ناجائز ہے جب تک کہ اسکا کوئی کام متعلقہ نہر و دریا کسی دوسرے شخص یا پوری قوم کیلئے ضرر رساں نہ ہو، لہٰذا اگر واقعی اس شخص کا کوئی فعل دریا، کسی فرد یا پوری قوم کیلئے مضر ثابت ہو جائے تو مسلمانوں میں سے ہر فرد کے لئے ایسے شخص کو اس مضر کام سے روکنا اور اسکے اس ناجائز تصرف میں ضرر عام کو دور کرنے کے لئے رکاوٹ ڈالنا جائز و درست ہے؛ کیونکہ بنیادی طور پر یہ پانی عام مسلمانوں (اور لوگوں) کا حق ہے اور جو شریعت کی طرف سے مذکورہ بالا تصرفات اور نفع اٹھانے کی صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں وہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ایسا کرتے ہوئے کسی دوسرے کو یا پوری قوم کو ضرر لاحق نہ ہو جیسا کہ "مرافق عامہ" (عمومی مفادات و حقوق) سے نفع اٹھانے کے بارے میں شریعت نے ہدایت دی ہے اس لئے "نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ خود

Marfat.com

نقصان اٹھاؤ'' کے شرعی اصول کے تحت ہی ان چیزوں سے نفع اٹھانا ضروری ہے، اوران نہروں وغیرہ کے کسی کی خاص ملکیت نہ ہونے نیز ان میں سب کا مشترک حق ہونے کے سلسلے میں ہمارے پاس حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ مبارک فرمان بطور دلیل موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں: (۱) پانی (بشرطیکہ جمع کرنے کی وجہ سے کسی کی ملک خاص نہ بن گیا ہو)، (۲) (خودرو) گھاس (نہ کہ جو انسان نے اگائی ہو)، (۳) آگ (جبکہ کسی کے مالکانہ قبضہ میں نہ ہو) اورایک روایت میں ''نمک'' کا ذکر بھی ہے۔ لیکن یادرہے کہ یہاں حدیث شریف میں شرکت سے مراد مالکانہ شرکت نہیں ہے (کہ ہر ایک مذکورہ چیزوں کا اپنے کو مالک سمجھنے لگے) بلکہ شرکت اباحت (مالک بنے بغیر فائدہ اٹھانے کی شرکت) ہے؛ کیونکہ جب تک آدمی ان چیزوں کو جمع کرکے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک مالکانہ حقوق بھی حاصل نہ ہونگے لہٰذا موجودہ صورت میں سب لوگ برابری کی بنیاد پر ان چیزوں پانی، گھاس اورآگ سے نفع اٹھائیں گے اور عام نہروں و دریاؤں کا پانی بھی اس میں شامل ہے لہٰذا سب کیلئے اس پانی میں پینے، پلانے اور زمین کی سیرابی وغیرہ کا حق ثابت ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۶۶۵-۴۶۶۶)۔

اوپر درج شدہ عبارت فقہیہ سے مندرجہ ذیل احکام نکلتے ہیں:

۱- بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کرنا اورآبادیاں بسانا ناجائز ہے کیونکہ ان تالابوں کا پانی اور پانی جمع ہونے کی جگہ دونوں ہی قومی ملکیت ہیں نہ کہ کسی خاص فرد و چند افراد کی ملکیت، تو اس قومی ملکیت کو فروخت کرنا ملکیت غیر میں تصرف ہے جو قطعاً حرام ہے، نیز اس غیر شرعی حرکت کی وجہ سے پھر یہ تالاب کا پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے جس سے ضرر عام واقع ہوتا ہے اور ''لا ضرر ولا ضرار''، المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، اور''والله لا یؤمن ثلاث مرات فقال من لا یؤمن جاره بوائقه'' کہ مسلمان کے ہاتھ اورزبان سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہیں

Marfat.com

پہنچنی چاہئے، ایسا ہی مسلمان اصل میں مسلمان کہلانے کا مستحق ہے، اور نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں جس کی تکلیفوں سے اسکا پڑوسی محفوظ نہ ہو، تو ان احادیث و ہدایات شریعت مقدسہ کی روشنی میں مسلمانوں یا غیر مسلم پڑوسیوں کو گوناگوں قسم کی تکالیف میں مبتلا کرنا مثلاً جیسا کہ سوال نمبر ۱۴ میں درج ہے کہ مذکورہ پلاٹنگ اور تالاب کی زمین فروخت کرنے سے پانی کا آبادیوں میں پھیل جانا، بارش کی ذخیرہ اندوزی کا متاثر ہو جانا اور بحیثیت مجموعی سطح آب کا گر جانا جو بجائے خود مجموعۂ مصائب و آلام ہے جیسے انتہائی مضرت رساں نتائج سامنے آتے ہیں لہٰذا خواہ حکومت منع کرے یا نہ کرے، بہر صورت اس قسم کی پلاٹنگ کرنا اور تالابی زمین فروخت کرنا شرعاً حرام و ناجائز ہے، اسی طرح مذکورہ عبارت فقہیہ سے دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے "لا ضرر ولا ضرار" کے اصول کے تحت افراد و اشخاص کے استفادے و نفع اٹھانے کی حدود بھی واضح ہو جاتی ہیں جو کہ سوال (۱۰) کا مکمل جواب ہے، ساتھ ہی ساتھ اسی عبارت فقہیہ سے مختلف لوگوں کے کھیتوں سے گذرنے والی نہر سے ان کے نفع اٹھانے اور اس کی مختلف شکلوں کی بھی "لا ضرر ولا ضرار" کے تحت پوری وضاحت ہو چکی ہے جو کہ سوال نامہ میں موجود سوال (۱۱) کا جواب ہے۔

۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

مخصوص برتنوں میں جمع کئے ہوئے پانی کا حکم:

الماء المحرز فی أوان خاصة: هوما حازه صاحبه فی آنية أو ظروف خاصة كالجرار والصهاريج والحياض والأنابيب، ومنه مياه الشركات فی المدن المتخصصة لتأمين ماء الدور، وهذا الماء ملك خاص لمن أحرزه، بالاستيلاء عليه ككل مباح يمتلك بإحرازه فليس لأحد حق الانتفاع به إلا

Marfat.com

بإذن صاحبه ولصاحبه بيعه أو التصرف به كما يشاء (البدائع،تبيين الحقائق، تكملة الفتح، الدرالمختار، القوانين الفقهية، المهذب، المغني، كشاف القناع، الخراج لابي يوسف)، فقد روى عن النبى ﷺ أنه "نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه" (الأموال لابن السلام) وخصص حديث المنع من بيع فضل الماء (رواه أحمد وأصحاب السنن إلا ابن ماجة وصححه الترمذى عن اياس ابن عبد) بالقياس على جواز بيع الحطب إذا أحرزه الحاطب، لحديث الرجل الذى أمره النبى ﷺ بالاحتطاب ليستغنى به عن السؤال (متفق علیہ)۔

(مخصوص برتنوں میں جمع کئے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی ہے جس کو جمع کرنے والے نے کسی برتن یا خاص برتنوں میں جمع کیا ہو جیسے پانی کے گھڑے (مٹکے) پانی جمع کرنے کے لئے بنائے گئے حوض اور تالاب اور پانی کے پائپ اور اسی قبیل سے بعض شہروں میں گھروں کو فراہم کرنے والی پانی کی کمپنیاں ہیں، (ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ) اوپر درج صورتوں میں جمع کیا ہوا پانی جمع کرنے والے کی خاص ملکیت ہے کیونکہ وہ اس پر اچھی طرح قابض ہو چکا ہے تو جیسے دوسری مباح چیزیں (مثلاً جلانے کے لئے جنگل کی لکڑی وغیرہ) جمع کرنے کی وجہ سے جمع کرنے والے کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں ایسے ہی یہاں بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا اب مذکورہ جمع کردہ پانی سے اس جمع کرنے والے شخص کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا نفع اٹھانا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے اور اس جمع کرنے والے کے لئے اس پانی کا فروخت کرنا اور اس پانی میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا درست ہے)۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے پانی کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے ماسوائے اس مقدار کے جو اس پانی سے اٹھالی گئی ہو۔

جس کا مطلب بظاہر یہ ہوا کہ جو پانی اٹھالیا گیا اور جمع کیا گیا ہو تو جمع کرنے والا اسے بیچ سکتا ہے باقی جس حدیث میں ضرورت سے زائد پانی کو فروخت کرنے سے روکا گیا ہے (یہ

Marfat.com

حدیث شریف مسند احمد، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ترمذی میں ہے اور امام ترمذی اس کو ایاس بن عبد سے صحیح قرار دیا ہے) اس کو عام حکم کے بجائے کسی خاص موقع سے متعلق سمجھا گیا ہے، کیونکہ ایک دوسری حدیث جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک بھیک مانگنے والے شخص کو جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے فروخت کرنے کا حکم فرمایا ہے)۔

اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ (اس قسم کی مباح عام چیزیں مثلاً لکڑی و پانی جن میں حدیث کے مطابق سب کا حق ہے) لکڑی جمع کرنے کی وجہ سے جمع کرنے والا اس لکڑی کا مالک بن گیا جب ہی تو اس کا یہ لکڑیاں فروخت کرنا شرعاً درست ہوا لہٰذا سوال (۱۲) کا جواب بھی ہو گیا کہ کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ و آراء فقہاء کرام سے مندرجہ ذیل احکام ثابت ہو سکتے ہیں۔

۵- پانی کی قلت کے پیش نظر حکومتوں کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے اور ان پر عمل کرنے کا شرعی حکم

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ شرعاً مذکورہ صورتوں میں پانی کو جمع کرنے والا اس پانی کا مالک بن گیا تو صاف ظاہر ہیکہ پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومت عموماً گھروں میں جانے والے سپلائی کے پانی پر سوائے فضول خرچی روکنے کے کسی قسم کی قدغن و پابندی نہیں لگا سکتی کیونکہ مالک ہونے کی وجہ سے شخص مذکور اس پانی کو اپنی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے۔ البتہ "الضرر یزال" اور "لا ضرر ولا ضرار" کے محکم اصولوں کے تحت اگر کوئی شخص اس مالکانہ حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حدود اللہ کو پامال کرے اور دیگر لوگوں کے واقعی ضروریات سے خودغرضانہ انداز میں صرف نظر کرتے ہوئے پانی کو ضائع کرے مثلاً بڑے پائپ سے جو پانی کسی علاقے میں آ رہا ہے اگر اسکی مقدار بھی کم ہے اور سپلائی کے اوقات بھی محدود ہیں تو اب مجموعی قلتِ آب کی صورت میں جہاں عام لوگوں کو بمشکل کھانے، پکانے اور نہانے دھونے کیلئے

Marfat.com

پانی مل پاتا ہے وہاں یہ شخص اسی سپلائی کے پانی سے (۱) اپنی گاڑی دھوتا ہے (۲) اپنی کھیتی سیراب کرتا ہے (۳) طاقت ور موٹر نصب کر کے دیگر ہمسایوں کا پانی بھی ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا ہے (۴) اپنی ضروریات مثلاً نہانے دھونے میں بھی حد ضرورت واعتدال سے شدید تجاوز کرتا ہے (۵) گھر کے نلکوں کو بلا وجہ کھلا رکھتا ہے جس کی وجہ سے قیمتی وکمیاب پانی فضول ضائع ہو رہا ہے (۶) یا خوش حال و مستغنی ہونے کے باوجود اس سپلائی کے پانی کو محض دولت بڑھانے کی غرض سے باقی لوگوں کو ان کے شدید ضرورت مند ہونے کے باوجود قیمتاً فروخت کرتا ہے حالانکہ مذکورہ حدیث میں "أمره النبی ﷺ بالاحتطاب لیستغنی عن السؤال" یہ خط کشیدہ جملہ خاص معنی وافادیت رکھتا ہے، تو ان سب صورتوں میں بندے کی ناقص رائے یہ ہیکہ پانی کے استعمال پر حکومت کی طرف سے پابندی درست ہے اور مفاد عامہ، مقاصد شریعت نیز اطاعت فی المعروف کے تحت ان پابندیوں پر عمل بھی واجب ہوگا البتہ درج بالا صورتوں میں پانی جمع کرنے کی وجہ سے جمع کرنے والا اس پانی کا مالک ہو چکا ہے۔

۱۳- کیا اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟

ولا یجوز لصاحبه عند الحنفیة بیع حق الشرب منفرداً لكنهم أجازوا بیع الماء المعلوم القدر المحرز. أو المملوک، للشرب، لا للشفة شرب الإنسان والحیوان کذلک.... أجاز المالکیة والشافعیة والحنابلة بیع الماء المملوک مستقلاً عن الأرض ولكن یستحب لصاحبه أن یبذله بغیر ثمن۔

(احناف ؒ کے یہاں اگرچہ خاص ملکیتی نہروں کے پانی کا حق شرب (یعنی زراعت و باغات وغیرہ کی سینچائی کا حق) الگ کر کے مستقلاً فروخت کرنا جائز نہیں ہے لیکن احناف ؒ نے ایسے جمع کیے ہوئے پانی اور وہ مملوکہ بھی ہو کی مستقلاً بیع کرنا بغرض شرب (زراعت وباغات کی سیرابی و سینچائی) جائز قرار دیا ہے نہ کہ بغرض شفہ یعنی (انسان اور جانور کے پینے کے لئے)، لہٰذا اچھی طرح واضح ہو گیا کہ احناف ؒ کے نزدیک انسانوں اور جانوروں کے پینے کا پانی فروخت کرنا جائز

Marfat.com

نہیں ہے جبکہ مالکیہؒ، شوافعؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک یہ پانی اگر چہ فروخت کرنا جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں ہے اور شوافعؒ کے یہاں فروخت کرنے کی صورت میں پانی کا کسی وزن اور ناپ سے فروحت کرنا بھی ضروری ہے؛ البتہ احنافؒ کے نزدیک حق شرب (زراعت و باغات کی سینچائی) کیلئے پانی کا مستقلاً فروخت کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہیکہ اس پانی کی مقدار بھی معلوم و متعین ہو نیز وہ پانی بائع کا مملوکہ و ملکیتی بھی ہو۔

۱۵-۱۶- کیا آب رسانی کا انتظام کرنا اور پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری اور شہریوں کا حق ہے؟

النهر العام غير المملوک لأحد، كالفرات والنيل: نفقة كريه وإصلاحه من بيت مال المسلمين، من الخراج والجزية، دون العشور الصدقات، لأنه للمصلحة العامة، فيختص بنفقة بيت المال ، عملاً بالحديث النبوی: "الخراج بالضمان" (تكملة الفتح، الدر المختار، البدائع، تبيين الحقائق) فإن لم يكن فی بيت المال شيئ، أجبر الحاكم الناس علی إصلاح النهر، إن امتنعوا عنه دفعاً للضرر، وتحقيقاً للمصلحة العامة، قال عمرؓ فی مثله "لو تركتم لبعتم أولادكم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۶۷۰)۔

(نہر عام جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو (بلکہ عوامی ملکیت ہو) جیسے نیل، فرات وغیرہ ایسی نہر کی اصلاح مثلاً کھدائی، اس کے دونوں کناروں کی اصلاح و مرمت اور اس میں سے مٹی اور کیچڑ و کوڑا وغیرہ نکالنے کا خرچہ مسلمانوں کے بیت المال سے نکالا جائے گا اور وہ بھی خراج اور جزیہ کی مد سے نہ کہ عشر و صدقات کی مد سے کیونکہ (ان میں تملیک فقراء ضروری ہے) اور ندی و نہر کی اصلاح مصلحت عامہ سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا یہ خرچہ بیت المال کے ساتھ مخصوص ہوگا حضرت نبی کریم ﷺ کی اس مبارک حدیث پر عمل کرتے ہوئے جس میں آپ نے فرمایا کہ "الخراج بالضمان" یعنی خراج وصول کر کے بیت المال و حکومت ان ذمہ داریوں کے مکلف بن جاتے

Marfat.com

ہیں جو رعایہ کے مفاد عامہ سے تعلق رکھتی ہیں (جیسے اوپر ذکر شدہ ذمہ داریاں ہیں) لیکن اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو حاکم وقت لوگوں کو نہر و دریا وغیرہ کی اصلاح و درستگی کرنے پر مجبور کرے گا اگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوں اور حاکم وقت کا یہ اقدام ضرر عامہ کو دور کرنے (جو کہ نہر کی درستگی واصلاح نہ کرنے سے پیدا ہوگا) اور عام لوگوں کے فائدہ و مصلحت کی خاطر ہوگا، ایسی ہی صورتوں کے متعلق سیدنا عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے مصالح عامہ کی رعایت ترک کردی تو اپنی اولاد کو بیچ کھاؤ گے)۔

حق المسيل: هو حق تصريف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح، إلى المصارف والمجارى العامة، بواسطة مجرى سطحي أو أنبوب مستور، سواء من أرض أو دار أو مصنع...... وتجب نفقة إصلاح المسيل، على المنتفع به إذا كان في ملكه، أو في ملك غيره فإن كان في أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۴۶۷۶)۔

(پانی کی نکاسی اور اخراج کا حق: اس سے مراد ضرورت سے زائد اور گندے و مستعمل پانی کو عام ڈرینج، عام نالیوں اور گندے نالوں کی طرف پھیر دینا ہے، چاہے یہ سطح زمین پر ہوں یا زیر زمین پائپوں کی شکل میں، اور چاہے یہ گندا اور مستعمل پانی کسی زمین کا ہو یا گھر و فیکٹری وغیرہ کا........ اسکے بعد تحریر ہے...... اور ڈرینج و گندی نالیوں کی اصلاح و مرمت کا خرچہ ان سے نفع اٹھانے والے پر لازم ہے جبکہ یہ نفع اٹھانے والے یا کسی دوسرے کی ملکیت میں ہوں، لیکن اگر کسی کی ملکیت خاص میں یہ ڈرینج و نالیاں نہ ہوں بلکہ عام سرکاری یا افتادہ زمین سے گذر رہی ہوں تو ایسی صورت میں انکی اصلاح و مرمت کا خرچہ بھی بیت المال (حکومت کے خزانہ) پر واجب ہے)۔

اگر اوپر لکھی ہوئی دونوں عبارتوں پر غور کیا جائے تو ان سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

Marfat.com

حکومت کا عوام تک پینے اور استعمال کے لئے شہر و دیہات کے اندر پانی پہنچانے کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری بھی ہے اور ہر شہری کا حق بھی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث شریف "الخراج بالضمان" سے ثابت ہے، یہی حکم استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی وغیرہ کا بھی ہے، وہ بھی حکومت کی ذمہ داری اور عوام کا حق ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پرانے زمانے میں آب رسانی کا کام حکومت نہروں اور چھوٹی جدولوں وگولوں کے ذریعہ کرتی تھی اور آج جدید دور میں واٹر پلانٹ، چھوٹی و بڑی پائپوں کی تنصیب اور دیگر جدید ذرائع اور وسائل کی مدد سے یہ کام کرتی ہے، اسی طرح پرانے زمانے میں جیسے بھی پانی کا اخراج ونکاسی ہوتی ہو مگر آج آبادی بڑھنے، صحت عامہ کی حفاظت اور ماحول کو پاک وصاف رکھنے کے لئے جدید طرز کا ڈرینج سسٹم لوگوں کی ضرورت بن چکا ہے، لہٰذا یہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں داخل ہے کہ وہ آب رسانی ونکاسی آب کا انتظام کرے اور حکومت اس سلسلہ میں ہر قسم کا ٹیکس بھی شہریوں سے وصول کرتی ہے جو کہ شہریوں کو بہر حال ادا کرنا ضروری ہے "لأن الحق لهم والمنفعة تعود إليهم ولأن الغنم بالغرم"، کیونکہ آب رسانی ونکاسی آب کا جو نظام ہے اسکے منافع بھی لوگوں کیلئے ہیں لہٰذا خرچہ بھی لوگ ہی برداشت کرنے پر مجبور کیے جائیں گے اگر حکومت کو خرچہ کی ضرورت پڑے ورنہ تو حکومتی خزانہ سے ہی یہ مہم سرانجام دینی ضروری ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حفظان صحت اور صحت عامہ کا تحفظ کہ جس پر بظاہر اہم ترین مقاصد شریعت کا دارومدار ہے مذکورہ نظام کے بغیر وجود میں نہیں آسکیں گے؛ کیونکہ عام طور پر بیماریاں پانی کے صحیح طور پر استعمال نہ کرنے اور نکاسی واخراج آب یعنی استعمال شدہ پانی کے مناسب ڈرینج سسٹم نہ ہونے سے ہی پیدا ہوتی ہیں جسکا تناسب ماہرین واطباء کی رائے میں تقریباً ۸۰ رفی صد ہے لہٰذا ایک ذمہ دار حکومت اس قدر اہم معاملہ سے اپنا پہلو کیسے چھڑا سکتی ہے، باقی عوام کو بھی اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں دیانتداری سے پوری کرنا ضروری ہے۔ هذا ما عندي فقط والله تعالى أعلم

Marfat.com

آبی وسائل اور شرعی احکام

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

پانی کے اقسام اور ان کے احکام:

فقہاء نے پانی کی تقسیم نجاست کے ازالہ اور عدم ازالہ کے اعتبار سے حسبِ ذیل کی ہے:

(۱) ماء طہور یا طاہر فی نفسہ، مطہر لغیرہ، غیر مکروہ استعمالہ: (جو بذات خود پاک ہو اور دوسرے کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کا استعمال کسی بھی کراہت سے خالی ہو)۔

(۲) طاہر، مطہر، مکروہ: (خود پاک، دوسرے کو پاک کرنے والا، لیکن اس کا استعمال مکروہ)۔

(۳) طاہر غیر مطہر: (خود پاک لیکن دوسرے کے لئے پاک کرنے والا نہیں)۔

(۴) ماء متنجس (ناپاک پانی)

حنفیہ کے یہاں مزید ایک قسم:

(۵) ماء مشکوک ہے، (وہ پانی جس کی طہوریت میں شک ہے نہ کہ اس کی طہارت میں) یعنی اس کے پاک ہونے میں شک نہیں بلکہ پاک کرنے کی صلاحیت رکھنے میں شک وشبہ ہے۔

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

Marfat.com

مذکورہ بالا اقسام میں سے ہر ایک کی مختصر وضاحت اور اس کا حکم ذیل کی سطروں میں درج کیا جاتا ہے:

پہلی قسم (ماءطہور):

تعریف: وہ پانی جو اپنی اس خلقت پر باقی رہے جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے یا بالفاظ دیگر ماء مطلق۔

حکم: اس پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ حلت رفع کرنے والا اور نجس سے پاک کرنے والا ہے، اس سے وضو غسل کرنا اور نجاسات اور ناپاکیوں کو دھونا اور زائل کرنا جائز ہے۔

پانی کی اس قسم کو مندرجہ ذیل دو قسموں میں سمیٹا جا سکتا ہے:

۱- آسمان سے نازل شدہ پانی، جیسے بارش کا پانی، یا اولہ اور برف کا پگھلا ہوا پانی۔

۲- زمین میں ٹھہرا ہوا پانی، جیسے دریا، سمندر، نہر، چشمے، اور کنویں وغیرہ کا پانی۔

دوسری قسم (ماء طاہر مطہر، مکروہ):

اس کی تعریف وتحدید میں فقہاء کا اجتہادی اختلاف ہے۔

(الف) حنفیہ کے خیال میں یہ وہ پانی ہے جس سے ایسا جانور پی لے جو عام طور پر نجاست سے دور نہیں رہتا یا اس سے عموماً نہیں بچتا۔ جیسے بلی یا اس سے کمتر گھروں میں رہنے والے جانور، آوارہ مرغی، اور نجاست خور اونٹ یا گائے، شکاری پرندے جیسے شکرہ اور چیل وغیرہ۔

اسی طرح اس سے شراب نوشی کرنے والے کے جھوٹے کا حکم بھی جوڑ دیا گیا ہے جس کی شراب نوشی پر اتنا وقفہ گزر چکا ہو کہ اس کا لعاب اس کے منہ میں پہنچ چکا ہو پھر اس نے برتن سے پانی پیا ہو۔

Marfat.com

حکم: اس پانی کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ پاک ہے لیکن ماء مطلق کی موجودگی میں اس سے وضو کرنا مکروہ ہے، اور ماء مطلق کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کا استعمال مکروہ نہیں لیکن صحیح قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے۔

(ب) بہت سے شوافع کا رجحان یہ ہے کہ ماء طاہر مطہر جس کا استعمال مکروہ ہے، وہ پانی ہے جو سونے چاندی کے علاوہ دیگر معدنی برتنوں میں رکھ کر دھوپ کے اندر گرم کیا ہوا ہو، اور اس کے استعمال کی کراہیت کی علت یہ بتائی ہے کہ اس سے برص (کوڑھ) ہوتا ہے، کیونکہ برتن کا زنگ سورج کی تپش کے اثر سے پانی میں تحلیل ہو جاتا ہے اور یہ زنگ جسم کے لئے مضر ہے، البتہ غیر بدن میں مکروہ نہیں ہے۔

تیسری قسم (طاہر فی نفسہ غیر مطہر لغیرہ):

اس بحث کے تحت درج ذیل قسمیں آتی ہیں:

(الف) ماء مستعمل، (ب) وہ پانی جس میں تبدیلی غیر مطہر شئ کے اختلاط سے آئی ہو اور اس اختلاط سے پانی کو محفوظ رکھنا ممکن ہو، (ج) طاہر مائعات (دیگر سیال پاک چیزیں)۔

ماء مستعمل۔ اس کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(الف) حنفیہ اور شافعیہ میں امام الحرمین کا رجحان یہ ہے کہ ماء مستعمل وہ ہے جس کے ذریعہ کوئی حدث رفع کیا گیا ہو یا بدن کی طہارت میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کا استعمال کیا گیا ہو، اگرچہ اس سے کوئی حدث رفع نہ ہوا ہو، جیسے وضو کی تجدید یا وضو میں دوسرا اور تیسرا غسلہ یا جمعہ وغیرہ کا غسل مسنون۔

ان کے نزدیک استعمال کا سبب رفع حدث یا تقرب الی اللہ ہے، علت یہ ہے کہ جس پانی کا استعمال تقرب کی غرض سے ہوا ہے وہ طہارۃ مشروعہ میں استعمال ہوا اور اس سے عبادت

Marfat.com

ادا کی گئی تو وہ رفع حدث کے استعمال شدہ پانی کی طرح ہو گیا۔

(ب) شوافع اور حنفیہ میں امام زفر کا خیال ہے کہ ماء طاہر غیر مطہر وہ ہے جس سے حدث رفع کیا گیا ہو یا اس سے نجاست زائل کی گئی ہو۔

ان حضرات کے نزدیک استعمال کا سبب رفع حدث یا ازالۂ نجاست ہے، غسالہ جب عضو سے الگ ہو جائے تو پاک ہے۔

نفل طہارت وضو یا غسل میں استعمال شدہ پانی ان حضرات کے اجتہاد میں اپنی طہوریت پر باقی رہے گا؛ کیونکہ اس سے کوئی فرض ادا نہیں ہوا ہے، لہٰذا نہ کسی حدث کو رفع کیا اور نہ نجاست کو زائل کیا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس کے ذریعہ کوئی پاک کپڑا دھویا گیا ہو یا کسی شخص نے ٹھنڈک حاصل کی ہو۔

اگر طہارت مشروعہ نہ ہو جیسے وضو میں چوتھا غسالہ تو پانی بلا اختلاف مطہر ہے۔

ماء مستعمل کا حکم:

اکثر فقہاء کا اجتہاد اس پر متفق ہے کہ وضو یا غسل میں ماء مستعمل پاک ہے، بشرطیکہ غسل یا وضو کرنے والے کے اعضاء پاک ہوں، البتہ ان کا اجتہاد طہارت لغیرہ (مطہر) ہونے میں مختلف ہے:

(الف) حنفیہ کا قول مختار یہ ہے کہ وہ بذات خود طاہر ہے، صرف حدث کے لئے غیر مطہر ہے، برخلاف ازالۂ نجاست کے کہ ان کے نزدیک اس سے تطہیر جائز ہے؛ کیونکہ وہ نجاست حسیہ کے ازالہ کی صلاحیت وقدرت رکھتا ہے۔

(ب) شافعیہ کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے؛ کیونکہ وہ ماء مطلق نہیں ہے لہٰذا نہ حدث رفع کرے گا اور نہ نجس کو پاک کرے گا؛ کیونکہ وہ ماء مطلق نہیں ہے۔

Marfat.com

دلائل مختلف حدیثیں ہیں (تفصیل کے لئے فقہ الطہارۃ صفحہ ۱۹ تا ۲۱ ملاحظہ ہو)۔

احکام القرآن میں ابن العربی لکھتے ہیں: (**الحنفية والشافعية قالوا: "إن الماء المستعمل في رفع الحدث لايجوز الوضوء به مرة أخرى لأن المنع الذي كان في الأعضاء انتقل إلى الماء"** (حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ رفع حدث میں استعمال شدہ پانی سے دوبارہ وضو جائز نہیں؛ کیونکہ اعضاء کی ممانعت پانی میں منتقل ہوگئی (احکام القرآن لابن العربی ۴۳۸/۳)۔

چوتھی قسم-ماء نجس (ناپاک پانی):

ماء نجس کی تعریف وتحدید:

-اگر پانی میں نجاست گر جائے اور اس کے اوصاف ثلاثہ ذائقہ، رنگ، بو میں سے کسی ایک وصف کو بدل دے خواہ معمولی تبدیلی ہی کیوں نہ ہو تو وہ بالاجماع ناپاک ہے، خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر۔

بعض فقہاء نے اس پر استدلال حضرت ابوامامہ الباہلیؓ کی اس حدیث سے کیا ہے:

"إن الماء لاينجسه شيء، إلا ماغلب على ريحه وطعمه ولونه" (أخرجہ النسائی وابن ماجہ والبیہقی والدارقطنی والطبرانی والحاکم وصححہ) (پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی سوائے اس کے کہ وہ پانی کی بو، ذائقہ اور رنگ پر غالب آجائے)۔

- اگر پانی میں نجاست گرے اور اسے تبدیل نہ کرے تو ماء کثیر کی صورت میں بالاجماع پانی ناپاک نہ ہوگا؛ کیونکہ ماء کثیر تغیر آجانے سے ہی نجس ہوتا ہے۔

اور اگر ماء قلیل ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ پاک ہے، ان میں حنفیہ اور صحیح قول کے مطابق شافعیہ اور حنابلہ کی کثیر تعداد، امام مالک اپنے ایک قول میں اور بعض مالکیہ شامل ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ جمہور نے پانی میں قلیل کے درمیان جسے نجاست مطلقاً نقصان پہونچاتی ہے خواہ اسے تبدیل کرے یا نہ کرے اور کثیر جو تغیر آنے سے ہی ناپاک ہوتا ہے، دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، دلائل میں کئی احادیث ہیں۔

ماء قلیل و کثیر کی تعریف:

حنفیہ کے نزدیک ماء قلیل وہ ہے جس کے استعمال سے نجاست کے استعمال کا گمان ہو، اور اس کی تحدید پانی میں نجاست سرایت کرنے اور نہ کرنے سے کی ہے۔

اور ان کے خیال کے مطابق نجاست کا پانی کے تمام اجزاء میں سرایت کرنا حرکت کے سرایت کرنے سے ہوگا، چنانچہ اگر پانی اتنا ہو کہ ظن غالب یہ ہو کہ نجاست کا پورے پانی میں سرایت کرنا ممکن نہیں تو پانی کثیر اور طاہر ہے، اور اگر نجاست سرایت کر جائے تو قلیل اور ناپاک ہے۔

شافعیہ نے قلتین سے تحدید کی ہے کہ اگر پانی دو گھڑے کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو کثیر ہے، تغیر آنے سے ہی ناپاک ہوگا، اور اگر قلتین سے کم ہے تو قلیل ہے، نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا، اگرچہ تبدیلی نہ آئے۔

ماء نجس کا حکم:

طہارت میں ماء نجس کا استعمال مطلقاً حرام ہے جس طرح اس کا پینا اور بلا ضرورت پکانے میں استعمال کرنا، یہ حکم بالاجماع ہے۔

پانچویں قسم ماء مشکوک:

حنفیہ کا رجحان یہ ہے کہ ماء قلیل سے جب کوئی گدھا یا خچر پی لے تو وہ ماء مشکوک ہے

Marfat.com

(اس کی طہوریت مشکوک ہے نہ کہ اس کی طہارت میں شک ہے) لہٰذا قطعی طور پر اس کی طہارت یا نجاست کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، یعنی نہ وہ کسی طاہر کو ناپاک کرے گا اور نہ کسی نجس کو پاک کرے گا۔

وجہ شک:

شک کا سبب اس کی اباحت وحرمت کے سلسلہ میں وارد دونوں طرح کی احادیث میں تعارض ہے، لہٰذا طہارت حاصل کرنے والا ماء مشکوک سے اجتناب کرے گا جبکہ دوسرا پانی موجود ہو، اور اگر ماء مشکوک کے علاوہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو احتیاطاً عہدہ برآ ہونے کے لئے اس سے وضو اور تیمّم کرے گا، یا اس پانی کو انڈیل دے اور صرف تیمم کرلے۔

پانی کی یہ قسم صرف احناف کے یہاں ہے، جمہور (جن میں شافعیہ بھی ہیں) کے نزدیک اس قسم کا وجود نہیں ہے، بلکہ ان کے اجتہاد میں گدھے کا جھوٹا طاہر مطہر ہے۔

کن نجاستوں سے پانی ناپاک نہیں ہوتا؟

(۱) نجاست غیر مرئیہ (وہ نجاست جو نظر نہ آئے):

اگر پانی یا کپڑے کو ایسی نجاست لگ جائے کہ نگاہ اس کا ادراک نہ کرسکے، معمولی ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے، بایں طور کہ کپڑے وغیرہ کے رنگ کے مخالف ہو اور اس میں نجاست پڑ جائے، اور قلت کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ جیسے مکھی نجاست پر بیٹھے پھر پانی پر بیٹھ جائے یا پیشاب کی وہ چھینٹ جو سوئی کی نوک کے مثل اڑے، یا ہوا میں گوبر کا غبار، تو احناف وشوافع کے صحیح ومختار مذہب میں وہ معاف ہے، اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ پانی قلیل کیوں نہ ہو، اور نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے کیونکہ احتراز دشوار ہے، اور اس سے بچنے اور اسے زائل کرنے میں حرج ہے اور شریعت نے حرج کو ختم کیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "ما جعل عليكم في الدين من

Marfat.com

حرج" (اللہ نے دین میں تم پر تنگی نہیں رکھی ہے)۔

نجاست کی اس مقدار کے معاف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پانی میں اپنے آپ سے اور دوسرے سے نجاست دور کرنے کی قوت ہے، جہاں تک کپڑے کا تعلق ہے وہ نجاست میں حکماً ہلکا ہے، چنانچہ مچھروں کا خون، تھوڑی پیپ، مچھر کا وہ خون جو اس نے چوسا ہو اور اس طرح کے دیگر بہت معمولی نجاست معاف ہیں۔

۲-دم سائل نہ رکھنے والا میتہ:

اگر ایسا کیڑا مکوڑا جس میں دم سائل نہ ہو۔ جیسے مکھی، شہد مکھی، چیونٹی یا اس سے ملتی جلتی چیزیں جن میں بہتا خون نہیں ہے جبکہ ان کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے یا ذبح کر دیا جائے، ماء قلیل یا سیال چیز یا کھانے میں گر جائے تو پانی اور کھانا ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث ہے:

"إذا وقع الذباب بإناء أحدكم فليغمسه كله ثم لينزعه فإن في أحد جناحيه داءً وفي الآخر دواءً" (رواہ البخاری وأبوداؤد والنسائی وابن ماجہ)۔ وزاد أبو داؤد: "وإنه يتقي بجناحه الذي فيه الداء" (اگر تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو پورا ڈبو لے پھر نکال کر پھینک دے، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفاء ہے۔ ابوداؤد شریف میں اتنا اضافہ ہے کہ اس طرح کرنے سے آدمی مکھی کے اس پَر سے بچ جائے گا جس میں بیماری ہے)۔

اس حدیث کا حکم ہر اس چیز کو متعدی ہے جس میں دم سائل نہ ہو؛ کیونکہ عموم علت کی وجہ سے حکم عام ہوتا ہے اور انتفاء سبب سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

دوسری دلیل حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی یہ حدیث ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا:

Marfat.com

"یا سلمان! أیما طعام أو شراب ماتت فیه دابة لیس لها نفس سائلة، فهو الحلال أکله وشربه ووضوئه" (أخرجہ الترمذی والدارقطنی)۔(اے سلمان! جس کھانے یا پینے میں کوئی رینگنے والی ایسی چیز جس میں بہتا خون نہ ہو مر جائے تو اس کا کھانا اور پینا اور وضو کرنا جائز ہے)۔

لیکن شوافع کے نزدیک تمام میتات کی طرح یہ میتات بھی نجس ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اگر یہ پانی یا سیال چیز میں مر جائیں تو وہ عموم بلوی کی وجہ سے ناپاک نہ ہوگا۔

اگر مرنے کے بعد پانی میں ڈالا جائے تو نجس ہو جائے گا، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب پانی میں مریں اور اس کو تبدیل کر دیں۔

حنفیہ کے نزدیک یہ پاک ہیں، موت سے نجس نہیں ہوتیں، اسی لئے وہ پانی میں مریں یا مرنے کے بعد پانی میں ڈالا جائے دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۳) پانی کا وہ میتہ جس میں دم سائل نہ ہو:

حیوان کی چند قسمیں:

- وہ حیوان جس کا میتہ حلال ہے، جیسے مچھلی اور وہ تمام چیزیں جو اس جنس کی پانی میں رہتی ہیں وہ موت وحیات دونوں حالتوں میں پاک ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث "هو الطهور ماؤه الحل میتته" (أخرجہ الخمسة) (سمندر کا پانی پاک اور اس کا میتہ حلال ہے) دلیل ہے، لہٰذا پانی ناپاک نہیں ہوگا اگر چہ عمداً پانی میں ڈالا جائے۔

- وہ حیوان جس کا میتہ مباح نہیں ہے (آدمی کے علاوہ) جیسے خشکی کے مأکول اور غیر مأکول حیوان، یہ مرنے سے ناپاک ہو جاتے ہیں، اگر ماء قلیل ہو تو اس میں مر جانے سے پانی بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔

- پانی کے اس جانور میں فقہاء کا اجتہادی اختلاف ہے جو خشکی میں رہتا ہے جیسے

Marfat.com

مینڈک یا اس سے مشابہ دم سائل رکھنے والا جانور۔

(الف) حنفیہ اور بعض شوافع کا کہنا ہے کہ ان جانوروں سے پانی خراب (ناپاک) نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پانی میں رہتے ہیں لہٰذا مچھلی کے مشابہ ہیں اور "هو الطهور ماؤه الحل ميتته" میں شامل ہیں، حنفیہ کا قاعدہ ہے جو جانور مائی المولد ہے (پانی میں پیدا ہوتا ہے) اس کے پانی میں مرجانے سے پانی خراب نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں حقیقۃ خون نہیں ہے اس لئے کہ اس کا خون جب دھوپ میں ڈال دیا جائے تو دوسرے حقیقی خون کی طرح کالا نہیں ہوتا، بلکہ سفید ہوتا ہے۔

(ب) شوافع کے یہاں صحیح اور مشہور مذہب اور احناف میں امام ابو یوسف بھی یہی خیال رکھتے ہیں کہ جانور کی یہ قسم مرنے سے ناپاک ہوجاتی ہے اور ان کی موت ماء قلیل کو ناپاک کردیتی ہے اگرچہ تغیر نہ ہو، اور ماء کثیر تغیر کی صورت میں ناپاک ہوگا؛ کیونکہ یہ میتۃ غیر ماکول ہے تو وہ خشکی کے جانور کی طرح ہے کہ وہ موت سے ناپاک ہوجاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں دم سائل ہے، اس لئے آبی پرندہ کے مشابہ ہے۔

- وہ جانور جو خشکی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے جیسے بطخ، بگلا اور دیگر آبی پرندے تو وہ مرنے سے ناپاک ہوجائے گا، اور صحیح قول کے مطابق اگر ماء قلیل میں مرجائے تو اسے بھی ناپاک کردے گا (ترجمہ وتلخیص از فقہ الطہارۃ لعبد الوہاب عبد السلام طویلہ از صفحہ ۱۴ تا ۴۵، نیز الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۲۶۲ تا ۲۸۰ پر انواع المیاہ کا ذکر ملاحظہ ہو)۔

پانی کے اقسام اور اس کے احکام:

فقہاء کرام نے آبی مسائل کا تذکرہ عموماً "کتاب الشرب" کے تحت کیا ہے۔ اور اس مسئلہ کی تقریباً تمام شق کو سمیٹنے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے اور متنوع گوشوں کو اجاگر کرنے کی قابل قدر اور لائق تحسین کوشش کی ہے۔

شرب لغت میں "النصيب من الماء" (پانی سے حصہ لینے اور فائدہ اٹھانے سے

Marfat.com

عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے ان کی زبانی فرماتا ہے: ''قال هذه ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم'' (شعراء:۱۵۵)۔

اس آیت کریمہ میں ایام سے تقسیم آب پر دلالت موجود ہے۔

شریعت کے عرف میں شرب کا اطلاق پینے اور آبیاری کرنے کے حق پر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

شریعت میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ النصيب من الماء لسقى الزرع والأشجار (فصل اور درختوں کی سینچائی کے لئے پانی کا حصہ) یہ اکثر فقہاء کے نزدیک ہے، اور کبھی کبھار پانی سے انتفاع کی باری یا درخت یا فصل کی آبیاری کے لئے زمانہ انتفاع میں استعمال ہوتا ہے۔

پانی کے اقسام:

حق شرب اور شفعہ کے اعتبار سے پانی کی چار قسمیں ہیں:

(۱) برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی۔

(۲) کنویں، حوض اور چشموں کا پانی۔

(۳) ان چھوٹی نہروں کا پانی جو نہریں کچھ مخصوص لوگوں کی ہوتی ہیں یا خاص نالے۔

(۴) بڑی نہروں اور ندیوں کا پانی جیسے جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات کا پانی، یا ہندوستان میں گنگا، جمنا اور گھاگھرا، شاردا اور راپتی ساگر وغیرہ کا پانی جو انہار عامہ میں آتی ہیں اور کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔ پانی کی ان چار قسموں کے احکام حسب ذیل ہیں:

پہلی قسم کا پانی

محفوظ کرنے والے کی ملکیت ہے، کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں؛ کیونکہ پانی اگرچہ

Marfat.com

اپنی اصل کے لحاظ سے مباح ہے لیکن جب مباح شئ پر غلبہ اور بالا دستی کے ذریعہ قبضہ کرلیا جائے تو وہ ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے بشرطیکہ پہلے سے کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو۔ جیسے لکڑیاں، گھاس اور شکار کیا ہوا پرندہ ہے کہ یہ اشیاء قبضہ کرنے سے قابض کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان کا بیچنا جائز ہوتا ہے، اسی طرح پانی کی اس قسم کو بیچنا جائز ہے۔ جیسا کہ بغیر کسی نکیر کے ہر دور میں شہروں میں اس قسم کے پانی کو بیچنے کا رواج رہا ہے؛ لہٰذا کسی کے لئے اس پانی کو بغیر مالک کی اجازت کے لینا اور پینا درست نہیں۔

ہاں اگر پیاس سے ہلاکت کا اندیشہ ہے اور پانی مانگتا ہے اور وہ دینے سے انکار کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں اگر پانی والے کے پاس زائد پانی نہیں ہے تو پیاسے شخص کا اس سے لڑنا، جھگڑنا اور مقابلہ کرنا سرے سے درست نہیں؛ کیونکہ یہ دوسرے کو ہلاک کر کے اپنے کو ہلاکت سے بچانا ہے؛ لیکن اگر پانی والے کے پاس اس کی ضرورت سے زائد پانی ہے تو پیاس میں مبتلا شخص کو پانی دینے سے انکار کرنے والے سے بغیر ہتھیار کے لڑ جھگڑ کر زائد پانی لینا جائز ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بھوک سے دوچار ہو اور اس کے ساتھی کے پاس کھانا موجود ہو، بھوکا اس سے سوال کرے اور وہ دینے سے انکار کر دے اور اس کو کسی اور کے پاس کھانا نہ ملے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جسے کسی برتن یا مخصوص ظرف جیسے گھڑے، صراحیاں، حوض اور ٹوٹیاں اور ٹنکیاں ہیں ان میں محفوظ کر لینا، اسی قبیل سے وہ شہروں میں جل نگم اور جل سنستھا اور کمپنیوں کے پانی بھی ہیں جو گھروں میں پینے کا پانی سپلائی کرتے ہیں۔ یہ پانی مالک کی اجازت کے بغیر لینا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں؛ البتہ مضطر شخص کے لئے جسے پیاس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو، اس سے پینا یا اپنی ضرورت پوری کرنا اگرچہ بزور قوت ہو جائز ہے؛ تاکہ اپنے کو ہلاکت سے بچا سکے جبکہ پانی اس کے مالک کی ضرورت سے زائد ہو اور مضطر کو دوسرا پانی نہ مل رہا ہو لیکن قیمت

Marfat.com

کی ادائیگی واجب ہے، "الاضطرار لایبطل حق الغیر" کے قاعدہ کی رو سے، یا اس وجہ سے کہ حالت اضطرار میں لینے کی حلت ضمان کے منافی نہیں ہے۔

دوسری قسم کا حکم:

یہ ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں بلکہ فی نفسہ مباح ہے خواہ پانی مباح زمین میں ہو یا ارض مملوکہ میں ہو؛ البتہ مملوکہ زمین میں ہونے کی صورت میں اسے خصوصی اور اسپیشل حق ملے گا؛ کیونکہ یہ حکم اس لئے ہے کہ پانی اپنی خلقت کے اعتبار سے اصلاً مباح ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار" (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ) اور عمومی شرکت اباحت کی متقاضی ہے، الا یہ کہ وہ کسی برتن میں رکھ کر محفوظ کرلے تو اب تمام مباحات غیر مملوکہ کی طرح یہ بھی اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا۔

پانی کی اس قسم کو بغیر اپنی تحویل اور ملکیت میں لئے ہوئے بیچنا جائز نہیں؛ کیونکہ بیع کا محل وہ مال ہے جو بائع کی ملکیت میں ہو۔ اسی طرح لوگوں کو خود پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے سے روکنے کا بھی حق نہیں، حدیث میں ہے: "أن رسول الله ﷺ نهى عن منع نبع البئر" (رسول اللہ ﷺ نے نبع بئر سے منع فرمایا ہے) اور "نبع البئر" کنویں کے پانی کا وہ زائد حصہ ہے جو کنویں سے نکلتا ہے۔

کھیتوں کی سینچائی اور درختوں کی آبیاری سے روک سکتا ہے؛ کیونکہ مطلقاً اجازت میں اصلاً اس کا حق مارا جائے گا۔

ہاں! اگر کنواں کسی کی زمین میں ہے تو مالک کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روکنے اور پابندی لگانے کا اختیار ہوگا جبکہ لوگ مجبور نہ ہوں اور انہیں دوسری جگہ پانی مل رہا ہو؛ کیونکہ دخول کی صورت میں مالکِ زمین کا بغیر کسی ضرورت کے ضرر اور نقصان ہے اس لئے وہ اپنے

Marfat.com

آپ سے ضرر کا دفاع کرسکتا ہے۔ لیکن اگر لوگ مجبور ہوں، پانی کہیں اور نہ پارہے ہوں اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو تم انہیں داخل ہونے کی اجازت دو یا از خود انہیں پانی دو، پھر بھی اگر ان کو پانی نہ دے اور داخل ہونے سے روکے تو ہتھیار سے انہیں لڑ کر اتنی مقدار میں پانی لے لینے کی اجازت ہے جس سے وہ تباہی سے بچ سکیں اور ہلاکت کو دفع کرسکیں۔ موجودہ دور میں ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل کا بھی یہی حکم ہوگا۔

اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ کچھ لوگ پنگھٹ پر پہونچے اور پانی والوں سے کنویں میں ڈول ڈالنے کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کردیا۔ پھر انہوں نے ان سے ایک ڈول پانی مانگا، اسے بھی رد کردیا تو انہوں نے لجاجت اور عاجزی کے ساتھ کہا کہ ہماری گردنیں اور ہماری سواریوں کی گردنیں کٹنے سے ہلاکت کے قریب ہیں۔ پھر بھی پانی والوں نے انکار کردیا۔ اس واقعہ کا ذکر جب ان حضرات نے حضرت عمرؓ سے کیا تو آپ نے فرمایا: "هلا وضعتم فيهم السلاح" (بدائع جلد ۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۶۳ ۴، کتاب الخراج لأبي يوسف/ ۱۰۵) (انہیں تہہ تیغ کیوں نہیں کردیا؟)۔

تیسری قسم:

اس کے احکام میں ذرا تفصیل ہے، ان میں بعض کا تعلق خود پانی سے ہے، بعض کا پینے سے اور بعض کا نہر سے۔

نفس پانی سے یہ حکم وابستہ ہے کہ وہ اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے مباح ہے کسی کی ملکیت نہیں۔ اگر برتنوں میں محفوظ کرلیا جائے تو ملکیت میں ہو جائے گا۔ اگر یہ کہے کہ مجھے اپنی نہر سے ایک دن پانی پلاؤ اس شرط کے ساتھ کہ میں ایک دن فلاں نہر کا پانی پلاؤں گا تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ یہ پانی کا پانی سے مبادلہ ہے تو بیع کی شکل بن جائے گی، یا شرب کا شرب سے اجارہ ہوگا،

Marfat.com

اور یہ دونوں جائز نہیں۔

صاحب نہر کو لوگوں اور جانوروں کو پینے سے روکنے کا حق نہیں۔ البتہ کھیت، فصل کی سینچائی اور درختوں کی آبیاری سے منع کرسکتا ہے؛ کیونکہ اس کا اس میں خاص حق ہے اور سینچائی کو مطلق کر دینے میں اس کے حق کا ابطال ہے اس لئے کہ ہر فرد اپنے کھیت اور فصل کی سینچائی کے لئے عجلت مچائے گا اور مالک کا حق تلف ہوگا۔ لیکن اگر نہر اس کی مخصوص ہو اور وہ سینچائی کی اجازت دے دے تو درست ہے؛ کیونکہ وہ خود اس اجازت سے اپنے حق کو باطل کر رہا ہے۔

شرب سے متعلق حکم یہ ہے کہ وہ منفرداً نہیں بیچ سکتا اس طور پر کہ ایک یا اس سے زیادہ دن کا شرب فروخت کردے؛ کیونکہ شرب، پینے اور سینچنے کے حق سے عبارت ہے اور حقوق بیع وشراء میں افراد (الگ کئے جانے یا علاحدگی) کا احتمال نہیں رکھتے۔ اس قسم کی نہر اصلاً جماعت کی خاص ملک ہے۔ بغیر بقیہ لوگوں کی رضامندی کے کوئی اس میں تصرف نہیں کرسکتا خواہ تصرف نقصان دہ ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ جب نہر مملوک میں تصرف کی حرمت مالک کے اصرار پر موقوف نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی شریک مشترک نہر سے کوئی چھوٹی نہر نکال کر اپنی آباد کی ہوئی زمین تک پانی لے جانا چاہتا ہے جبکہ اس زمین کا حق شرب اس نہر سے وابستہ ہو تو بغیر شرکاء کی رضامندی کے وہ ایسا نہیں کرسکتا ہے؛ کیونکہ مشترک ملکیت والی زمین میں کھدائی تصرف ہے لہٰذا اگر انکی رضا کے بغیر ہے تو روک دیا جائے گا، اسی طرح اگر اس نہر کا پانی بڑی نہر سے لیا جائے اور کوئی اس میں شرکاء کی رضامندی کے بغیر نالے کا اضافہ کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے اگرچہ یہ ان کے لئے مضر نہ ہو؛ کیونکہ یہ نہر میں شرکاء کی مرضی کے بغیر زیادہ پانی لا کر تصرف کرنا ہوا اس لئے منع کردیا جائے گا۔

اگر اس پر چکی نصب کرنا چاہے تو اگر عمارت کی جگہ اس کی ملکیت ہے اور پانی چکی کو اس کے برابر گھمائے تو اسے اس کا اختیار ہے اور اگر عمارت کی جگہ مشترک ہے یا پانی اوپر چڑھانے

Marfat.com

پھر لوٹانے اور واپس کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں شرکاء کا نقصان ہے کہ اوپر پانی چڑھانے سے ان کا حق انہیں تاخیر سے ملے جس طرح اپنی زمین میں نہر کھود لے اور اس میں پانی چڑھائے پھر نہر میں پانی واپس کر دے۔ اس نہر پر بغیر شرکاء کی مرضی کے پل نہیں بن سکتا ہے؛ کیونکہ پل نہر کے دونوں کناروں میں تصرف ہے حالانکہ یہ سب مشترک ہے۔ اگر نہر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور نہر اعظم سے اسکے پانچ نالے ہوں اور ان دونوں شریکوں میں سے ایک کی زمین نہر کے بالائی حصہ میں ہو اور دوسرے کی زمین نہر کے نچلے حصہ میں ہو، اور بالائی حصہ کا مالک ان نالوں میں سے کچھ بند کرنا چاہے جس سے اس کی زمین میں نقصان در کر آئے تو بغیر شریک کی رضامندی کے ایسا نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کا شریک ضرر میں مبتلا ہوگا؛ لہٰذا اپنے کو ضرر سے بچا کر دوسرے کو ضرر پہونچانا جائز نہیں ہے، اگر وہ مصالحت کرنا چاہے یہاں تک کہ جب تک چاہے اپنے حصہ میں بند کرے اور روکے تو شریک کی رضامندی کے بغیر وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر ایک عرصہ تک دونوں باہم اس پر رضامند ہو گئے پھر نچلے حصہ کے مالک کو اسے ختم کرنے کا خیال ہوا تو ایسا کر سکتا ہے؛ کیونکہ مراضاۃ (باہم رضامندی) ان چیزوں پر ہوتی ہے جو تملیک کا احتمال نہیں رکھتی ہیں، وہ مصالحت ہوگی اور لازم نہیں ہوگی۔

اگر نہر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور اس کے کئی نالے ہوں، کوئی اجنبی شخص اس میں کسی نالے کا اضافہ کرلے اور بغیر ان دونوں شریکوں کی رضامندی کے اس سے نہر کھود کر اپنی زمین تک لے جائے اور اس پر ایک زمانہ گزر چکا ہو، پھر ان دونوں شریکوں میں سے کسی کو اسے ختم کرنے کا خیال آیا تو اسے اس کا حق ہوگا؛ کیونکہ عاریت لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر وہ مر جائے تو ان دونوں کے وارثین کو اسے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

اگر نہر کسی جماعت کے درمیان مشترک ہے، اس کا پانی بڑی نہر سے آتا ہے اور

Marfat.com

جماعت کے ہر فرد کی اس نہر سے کوئی نہر ہے۔ ان میں سے بعض کے دو نالے، بعض کے تین نالے ہوں، نیچے والا شخص بالائی حصہ کے مالک سے شکایت کرے کہ آپ حضرات کو اپنا حصہ زیادہ ملتا ہے؛ کیونکہ پانی کا زور اور کثرت نہر کے ابتدائی حصہ میں ہوتا ہے، ہمارے پاس پانی کم پہنچتا ہے، اس پر وہ لوگ کچھ متعین ایام کے لئے سمجھوتہ کرلیں تو انہیں اس کا اختیار نہیں بلکہ نہر کو علی حالہ رکھتے ہوئے پانی کو چھوڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ ان کی ملکیت نہر کے اوپر ہے نہ کہ نفس پانی پر۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی نہر کی نالی کشادہ کرنا چاہے تو اسے اس کا حق نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں پانی اس کے حق سے زائد آئے گا اس لئے وہ اس کا مختار نہیں، اگر نہر کے نچلے حصہ میں کھدائی کرے تو جائز اور اگر اس کے عرض میں اضافہ کرے تو جائز نہیں؛ کیونکہ نالے حقوقِ نہر میں سے ہیں تو نہر کی ملکیت کے ذریعہ اس کا مالک ہوگا۔

اگر کوئی نہر ایسی ہو کہ اس میں پانی سب سے بڑی نہر سے آتا ہو اور وہ بڑی نہر کچھ لوگوں کے مابین مشترک ہو۔ انہیں اس کے پھٹ پڑنے کا اندیشہ ہو اور اسے مضبوط اور محفوظ کرنا چاہیں، ان میں سے کچھ اس پر آمادہ نہ ہوں تو اگر نہر کے پھٹ پڑنے سے ضرر عام ہو تو انہیں حصوں کے بقدر نہر باندھنے اور مضبوط کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر ضرر عام نہ ہو تو جبر نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ ضرر کے عموم کی صورت میں انتفاع دشوار ہے لہٰذا حصوں کے بقدر جبر لوگوں سے ضرر کو دفع کرنے میں شامل ہوگا اس لئے جائز ہے۔ جب ضرر عام نہ ہو تو نہر سے انتفاع ممکن ہے اس لئے حصوں کے بقدر جبر نہر سے مزید انتفاع کے لئے ہے اور یہ جائز نہیں۔

چوتھی قسم:

بڑی نہروں کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کے پانی میں کسی کی ملکیت ہے اور نہ نہر کے رقبہ میں، اسی طرح کسی کو نہ ان نہروں میں حق خاص حاصل ہے اور نہ شرب میں بلکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق

Marfat.com

ہے؛ لہٰذا ہر ایک کو ان نہروں سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، خود بھی پی کر، اپنے جانوروں اور مویشیوں کو پلا کر، کھیتوں اور باغات کی آبیاری کر کے نیز ان سے اپنی زمین تک نہر نکال اور پھاڑ کر جس طرح سے چاہے استفادہ کرے، اگر نہر نکالنے سے اصل نہر کا نقصان نہ ہو تو کسی کو روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں حتی کہ امام وقت کو بھی اس کا حق نہیں۔

اسی طرح وہ اس پر چکی اور رہٹ نصب کر سکتا ہے بشرطیکہ نہر کو نقصان نہ پہنچے؛ کیونکہ یہ نہریں کسی کے زیر دست نہیں اس لئے وہ کسی کے لئے نہ ہوں گی، اور ان نہروں میں تمام کے تمام لوگ حقوق میں یکساں اور استفادہ میں برابر ہوں گے جیسے شارع عام سے انتفاع بشرطیکہ نہر کو نقصان نہ پہونچے، اگر نہر کو کوئی ضرر پہونچاتا ہے تو مسلمانوں میں سے ہر ایک اسے منع کرنے کا مجاز ہوگا؛ کیونکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق ہے اور ان کے حق میں تصرف کی اباحت انتفاء ضرر سے مشروط ہے جیسے شاہ راہ عام میں تصرف (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع للکاسانی ۶/ ۲۸۵ تا ۲۹۱۔ کتاب الشرب)۔

اگر ان نہروں کو کھدائی، صفائی اور اصلاح ومرمت کی ضرورت ہو تو یہ سلطان کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال (سرکاری بجٹ) سے یہ کام انجام دے، کیونکہ ان کی منفعت عوام الناس کے لئے ہے تو لاگت بھی بیت المال سے ہوگی، حدیث شریف میں ہے: "الخراج بالضمان" (ٹیکس بقدر ضمان ہوگا)۔ اسی طرح اگر غرقابی کا اندیشہ ہو تو اس کے بندھ اور ڈیم کی اصلاح ومرمت اور درستگی بھی بیت المال سے کرانا سلطان (حکمراں) کی ذمہ داری ہے۔

انہار عامہ کا حکم ڈاکٹر وہبہ زحیلی یوں تحریر فرماتے ہیں:

"لاملک لأحد فی ھذہ الأنھار، لافی الماء ولا فی المجری بل ھوحق للجماعة کلھا، فلکل واحد حق الانتفاع بھا بالشفة (سقی نفسه ودوابه) والشرب (سقی زروعه وأشجارہ) وشق الجداول منھا، ونصب

Marfat.com

الآلات عليها لجر الماء لأرضه، ونحوها من وسائل الانتفاع بالماء وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه، إذا لم يضر الفعل بالنهر أو بالغير أو بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطرق أو المرافق العامة"
(الفقه الإسلامی وأدلتہ ۶/ ۴۶۶۵)۔

(ان نہروں میں کسی کو ملکیت حاصل نہیں، نہ پانی میں اور نہ نالی میں؛ بلکہ وہ پوری جماعت کا حق ہے، لہٰذا ہر ایک کو اس سے انتفاع کا حق ہے، شفہ (خود سیراب ہونا اور اپنے جانوروں کو پلانا) اور شرب (اپنی کھیتیوں اور درختوں کو سیراب کرنا اور سینچنا) اور ان سے نالیاں نکالنے کے ذریعہ سے اور اپنی زمین کے لئے پانی کھینچنے کے لئے ان پر آلات اور مشینیں فٹ کرکے اور اسی طرح پانی سے استفادہ کے دیگر وسائل اختیار کرکے، ان تمام صورتوں میں انتفاع کرنے سے حاکم کسی کو نہیں روک سکتا، جبکہ یہ فعل نہر یا دوسرے شخص یا جماعت کو نقصان نہ پہونچائے جیسا کہ راستوں اور مرافق عام میں انتفاع کا طے شدہ حکم ہے)۔

حق شرب اور پانی سے استفادہ کے عمومی احکام:

استفادۂ آب اور پانی سے انتفاع کے کچھ عمومی احکام ہیں، ان میں سے چند اہم احکام اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں درج کئے جاتے ہیں:

۱- کنویں یا چشمہ یا نہر کے کنارے کی نگرانی اور دیکھ بھال: اگر پانی کی نالی کی نگرانی پانی لے جانے والا نہ کرے تو نالی والے کو دفع ضرر کے لئے انتفاع سے روکنے کا حق ہے۔ حدیث نبوی ہے: "لاضرار ولاضرار" (نہ ضرر میں پڑو نہ کسی کے لئے باعث ضرر بنو)۔

ضرر کی بات یہ بھی ہے کہ پانی پڑوسی کی زمین میں معمول سے زیادہ سرایت کر جائے، تعدی کی صورت میں اس پر ضمان ہوگا۔

احناف کے نزدیک اگر کسی نے اپنی زمین میں پانی بھرا، پھر رِس کر پڑوسی کی زمین یا

Marfat.com

کھیت میں پہونچ گیا یا اس کا کھیت ڈوب گیا جبکہ اس نے معتاد طریقہ پر سینچائی کی تھی جو عادۃً زمین کے لئے قابل تحمل ہے تو اس صورت میں وہ ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ سبب ضرور بنا ہے لیکن تعدی نہیں پائی گئی ہے، لیکن اگر آبیاری غیر معتاد طریقہ پر ہو تو ضامن ہوگا، اسی پر فتوی ہے۔

۲- پانی سے استفادہ کرنے والے پر پانی کو عام راستہ سے گزار کر لے جانا واجب ہے اگر عام راستہ موجود ہو، ورنہ خاص راستہ کے مالک پر پانی گزارنے اور لے جانے یا پانی سے اپنی ضرورت نکالنے کی اجازت دینا واجب ہے۔ وجوب کی دلیل حضرت عمرؓ کا حضرت محمد بن سلمہ سے قول ہے جس وقت ان کی شکایت ضحاک بن خلیفہ نے کی تھی جو ابن سلمہ کی زمین سے پانی گزار کر لے جانا چاہتے تھے: "واللہ لیمرن به، ولو علی بطنک" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۶/ ۴۶۶۴، بحوالہ تنویر الحوالک شرح الموطا ۲/ ۸۱۲ وما بعدہا) (قسم بخدا پانی ضرور جائے گا خواہ تمہارے پیٹ پر سے گزر کر جائے)۔

۳- حق شرب مورث ہے اس میں وراثت چلے گی، اس حق سے انتفاع کی وصیت کرنا درست ہے، حتی کہ حنفیہ کے نزدیک بھی جو حقوق اور منافع میں عدم توارث کا نظریہ رکھتے ہیں، سوائے ان کے جن کا استثناء کرلیا جائے، تو اس کی بیع زمین کے ضمن میں جائز ہے نہ کہ مستقلاً اور زمین سے الگ کرکے۔ وجہ یہ ہے کہ کمیت مجہول ہے اور مجہول کی بیع ضرر یا ظلم کی وجہ سے درست نہیں ہے، اس وجہ سے بھی کہ ظاہر الروایۃ کے مطابق حنفیہ کے نزدیک حقوق مال متقوم نہیں ہیں؛ اسی لئے بیع، یا ہبہ یا اجارہ یا صدقہ میں وہ اِفراد اور علاحدگی قبول نہیں کرتے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے نزدیک ترجیح احناف کے علاوہ کی رائے کو ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:

"والأولی الأخذ برأی غیر الحنفیة القائلین بجواز التصرف فی الحقوق والمنافع، لأنها أموال متقومة، فی عرف الناس" (ایضاً)۔

(اولی غیر حنفیہ کی رائے کو اختیار کرنا ہے جو حقوق اور منافع میں تصرف کے جواز کے

Marfat.com

قائل ہیں؛ اس لئے کہ لوگوں کے عرف میں حقوق اور منافع مال متقوم ہیں)۔

۴- جب پانی کسی ایک شخص کی ملکیت ہو تو اسے اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے جس طرح وہ چاہے، اگر پانی ایک مشترک جماعت یا بہت سے لوگوں کی ملکیت ہے تو ان سب میں عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا، یا تو زمانی باری کے ذریعہ اس طور پر کہ ایک شخص ایک متعین زمانہ میں پانی کا مالک ہے، یا یہ تقسیم کھیتوں، فصلوں اور نالیوں کی طرف جانے والے پانی کے نالے کے ذریعہ مناسب طریقہ پر اور اس پانی سے ہر فائدہ اٹھانے والے کی زمین کی مساحت کے لحاظ سے ہوگی، یہی شافعیہ کی بھی رائے ہے۔

تقسیم آب میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب نہر کسی قوم کے درمیان مشترک ہو اور شرب میں ان کا جھگڑا ہو تو ان کے مابین شرب ان کی زمینوں کی مساحت کے بقدر ہوگا؛ کیونکہ مقصد زمینوں کی سینچائی کے ذریعہ انتفاع ہے۔ اس لئے ان کا حق زمین کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا، برخلاف راستہ کے کہ اس سے مقصود مرور (گزرنا) ہے۔ اور تنگی اور وسعت (کشادگی) کے لحاظ سے اس کی مقدار مختلف نہیں ہوتی، اس میں گھر کی وسعت اور تنگی کا اعتبار نہ ہوگا؛ کیونکہ مقصد استطراق (راستہ ملنا) ہے۔

عدل وانصاف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ سب کی رضامندی سے تقسیم میں تبدیلی کر لی جائے۔ لہٰذا کسی شریک کو بغیر دوسروں کی رضامندی کے نہر سے نالی پھاڑنے یا اس پر چکی نصب کرنے یا پانی کھینچنے کی مشین فٹ کرنے یا پل تعمیر کرنے یا نہر کے منہ کو کشادہ کرنے یا ایام (دنوں) کے ذریعہ تقسیم کرنے جب کہ نالیوں کے ذریعہ تقسیم ہو چکی ہو یا اپنا حصۂ آب کسی ایسی دوسری زمین میں لے جانے جس کا اس میں حق شرب نہ ہو، ان تمام چیزوں کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ قدیم کو ظہور حق کی وجہ سے اپنی اسی پرانی حالت پر رہنے دیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ دوسروں سے ضرر کو روکا جائے گا، اور توسیع وغیرہ میں دوسروں کو ضرر پہنچانا ہے۔

Marfat.com

۵- زمین نہ ہو تب بھی شرب کا دعویٰ حنفیہ کے نزدیک استحساناً پیش کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ شرب مرغوب اور قابل انتفاع شئ ہے، اور بغیر زمین کے وراثت یا وصیت کے ذریعہ اس کا مالک بننا ممکن ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ کبھی صرف زمین ہی فروخت کردی جاتی ہے، شرب تنہا باقی رہتا ہے تو جب اس پر دوسرا حاوی اور غالب ہو جائے تو اسے بینہ کے ذریعہ اپنے حق کو ثابت کرکے اپنی ذات سے دفعِ ظلم کرنے کا حق ہے۔

٦- بارش یا سیلاب کا اکٹھا پانی یا وہ چھوٹی نہر جس پر عوام کا ازدحام ہوتا ہے اس سے لوگ اس طرح استفادہ کریں گے کہ اوپری حصہ سے شروع کیا جائے کہ بالائی حصہ والا اپنی زمین کی سینچائی کرلے یہاں تک کہ کھیت کے آخری سرے تک پانی پہنچ جائے، پھر وہ پانی اپنے بعد والے کے لئے چھوڑ دے گا، وہ پانی روک کر سینچائی کرے گا تاکہ آنکہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ پھر بعد والے کے لئے چھوڑ دے گا، اس طرح یہ سلسلہ آخر تک جاری رہے گا، یہاں تک کہ کھیت کے باغات مکمل ہو جائیں یا پانی ختم ہو جائے۔ دلیل حضرت عبادہؓ کی یہ حدیث ہے:

"أن النبی ﷺ قضی فی شرب النخل من السیل: أن الأعلی یشرب قبل الأسفل، ویترک الماء إلی الکعبین، ثم یرسل الماء إلی الأسفل الذی یلیه، وکذلک حتی تنقضی الحوائط، أو یفنی الماء" (رواہ ابن ماجہ وابوداؤد باسناد حسن)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے:

"أن الزبیر ورجلاً من الأنصار تنازعا فی شراج الحرة، التی یسقی بها النخل، فقال الأنصار للزبیر سرح الماء، فأبی الزبیر، فاختصما إلی رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ للزبیر: اسق أرضک، ثم أرسل الماء إلی جارک، فقال الأنصاری: أن کان ابن عمتک یا رسول الله، فتلون وجه رسول ﷺ، فقال: یا زبیر! اسق أرضک إلی أن یبلغ الجدر" (متفق علیہ، ورواہ مالک فی الموطا)۔

Marfat.com

(حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری صحابی کا حرہ کی نالیوں میں تنازع ہوگیا جس سے کھجور کے باغات کی وہ سینچائی کرتے تھے۔ انصاری نے حضرت زبیرؓ سے کہا، پانی چھوڑو، حضرت زبیر نے انکار کیا تو دونوں نے رسول ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کیا، آپ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا: اپنی زمین کی سینچائی کرو، پھر پانی اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑ دو، انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ان کے حق میں فیصلہ اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ناتے کیا ہے۔ حضور ﷺ کا چہرۂ انور بدل گیا، آپ نے فرمایا: اے زبیر! اپنی زمین سینچو یہاں تک کہ پانی کھیت کی دیواروں تک پہنچ جائے)۔

نہروں کی کھدائی اور ان کی درستگی کا مسئلہ:

نہر کی زمین سے مٹی نکالنا، اس کی کھدائی کرنا، اس کے دونوں کناروں کی اصلاح ودرستگی، پلوں وغیرہ کی اصلاح ومرمت کا خرچ اور اخراجات نہر کی نوعیت کے حساب سے ہوگا، اور ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عام نہر جو کسی کی ملکیت نہ ہو:

اس کی اصلاح وغیرہ کا خرچ بیت المال (سرکاری خزانہ)، خراج اور جزیہ (ٹیکس) وغیرہ سے ہوگا، کیونکہ یہ مصلحت عامہ اور مفاد عام کے لئے ہے، اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو اور سرکاری خزانہ خالی ہو تو حاکم لوگوں کو نہر کی اصلاح پر مجبور کرے گا جبکہ لوگ اس کی اصلاح نہ کرتے ہوں، ایسا دفع ضرر اور مصلحت عامہ کے پیش نظر ہے۔ اسی تعلق سے حضرت عمرؓ کا قول ہے: "لو تر کتم لبعت أولادکم" (اگر تم یہ کام چھوڑ دو گے تو میں تمہاری اولاد کو بیچ دوں گا)۔ البتہ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اصلاح کا خرچ ان خوشحال مالداروں کے ذمہ کیا جائے گا جو خود سے اصلاح نہ کرسکتے ہوں، اور جو خود سے کام کرسکتے ہوں ان کو کام کا مکلف بنا کر ان کا نفقہ

Marfat.com

مالداروں پر لازم کیا جائے گا۔

(۲) وہ عام نہر جو ملکیت میں ہے اور وہ مقاسم میں داخل ہے یعنی اس کی تقسیم ممکن ہے اور اس میں پوری ایک جماعت شریک ہے۔ تو یہ من وجہ عام ہے اور من وجہ خاص ہے۔

اس کی درستگی کا خرچ نہر والوں کے ذمہ ہی ہوگا؛ کیونکہ حق انہیں کا ہے اور خاص طور پر فائدہ بھی انہیں کو ملے گا۔ اب ان میں جو خرچ سے انکار کرے تو بقیہ شریکوں کو لاحق ہونے والے ضرر عام کو ختم کرنے کے لئے اس پر جبر کیا جائے گا۔

(۳) نہر مملوک:

یعنی محدود جماعت کی مخصوص نہر، اس کی اصلاح کا نفقہ بھی نہر والوں پر ہوگا؛ کیونکہ نفع انہیں کو مل رہا ہے۔ لیکن اگر سب کے سب اصلاح کرنے سے باز آجائیں تو حاکم ان پر جبر نہیں کرے، کیونکہ وہ اپنے نفع اور نقصان کے خود مالک اور ذمہ دار ہیں (مزید تفصیل کے لئے الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۶/۶۶۰۴ تا ۶۶۵۴، نیز الفتاوی الہندیہ ۵/۳۸۹ ملاحظہ فرمائیں)۔

پانی میں فضول خرچی اور اس کا شرعی حکم:

سب سے پہلے ہم آیت کریمہ "کلوا واشربوا ولاتسرفوا الخ" کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کی موضوع سے متعلق تفسیر کا ضروری حصہ اور خلاصہ نقل کرتے ہیں، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض ولازم ہے، باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے، یہاں تک کہ مرجائے، یا اتنا کمزور ہوجائے کہ واجبات بھی ادا نہ کرسکے تو یہ شخص عنداللہ مجرم وگنہگار ہوگا، لہٰذا بقدر ضرورت کھانا پینا فرض ہے، لیکن اسراف جائز نہیں، اس کی ممانعت ہے اور اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، پھر حد سے تجاوز کرنے کی

Marfat.com

کئی صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہونچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے اور برتنے لگے، اس کا احرام ہونا ظاہر ہے۔

دوسری یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلا وجہ شرعی حرام سمجھ کر چھوڑ دے، جس طرح حرام کا استعمال جرم وگناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی قانونِ الٰہی کی مخالفت اوز سخت گناہ ہے (تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، روح المعانی)۔

اسی طرح یہ بھی اسراف ہے کہ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھائے پیئے، اسی لئے فقہاء نے پیٹ بھرنے سے زائد کھانے کو نا جائز لکھا ہے (احکام القرآن وغیرہ)۔

اسی طرح یہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کہ باوجود قدرت واختیار کے ضرورت سے اتنا کم کھائے جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے۔

الغرض کھانے پینے میں اعتدال ہی دین ودنیا میں نافع ہے۔ ابونعیم نے حضرت عمرؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "إیاکم والبطنة من الطعام والشراب فإنها مفسدة للجسد مورثة للسقم مکسلة من الصلاة وعلیکم بالقصد فیها فإنه أصلح للجسد وأبعد من السرف وإن الله تعالیٰ لیبغض الحبر السمین وإن الرجل لن یهلک حتی یؤثر شهوته علی دینه" (حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: بہت کھانے پینے سے بچو، کیونکہ وہ جسم کو خراب کرتا ہے، بیماریاں پیدا کرتا ہے، عمل میں سستی پیدا کرتا ہے؛ بلکہ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو کہ وہ جسم کے لئے زیادہ درست اور اسراف سے بعید تر ہے، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ فربہ جسم عالم کو پسند نہیں فرماتے (مراد یہ کہ جو زیادہ کھانے سے اختیاری طور پر فربہ ہو گیا ہو) اور فرمایا کہ آدمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنی نفسیاتی خواہشات کو دین پر ترجیح نہ دینے لگے (روح عن نعیم ۳۴۹/۴)۔

Marfat.com

سلف صالحین نے اس بات کو اسراف میں داخل قرار دیا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے ہی کے دھندے میں مشغول رہے یا اس کو دوسرے اہم کاموں میں مقدم جانے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا مقصد زندگی یہی کھانا پینا ہے۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو جی چاہے اس کو ضرور ہی پورا کرلے "إن من الإسراف أن تأكل كل ما اشتهيت" (ابن ماجہ عن أنس) (معارف القرآن ۳/۵۴۴)۔

نامور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی تفسیر میں کلوا واشربوا ولاتسرفوا الخ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: "الإسراف: تجاوز الحد في كل شيئ، والله تعالى يحب إحلال ما حلّ، وتحريم ما حرم، وذلك العدل الذي أمر به، فلا يصلح تجاوز الحد الطبيعي كالجوع والعطش والشبع والري، ولا المادي بأن تكون النفقة بنسبة معينة من الداخل لاتستأصله كله، ولا الشرعي فلايجوز تناول ماحرم الله من الميتة والدم ولحم الخنير وما ذبح لغير الله والخمر إلا للضرورة الخ" (التفسیر المنیر ۷-۸/۱۸۴)۔

(اسراف ہر شیٔ میں حد سے تجاوز کرنے کا نام ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی حلال کردہ چیز کو حلال کرنا اور حرام کردہ شیٔ کو حرام سمجھنا پسند فرماتا ہے، یہی وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا حد طبعی اور فطری جیسے بھوک، پیاس، آسودگی اور سیرابی سے تجاوز کرنا درست نہیں اور نہ مادی واقتصادی حد سے تجاوز صحیح ہے اس طور پر کہ خرچ آمدنی کے تناسب سے متعین ہوتا کہ اس کا استحصال نہ ہو، اور نہ حد شرعی سے تجاوز جائز ہے، لہٰذا جو اللہ تعالیٰ نے میتۃ (مردار)، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور شراب حرام کی ہے، ان کا استعمال بلا ضرورت جائز نہیں)۔

علامہ طبری کلوا واشربوا الخ کے ذیل میں یوں رقم طراز ہیں:

Marfat.com

وظاهر هذا يقتضى الأكل والشرب فى المأكولات والمشروبات إلا أن يخطره دليل أن لايكون مسرفا فيما يأتيه من ذلک فإنه أطلق الأكل والشرب على شرط أن لايكون مسرفاً فيهما...... والإسراف مذموم، ونقيضه الإقتار وهما مذمومان، والاقتصاد والتوسط هو المشروع، ومنه قيل دين الله تعالىٰ بين المقصر والغالى، وقد قال تعالىٰ: "والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلک قواماً"، ......ومن الإسراف فى الأكل، الأكل فوق الشبع، وكل ذلک محظور" (احکام القرآن للطبری ۳-۴/۱۳۸)۔

(اس حکم کے ظاہر کا مقتضی ماکولات اور مشروبات کا کھانا پینا ہے جب تک کہ کوئی دلیل اسے ممنوع نہ کرے، البتہ اس میں اسراف سے کام نہ لے؛ کیونکہ کھانے پینے کی آزادی اسراف نہ کرنے کی شرط کے ساتھ ہے۔...... اسراف مذموم ہے، اس کی ضد اقتار (ضرورت سے کم خرچ) ہے، اور یہ دونوں ہی مذموم ہیں، میانہ روی اور اعتدال ہی مشروع ہے، اسی لئے مقولہ ہے اللہ کا دین غلو اور کوتاہی کرنے والے کے درمیان ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ''اللہ کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت اسراف اور اقتار نہیں کرتے بلکہ اس کے درمیان قائم رہتے ہیں''......کھانے میں اسراف یہ بھی ہے کہ آسودگی سے زیادہ کھالے، یہ سب ممنوع ہے)۔

علامہ ابن العربی ''احکام القرآن'' میں اس مسئلہ کے حکم کے تعلق سے تحریر کرتے ہیں:

"الإسراف تعدى الحد، فنهاهم عن تعدى الحلال إلى الحرام، وقيل ألا يزيدوا على قدر الحاجة.

وقد اختلف فيه على قولين: فقيل: هو حرام، وقيل: هومكروه، وهو الأصح فإن قدر الشبع يختلف باختلاف البلدان والأزمان والأسنان والطعمان، وقد ثبت فى الصحيح أن النبى ﷺ أمر لرجل كافر بحلاب سبع شياه،

Marfat.com

فشربها ثم آمن، فلم يقدر على أكثر من حلب شاة، قال النبى ﷺ: "المؤمن يأكل فى معى واحد، والكافر يأكل فى سبعة أمعاء" (متفق عليه) وذلک أن القلب لما تنور بالتوحيد نظر إلى الطعام بعين التقوى على الطاعة، فأخذ منه قدر الحاجة، وحين كان مظلماً بالكفر كان أكله كالبهيمة ترتع حتى تثلط" (احکام القرآن لابن العربی ۳/۱۹۰)۔

(اسراف حد سے تعدی کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حلال سے حرام کی طرف تعدی اور تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممانعت اس بات کی ہے کہ وہ قدر حاجت پر اضافہ نہ کریں۔

اسراف کے حکم میں اختلاف کی وجہ سے دو قول ہیں:

ایک قول اس کی حرمت کا ہے جبکہ دوسرا اور زیادہ صحیح قول اس کی کراہت کا ہے؛ اس لئے کہ ممالک، زمانے، عمر اور کھانے وغیرہ کے بدلنے اور مختلف ہونے سے آسودگی کی مقدار بھی بدل جاتی ہے۔ صحیح حدیث سے یہ واقعہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک کافر آدمی کے بارے میں سات بکریوں کے دودھ کا حکم فرمایا چنانچہ وہ پورا دودھ پی گیا، پھر ایمان لے آیا، اس کے بعد ایک بکری سے زیادہ کا دودھ نہ پی سکا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے جبکہ کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب نور توحید سے منور ہوگیا تو اس نے کھانے کو طاعت پر تقویت حاصل کرنے کی نگاہ سے دیکھا اس لئے کھانا بقدر حاجت لیا، اور جس وقت اس کا دل کفر سے تاریک تھا تو اس کا کھانا چوپایہ کی طرح تھا جو چرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ کردیتا ہے)۔

اس بات کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے: "يأكلون كما تأكل الأنعام والنار مثوى لهم" (کافر جانوروں کی طرح کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانہ ہے)۔

Marfat.com

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں:

''اسراف نام ہے صرف بے اندازہ یا صرف بے محل کا...... اور اندازۂ معتبر اندازۂ شرعی ہے، اور اس کے بعد اندازۂ عقلی، نہ کہ اندازۂ نفسیاتی یا جذباتی، اس لئے ''لاتسرفوا'' کے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو، نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے'' (تفسیر ماجدی ۱۵۰/۲)۔

ترمذی شریف میں کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی الوضوء ثلاثا ثلاثا کی حدیث کی شرح میں صاحب تحفۃ الأحوذی لکھتے ہیں: ''العمل علی هذا عند عامة أهل العلم أن الوضوء یجزی مرة مرة، مرتین أفضل، وأفضله ثلاث، ولیس بعدہٗ شیٔ''، (اسی پر عام اہل علم کے نزدیک عمل ہے کہ وضو ایک ایک بار کافی ہے، دو مرتبہ بہتر اور افضل تین مرتبہ ہے، اس کے بعد کچھ نہیں) یعنی تین مرتبہ سے زیادہ کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ وہ فضول خرچی ہے اور موجب گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں: لا آمن إذا زاد فی الوضوء علی الثلاث أن یأثم (اگر کوئی شخص تین مرتبہ سے زیادہ وضو میں پانی صرف کرے تو میں اس کے گنہگار ہونے پر مامون نہیں ہوں)۔

حضرت امام احمد اور اسحٰق فرماتے ہیں: ''لایزید علی الثلاث إلا رجل مبتلی'' (تین پر اضافہ کوئی عقلی خلل میں مبتلا شخص ہی کرسکتا ہے) (ملاحظہ ہو: تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۱۳۱/۱، رقم الحدیث: ۴۴)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ غسل اعضاء میں واجب ایک ایک مرتبہ ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ ایک ایک، دو دو اور تین تین مرتبہ یا بعض کو تین اور بعض اعضاء کو دو مرتبہ دھونے کے سلسلہ میں صحیح احادیث آئی ہیں، اور

Marfat.com

اختلاف ان سب کے جواز کی دلیل ہے اور اس بات کی بھی کہ تین کمال ہے اور ایک کفایتی ہے (تحفۃ الأحوذی ۱/ ۱۲۸)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو اسراف کرنے والوں کا طرز اپنانے اور ان کے معاملہ کی پیروی کرنے سے منع کیا گیا ہے، "ولاتطیعوا أمر المسرفین" (شعراء:۱۵۱)۔ ایک جگہ تو تاکید کے ساتھ یہ بھی ذکر کردیا گیا ہے کہ "وأن المسرفین هم أصحاب النار" (غافر ۴۳) (اسراف کرنے والے ہی دوزخی ہیں)۔

معلوم ہوا کہ اسراف کسی بھی چیز میں اور کسی بھی حالت میں محمود اور پسندیدہ نہیں، یہ بھی مشاہدہ ہے کہ دیگر امور کے مقابلہ میں انسان پانی کے استعمال میں فضول خرچی زیادہ کرتا ہے، جس فراوانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے اتنی ہی بے دردی کے ساتھ اسے خرچ کیا جارہا ہے، گلی کوچوں اور اسٹیشنوں پر ٹونٹی سے پانی لینے کے بعد کھلی چھوڑ دینا اور اس طرح پانی کا گرنا اور ضائع ہونا کوئی نئی بات نہیں۔

پانی کی خرید وفروخت میں امام ابو یوسف کی رائے:

قال: ولا بأس ببیع الماء إذا کان فی الأوعیة، وهذا ماء قد أحرزه فی وعائه فلا بأس ببیعه ...... وإن کان فی بئر أو عین یزداد ویکثر أو لایزداد ولایکثر فلا خیر فی بیعه ولو باعه لم یجز البیع۔

قال: وحدثنا العلاء بن کثیر عن مکحول قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لاتمنعوا کلأ ولا ماء ولا ناراً فإنه متاع للمقوین، وقوة للمستضعفین" (الخراج لابی یوسف رحمہ اللہ، ۱۰۳)۔

پانی کی بیع اور خرید وفروخت کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الخراج" میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

"پانی جب برتنوں میں محفوظ ہو تو اسکی بیع میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں؛ کیونکہ یہ ماء محرز ہے......لیکن اگر کسی کنویں یا چشمہ میں بڑھتا گھٹتا رہتا ہو تو اس کے بیچنے میں کوئی خوبی نہیں، اور اگر بیچ دے تو جائز نہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہم سے علاء بن کثیر نے مکحول کے واسطہ سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھاس، پانی اور آگ کو دینے سے نہ روکو، اس لئے کہ وہ جنگل والوں کے لئے برتنے کا سامان اور کمزوروں کے لئے تقویت ہے"۔

جنگل والوں اور مسافروں نیز معمولی اور کمزور لوگوں کو ان چیزوں سے بہت کام پڑتا ہے، اور یوں تو سبھی کا کام چلتا ہے۔

فلٹر کئے ہوئے پیشاب کا حکم:

پیشاب فلٹر کرنے کے باوجود ناپاک ہی رہے گا۔

پیشاب کے تمام اجزاء متعفنہ وضاریہ کو ایک مشین سے کشید کر کے ختم کرنے کے بعد اگر مثل پانی کر دیا جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور کیا یہ قلب ماہیت ہے؟ اس استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی صاحب مرحوم بڑی تحقیق وتدقیق اور انتہائی صراحت ووضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کشید کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں، اور پیشاب بجمیع اجزاء نجس العین اور نجس بنجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بنجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی، اس کو قلب ماہیت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تجزیہ وتخرجہ ہوا نہ کہ قلب ماہیت۔ قلب ماہیت تو یہ ہے کہ سابق حقیقت

Marfat.com

معدوم ہو کر نئی حقیقت و نئی ماہیت بن جائے نہ پہلی حقیقت و ماہیت باقی رہے نہ اس کا نام باقی رہے، نہ اس کی صورت و کیفیت باقی رہے، نہ اس کے خواص و آثار و امتیازات باقی رہیں، بلکہ سب چیزیں نئی ہو جائیں، نام بھی دوسرا، صورت بھی دوسری، آثار و خواص بھی دوسرے، اثرات و علامات اور امتیازات بھی دوسرے پیدا ہو جائیں جیسے شراب سے سرکہ بنالیا جائے (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۲۶)۔

اسی کے مثل یہ سوال کہ اگر پیشاب پکا کر اس کی شوریت کو نکال کر نمک بنا دیا جائے تو شرعی نقطۂ نظر سے اس نمک کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''پیشاب شوریت وغیر شوریت بجمیع اجزاء نجس بعینہ اور غیر مباح الشرب والأکل ہوتا ہے اس لئے شوریت نکال دینے کے بعد بھی بقیہ اجزاء ناپاک ونجس ہی رہیں گے اور ان کا استعمال ناجائز ہی رہے گا، ہاں اگر پیشاب نمک کی کان میں پڑ کر نمک بن جائے اور غیر متمیز ہو جائے تو ''الخلط استہلاک'' کے مطابق اس پر پیشاب کا حکم باقی نہ رہے گا'' (ایضاً ۲۵)۔

محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''ایک چیز ہے کسی شئ کی ماہیت اور حقیقت کو تبدیل کر دینا اور دوسری اس کا تجزیہ کر گزرنا (Decompose)، اگر کسی چیز کی حقیقت ہی یکسر بدل دی جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے، اور اگر محض اس کے اجزاء کسی طرح الگ کر لئے جائیں تو اس کی وجہ سے اس کے احکام نہیں بدلیں گے، مثلاً پاخانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو اب وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی، شراب میں نمک ڈال کر سرکہ بنا دیا جائے تو اسکی حرمت اور ناپاکی ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی طرح سائنٹفک طریقہ پر اس کے بعض اجزاء نکال لئے جائیں جس سے بو ختم ہو جائے تو اس کے باوجود وہ ناپاک رہے گا۔

Marfat.com

پیشاب فلٹر (Filter) کرنے کی وجہ سے غالبًا اپنی حقیقت نہیں کھوتا بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لئے جاتے ہیں اس لئے وہ ناپاک ہی رہیں گے، ان کا پینا یا وضو وغسل وغیرہ کے لئے ان کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصے کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا'' (جدید فقہی مسائل ۱/۱۰۸)۔

نالیوں کے فلٹر شدہ پانی کا حکم:

نالیوں میں بہنے والے پانی کو فلٹر کرنے کے بعد اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں المجمع الفقہی مکہ مکرمہ کے گیارہویں سمینار کا پانچواں فیصلہ نقل کیا جاتا ہے:

المجمع کے اس اجلاس میں اس سوال پر غور کیا گیا کہ جاری پانی کی صفائی کردی جائے تو اس سے وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے اور نجاست کا ازالہ اس پانی سے ہوجاتا ہے یا نہیں؟

کیمیاوی طریقہ پر پانی کی صفائی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا، انھوں نے واضح کیا کہ اس صفائی میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ترسیب ہے یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کرلینا، تیسرا مرحلہ بیکٹریاز کو ماردینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹریاز دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا، ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے، یہ ماہرین مسلمان، عادل اور صدق وامانت میں قابل اعتماد ہیں۔

لہٰذا المجمع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعہ صاف کردیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجائے گا اور اس پانی سے رفع حدث (پاکی کا حکم) اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہوجائے گا کہ زیادہ پانی جس میں نجاست گرگئی ہو اگر نجاست کا ازالہ اس طرح ہوجائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجاتا ہے (فقہی فیصلے - مکہ مکرمہ ۲۲۶)۔

Marfat.com

اس فیصلے پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (صدر فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ) اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (نائب صدر) کے علاوہ اہم حضرات علماء کرام جیسے ڈاکٹر یوسف القرضاوی، شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء، شیخ محمد بن عبداللہ بن السبیل (امام حرم) اور دیگر اہم ممبران مجلس کے دستخط ہیں۔

نالہ کے صاف کئے گئے پانی کا مباح اور شرعی استعمال:

نالہ کے صاف کئے گئے پانی کا مباح اور اس کے شرعی استعمال کے سلسلہ میں المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے ایک رکن شیخ بکر ابوزید یوں فرماتے ہیں:

"نالے دراصل اس غرض سے تیار کئے جاتے ہیں کہ لوگوں کے لئے دینی اور جسمانی اعتبار سے ضرر رساں چیزیں وہاں ڈال دی جائیں تاکہ پاکی حاصل رہے اور ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔

اب ایسے جدید وسائل پیدا ہوگئے ہیں جن کے ذریعہ نالوں کے گندے پانی کو صاف وشیریں پانی میں تبدیل کر کے مختلف شرعی اور مباح استعمال کے قابل بنا دیا جاتا ہے، جیسے اس پانی سے پاکی حاصل کرنا، اس کو پینا، اسی سے سینچائی کرنا۔

اس ترقی کے پیش نظر جب نالے کے پانی کی ان علتوں اور اوصاف کی تحقیق کی جائے جن کی وجہ سے اس پانی کے استعمال کی ہر صورت یا بعض صورتیں ممنوع تھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نالے کے پانی میں درج ذیل علتیں ہوتی ہیں:

اول: مزہ، رنگ اور بو والی نجس فضلات۔

دوم: متعدی امراض کے فضلات اور دواؤں وجراثیم کی کثافت۔

سوم: گندگی اور خباثت جو نالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتی ہے اور

Marfat.com

اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑے اور حشرات کیوجہ سے ہوتی ہے جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں، ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے۔

اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ، مزہ اور بو بدل جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتیں اور نقصان دہ جراثیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

زراعتی محکمے برابر یہ آگاہی دیتے رہتے ہیں کہ صاف کئے گئے پانی سے ان کھیتوں کو سیراب نہ کیا جائے جن کی سبزیاں بغیر پکائے کھائی جاتی ہیں، تو ایسے پانی کو براہ راست پینا کیسا ہو سکتا ہے، جسم کی محافظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے، اس لئے کسی بیمار کو صحت مند کے ساتھ نہیں رکھا جاتا، اور جس طرح دین کی اصلاح کے لئے ضرر رساں چیزوں کی ممانعت ہے، جسم کی اصلاح کے لئے بھی مضر چیزوں کی ممانعت واجب ہے۔

اور اگر یہ علتیں زائل بھی ہو جائیں تو اپنی اصل کے اعتبار سے اس کی خباثت اور گندگی کی علت باقی رہتی ہے؛ کیونکہ یہ پانی پیشاب اور پاخانہ سے کشید کیا جاتا ہے تاکہ اسے شرعیات اور عادات میں برابر طور پر استعمال کیا جائے۔

یہ معلوم ہے کہ شافعی مذہب میں اور حنابلہ کے معتمد مذہب میں استحالہ کی وجہ سے یہ طہارت کی طرح منتقل نہیں ہوتی، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں جلالہ (نجاست کھانے والے) جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دینے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے، نیز دیگر علتیں بھی ان فقہاء کے پیش نظر ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہوتے ہوئے مسئلہ پر علماء متقدمین میں جو اختلاف جاری ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے اور بالیقین انہوں نے

Marfat.com

تبدیل کے حکم کو ان موجودہ نالوں پر منطبق نہیں کیا ہے جس میں نجاستیں، گندگیاں، ڈسپنسری اور ہاسپٹل کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اور آج کے مسلمان ابھی اضطرار کی حالت کو نہیں پہنچے ہیں کہ پاخانہ کو صاف کر کے اسے طہارت حاصل کرنے اور اس کو پینے کے لئے دیا جائے، کافر ملکوں میں اس کو دولت سمجھنے کا تصور ہمارے لئے قابل اعتماد نہیں کہ ان کے طبائع کفر کی وجہ سے فاسد ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں یہ متبادل موجود ہے کہ سمندر کے پانی کو صاف کیا جائے اور اخراجات کے ایک بڑے حصہ کو اس طرح پورا کیا جائے کہ پانی کے استعمال کی قیمت اتنی بڑھا دی جائے جس میں ضرر نہ ہوتا کہ پانی کے بے جا خرچ کی ممانعت کا قاعدہ شرعی جاری کیا جائے"۔ (فقہی فیصلے مکہ مکرمہ/ ۲۲۷ تا ۲۲۹)۔

ناچیز راقم الحروف بھی اس خیال سے مکمل اتفاق کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ نعمتیں انسان کو بڑی مقدار میں دی ہیں جن کی اسے ہر وقت ضرورت پڑتی ہے، البتہ اگر کسی علاقے اور جگہ میں گندے نالوں کا متبادل نہ ہو اور مسلمان اضطرار کی حالت کو پہنچ جائیں تو پھر جواز کی صورت میں کوئی کلام نہ ہوگا۔

انقلاب ماہیت اور فقہ اکیڈمی ہند کا فیصلہ:

پچھلے صفحات میں انقلاب ماہیت کا بار بار تذکرہ آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعلق سے منعقد ہونے والے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے سمینار کی دو تجویزیں ذیل میں درج کر دی جائیں:

۱- وہ چیزیں جن کو اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور ان کی حرمت اور نجاست کا تعلق ان کی ذات سے ہے، اگر اس شئ کی حقیقت اور ماہیت کسی انسانی عمل یا کیمیاوی وغیر کیمیاوی طریقہ یا فطری اور ماحولیاتی عوامل ومحرکات کی وجہ سے تبدیل ہو جائے تو اس کا سابق حکم

Marfat.com

باقی نہ رہے گا بلکہ اس کا نیا حکم ہو جائے گا، اس سلسلہ میں نجس العین اور غیر نجس العین میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

۲- تبدیل ماہیت سے مراد یہ ہے کہ شئ کے وہ مخصوص اوصاف جن کا تعلق اس کی ذات سے ہے، تبدیل ہو جائیں، اور اس کے غیر مؤثر اوصاف جن کا اس کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں، باقی رہ جائے تو یہ تبدیل ماہیت میں رکاوٹ نہیں ہوگی (قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی بالہند للندوات ۱-۱۴)۔

نشیبی علاقوں میں آبادی اور اس کی پلاننگ کا حکم:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نشیبی علاقوں میں آبادی یا ان کی پلاننگ کر کے اُن کو فروخت کرنے اور وہاں آبادیاں بسانے سے پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے اور اس سے بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی بھی متاثر ہوتی ہے، اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے۔

لہٰذا اجتماعی مصلحت اور ضرر عام سے حفاظت کے نقطۂ نظر سے اس کی اجازت نہ ہوگی، اگر حکومت کی طرف سے ممانعت ہو تو حکم ظاہر ہے، اور اگر ممانعت نہ ہو اور صریح اجازت بھی نہ ہو تو آبادی بسانے یا پلاننگ کرنے کی اجازت اسی وقت ہوگی جب پانی کی نکاسی کا انتظام اور ذخیرہ اندوزی کا متبادل موجود ہو۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"فأما إذا نصب الماء عن جزيرة في دجلة ...... فليس لأحد أن يحدث فيها شيئاً لا بناءً ولا زرعاً، لأن مثل هذه الجزيرة إذا حُصنت وزرعت كان ذلك ضرراً على أهل المنازل والدور.

وقال: ولايسع الإمام أن يقطع شيئاً من هذا، ولايحدث فيه حدثا" (کتاب الخراج لأبی یوسف ر ۹۹)۔

Marfat.com

(اگر دجلہ نہر میں کسی جزیرہ کا پانی خشک ہو جائے ...... تو کسی کو اس میں کسی نئی چیز کے بنانے کا اختیار نہیں، نہ عمارت اور نہ کاشت، کیونکہ اس طرح کا جزیرہ جب محفوظ کر دیا جائے گا کاشتکاری کر دی جائے گی تو گھر والوں اور آبادیوں کو ضرر پہنچے گا۔

اور فرمایا: امام وقت کے لئے اس میں سے کوئی ٹکڑا دینے اور اس میں کوئی نئی آبادی بسانے کی گنجائش نہیں ہے)۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شرعی احکام:

پانی چونکہ انسانی زندگی کی بنیادی اور اہم ضرورت ہے بلکہ ہر شئی کی بقا اسی سے قائم ہے، اور اللہ کی انمول نعمت ہے، اس لئے اسلامی شریعت میں پانی کو آلودگی سے بچانے کی بہت تاکید کی گئی ہے اور وہ تمام صورتیں جن سے پانی براہ راست آلودہ ہو یا وہ آلودگی کا ذریعہ بنیں ممنوع قرار دی گئی ہیں اور عام طور پر اس تعلق سے دیئے گئے احکام وجوب کی نوعیت کے ہیں: جب کہ ان میں بعض اخلاقی بھی ہیں، بطور مثال چند احادیث پیش کی جاتی ہیں کیونکہ سب کا احاطہ مشکل ہے:

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثا، فإنه لايدری أين باتت يده (متفق علیہ)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ تین بار دھو نہ لے: اس لئے کہ اسے معلوم نہیں سوتے میں اس کا ہاتھ کہاں گیا)۔

اس حدیث میں دیئے گئے حکم کی نوعیت وجوب کی ہو سکتی ہے جبکہ قرینہ اور ظن غالب یا تجربہ سے ہاتھ کا ان مقامات پر جانا ثابت ہو جائے جن سے آلودگی ہوتی ہے یا طویل نیند کے

Marfat.com

بعد بیدار ہوا ہو، اور اگر چند منٹ یا تھوڑی دیر کے لئے بطور قیلولہ وغیرہ کے سویا جس میں ظن غالب آلودگی کا نہ ہوتو ایسی صورت میں یہ حکم اخلاقی ہوگا۔

پھر اس حدیث کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اگر آلودگی ہو بھی تو ایک مرتبہ دھو لینے سے زائل ہو جائے گی، ایک سے زائد تین مرتبہ دھونے کا حکم اخلاقی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث: "**لایبولن أحدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منه**" (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس سے غسل کرے)، بعض روایت میں "**ولایغتسل فیه من الجنابة**" ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مؤلف عون المعبود لکھتے ہیں:

"**فیه صراحة فی المنع من کل واحد من البول والاغتسال فیه علی انفراده**" (اس حدیث میں صراحت کے ساتھ پانی میں پیشاب اور اس میں غسل کرنے سے علاحدہ علاحدہ ممانعت ہے)۔

اس حدیث کی بعض روایتوں کے الفاظ میں "**ثم یتوضأ منه**" ہے، صاحب تحفۃ الاحوذی اس حدیث کی شرح میں حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"**نقل عن مالک أنه حمل النهی علی التنزیه فیما لایتغیر، وهو قول الباقین فی الکثیر، وقال القرطبی یمکن حمله علی التحریم مطلقاً علی قاعدة سد الذریعة لأنه یفضی إلی تحلیل الماء انتهی**"۔

(امام مالک سے منقول ہے کہ انہوں نے حدیث میں وارد نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے جب کہ پانی میں تغیر نہ آئے، بقیہ دیگر حضرات کا بھی یہی قول ماء کثیر کے سلسلہ میں بھی ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث کے حکم کو مطلقاً تحریم پر محمول کرنا سد ذریعہ کے قاعدہ پر ممکن ہے؛ اس لئے کہ یہ پانی کی تنجیس اور اس کو ناپاکی تک پہنچانے والا عمل ہے)۔

Marfat.com

اس تشریح سے یہ مسئلہ بالکل صاف اور بے غبار ہو جاتا ہے کہ پانی کی آلودگی سے متعلق احکام محض اخلاقی نہیں ہیں بلکہ وجوبی ہیں، کیونکہ اگر ماء کثیر کی صورت میں پیشاب کرنا یا کوئی بھی عمل پانی کو آلودہ کرنے والا اختیار کرنا اگرچہ براہ راست آلودگی نہیں ہے لیکن پھر بھی سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے؛ اس لئے کہ مفضی إلی التنجیس ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز فی الموارد، وقارعة الطریق والظل'' (تین لعنت کے اسباب یعنی پانی کے راستہ یا گھاٹ، چالو راستہ اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے بچو)۔

اس حدیث کا قابل غور پہلو یہ ہے کہ پانی کے گھاٹ یا راستہ اور نالی میں پاخانہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ وہ پانی کی ناپاکی کا ذریعہ ہے۔

خود قرآن کریم کی آیت: ''وأنزلنا من السماء ماءً طهوراً'' میں پانی کی صفت طہور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پانی کا نزول اور اس کی تخلیق وصف طہور کے ساتھ کی ہے، اور طہور کہتے ہیں جو خود طاہر اور دوسرے کے لئے مطہر ہو، تو پانی کو اس صفت پر باقی رکھنا مطلوب ہے، اور ہر وہ چیز ممنوع ہے جو اسے اس وصف سے جدا کردے یا کلی اور جزوی طور پر متاثر کردے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

''ایسے مقامات پر بھی قضاء حاجت نہیں کرنی چاہئے جس سے دوسروں کو دقت ہو اور لوگ برا بھلا کہنے پر مجبور ہوں، رہ گزر پر کہ چلنے والوں کو پریشانی ہوگی، سایہ دار جگہ میں کہ مسافرین ٹھہر سکیں، تالاب، چشمے، حوض اور پانی کی جگہ (موارد) پر کہ یہ بھی عامۃ الناس کے لئے تکلیف کا باعث ہے، اسی طرح لوگوں کے بیٹھنے اور بیٹھ کر گفتگو وغیرہ کرنے کے مقامات پر بھی قضاء حاجت مکروہ ہے'' (حلال و حرام/۸۶-۹۶)۔

Marfat.com

حکومت کے واجبات اور اس کے ساتھ ہمارا تعاون:

ہمارا دین اور مذہب خیر اور تقوی کے کام میں تعاون، ذمہ داروں کی ہر جائز کام میں اطاعت اور ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت اور باہمی خیر سگالی کا جذبہ رکھنے کی نہ صرف تعلیم دیتا ہے بلکہ اس پر زور دیتا اور تاکید کرتا ہے، زمین، زندگی اور سماج کے نظام کو درست کرنے اور اسے بگاڑ اور فساد سے بچانے، نیز اجتماعی مصلحت اور مفاد عامہ کو شخصی اور ذاتی منفعت پر ترجیح دینے اور ضرر عام کا دفاع کرنے کی نہ صرف تلقین کرتا ہے بلکہ اس پر ابھارتا اور اس کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد باری ہے: "تعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان" (خیر اور پرہیز گاری کے کاموں پر باہم ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو)، فرمان الٰہی ہے: "أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" (اللہ، رسول اور اپنے ذمہ داران کی اطاعت کرو)، یہ ذمہ داران خواہ کیسے بھی ہوں حق اور جائز کام میں نظام باقی رکھنے کے لئے ان کی بات سننا اور ماننا چاہئے، حدیث میں ہے: "علیکم السمع والطاعة ولو تأمر علیکم عبد حبشی" (تم پر بات سننا اور ماننا لازم ہے اگرچہ کسی کالے کلوٹے غلام کو تمہارا امیر بنا دیا جائے)، بعض روایات میں ہے کہ اگرچہ وہ ذمہ دار ناک کٹا ہو اور اس کی دونوں آنکھیں کشمش کی طرح چھوٹی چھوٹی ہوں یعنی بدشکل اور بدصورت ہو۔

لیکن اگر امیر اور ذمہ دار کسی ایسے کام کا حکم دیتا ہے جس کی تعمیل میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو ہرگز وہ کام نہ کیا جائے گا اور نہ اس کی بات مانی اور سنی جائے گی، حدیث میں یہ مسئلہ بالکل واضح کر دیا گیا ہے: "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (کسی مخلوق کی اطاعت، خالق کی نافرمانی کے ساتھ نہیں کی جائے گی)۔ حدیث میں "الدین النصحیة" (دین سراپا خیر خواہی ہے) آیا ہے، اس کے عموم پر نظر کرتے ہوئے اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ہر شخص یا

Marfat.com

جماعت یا حکومت کے ساتھ ہمارا یہ خیر خواہانہ معاملہ ہو، بلکہ اسی حدیث میں ہے کہ جب صحابہؓ نے دریافت کیا خیر خواہی کن کن لوگوں کے ساتھ ہو تو آپ نے منجملہ ان کے "ولأئمة المسلمين وعامتهم" فرمایا کہ مسلمانوں کے امور کے ذمہ داران، حکمراں حضرات اور عوام الناس کے ساتھ خیر خواہی ہوگی، اور حکمراں کی خیر خواہی معاونت علی الحق ہے۔ لہٰذا حکومت اپنی رعایا اور عوام کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرنے، اجتماعی مصلحت کا خیال رکھنے، اور ضرر عام پر پابندی عائد کرنے کی ذمہ دار ہے، ہر شہری اور ملک کے ہر باشندے کو زندگی گزارنے کی بنیادی ضروریات مہیا کرنا، ان کی نگرانی اور دیکھ ریکھ حکومت کی اولین ترجیح ہونی چاہئے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دلانا، ظلم وجور کا خاتمہ کرنا، امن عامہ برقرار رکھنا، نظام میں اصلاح ودرستگی پیدا کرنا، اور نظم وضبط کے ساتھ ہر چیز کو قائم رکھنا، اس کے فرائض وواجبات میں شامل ہے۔

اسی طرح حکومت کے قوانین اور ملک کے آئین کا بشرطیکہ اسلام اور شریعت کے احکام سے متصادم ومتعارض نہ ہوں، پالن کرنا تاکہ نظامِ حیات ٹھیک سے چل سکے ہر باشندہ پر لازم ہے۔

خلاصۂ بحث:

پانی اللہ کی ایک عظیم نعمت اور انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے، یہ پانی جہاں پیاس بجھانے اور تشنگی دور کرنے کا کام کرتا ہے اور اس سے انسان کی دیگر ضروریات پوری ہوتی ہیں، وہیں ظاہری اور حکمی نجاست دور کرنے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جابجا اس انمول نعمت کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ قرآن میں "ماء" کا لفظ پانی کے معنی میں ۵۸ جگہ آیا ہے جبکہ یہ لفظ منی کے معنی میں ۴/ آیات میں استعمال ہوا ہے، اس لئے اس نعمت کی قدردانی، حفاظت اور شکرگزاری ہر ایک پر لازم ہے، بطور امتنان اللہ فرماتا ہے:

"أفرأيتم الماء الذى تشربون، أأنتم أنزلتموه من المزن أم نحن

Marfat.com

المنزلون، لو نشاء لجعلناه أجاجا فلو لا تشكرون" (الواقعۃ:۶۸-۷۰)۔

(کیا تم پینے والے پانی کونہیں دیکھتے، کیا تم نے اسے بادلوں سے اتارا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا بنادیں تو تم شکر گزاری کیوں نہیں کرتے)۔

ایک جگہ پانی کا اہم مقصد تطہیر کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:"وأنزلنا من السماء ماءً طهوراً" (الفرقان:۴۸) (ہم نے آسمان سے طاہر ومطہر پانی اتارا)۔

سورۂ انفال میں فرمایا:

"وینزل علیکم من السماء ماء لیطهر کم به" (انفال:۱۱)۔

(وہ تم پر آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تاکہ تم کو اس کے ذریعہ پاک کرے)۔

پانی کی اہمیت اور اس کی برتری سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، قرآن میں "ماءً طهوراً"، "ماء مبارکا" اور "ماء فراتا" کے وارد ہونے والے الفاظ اس کی مختلف حیثیتوں کی طرف توجہ مبذول کراتے اور دعوتِ غور وفکر دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے "آبی وسائل اور ان کا شرعی حل" جیسے اہم موضوع پر غور وفکر اور صحیح نقطۂ نظر پیش کرنے کے لئے جو سوالنامہ تیار کیا ہے، اس کا جواب خلاصۂ بحث کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

۱- پانی اپنی خلقت کے اعتبار سے مباح الاصل ہے، قدرت نے اس کی فطرت میں تطہیر کا مادہ رکھا ہے، پیاس بجھانا، کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنا اس کے مقاصد میں شامل ہے، لہٰذا شریعت نے پانی کے استعمال کے متعلق عمومی احکام یہ دیئے ہیں کہ استعمال میں فضول خرچی یا بے جا خرچ سے پرہیز کیا جائے، اور استعمال کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے براہ راست یا بالواسطہ اس کی آلودگی نہ ہوتی ہو، اپنی ملکیت اور تحویل میں لینے اور برتن وغیرہ میں محفوظ کرنے کے بعد اسے جس طرح چاہے استعمال کرے، فروخت بھی کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق ان تمام صورتوں پر ہوگا جن میں حد سے تجاوز اور قدر ضرورت سے زیادتی پائی جائے، اور فضول خرچی صحیح ترین قول کے مطابق مکروہ ہے، جبکہ ایک دوسرا قول حرام کا بھی ہے۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں وہ تمام صورتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں، جن سے براہ راست پانی ناپاک اور آلودہ ہوتا ہے، یا وہ اس کی آلودگی کا سبب اور ذریعہ ہیں، عموماً یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں، جبکہ بعض حالات میں وہ محض اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں۔

۴- موجودہ دور میں کیمیاوی عمل کے ذریعہ پانی کی بدبو اور آلودگی دور کر کے آبی ذخیرہ کو جو صاف کیا جاتا ہے، اور اسے قابل استعمال بنایا جاتا ہے، تو پانی اسی صورت میں اس کیمیاوی عمل کے ذریعہ پاک ہوگا اور اس کا استعمال درست ہوگا، جبکہ پانی کے اجزاء ناپاک اجزاء پر غالب ہوں، اور کسی جگہ کے حالات ایسے ہوں کہ وہاں پانی کی اس قسم کے علاوہ اس کا متبادل فراہم نہ ہو۔

اگر پانی میں آلائشوں اور گندگیوں کا حصہ غالب ہو، یا حالت اضطراری نہ ہو یا متبادل موجود ہو تو پھر پانی راقم الحروف کے نزدیک کیمیاوی عمل سے بھی پاک نہ ہوگا، اور استعمال بھی اس کا درست نہ ہوگا، کیونکہ جب پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اور ہر شئی کی زندگی اس سے قائم و باقی ہے، تو اللہ تعالی نے وافر مقدار میں اسے پیدا فرمایا ہے، اور مختلف شکلوں میں اس کا ذخیرہ کر دیا ہے، چنانچہ دنیا کا ایک تہائی حصہ پانی ہی ہے۔

واضح رہے کہ پیشاب فلٹر کرنے اور کسی بھی کیمیاوی عمل سے پاک نہیں ہوگا، انقلاب ماہیت نہیں پایا جاتا۔

۵- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے مقامات اور جگہوں پر پانی کی بڑی قلت ہے، اسی قلت کے [illegible] نظر حکومتیں بعض استعمالات پر پابندی عائد کرتی ہیں، تاکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو

Marfat.com

اور عوام الناس کو ضرر لاحق ہونے سے بچایا جا سکے، اگر ایسا نہ ہو تو ضرر عام کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے ایسی صورتوں میں حکومت ان ریاستوں اور مقامات پر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی عائد کرنے کی مجاز ہے، اور اس کا حکم شرعاً واجب التسلیم اور لائق عمل ہوگا۔

٦- انسان کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا پانی عموماً اس کی ملکیت ہوتا ہے، الا یہ کہ کسی جگہ عرف عام یا ملک کے آئین یا بعض استثنائی مقامات پر اسے حکومت کی ملک سمجھا جاتا ہو، اگر مملوکہ زمین میں حکومت بورنگ کرانے سے منع کرے تو اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا متبادل فراہم کرے، تاکہ اس شخص کی ضرورت پوری ہو سکے، اگر متبادل فراہم کرنے کے بعد ضرر عام سے تحفظ اور اجتماعی مصلحت کے حصول کے لئے حکومت بورنگ کرانے پر پابندی عائد کرے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

٧- پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت کے علاوہ شہریوں پر بھی ہے، ہر شہری کو اس سلسلہ میں حکومت کا تعاون کرنا چاہئے، لہذا اگر حکومت لوگوں پر حفاظتِ آب کے مقصد سے اپنے مکانوں کے ایک حصہ کو پانی کے لئے مختص کرنے کو لازم قرار دے تو ایسا حکم دینے کا اسے حق ہے، اور شرعاً اس کی تعمیل واجب ہوگی، پانی کی ذخیرہ اندوزی جہاں ایک طرف حکومت کی ذمہ داری ہے، وہیں دوسری طرف افراد کو بھی مکلف بنایا جا سکتا ہے؛ کیونکہ نظامِ حکومت بغیر افراد اور عوام کے تعاون کے نہیں چل سکتا ہے۔

٨- اجتماعی مصلحت کے پیش نظر متبادل زمین فراہم کر کے ڈیم تعمیر کرنے یا بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے وہاں سے آبادیوں کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔

٩- تباہ کن سیلاب میں بستی کے غرق ہونے کا اندیشہ سے باندھ کاٹ کر پانی آگے بڑھا دینا اس وقت جائز ہے جبکہ ضرر عام نہ پایا جائے، یا پانی کے رخ پر آبادی نشیب میں نہ ہو، اگر اگلی آبادی کم ہو اور جہاں باندھ کاٹا جا رہا ہے وہاں کی آبادی اس کی بنسبت زیادہ ہو تو ضرر عام

Marfat.com

سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو گوارہ کرلیا جائے گا۔

یا آبادی ایسے نشیبی علاقے میں ہو جہاں عام طور پر بارش کے ایام میں تباہی اور غرقابی کا اندیشہ رہتا ہے، تو ایسی صورت میں باندھ کاٹا جا سکتا ہے، کیونکہ ایسی نشیبی جگہوں میں آبادی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ "لاتلقوا بأيديكم إلى التهلكة"۔

۱۰- جب پانی کسی ایک شخص کی ملکیت ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ جس طرح اور جس قدر چاہے فضول خرچی سے بچتے ہوئے استفادہ کرے، لیکن اگر پانی مشترک ہے، جیسے دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب وغیرہ تو اس سے استفادہ عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کے ذریعہ ہوگا، خواہ یہ تقسیم زمانی باری کے ذریعہ ہو، اس طور پر کہ ایک شخص ایک متعین زمانہ میں پانی کا مالک ہو، یا یہ تقسیم کھیتوں، فصلوں اور نالیوں کی طرف جانے والے پانی کے نالوں کے ذریعہ مناسب طریقہ پر ہو، اور اس میں پانی سے استفادہ کرنے والے کی زمین کی مساحت کا لحاظ رکھا گیا ہو، یا عدل پر مبنی اور عرف عام میں رائج کوئی ایسا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے جو قابل قبول ہو اور تنازع کا سبب نہ بنے۔

۱۱- اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں سے گذرتی ہو تو مختلف لوگوں کو اپنے کھیت اور زمین کی مساحت کے لحاظ سے استفادہ کا حق ہوگا، اور نہر کے بالائی حصہ سے اس کی شروعات ہوگی، جب وہ استفادہ کرلے گا تو اپنے مابعد والے کے لئے پانی چھوڑ دے گا، اس طرح آخر تک سلسلہ جاری رہے گا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ بیک وقت سب کو ضرورت پڑ جائے، لیکن اگر علاقوں کے لحاظ سے پانی تقسیم ہو یا کسی جگہ کا عرف یہ ہو کہ نیچے کے حصہ سے شروعات کرتے ہوئے بالائی حصہ کے کھیتوں تک پانی لایا جاتا ہے تو عرف عام کے مطابق عمل ہوگا، تقسیم میں عدل وانصاف ضروری ہے، خواہ زمانی اعتبار سے تقسیم ہو یا کھیتوں کی مساحت کے اعتبار سے۔

۱۲- جب پانی کا کنواں یا نہر یا ٹیوب ویل اور ہینڈ پمپ وغیرہ اپنی مملوکہ زمین میں ہو

Marfat.com

یا وہ پانی اصلاً مباح ہو لیکن اپنے برتن، گھڑے وغیرہ میں محفوظ کرلیا جائے تو اس پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، جب ملکیت حاصل ہوگئی تو پھر جس طرح چاہے استفادہ کرے۔

۱۳- مملوکہ پانی کی تجارت جائز ہے اور پانی کی خرید و فروخت کو ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے، اس کا رواج ہر دور میں رہا ہے، آج کل اس نے نفع بخش تجارتی شکل اختیار کرلی ہے۔

۱۴- نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کر کے ان میں آبادیاں بسانا (جبکہ اس سے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوتی ہو، اور سطح آب نیچے چلی جاتی ہو، اور پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہو، اور اس کا کوئی متبادل نظم بھی نہ ہو) جائز نہیں ہے، حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت اور عدم ممانعت کا حکم یکساں ہے، البتہ ممانعت کی صورت میں شناعت اور بڑھ جاتی ہے۔

۱۵- آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے خصوصاً اس وقت جبکہ عوام تک پینے اور دیگر استعمال کے لئے پانی پہنچانا، حکومت کے پروگرام میں شامل ہو، ایسی صورت میں حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا اور اجرت متعین کرنا درست ہے، اس لئے کہ پانی اس کی ملکیت میں ہے، اور اس کام کے نظام کو چلانے کے لئے مختلف افراد کی ضرورت ہے، اور ان کے لئے اخراجات درکار ہیں، لیکن اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ اس کے بجائے کوئی دوسری سزا یا مناسب تنبیہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کے لئے ڈرینج کا نظام بنانا اور معقول نظم کرنا تا کہ پوری آبادی کی صحت محفوظ رہے اور نظام زندگی بہتر طریقہ پر چلے، حکومت کی ذمہ داری اور شہریوں کا حق ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

مصادر وماخذ

(۱) قرآن کریم

(۲) المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم

(۳) احکام القرآن لابن العربی تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸

(۴) احکام القرآن للطبری۔۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء

(۵) روح المعانی للآلوسی۔۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء

(۶) التفسیر المنیر للدکتور وہبۃ زحیلی، دار الفکر المعاصر، بیروت۔۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء

(۷) معارف القرآن۔مفتی محمد شفیع دیوبندی

(۸) تفسیر ماجدی۔مولانا عبد الماجد دریابادی

حدیث نبوی

(۹) عون المعبود شرح ابوداؤد، شیخ شمس الحق محمد اشرف الصدیقی العظیم آبادی، فیصل بکڈپو، دیوبند۔۲۰۰۸ء

(۱۰) تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری

(۱۱) بذل المجہود

(۱۲) تہذیب الأخلاق للعلامۃ عبد الحی الحسنی

(۱۳) ریاض الصالحین للإمام النووی

(۱۴) ودیگر کتب احادیث

Marfat.com

فقہ وفتاوی

(۱۵) الفتاوی الہندیۃ

(۱۶) بدائع الصنائع للکاسانی

(۱۷) ہدایہ للعلامہ برہان الدین المرغینانی

(۱۸) فتح القدیر لابن الہمام

(۱۹) المغنی لابن قدامۃ

(۲۰) الفقہ الاسلامی وأدلتہ للدکتور وہبۃ الزحیلی

(۲۱) کتاب الخراج لأبی یوسف، المطبعۃ السلفیۃ القاہرۃ۔۱۳۹۶ھ

(۲۲) فقہ الطہارۃ لعبدالوہاب عبدالسلام طویلۃ، دارالسلام، بیروت۔۱۴۰۶ھ/۱۹۸۹ء

(۲۳) منتخبات نظام الفتاوی للمفتی نظام الدین اعظمی، اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی۔۱۹۹۴ء

(۲۴) جدید فقہی مسائل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۲۵) حلال وحرام: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۲۰۰۰ء۔

(۲۶) فقہی فیصلے۔مکہ مکرمہ۔

(۲۷) قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی بالہند۔ ۱-۱۴، بیروت۔ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل-شرعی نقطہ نظر سے

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی ☆

اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس کے دو تہائی حصہ کو پانی سے ڈھانپ رکھا ہے، اور اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق بھی اس طرح کی ہے کہ اس کے بدن کا تین چوتھائی حصہ پانی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر زندگی کا دارومدار پانی پر رکھا ہے، جیسا کہ ارشادالٰہی ہے: وجعلنا من الماء کل شئ حی (الانبیاء:۳۰) (اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی)۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پانی کو اس کیفیت سے بنایا ہے کہ وہ پاک اور پاک کرنے والا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: (وأنزلنا من السماء ماء طهورا) (الفرقان:۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا)۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے بہت سی عبادتوں جیسے نماز وغیرہ کو اس سے مربوط کردیا ہے، سو پانی ہی سے انسان پاک ہوتا ہے، اور اسی سے نجاستوں کو دور کرتا ہے، اور اپنے بدن، کپڑے اور چیزوں کو صاف کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زندگی کی شہ رگ پانی ہے، اور پانی کے بغیر زندگی قائم نہیں رہ سکتی ہے، اسی وجہ سے اسلام نے انسان کی صحت کے تحفظ اور انسانی سماج کے تحفظ کے لیے پانی اور اس کے

☆ استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ، شانتاپورم، کیرالہ۔

Marfat.com

ذرائع کو آلودگی سے بچانے پر بڑا زور دیا ہے۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

الف- پانی کو اعتدال کے ساتھ خرچ کیا جائے، اور پانی کے استعمال میں حد معقول سے تجاوز نہ کیا جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت سعد کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ وضو کر رہے تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "ما هذا السرف يا سعد؟ قال: أفي الوضوء سرف؟ قال: نعم، وإن كنت على نهر جار" (مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۰۶۵، اس کی تخریج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، نیز دیکھئے: سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۵، اور "الزوائد" میں بوصیری نے کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، لیکن اس کی تائید آگے آنے والی حدیث سے ہو رہی ہے، اسی لیے تمام اہل علم کا طہارت میں اسراف کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ "اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی داہنی جانب سفید محل کا طلب گار ہوں، اس پر انہوں نے کہا کہ اے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو اور اس سے جہنم سے پناہ طلب کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۹۶، والمستدرک للحاکم، حدیث نمبر: ۵۷۹، اور یہ حدیث صحیح ہے)، (اس امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے)۔

ب- پانی کا بے مقصد استعمال نہ کیا جائے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۹۲، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۸۹۸، اور یہ صحیح حدیث ہے) بلکہ کبھی اس سے کم مقدار سے

Marfat.com

بھی غسل کرتے تھے (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۲۱)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: وضو میں میرے لیے کتنا پانی کافی ہوگا؟ تو آپ نے جواب دیا: ایک مد، اس نے پھر پوچھا: غسل کے لیے مجھے کتنا کافی ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: ایک صاع، اس شخص نے کہا: مجھے کافی نہ ہوگا، تو آپ نے کہا: تیری ماں ہلاک ہو، تجھ سے بہتر ذات، رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ کافی تھا (مسند احمد، حدیث نمبر:۲۶۲۸، اور یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی اس بات پر کہ مجھے کافی نہیں، اس کو اسی طرح جواب دیا، اور مزید فرمایا: جن کے بال بھی تم سے زیادہ تھے (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۲۵۳)۔

ج- پانی کو گندا نہ کرے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۸۱، عن جابر)۔

۲- ''سرف'' یا ''اسراف'' کے لغوی معنی ہیں: ''مجاوزة الحد ومجاوزة القصد'' یعنی حد اور اعتدال سے تجاوز کرنا، کہا جاتا ہے: ''أسرف فی ماله'' اس نے اپنا مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کیا، اور ''أسرف فی الکلام وفی القتل'': أی أفرط: اس نے کلام یا قتل میں حد سے تجاوز کیا، قرآن کریم میں ہے: ''ومن قتل مظلوما، فقد جعلنا لولیه سلطانا فلایسرف فی القتل'' (بنی اسرائیل:۳۳) (اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا، سو چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے)۔

اور قرآن پاک میں دوسری جگہ ہے: ''ولا تسرفوا، إنه لا یحب المسرفین'' (الانعام:۱۴۱) (اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

Marfat.com

اور اصطلاح میں ''اسراف'' کی تعریف یہ ہے: ''صرف الشئ فیما ینبغی زائداً علی ما ینبغی'' (رد المحتار، کتاب الفرائض ۱۰/ ۴۹۴، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء)۔

(کسی چیز کا ایسے محل میں استعمال کرنا جو مناسب ہو، جبکہ مناسب مقدار سے زیادہ استعمال ہو)۔

طحطاوی تحریر کرتے ہیں: قوله: ''الإسراف فی صب الماء''، الإسراف: العمل فوق الحاجة الشرعیة، فی فتاوی الحجة: یکره صب الماء فی الوضوء زیادة علی العدد المسنون والقدر المعهود (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی أوصاف الوضوء ۱/ ۵۳، ط: بولاق، مصر، ۱۳۱۸ھ)، (مصنف کا قول: ''پانی بہانے میں حد سے تجاوز کرنا ہے''۔ ''اسراف'' شرعی ضرورت سے زیادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ ''فتاوی الحجۃ'' میں ہے: وضو میں معلوم مقدار اور مسنون عدد پر پانی بہانے میں اضافہ کرنا مکروہ ہے)۔

''الدر المختار'' میں ہے: ''والإسراف'' ومنه الزیادة علی الثلاث، (فیه) تحریما لو بماء النهر والمملوک له، أما الموقوف علی من یتطهر به، ومنه ماء المدارس، فحرام'' (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة ۱/ ۲۵۸)، (اور اسراف، اور اسی سے تین کی تعداد پر وضو میں اضافہ کرنا ہے، مکروہ تحریمی ہے، اگر نہر اور اپنے مملوکہ پانی سے ہو، رہا اس پانی میں اسراف جو وضو کرنے والے پر وقف ہو، اور اسی سے مدارس کا پانی ہے، تو وہ حرام ہے)۔

اور علامہ شامی –رحمۃ اللہ علیہ– تحریر کرتے ہیں: ''قوله: ''ومنه'' أی من الإسراف الزیادة علی الثلاث، أی فی الغسلات مع اعتقاد أن ذلک هو السنة لما قدمناه من أن الصحیح أن النهی محمول علی ذلک، فإذا لم یعتقد ذلک، وقصد الطمأنینة عند الشک، أو قصد الوضوء علی الوضوء بعد الفراغ منه، فلا

Marfat.com

كراهة ...... إلى أن قال: "قد تقدم أن النهي عنه في حديث "فمن زاد على هذا أو نقص، فقد تعدى وظلم" محمول على الاعتقاد عندنا كما صرح به في الهداية وغيرها، وقال في "البدائع": إنه الصحيح، حتى لو زاد أو نقص واعتقد أن الثلاث سنة لايلحقه الوعيد، وقدمنا أنه صريح في عدم كراهة ذلك: يعني كراهة تحريم، فلا ينافي الكراهة التنزيهية" (ردالمحتار، کتاب الطہارۃ،۱/۲۵۸-۲۵۹)۔(اور مصنف کا قول:'' اوراس سے''یعنی اسراف سے تین پر اضافہ کرنا ہے،یعنی دھونے میں اس بات کے اعتقاد کے ساتھ کہ یہی سنت ہے،اس بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نہی اسی پر محمول ہے، تو اگر اس کا اعتقاد نہ رکھے،اور شک کے وقت اطمینان کا قصد کرے، یا وضو سے فارغ ہونے کے بعد وضو پر وضو کا قصد کرے،تو کراہت نہیں ہے،اس کے بعد ابن عابدین نے فرمایا:''اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کی ممانعت اس حدیث میں:''تو جو اس پر اضافہ یا کمی کرے،سو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا'' ہمارے نزدیک اس کا اعتقاد رکھنے پر محمول ہے، جیسا کہ ''ہدایہ'' وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے،اور''البدائع'' میں کہا ہے کہ یہی صحیح ہے، یہاں تک کہ اضافہ یا کمی کرے،اور اعتقاد رکھے کہ تین سنت ہے،تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی،اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس کے مکروہ یعنی مکروہ تحریمی نہ ہونے میں صریح ہے، چنانچہ یہ کراہت تنزیہی کے منافی نہیں ہے)۔

''ردالمحتار'' میں ایک دوسری جگہ ہے:"فإذا لم يؤد به عمل مما هو المقصود من شرعيته كالصلاة وسجدة التلاوة ومس المصحف ينبغي أن لايشرع تكراره قربة، لكونه غير مقصود لذاته، فيكون إسرافا محضا" ...... إلى أن قال: "لكن ذكر سيدي عبد الغني النابلسي أن المفهوم من إطلاق الحديث مشروعيته، ولو بلا فصل بصلاة أو مجلس آخر، ولا إسراف فيما هو مشروع،

Marfat.com

أما لو كرره ثالثا أو رابعا فيشترط لمشروعيته الفصل بما ذكر، وإلا كان إسرافا محضا" (ردالمحتار کتاب الطہارۃ ۱/ ۲۴۱) (سو اگر وضو سے کوئی ایسا عمل جو وضو کی مشروعیت سے مقصود ہے ادا نہ کیا جائے، جیسے نماز، سجدۂ تلاوت اور مصحف کو چھونا، تو مناسب ہے کہ قربت کے طور پر اس کو مکرر کرنا مشروع نہ ہو، اس لیے کہ وہ اپنی ذات کی بنا پر مقصود نہیں، تو یہ اسراف محض ہوگا (اس کے بعد ابن عابدین نے کہا): "لیکن ہمارے سردار شیخ عبدالغنی نابلسی نے ذکر کیا ہے کہ حدیث پاک کے اطلاق سے وضو کی مشروعیت سمجھی جاتی ہے، خواہ نماز یا دوسری مجلس کے ذریعہ فصل نہ ہو، اور مشروع میں اسراف نہیں ہے، رہا اگر تین یا چار بار مکرر کرے تو اس کی مشروعیت کے لیے ذکر کردہ امور کے ذریعہ فصل کرنا شرط ہوگا، ورنہ خالص اسراف ہوگا)۔

اور جس حدیث کی طرف علامہ نابلسی نے اشارہ کیا ہے وہ ہے: "من توضأ على طهر كتب الله له عشر حسنات" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۶۲، سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۵۹، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۵۱۲، اور اس کی سند ضعیف ہے) (جو طہارت کے باوجود وضو کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا)۔

چنانچہ پیچھے ذکر کردہ فقہی نقول سے درج ذیل صورتیں واضح ہیں:

۱- تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھونا سنت نہ جانتے ہوئے چوتھی یا پانچویں مرتبہ دھونا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے۔

۲- اعضائے وضو دھوتے وقت مسجد کے حوض یا ٹنکی کی ٹونٹی یا نلکیاں کھولے رکھنا، جس سے بے مقصد پانی کا ضیاع ہو حرام ہے۔

۳- وضو رہتے ہوئے تیسری یا چوتھی بار وضو کرنا وضو سے مقصود عمل کی انجام دہی کے بغیر پانی میں فضول خرچی اور مکروہ تحریمی ہے جبکہ اپنے مملوکہ پانی سے ہو، اور اگر وقف کے پانی سے ہو تو حرام ہے۔

Marfat.com

۴-غسل میں پورے بدن پر کامل تین بار سے زیادہ بے مقصد پانی ڈالنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور "تبذیر" کی تعریف علامہ ابن عابدین نے کی ہے: "صرفه فيما لاينبغي" (رد المحتار، کتاب الفرائض ۱۰ / ۴۹۴)، (تبذیر چیز کو ایسے محل میں خرچ کرنا ہے جو مناسب نہیں)۔

چنانچہ تمام وہ صورتیں جن میں پانی کو بے ضرورت اور بے مقصد یوں ہی ضائع کیا جائے وہ حرام ہیں۔

۵-کسی چیز میں ضرورت سے زیادہ بے وجہ پانی خرچ کرنا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے۔

۳-پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت نے درج ذیل احکام دیئے ہیں:

۱-پانی کے ذخیرہ میں پیشاب اور پاخانہ کی ممانعت:

پیشاب اور پاخانہ چونکہ پانی کی آلودگی کے خطرناک ترین اسباب میں سے ہیں، کیونکہ ان کے سبب سے کالرا، ٹائفائڈ اور سوزش جگر اور معدہ جیسے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں، اس لیے سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اتقوا الملاعن الثلاث: البراز في الموارد، وقارعة الطريق والظل" (سنن ابی داؤد عن معاذ بن جبل، حدیث نمبر: ۲۶، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۲۸، المستدرک للحاکم، حدیث نمبر: ۵۹۴، مسند احمد عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۲۷۱۵، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (تین لعنت کا سبب بننے والی جگہوں سے بچو: (۱) پانی کے گھاٹ پر پاخانہ کرنے سے (۲) اور راستہ میں پاخانہ کرنے سے (۳) اور سایہ دار جگہوں میں پاخانہ کرنے سے)۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لايبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لايجري، ثم يغتسل فيه" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۹ عن أبی ہریرة، ومسلم، حدیث نمبر: ۲۸۲) (تم

Marfat.com

میں سے کوئی اس پانی میں پیشاب نہ کرے جو ٹھہرا ہو، بہتا نہ ہو، پھر اس میں غسل کرے)۔

چونکہ ٹھہرے ہوئے پانی میں آلودگی زیادہ ہونے کا امکان ہے، لہٰذا خاص طور سے اس کا ذکر فرمایا، ورنہ جاری پانی کو آلودہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے، اسی لیے یہ فرمایا کہ ایک عقلمند انسان ایسا کیوں کر کر سکتا ہے کہ اس پانی میں پیشاب کرے، جس پانی کا غسل وغیرہ میں وہ محتاج ہے، جبکہ طبع سلیم اس بات کو قبیح سمجھتی ہے، امام نووی تحریر کرتے ہیں: "فإن كان الماء كثيرا جاريا لم يحرم البول فيه لمفهوم الحديث، ولكن الأولى اجتنابه، وإن كان قليلا جاريا، فقد قال جماعة من أصحابنا: يكره، والمختار أنه يحرم، لأنه يقذره وينجسه على المشهور من مذهب الشافعي وغيره، ويغر غيره، فيستعمله مع أنه نجس وإن كان الماء كثيراً راكداً، فقال أصحابنا: يكره ولايحرم، ولو قيل يحرم لم يكن بعيداً، فإن النهي يقتضي التحريم على المختار عند المحققين والأكثرين من أهل الأصول، وفيه من المعنى أنه يقذره، وربما أدى إلى تنجيسه بالإجماع لتغيره، أو إلى تنجيسه عند أبي حنيفة ومن وافقه في أن الغدير الذي يتحرك طرفه بتحرك طرفه الآخر ينجس بوقوع نجس فيه، وأما الراكد القليل فقد أطلق جماعة من أصحابنا أنه مكروه، والصواب المختار أنه يحرم البول فيه، لأنه ينجسه ويتلف ماليته ويغر غيره باستعماله" (شرح النووی علی صحیح مسلم ۳/ ۱۹۲، ط: مؤسسۃ المختار، القاہرۃ، الطبعۃ الأولی ۲۰۰۱ء)۔

(چنانچہ اگر پانی زیادہ اور بہتا ہوا ہو تو حدیث پاک کے مفہوم کی وجہ سے اس میں پیشاب کرنا حرام نہیں، لیکن اس سے بچنا زیادہ بہتر ہے، اور اگر پانی تھوڑا اور بہتا ہو، تو ہمارے علماء شوافع کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مکروہ ہے، اور مختار یہ ہے کہ حرام ہے، اس لیے کہ وہ اسے آلودہ، اور امام شافعی وغیرہ کے مذہب کے مشہور قول کے مطابق اسے ناپاک کردے گا،

Marfat.com

اور اپنے علاوہ دوسرے کو دھوکہ میں ڈال دے گا، چنانچہ وہ اسے استعمال کر بیٹھے گا، باوجودیکہ وہ ناپاک ہے، اور اگر پانی زیادہ اور ٹھہرا ہوا ہو تو ہمارے علماء شوافع نے کہا ہے کہ مکروہ ہے، اور حرام نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ حرام ہے تو بعید نہ ہوگا، کیونکہ محققین اور اکثر اصولیوں کے نزدیک مختار قول کے مطابق نہی تحریم کا تقاضا کرتی ہے، اور اس میں علت یہ ہے کہ وہ اسے آلودہ کردے گا، اور بسا اوقات بالاتفاق اس کے متغیر ہونے کی وجہ سے اسے ناپاک کردینے کا ذریعہ ہوگا، یا ناپاک کرنے کا سبب ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے موافقین کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ جس تالاب کا ایک کنارہ دوسرے کنارہ کے حرکت کرنے سے حرکت کرتا ہو، تو اس میں نجاست کے گرنے سے وہ ناپاک ہو جائے گا، اور رہا وہ پانی جو ٹھہرا اور کم ہو، تو ہمارے علماء شوافع کی ایک جماعت نے یہ بات کہی ہے کہ وہ مکروہ ہے، اور صحیح ومختار قول یہ ہے کہ اس میں پیشاب کرنا حرام ہے، اس لیے کہ وہ اسے ناپاک کردے گا، اور اس کی مالیت کو ضائع کردے گا، اور دوسرے کو اس کے استعمال کے سلسلہ میں دھوکہ میں ڈال دے گا۔

طبی اعتبار سے پانی میں پیشاب کرنے سے ''بلہارزیا'' (Bilharzia) نامی مرض کے جراثیم پانی میں پھیل جاتے ہیں اور خاص طور سے ٹھہرے ہوئے پانی میں، پھر وہ اپنے تکوینی مراحل طے کر کے دم دار جرثومہ کی شکل میں پانی میں تیرنے لگتے ہیں، پھر جب اسے کوئی جسم مل جاتا ہے، تو وہ اس کے اندر گھس جاتے ہیں، اور سوزش جگر وغیرہ مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتے ہیں (ڈاکٹر عزالدین فراج ''الاسلام والوقایۃ من الأمراض'' ص: ۸۵، ڈاکٹر محمد علی البار: ''ہل ہناک طب نبوی'' ص: ۲۸۹)۔

اس تفصیل کی روشنی میں پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کے احکام کا درجہ شرعی نقطۂ نظر سے حسب ذیل ہے:

۱- اگر پانی تھوڑا ہے یعنی دہ دردہ سے کم اور ٹھہرا ہوا ہے، تو اس میں پیشاب کرنا

Marfat.com

حرام ہے۔

۲- اگر پانی زیادہ ہے یعنی دہ دردہ یا اس سے زیادہ ہے اور ٹھہرا ہوا ہے تو اس میں پیشاب کرنا بھی حرام ہے۔

۳- اگر بہتا ہوا پانی تھوڑا ہے تو اس میں بھی پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۴- دریا وغیرہ میں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

۵- سمندر میں پیشاب کرنا خلاف اولی ہے۔

۶- ضرورتاً سمندر میں سفر کے دوران پیشاب کرنے کی گنجائش ہے۔

کنواں، حوض، نہر، نالہ کے قریب پیشاب پاخانہ کرنا کہ اس کے اندر جراثیم کے سرایت کرنے کا گمان غالب ہو، مکروہ تحریمی ہے۔

نجاح حلبی تحریر کرتی ہیں: "یکرہ التخلي في الماء الراکد ...... وکذلک یکرہ بقرب بئر أو نھر أو حوض" (فقہ العبادات علی المذہب الحنفی ۱/۲۸، ط: الشاملۃ)۔

(ٹھہرے ہوئے پانی میں پاخانہ کرنا مکروہ ہے...... اور اسی طرح کنواں یا نہر یا حوض کے قریب پاخانہ کرنا مکروہ ہے)۔

۲- نیند سے بیدار ہونے والے کو پانی میں اپنا ہاتھ ڈبونے کی ممانعت:

سماج، خاندان اور افراد کے تحفظ کے پیش نظر آلودگی سے پانی کو بچانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ شریعت نے یہ مقرر کیا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والے کو اپنا ہاتھ برتن میں تین بار اسے دھونے سے پہلے رکھنے کی ممانعت کی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "إذا استیقظ أحدکم من منامہ، فلا یغمس یدہ حتی یغسلھا، فإنہ لایدري أین باتت یدہ" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۶۲، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۷۸، و مسند احمد، حدیث نمبر: ۹۹۹۶)۔

Marfat.com

(جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو، تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈبوئے، یہاں تک کہ اسے دھولے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ جسم کے کس حصہ پر پڑا)۔

یعنی سونے کی حالت میں ہاتھ انسان کے مختلف حصوں پر پڑنے کی وجہ سے آلودہ ہو جاتا ہے، یا پیچھے کے مقام کی پھٹن پر پڑنے کی وجہ سے جراثیم کے انڈے اس کی انگلیوں سے چپک کر بیماری کا سبب بنتے ہیں (ڈاکٹر محمد زکی سویدان: ''الصلاۃ صحۃ ووقایۃ وعلاج'' ص: ۸۳)۔

اور یہ حکم استحبابی ہے، کیونکہ آلودہ ہونے کا احتمال ہے یقین نہیں ہے، اور حدیث پاک میں نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے، جبکہ حسن بصری، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن جریر طبری سے منقول ہے کہ دھونا فرض ہے، اور اگر رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد نہ دھوئے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر رات کی نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر دن کی نیند سے بیدار ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اور یہی داؤد ظاہری کا مذہب ہے) (دیکھئے: البدائع، کتاب الطہارۃ، مطلب فی غسل الیدین ۱/۲۰، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء، ''شرح النووی علی صحیح مسلم'' ۳/۱۸۴-۱۸۵)۔

۳- پینے کے برتن کو ڈھانکنا:

پانی کو آلودگی سے بچانے اور انسان کی سلامتی اور صحت کے تحفظ کی خاطر، اسلامی شریعت نے پینے کے برتن کو ڈھانکنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''غطوا الإناء، وأوكوا السقاء فإن في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء، ليس عليه غطاء، أو سقاء ليس عليه وكاء، إلا نزل فيه من ذلك الوباء'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۱۴، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۸۲۹)،

(برتن کو ڈھانک دو اور مشکیزہ کو بندھن سے باندھ دو، کیونکہ سال میں ایک ایسی رات ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے، جو کسی برتن سے نہیں گزرتی، جس پر ڈھکن نہ ہو، یا کسی مشک سے نہیں

Marfat.com

گزرتی جس پر بندھن نہ ہو، مگر اس میں اس وبا سے کچھ اترتا ہے)۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے جو حضرت جابر سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "غطوا الإناء وأوكوا السقاء، وأغلقوا الباب وأطفئوا السراج، فإن الشيطان لايحل سقاء، ولايفتح بابا، ولايكشف إناء، فإن لم يجد أحدكم إلا أن يعرض على إنائه عودا ويذكر اسم الله، فليفعل" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۱۲)۔

(برتن کو ڈھانک دو اور مشکیزہ کو باندھ دو، اور دروازہ کو بند کردو، اور چراغ کو بجھادو، کیونکہ شیطان مشکیزہ کو نہیں کھولتا ہے، اور نہ ہی دروازہ کو وا کرتا ہے، اور نہ ہی برتن کو کھولتا ہے، سو اگر تم میں سے کوئی نہ پائے، مگر یہ کہ اپنے برتن پر چوڑائی میں لکڑی رکھ دے، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے تو وہ ایسا کرلے)۔

اور ایک دوسری حدیث پاک میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لاتشربوا إلا فيما أوكئ عليه" (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۴۳۳، اور یہ حدیث حسن لغیرہ ہے) (ایسے مشکیزوں میں ہی پیو، جن کا منہ باندھ دیا گیا ہو)۔

چونکہ ان صورتوں میں بھی آلودگی کا احتمال ہے، لہٰذا یہ حکم بھی استحبابی ہے، نووی تحریر کرتے ہیں: "فأمر ﷺ بهذه الآداب التي هي سبب سلامة من إيذاء الشيطان" (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۳/۱۹۱) (تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان آداب کا حکم دیا جو شیطان کی ایذا سے سلامتی کا سبب ہیں)۔

۴-برتن میں سانس لینے کی ممانعت:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت نے چوتھا طریقہ یہ رکھا ہے کہ پینے کے برتن میں سانس نہ لے، کیونکہ یہ پانی کے آلودہ اور مرض کے انتقال کا سبب ہے، چنانچہ حضرت۔

Marfat.com

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "نهى أن يتنفس في الإناء" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۶۳۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۷، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۵۲۲) (برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا)۔

چونکہ اس صورت میں بھی آلودگی کا یقین نہیں ہے بلکہ احتمال ہے، لہٰذا یہ حکم بھی استحبابی ہے، نووی تحریر کرتے ہیں: "قال العلماء: والنهي عن التنفس في الإناء هو من طريق الأدب، مخافة من تقذيره ونتنه وسقوط شئ من الفم والأنف فيه ونحو ذلک" (شرح النووی علی صحیح مسلم ۳/ ۱۶۴) (اہل علم نے کہا کہ برتن میں سانس لینے کی ممانعت بطور ادب ہے، اس کے آلودہ اور بدبودار کرنے اور منہ اور ناک کی آلودگی میں سے کچھ اس میں گرنے کے اندیشہ کی وجہ سے اور اسی کی مانند دوسری چیزیں)۔

۵- مشکیزہ یا پانی کے برتن کے منہ سے پینے کی ممانعت:

پانی کے آلودہ اور بیماری کے جراثیم کے دوسروں کی طرف متعدی ہونے کے اندیشہ کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "نهى عن اختناث الأسقية: أن يشرب من أفواهها" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۶۲۵، صحیح مسلم: ۲۰۲۳، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۱۰۲۶)۔

(نبی کریم ﷺ نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا۔ "اختناث" کے اصلی معنی ہیں: مشکیزہ کے منہ کو اوپر کی جانب موڑ کر اندر کی جانب سے پانی پینا)۔

اور یہ حکم بھی استحبابی ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ مہلب سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "معنى هذا النهي - والله أعلم - على وجه أدب" (عمدۃ القاری ۱۴/ ۶۲۳، ط: دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء) (یہ ممانعت - اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے - بطور ادب ہے)۔

Marfat.com

نووی تحریر کرتے ہیں: "واتفقوا على أن النهي عن اختنائها نهي تنزيه لاتحريم، ثم قيل: سببه أنه لايؤمن أن يكون في السقاء ما يؤذيه، فيدخل في جوفه ولايدري، وقيل: لأنه يقذره على غيره، وقيل: أنه ينتنه أو لأنه مستقذر" (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۳/ ۱۹۹)۔

(اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مشکیزہ کے منہ سے پینے کی ممانعت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے، پھر کہا گیا ہے کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس بات کا خطرہ ہے کہ مشکیزہ میں کوئی ایسی چیز، کیڑا مکوڑا وغیرہ ہو جو اسے اذیت دے، سو وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو جائے، اور اسے پتہ نہ چلے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس طرح پینا دوسرے کے حق میں پانی کو آلودہ کردے گا، اور کہا گیا ہے کہ بدبودار کردے گا، یا اس وجہ سے کہ اس طرح پینا قبیح سمجھا جاتا ہے)۔

۴- اگر کیمیاوی عمل کے ذریعہ گندے اور آلودہ پانی کی بدبو اور آلودگی مکمل طور سے زائل ہو جائے تو وہ پاک ہے، اور اس کا حکمی اور حقیقی نجاستوں کے ازالہ میں استعمال درست ہے، اور اگر اس کے پینے سے صحت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، تو اس کا پینا بھی جائز ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے پینے سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے، احتیاط کے طور پر تاکہ صحت پر کسی طرح کا ضرر مرتب نہ ہو، نیز اس لیے بھی کہ طبیعت سلیمہ کو ایسے پانی کے استعمال سے ناگواری ہوتی ہے، چنانچہ فقہاء کے کلام میں "استحالة النجس إلى طاهر" (ناپاک شیٔ کا پاک شیٔ کی طرف بدل جانا) کی تصریح ملتی ہے، اس لیے میرے لیے مناسب ہے کہ پہلے "استحالہ" کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کروں، پھر اس موضوع سے متعلق فقہاء کا کلام پیش کروں، چنانچہ لغت میں "استحالۃ" کے معنی ہیں: کسی چیز کا سیدھا ہونے کے بعد ٹیڑھا ہو جانا، کہا جاتا ہے: "حال الشيء واستحال: أي تغير عن الاستواء إلى العوج" (یعنی سیدھے پن سے ٹیڑھے پن کی

Marfat.com

طرف بدل جانا، نیز ''استحالہ'' کے معنی ہیں ''بدل جانا'' اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹ جانا (لسان العرب ۴؍ ۲۷۴)۔

اصطلاح میں ''استحالہ'' کے معنی ہیں: "انقلاب حقيقة إلى حقيقة أخرى" (رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس ۱؍ ۵۱۹) (کسی حقیقت کا دوسری حقیقت میں پلٹ جانا)۔

مسالک فقہیہ:

۱- امام ابوحنیفہ اور محمد اور اکثر حنفیہ و مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ناپاک شئ اگر دوسری حقیقت میں بدل جائے، تو وہ شئ پاک ہو جائے گی، خواہ وہ شئ اپنی ذات کے اعتبار سے نجس ہو یا خارجی علت کی بنا پر نجس ہو، اور یہی ظاہریہ کا مذہب ہے، اور یہی حنابلہ کا ایک قول ہے، جسے علامہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان امور میں سے جن سے طہارت حاصل ہوتی ہے ''انقلاب عین'' (حقیقت بدل جانا) کا بھی ذکر کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں: "وإن كان في غيره - أي الخمر - كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحا يؤكل، والسرقين والعذرة تحترق فتصير رمادا تطهر عند محمد خلافا لأبي يوسف، وضم إلى محمد أبا حنيفة في المحيط، وكثير من المشائخ اختاروا قول محمد، وفي "الخلاصة": وعليه الفتوى، وفي "فتح القدير": أنه المختار، لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها، فكيف بالكل؟ فإن الملح غير العظم واللحم، فإذا صار ملحا ترتب حكم الملح، ونظيره في الشرع: النطفة نجسة، وتصير علقة، وهي نجسة، وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمراً، فينجس، ويصير خلا فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف

Marfat.com

المرتب علیھا" (للإمام زین الدین إبراہیم المعروف بابن نجیم المصری الحنفی (۹۷۰ھ) "البحر الرائق" کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس ۱ر ۳۹۴، ط: الہند)۔

(اور اگر انقلاب حقیقت شراب کے علاوہ میں ہو، جیسے خنزیر اور مردار جو نمک کی کان میں گر جائیں، اور نمک میں تبدیل ہو جائیں، تو وہ نمک کھایا جائے گا، اور گوبر اور پاخانہ جل کر راکھ ہو جائے تو امام محمد کے نزدیک پاک ہو جائیں گے، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، اور "المحیط" میں امام ابو حنیفہ کو امام محمد کے ساتھ شامل کیا ہے، اور بہت سے مشائخ نے امام محمد کا قول اختیار کیا ہے، اور "خلاصہ" میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اور "فتح القدیر" میں ہے کہ یہی مختار ہے، اس لیے کہ شرع نے نجاست کی صفت اس حقیقت پر مرتب کی ہے، اور حقیقت کی نفی ہو جاتی ہے، اس کے مفہوم کے بعض اجزاء کے انتفاء سے تو سارے اجزاء کے انتفاء سے کیوں کر حقیقت کی نفی نہ ہوگی، کیونکہ نمک ہڈی اور گوشت کے علاوہ ہے، تو جب وہ نمک ہو جائیں، تو نمک کا حکم مرتب ہوگا، اور شریعت میں اس کی نظیر یہ ہے کہ منی ناپاک ہے، اور وہ خون بستہ میں تبدیل ہوتی ہے اور یہ بھی ناپاک ہے، اور گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہو کر پاک ہو جاتی ہے، اور "رس" پاک ہے، اور شراب میں تبدیل ہو کر ناپاک ہو جاتا ہے، اور شراب سرکہ میں تبدیل ہو کر پاک ہو جاتی ہے، تو اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حقیقت کی تبدیلی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس پر مرتب ہونے والا وصف زائل ہو جائے)۔ اور "رد المحتار" میں اس بات کا بھی اضافہ ہے کہ "الذخیرۃ" میں بھی امام ابو حنیفہ کو امام محمد کے ساتھ ذکر کیا ہے (رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس ۱ر ۵۳۴)۔

۲- مالکیہ کے نزدیک جو صلاح کی طرف بدلے وہ پاک ہے، جیسے دودھ، اور جو فساد کی طرف بدلے وہ ناپاک ہے، جیسے معدہ میں ٹھہرنے کے بعد نکلنے والا کھانا یعنی قی (محمد بن أحمد الدسوقی المالکی (۱۲۳۰ھ) حاشیۃ الدسوقی، کتاب الطہارۃ، فصل بیان الأعیان الطاہرۃ ۱ر ۱۳۸-۱۳۹، ط: الشاملۃ)۔

Marfat.com

اور حطاب نے تصریح کی ہے کہ مشک پاک ہے، کیوں کہ وہ خون کی تمام صفات سے نکل گئی ہے (محمد بن محمد المعروف بالحطاب الرعینی (۹۵۴ھ) "مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل"، کتاب الطہارۃ، فصل: الطاہر میت مالا دم لہ ۱/ ۱۳۸، ط: دار عالم الکتب، بیروت ۲۰۰۳ء)۔

۵- "رد المحتار" میں ہے: "طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أم بصوم يوم وجب" (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: "طاعۃ الإمام واجبۃ" ۸/ ۱۸) (امام کی اطاعت ایسے معاملات میں جو معصیت نہ ہوں، واجب ہے، چنانچہ وہ اگر کسی دن کے روزہ کا حکم دے، تو اس دن کا روزہ رکھنا واجب ہوگا)۔

لہٰذا ریاست کو پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے کا حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے: "الناس شركاء في ثلاثة: الماء والكلأ والنار" (أخرجہ الحارث فی مسندہ کما فی "بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث لنور الدین الہیثمی، حدیث نمبر: ۴۳۱، وأبو عبید فی الأموال، حدیث نمبر: ۷۲۹، وذکرہ محمد بن الحسن فی الموطأ ۳/ ۲۷۷، ط: دار القلم ۱۹۹۱ء، وہی روایۃ شاذۃ بہذا اللفظ عند المحدثین، وأخرجہ أبوداؤد فی الإجارۃ، باب فی منع الماء، حدیث نمبر: ۳۴۷۷، بلفظ: "المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء، والكلأ، والنار" اور اس کی اسناد صحیح ہے) (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثلاث لا يمنعن: الماء، والكلأ والنار" (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۴۷۳، اور بوصیری نے "الزوائد" میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے) (تین چیزوں سے منع نہیں کیا جائے گا: پانی، گھاس، آگ)۔

اس لیے کہ پانی ملکیت میں احراز سے آتا ہے، "ہندیہ" میں ہے: "والرابع ما أحرز في حب ونحوه فليس لأحد أن يأخذ منه شيئا بدون إذن صاحبه، وله بيعه، لأنه ملكه بالإحراز، فصار كالصيد والحشيش" (الہندیۃ ۵/ ۳۹۱، ط: بولاق، مصر،

Marfat.com

الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۱۰ھ) (اور پانی کی چوتھی قسم وہ ہے جسے مٹکے وغیرہ میں محفوظ کرلیا گیا ہو، تو کسی کو حق نہیں ہے کہ اس سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ لے، اور اسے یعنی مالک کو بیچنے کا حق ہے، اس لیے کہ (برتن وغیرہ میں) محفوظ کرنے کی وجہ سے وہ اسکا مالک ہوگیا، تو وہ شکار اور گھاس کی مانند ہوگیا)۔

سلطان کو چونکہ عمومی ولایت حاصل ہے، لہٰذا وہ ضرر عام کو دور کرنے کا حکم دے سکتا ہے، نیز فقہی قاعدہ ہے: "یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" (علی حیدر: درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام" ۱/۳۶، المادۃ: ۲۶، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت) (ضرر عام کو دور کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا)۔ اور "رد المحتار" میں ہے: "أن له ولاية عامة يصح أمره لرفع الضرر العام" (رد المحتار، کتاب الغصب، مطلب فی لحوق الإجازۃ للإتلاف والأفعال ۲۸۹/۹) (بادشاہ کو عمومی ولایت حاصل ہے، سو ضرر عام کو دور کرنے کے لئے اس کا حکم صحیح ہے)۔

اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے، اس مقصد سے حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے منع کرسکتی ہے، اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

۷- (أ): اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ غیر معصیت میں حکومت کے حکم کی تعمیل لازم ہے، چنانچہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ لوگوں کے لیے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کردیں، اور اس حکم کی تعمیل شرعاً واجب ہے۔

ب- چونکہ حکومت کی ذمہ داری عام لوگوں کے مصالح کا نظم کرنا ہے، اس لئے پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، نیز افراد بھی اس بات کے مکلف ہیں کہ اپنے لیے پینے اور استعمال کے پانی کا نظم کریں، جیسا کہ فقہاء نے نہر خاص و مملوک کا بھی ذکر کیا ہے، "ہدایہ" میں ہے: "فالأول: كريه على السلطان من بيت مال المسلمين، لأن منفعة

Marfat.com

الكرى لهم، فتكون مؤنته عليهم، ويصرف إليه من مؤنة الخراج والجزية، دون العشور والصدقات، لأن الثاني للفقراء، والأول للنوائب، فإن لم يكن في بيت المال شئ، فالإمام يجبر الناس على كريه إحياء لمصحلة العامة، إذهم لايقيمونها بأنفسهم، وفي مثله قال عمر رضي الله عنه لوتركتم لبعتم أولادكم، إلا أنه يخرج له من كان يطيقه، ويجعل مؤنته على المياسير الذين لايطيقونه بأنفسهم" (شیخ الاسلام أبو الحسن علی بن أبی بکر الرشدانی المرغینانی (۵۹۳ھ) ''الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی'' ۳۸۹/۴، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت)۔

(چنانچہ پہلی نہر (جو کسی کی مملوک نہ ہو، اور اس کا پانی ابھی مملوکہ چھوٹی نہر میں داخل نہ ہوا ہو) کے کھودنے کی ذمہ داری سلطان پر مسلمانوں کے خزانہ سے ہے، اس لیے کہ کھودنے کی منفعت ان کے لیے ہے، لہٰذا اس کا خرچہ ان کے ذمہ ہوگا، اور خراج اور جزیہ میں سے اس میں صرف کیا جائے گا، نہ کہ عشر اور صدقات سے، اس لیے کہ دوسری قسم فقراء کے لیے ہے، اور پہلی قسم حادثات کے لیے ہے، سو اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو، تو امام لوگوں کو اس کے کھودنے پر مجبور کرے گا، عام لوگوں کے مصالح کو زندہ کرنے کے لیے، کیونکہ وہ خود مصالح کو قائم نہیں کر سکتے ہیں، اور اسی جیسی صورت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہیں چھوڑ دیا جائے تو تم اپنی اولاد کو بیچ ڈالو گے، البتہ اسے کھودنے کے لیے اسے نکالا جائے گا جو اس کی طاقت رکھتا ہو (جو کام کی قدرت رکھتا ہو) اور اس کا خرچہ (یعنی کام کی طاقت رکھنے والے کا خرچہ) ان مالداروں پر عائد کیا جائے گا جو خود کھودنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں)۔

اس سے پتہ چلا کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری بھی ہے۔

''ردالمحتار'' میں ''القہستانی'' کے حوالہ سے ہے: "في العام: لو امتنع عنه كلهم أو بعضهم يجبرون عليه، وفي الخاص: لو امتنع الكل لايجبرون إلا عند بعض

Marfat.com

المتأخرین، ولو امتنع البعض أجبر علی الصحیح کما فی الخزانة" (ردالمحتار، کتاب لإحیاء الموات، فصل الشرب ۱۰/۱۷) (نہر مملوک عام (جس میں شرکاء کی تعداد سو یا اس سے زیادہ ہو، اور جس کے کھودنے اور اصلاح کرنے کی ذمہ داری مالکین پر ہے) میں اگر اسے کھودنے سے سارے شرکاء یا بعض شرکاء باز آ جائیں، تو انہیں اس پر مجبور کیا جائے گا، اور نہر خاص (جس میں شرکاء کی تعداد سو سے کم ہو، اور جس کے کھودنے اور اصلاح کرنے کی ذمہ داری مالکین پر ہے) اگر سارے شرکاء نئے سرے سے کھودنے سے باز آ جائیں، تو ان کو مجبور نہیں کیا جائے گا (ظاہر الروایہ میں) مگر بعض متاخرین کے نزدیک (مجبور کیا جائے گا)، اور اگر بعض افراد باز آ جائیں، تو صحیح قول کے مطابق ان کو مجبور کیا جائے گا، جیسا کہ "الخزانۃ" میں ہے)۔

اس سے پتہ چلا کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی کا مکلف افراد کو بھی کیا جا سکتا ہے۔

۸- شرعی نقطۂ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر، کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا اور تعمیر کا منصفانہ خرچ دینا جائز ہے، جبکہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا ظلم و زیادتی نہ ہو، لہٰذا ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانہ پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لیے آبادیوں کو وہاں سے حکومت منتقل کر سکتی ہے، کیونکہ اسے ولایت عامہ حاصل ہے اور چند افراد کے کچھ ضرر پر اجتماعی مصلحت اور قومی مفاد کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ فقہی قاعدہ ہے:
"یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" (درر الحکام، دفعہ ۲۶)۔

۹- تباہ کن سیلاب آنے اور بستی غرق ہونے کے قریب ہونے کی صورت میں باندھ کو کاٹ دینا اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز نہیں ہے، ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ باندھ یا محفوظ جگہ پر اپنے قیمتی سامان کے ساتھ منتقل ہو جائیں: "وإن أکره علی قتل غیره بقتل لم یرخص ولم یسعه أن یقدم علیه، ویصبر حتی یقتل، فإن قتله کان آثما" (الہندیۃ، کتاب الإکراہ، الباب الثانی فیما یحل للمکرہ أن یفعل وما لا یحل ۵/۳۹) (اور اگر قتل کر دیئے جانے کے ذریعہ

Marfat.com

دوسرے کے قتل پر مجبور کیا گیا، تو اس کے لیے رخصت نہیں، اور اس پر اقدام کرنا جائز نہیں، اور صبر کرے یہاں تک کہ قتل کیا جائے، تو اگر ایسی صورت میں اس نے اسے قتل کر دیا، تو گنہ گار ہوگا)۔

اور ذکر کردہ کتاب میں ایک دوسرے مقام پر ہے: "**ولهم نصب الأرحية والدوالي إن كان لايضر بالعامة، وإن كان يضر بالعامة، فليس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب، وذلك بأن يميل الماء إلى هذا الجانب، إذا انكسرت ضفته، فتغرق القرى والأراضي**" (الہندیہ، کتاب الشرب، الباب الأول فی تفسیرہ ۵/۳۹۱)، (اور لوگوں کے لیے بڑی نہر پر پن چکیاں اور رہٹ لگانا جائز ہے، اگر اس سے عام لوگوں کو ضرر نہ ہو، اور اگر عام لوگوں کا حق ہو تو اسے ایسا کرنے کا ضرر نہیں ہے، اس لیے کہ عام لوگوں سے ضرر دور کرنا واجب ہے، اور یہ ضرر اس طرح ہو سکتا ہے کہ پانی اس جانب مائل ہو جائے، جبکہ اس کا کنارہ ٹوٹ جائے، تو گاؤں اور زمین ڈوب جائے)۔

اور فقہی قاعدہ ہے: "**الضرر لا يزال بالضرر**" (الأشباہ لابن نجیم ص: ۸۷)، (ضرر کو ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا)، اور ابن نجیم رحمہ اللہ نے اس پر تفریع کرتے ہوئے لکھا ہے: "**ولا يأكل المضطر طعام مضطر آخر، ولا شيئا من بدنه**" (الأشباہ ص:۸۷) (اور مجبور دوسرے مجبور کا کھانا نہیں کھائے گا اور نہ اس کے بدن کا کوئی حصہ)۔

۱۰- "ہدایہ" میں ہے: "**والثاني: ماء الأودية العظام: كجيحون، وسيحون، ودجلة، والفرات، للناس فيه حق الشفة على الإطلاق، وحق سقي الأراضي، فإن أحيىٰ واحد أرضا ميتة، وكرى منها نهرا ليسقيها، كان لايضر بالعامة، ولايكون النهر في ملك أحد له ذلك؛ لأنها مباحة في الأصل، إذقهر الماء يدفع قهر غيره، وإن كان يضر بالعامة، فليس له ذلك، لأن دفع الضرر**

Marfat.com

عنهم واجب، وذلک في أن يميل الماء إلى هذا الجانب، إذا انكسرت ضفته، فيغرق القرى والأراضي، وعلى هذا نصب الرحى عليه، لأن شق النهر للرحى كشقه للسقي به" (الہدایہ ۴/۳۸۷-۳۸۸) (اور پانی کی دوسری قسم بڑی وادیوں کا پانی ہے، جیسے دریائے جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات، لوگوں کے لیے مطلقاً بغیر کسی قید کے، اس میں پانی پینے کا حق ہے، اور زمین کو سینچنے کا حق ہے، پھر اگر کسی نے ویران زمین آباد کی، اور اس پانی سے نہر کھودی تا کہ اس زمین کو سینچے، اگر اس میں عام لوگوں کا ضرر نہ ہو، اور نہر کسی کی ملکیت میں نہ ہو، تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے، اس لیے کہ یہ پانی اصل میں مباح ہے، کیونکہ پانی کا غلبہ دوسرے کے غلبہ کو دفع کرتا ہے، اور اگر اس میں عام لوگوں کا ضرر ہو، تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے، اس لیے کہ ان سے ضرر کو دور کرنا واجب ہے، اور یہ ضرر اس صورت میں ہے کہ پانی اس جانب مائل ہو جائے، جبکہ اس کا کنارہ ٹوٹ جائے، تو گاؤں اور زمین ڈوب جائے، اور اسی تفصیل کے مطابق اس پر پن چکی نصب کرنا ہے، اس لیے کہ پن چکی کے لیے نہر کو پھاڑنا، اس سے سینچنے کے لیے نہر پھاڑنے کی طرح ہے)۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے خود بھی پانی پی سکتے ہیں، اور جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں، اور کھیتوں کو بھی سینچ سکتے ہیں، اور پانی برتن میں لے جا بھی سکتے ہیں، اور پانی سینچنے کے لیے رہٹ، پن چکی اور دمکل بھی لگا سکتے ہیں، اگر عام لوگوں کا اس میں کوئی ضرر نہ ہو، اور اگر عوامی کنویں، غیر مملوکہ چشمے اور سرکاری تالاب سے سینچائی کرنے کی صورت میں پینے کا پانی ختم ہو جائے گا، تو پھر سینچنے کا حق نہیں ہے۔

۱۱- اگر کوئی نہر جو کہ مملوکہ نہ ہو، مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو، تو وہ لوگ اس نہر کا استعمال پینے اور سینچائی کے لیے کر سکتے ہیں۔

اور اگر وہ نہر مملوکہ ہو تو پھر دوسرے لوگ اس سے صرف پی سکتے ہیں اور جانوروں کو پلا

Marfat.com

سکتے ہیں۔ ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: "والثالث ما يجرى على نهر خاص لقرية، فلغيرهم فيه شركة في الشفة، وهو الشرب وسقي الدواب" (الہندیۃ ۵/۳۹۱) (اور پانی کی تیسری قسم وہ ہے جو کسی گاؤں کی خاص مملوک نہر میں جاری ہو، تو دوسروں کے لیے اس میں حق ''شفۃ'' میں شرکت ہے، اور وہ خود پینا اور جانوروں کو پلانا ہے)۔

۱۲- ''ہدایہ'' میں ہے: "والرابع: الماء المحرز في الأواني، وأنه صار مملوكاً له بالإحراز وانقطع حق غيره عنه كما في الصيد المأخوذ" (الہدایۃ ۴/۳۸۸) (اور پانی کی چوتھی قسم وہ پانی ہے، جو برتنوں میں محفوظ کرلیا گیا ہو، اور ایسا پانی محفوظ کرنے کی وجہ سے محفوظ کرنے والے کی ملکیت میں آ گیا، اور اس سے دوسرے کا حق منقطع ہوگیا، جیسے اس شکار میں (دوسرے کا حق منقطع ہو جاتا ہے) جو قبضہ میں لے لیا گیا ہو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ برتن، گھڑے، مٹکے، ڈرام اور ٹنکی وغیرہ میں پانی بھر لینے کے بعد آدمی کو اس پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۳- ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: "وله بيعه؛ لأنه ملكه بالإحراز" (الہندیۃ ۵/۳۹۱) (اور مٹکے وغیرہ میں محفوظ کیے ہوئے پانی کو آدمی بیچ سکتا ہے، اس لیے کہ محفوظ کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہوگیا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے۔

۱۴- ''تنویر الأبصار'' اور ''الدر المختار'' میں ہے: "ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا فيمنع من ذلك، وعليه الفتوى" (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب القضاء، مسائل شتی ۸/۱۵۲) (اور کسی آدمی کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جائے گا، مگر جبکہ اس کے پڑوسی کا کھلا ہوا ضرر ہو، تو اسے اس سے روکا جائے گا، اور اسی پر فتوی ہے)۔

اور ''رد المحتار'' میں ''فتح القدیر'' کے حوالہ سے ہے: "والحاصل أن القياس في

Marfat.com

جنس هذه المسائل أن يفعل المالک ما بدا له مطلقاً؛ لأنه متصرف فی خالص ملكه، لكن ترک القياس في موضع يتعدى ضرره إلى غيره ضرراً فاحشاً، وهو المراد بالبين، وهو ما يكون سبباً للهدم، أو يخرج عن الانتفاع بالكلية، وهو ما يمنع الحوائج الأصلية، كسد الضوء بالكلية، واختاروا الفتوى عليه، فأما التوسع إلى منع كل ضرر ما، فيسد باب انتفاع الإنسان بملكه كما ذكرنا قريباً" (ردالمحتار ۸/ ۱۵۳)۔

(اور خلاصہ یہ ہے کہ ان مسائل کی جنس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مالک بغیر کسی قید کے، جو اس کی مرضی ہو، کرے؛ کیونکہ وہ اپنی خالص ملکیت میں تصرف کرنے والا ہے، لیکن قیاس کا تقاضا ایسے محل میں ترک کر دیا گیا ہے کہ اس کا ضرر دوسرے کے حق میں حد سے بڑھا ہو، اور "کھلے ہوئے ضرر" سے یہی مراد ہے اور وہ یہ کہ کھلا ہوا ضرر وہ ہے جو عمارت کے منہدم ہونے کا سبب ہو، یا وہ بالکلیہ استفادہ سے نکل جائے، اور یہ وہ ضرر ہے جو اصلی ضرورتوں کو روک دے، جیسے بالکلیہ روشنی کو بند کر دے، اور مشائخ نے اسی پر فتوی دینا اختیار کیا ہے، رہا ہر طرح کے ضرر سے منع کرنے میں وسعت اختیار کرنا، تو یہ انسان کے اپنی ملکیت سے فائدہ اٹھانے کے دروازہ کو بند کر دے گا، جیسا کہ ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے)۔

اور "مجلۃ الاحکام" میں ہے: "كل يتصرف في ملكه كيفما شاء، لكن إذا تعلق حق الغير به فيمنع المالک من تصرفه على وجه الاستقلال" (مجلۃ الاحکام، المادۃ: ۱۱۹۲) (ہر ایک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، لیکن اگر اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو، تو مستقل طور پر اس ملکیت میں تصرف سے مالک کو روکا جائے گا)۔

اور "درر الحکام" میں ہے: "كل يتصرف في ملكه المستقل كيفما شاء أی أنه يتصرف كما يريد باختياره أی لا يجوز منعه من التصرف من قبل أی أحد،

Marfat.com

هذا إذا لم يكن في ذلك ضرر فاحش للغير" (درر الحکام ۳/۲۱۰) (ہر شخص اپنی مستقل ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے، یعنی وہ اس طرح تصرف کرسکتا ہے جس طرح اپنے اختیار سے چاہے، یعنی کسی کی طرف سے اسے تصرف سے روکنا جائز نہیں ہے، جبکہ اس میں دوسرے کا حد سے بڑھا ہوا ضرر نہ ہو)۔

(الف) اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ نشیبی علاقوں کو پلاٹنگ کرکے اسی طرح تالاب بھر کے آبادی بسانا اور فروخت کرنا درست ہے، اور اس پر مرتب ہونے والے ضرر کا اعتبار نہیں ہے۔

(ب) البتہ حکومت پوری آبادی کے مصالح کے پیش نظر کسی خطہ میں اجتماعی ضرر کے مدنظر آبادی بسانے سے منع کرسکتی ہے، کیونکہ اسے ولایت عامہ حاصل ہے اور عمومی مصالح کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہے، اور یہ قاعدہ ہے: "يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" (مجلة الأحكام، المادة: ۲۶) (عام ضرر کو دور کرنے کے لیے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا)۔

لیکن حکومت پر لازم ہے کہ خواہ مخواہ ممانعت نہ کرے کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہو، بلکہ مسائل کے حل کی سنجیدہ کوشش کرے۔

۱۵- "ہدایہ" میں ہے: "فالإمام يجبر الناس على كريه إحياء لمصلحة العامة، إذهم لايقيمونها بأنفسهم، وفي مثله قال عمر - رضي الله عنه-: لوتركتم لبعتم أولادكم" (الہدایہ ۴/۳۸۹) (تو امام لوگوں کو غیر مملوک نہر کی کھدائی پر مجبور کرے گا، عام لوگوں کی مصلحت قائم کرنے کے لیے؛ کیونکہ وہ خود مصالح عامہ کو قائم نہیں کرسکتے ہیں، اور اسی طرح کی صورت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہیں چھوڑ دیا جائے تو تم اپنی اولاد کو بیچ ڈالو)۔

(الف) اس سے معلوم ہوا کہ مصالح عامہ کو قائم کرنا اور مفاسد عامہ کو دور کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا آب رسانی کا عمومی انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے، اور ہر شہری

Marfat.com

کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے۔

(ب) البتہ گھر گھر پہنچانا حکومت پر لازم نہیں ہے، لہٰذا حکومت گھر تک پہنچانے کا عوض لے سکتی ہے، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت پانی کی ترسیل روک سکتی ہے، جبکہ عوامی خزانہ سے مفت پانی کی ترسیل ممکن نہ ہو۔

۱۶- مصالح عامہ کو قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ گزرا، لہٰذا پانی کی نکاسی کے لیے ڈرینج کا نظام بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور یہ ہر شہری کا حق ہے تاکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت ہو۔

خلاصۂ بحث:

۱- شریعت نے پانی کی صفائی کا بڑا اہتمام کیا ہے اور پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے جو احکام دیئے ہیں، ان میں سے بعض وجوب کے درجہ میں ہیں اور بعض استحباب کے درجہ میں ہے۔

۲- مصالح عامہ کو قائم کرنا اور مفاسد عامہ کو دور کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۳- معصیت کے علاوہ میں حکومت کے حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

۴- افراد کی مصلحت پر قومی مصلحت کو ترجیح حاصل ہے۔

۵- مملوکہ پانی کی تجارت درست ہے۔

واللہ أعلم بالصواب، علمہ أتم وأحکم۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل اوران کا شرعی حل

مفتی شاہد علی قاسمی ☆

پانی انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے، اور جس قدر اہم ہے اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا، اور عام لوگوں کے لئے سہل الحصول بنایا، تاہم اس وقت آبادی کی کثرت، اور صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں مختلف آلودگیوں کے ساتھ ساتھ آبی آلودگی نے پانی کے مسئلہ کو سنگین بنادیا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ عام لوگوں میں پانی کی حفاظت کے لئے شعور بیدار کیا جائے، ضرورت سے زائد استعمال سے روکا جائے، آلودگی سے بچانے کے لئے تدبیر کی جائے۔

جواب ۱:

اللہ تعالیٰ نے پانی کو انسانی ضرورت کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے شریعت نے عام اجازت دی ہے کہ انسان اپنی ضرورت میں حسب ضرورت پانی استعمال کرے، چاہے پانی پینے کی ضرورت ہو، کھانا پکانے میں اس کا استعمال ہو، کپڑے دھونے میں اسے برتا جائے، کسی چیز کو دھویا جائے، تعمیرات میں اس کا استعمال ہو، یا کھیتوں کو سینچا جائے، غرض کہ انسان کی نت نئی ضرورتیں ہیں، جن میں پانی کا استعمال جائز اور درست ہے، البتہ تین صورتیں شرعاً ممنوع ہیں:

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

Marfat.com

(الف) ضرورت کی جگہ میں پانی کا استعمال ضرورت سے زائد اسراف کی حد تک کیا جائے، اسراف سے مراد یہ ہے کہ صحیح مصرف میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔

صرف الشيء فيما ينبغي زائداً على ما ينبغي (کتاب التعریفات:۲۶)۔

وضو کرتے ہوئے اعضاء وضو کو دھونا ضروری ہے، شریعت نے تین مرتبہ دھونے تک اجازت بلکہ مسنون قرار دیا ہے، لیکن اس سے زائد دھونا اور پانی بہانا ''اسراف'' میں داخل ہے، یا جیسے ناپاک کپڑا دھونے میں غاسل اس حد تک پانی بہا چکا ہو جس سے اس کی پاکی پر اطمینان ہو گیا ہو پھر بھی وہ اس کے بعد پانی بہاتا رہے، یہ بھی اسراف میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پانی کے استعمال میں اسراف سے بچو اگرچہ تم ندی کے کنارہ پر رہو۔ (دیکھئے: ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۵)۔

(ب) دوسری ممنوع صورت تبذیر ہے، تبذیر سے مراد یہ ہے کہ مصرف ہی غلط ہو، جیسے کوئی سڑک پر پانی بہائے، حالانکہ سڑک کو پانی کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس کی وجہ سے راہ گیروں کو چلنے میں مشکل آتی ہو، تو یہ تبذیر میں داخل ہے اور ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين" (الاسراء:۲۷)۔

(ج) تیسری ممنوع شکل آبی آلودگی پیدا کرنے کی ہے، یعنی پانی کا اس طرح استعمال جس سے دوسرا صاف پانی آلودہ ہو جائے، جیسے فیکٹری میں پانی کا استعمال کیا جائے، اور اس سے نکلنے والا آلودہ پانی صاف ندی، یا صاف تالاب کی طرف بہا دیا جائے، یا گھر کا خراب پانی صاف کنویں وغیرہ کی طرف بہا دیا جائے، یہ اور اس طرح کی صورتیں ضرر عام کی وجہ سے درست نہیں ہیں، فقہاء نے قاعدہ بیان کیا ہے: "الضرر يزال" (الأشباہ والنظائر:۱۳۹)۔

جواب ۲:

جیسا کہ سوال نمبر ۱ کے جواب میں تحریر کیا گیا کہ صحیح مصرف میں ضرورت سے زائد

Marfat.com

خرچ کو اسراف کہتے ہیں، اس لئے پانی کا استعمال انسان کی کسی بھی ضرورت میں زائد از ضرورت کیا جائے یہ سب اسراف میں داخل ہوگا۔ اور اسراف کی ممانعت قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے: "ولا تسرفوا، إنه لا يحب المسرفين" (الأنعام: ۱۴۲)۔ ایک مرتبہ حضرت سعد وضو کر رہے تھے کہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اے سعد! یہ کیا اسراف ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم جاری نہر کے پاس بھی وضو کرو تو اسراف ہو سکتا ہے۔

"إن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ، فقال: ما هذا الإسراف؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ فقال: وإن كنت على نهر جار" (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۵)۔

اسی طرح غلط مصرف میں پانی کا استعمال بھی فضول خرچی میں شامل ہے: "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين" (الإسراء: ۲۷)۔

جہاں تک فضول خرچی کے شرعی حکم کی بات ہے تو اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں: ایک قول کے مطابق مکروہ ہے، دوسرا قول حرام ہونے کا ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک بدعت ہے، چنانچہ "الإسراف" نامی کتاب میں ہے:

"قال الجمهور إن ذلك مكروه، ومنهم من قال: إنه محرم، ومنهم من قال: إن ذلك بدعة" (الإسراف: ص ۶۴-۶۵)۔

جمہور علماء کے نزدیک فضول خرچی مکروہ ہے، البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے یا مکروہ تنزیہی، اس سلسلہ میں فقہاء کی تعبیرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے؛ کیونکہ بعض فقہاء نے ترک اسراف کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں اسراف کی بابت گفتگو کرتے ہوئے حنفیہ کا نقطۂ نظر اس طرح پیش کیا گیا ہے:

Marfat.com

”وترک الإسراف بأن یزید علی الحاجة الشرعیة سنة موکدة“ (الموسوعۃ الفقہیہ ۴/۱۸۰)۔

موسوعہ فقہیہ ہی میں ایک جگہ ہے:

”وقد قال فقهاء الحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنابلة إن الإسراف فی استعمال الماء منهی عنه“ (حوالہ سابق)۔

اسی طرح علامہ نووی شوافع کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”اتفق أصحابنا وغیرهم علی ذم الإسراف فی الماء فی الوضوء والغسل قال البخاری فی صحیحه: کره أهل العلم الإسراف فیه والمشهور انه مکروه کراهة تنزیه، قال البغوی والمتولی حرام“ (المجموع شرح المہذب ۲/۱۵۲، ط: دار احیاء التراث)۔

غور کیا جائے کہ اسراف کی ممانعت میں کہیں منہی عنہ کی تعبیر ہے تو کہیں اسراف کے ترک کو سنت موکدہ قرار دیا گیا ہے، اور شوافع کے یہاں تو مشہور قول کے مطابق کراہت تنزیہی ہے ہی؛ اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ پانی میں فضول خرچی حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔

جواب ۳:

پانی کو آلودہ کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی چیز کو ضائع کرنا۔ اور اللہ کی کسی نعمت کو ضائع کرنا ناپسندیدہ عمل ہے، خواہ اپنی مملوکہ چیز ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماء راکد (ٹھہرے ہوئے پانی) میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے:

”قال رسول الله ﷺ: لا تبل فی الماء الدائم الذی لایجر ثم تغتسل منه“ (صحیح مسلم: باب النهی عن البول فی الماء الدائم)۔

Marfat.com

یہ ممانعت، اسی لئے ہے کہ پاک پانی پیشاب کرنے کی وجہ سے آلودہ اور ماء کثیر سے کم ہوتو ناپاک بھی ہوجاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کنویں کے لئے مجموعی طور پر چالیس ذراع حریم مقرر فرمادیا ہے (مجمع الزوائد ۱۲۸/۴)۔ اور فقہاء نے اسی لئے کنویں کے قریب بئر بالوعۃ کھودنے سے منع کیا کہ اس کی وجہ سے کنویں کا پانی بھی گندہ ہوجائے گا۔ شرح وقایہ میں ہے:

"وان أراد أن يحفر بئر بالوعة يمنع أيضا لسراية النجاسة إلى البئر" (شرح وقایہ: ۸۱/۱)۔

اسی لئے پانی کو آلودہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ یہ ممانعت وجوب کے درجہ میں ہے یا اخلاقی حد تک ہے؟ تو اس سلسلہ میں راقم کا خیال ہے کہ اگر کوئی اپنی مملوکہ پانی کو آلودہ کرے اور اس آلودگی کی وجہ سے امراض کے پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور نہ اس سے ضرر عام متعلق ہو تو پھر یہ ممانعت اخلاقی حد تک ہوگی اور اسے کراہت تنزیہی کہا جائے گا، اور جب سرکاری پانی، ندی، تالاب، اور عام مباحات والے پانی کو آلودہ کیا جائے، جس سے عام لوگوں کو ضرر فاحش لاحق ہوتا ہے اس سے پانی کی قلت کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اور ایسا پانی پینے سے خطرناک امراض بھی لاحق ہوسکتے ہیں، تو پھر پانی آلودہ کرنے کی ممانعت وجوب کے درجہ میں ہوگی۔

اس سلسلہ میں درجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"اتفق الفقهاء على أنه لايجوز للشخص فى استعماله أن يقصد الإضرار بالغير لقوله صلى الله عليه وسلم لاضرر ولاضرار وهذا يدل على عدم جواز الإضرار بأحدٍ لا فى ماله ولا فى نفسه ولا فى عرضه وكذلك لايجوز مقابلة الضرر بالضرر والإتلاف بالإتلاف فكل تصرف ولوكان فى ملك المالك يمنع إذا أدى إلى الإضرار بالآخرين" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۴۱/۳۹)۔

Marfat.com

جواب ۴:

ہر چیز کی اپنی ایک حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے، اور جب کیمیاوی عمل یا کسی اور طریقہ سے اس شئ کی حقیقت اور ماہیت تبدیل کردی جائے تو وہ شئ دوسری شئ بن جاتی ہے؛ چنانچہ شراب میں جب دوسری چیز ملا کر تبدیلی پیدا کی جائے اور وہ سرکہ بن جائے، تو اب اسے شراب کے بجائے سرکہ کہا جاتا ہے، اور ناپاک کے بجائے پاک کہا جاتا ہے، اسی طرح جب گوبر جلایا جائے اور راکھ بن جائے تو اسے اب ناپاک کے بجائے پاک کہا جاتا ہے، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ ناپاک چیز میں کسی عمل کے ذریعہ اس کی ماہیت میں تبدیلی پیدا کردی جائے تو وہ چیز پاک ہوجاتی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم تطہیر کی بنیادی صورتوں کی تفصیل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"إن التطهير يكون بأربعة: الغسل، والدلک، والجفاف، والمسح في الصيقل ...... والسابع انقلاب العين" (البحر الرائق: ۱/ ۳۹۴)۔

تو جس طرح ناپاک چیز کی حقیقت تبدیل ہونے سے وہ چیز پاک ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر پانی میں گندگی مل جائے اور کیمیاوی عمل کے ذریعہ بدبودار اور گندے اجزاء نکال دیئے جائیں تو اس سے بھی گندہ پانی پاک متصور ہوگا؛ کیونکہ پانی میں اصل پاکی ہے، اور جو گندے اوصاف اس سے لاحق ہوگئے ہیں، اگر اس میدان کے ماہرین کہتے ہوں کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ پانی میں ملی ہوئی گندگی، بدبو اور اس کے اجزاء نکال دیئے جاتے ہیں اور گندگی کے اوصاف ختم ہوکر پانی کے اوصاف لوٹ آتے ہوں تو راقم الحروف کا خیال ہے کہ شہروں میں سپلائی ہونے والا ایسا پانی پاک متصور ہوگا اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

بہر حال اس مسئلہ میں حتمی فیصلہ اس میدان کے ماہرین کی رائے پر موقوف ہے، اگر تحقیق سے ثابت ہوجائے کہ پانی میں ملنے والی ناپاک چیز کے اجزاء کیمیاوی عمل کے ذریعہ نکال

Marfat.com

لئے جاتے ہیں، اور پانی اپنی اصلی ماہیت اور حقیقت کی طرف لوٹ آتا ہے تو وہ پانی پاک متصور ہوگا، اور اگر تحقیق سے اس سے برعکس صورت سامنے آئے تو پانی ناپاک سمجھا جائے گا۔

جواب ۵:

عام حالات میں ہر انسان مباح پانی، اپنے مملوکہ پانی اور اجازت لے کر دوسرے کے مملوکہ پانی سے اپنی ہر چھوٹی بڑی ضرورت میں پانی کا استعمال کرسکتا ہے، اور اس بابت ہر انسان آزاد ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "هو الذی أنزل من السماء ماء لكم" (النحل:۱۰)۔

(اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا)۔

"ماء لکم" کا لفظ واضح اشارہ ہے کہ تمام انسانیت کی نفع رسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا ہے؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی پانی، آگ اور خودرو گھاس کو مباحات اصلیہ میں سے قرار دیا ہے:

قال رسول الله ﷺ: المسلمون شركاء فی الثلاث فی الماء والكلاء والنار وثمنه حرام۔ قال سعيد: يعنی الماء الجاری (ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۴۷۲، نیز دیکھئے: ابوداؤد: حدیث نمبر: ۳۴۷۷)۔

تاہم اگر حکومت پانی کی قلت کے پیش نظر بعض انسانی ضرورتوں میں جو زیادہ اہم نہ ہوں پابندی لگائے تو حکومت کو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کی اجازت ہوگی، فقہاء کے یہاں قاعدہ کلیہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کا ارتکاب کیا جائے گا۔

"يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام" (الاشباہ: ۱۴۲)۔

اسی طرح ایک اور قاعدہ ہے: "لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف" (الاشباہ والنظائر: ۱۴۳)۔

Marfat.com

نیز شریعت میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت کی روح اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرر عام سے بچانے کے لئے ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو ضرر لاحق نہ ہو تو پھر وہ احتکار ممنوع نہیں ہے، اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ ہر شخص آزاد ہے، وہ اپنے مملوکہ سامان میں آزادانہ تصرف کا حق رکھتا ہے، اسے کسی خاص تصرف پر مجبور نہیں کیا جانا چاہئے لیکن جب اس کا طرز عمل مصالح عامہ اور مفاد عامہ سے ٹکرائے تو پھر ضرر عام سے بچنے کے لئے اسے خاص تصرف پر مجبور کیا جاسکتا ہے، یہی معاملہ پانی کا بھی ہے، کہ پانی کے استعمال میں ہر انسان اپنی اپنی ہر جائز چھوٹی بڑی ضرورت پوری کرنے میں آزاد ہے، اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، تاہم پانی کے عمومی استعمال میں عوام الناس کو پانی کی قلت کا سامنا ہونے لگے، اور لوگ اہم ضرورتوں کی تکمیل میں بھی تنگی میں مبتلا ہو جائیں، تو مفاد عامہ کے پیش نظر حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاسکتی ہیں اور جس طرح یہ پابندی حکومتیں لگاسکتی ہیں اسی طرح ریاستوں کو بھی انفرادی طور پر پابندی لگانے کا حق حاصل ہوگا؛ کیونکہ جس طرح حکومتیں مصالح عامہ کی رعایت کرنے کی پابند ہیں اسی طرح ریاستیں بھی ذمہ دار ہیں۔

اب رہا مسئلہ حکومت یا ریاست کی پابندی پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

تو چونکہ اس کا تعلق انتظام سے ہے اور اس طرح کی باتیں وقتی مصلحت کے تناظر میں ہوتی ہیں، اگر حکومت کسی ایسی بات کا حکم دے جو حکم شریعت سے نہ ٹکرائے، اور اس حکم میں مصلحت عامہ بھی ہو تو حکم پر چلنا اور اس کو ماننا واجب ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔

"عن عمر عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم یؤمر بمعصیة فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة" (بخاری، حدیث نمبر:۲۹۵۵)۔

Marfat.com

جواب ٦:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انسانی ضروریات کے پیش نظر زمین کے نیچے پانی رکھا، تاکہ انسان جہاں بھی زندگی گزارے وہ پانی کے مسائل سے دوچار نہ ہو، کچھ ہی علاقے اس کائنات میں ایسے ہیں جہاں زمین کے نیچے پانی نہیں ہے، یا اگر ہے تو اس کی سطح کافی نیچے ہے۔ پانی ان چیزوں میں سے ہے جسے شریعت نے مباحات میں سے قرار دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "المسلمون شرکاء فی الثلاث فی الماء والکلأ والنار وثمنه حرام" (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۴۷۲)۔ اسی لئے فقہاء نے زیر زمین پائے جانے والے پانی کو مباحات میں سے قرار دیا ہے، اور کسی انسانی کو اس کا مالک قرار نہیں دیا ہے یہاں تک کہ کوئی کنواں کھودے، حوض بنالے، اسی طرح پانی کے چشمے جو کسی کی مملوکہ زمین میں ہو ان سب صورتوں میں بھی جمہور فقہاء کے نزدیک مالک زمین پانی کا مالک متصور نہیں ہوگا؛ چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"الماء الذی یکون فی الحیاض والآبار والعیون لیس بمملوک لصاحبه بل هو مباح فی نفسه سواء کان فی أرض مباحة أو مملوکة" (بدائع الصنائع: ۵/ ۲۷۴۲)۔

اور جب زیر زمین پانی مباحات میں سے ہے، تو نہ افراد و اشخاص اس کے مالک سمجھے جائیں گے اور نہ حکومتیں مالک سمجھی جائیں گی۔ البتہ حکومت ولایت عامہ کی بنیاد پر مفاد عامہ کے پیش نظر مناسب قانون وضع کرسکتی ہے، چنانچہ اگر حکومت ضرر عام سے بچانے کیلئے مالک زمین کو اپنی زمین میں بورنگ کرانے سے منع کرے، تو اس کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ بورنگ کرانے کی وجہ سے پانی کی سطح واقعتاً نیچے چلی جائے اور اس کی وجہ سے پڑوسیوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہوجائے، محض گمان کی بنیاد پر اور حقیقی اندیشہ کے بغیر حکومت کو روک لگانے کا حق نہیں ہوگا، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

Marfat.com

"اعطت الشريعة الاسلامية ولي الأمر حق وضع قيود على الملك، ومن ذلك ...... الأول ...... تقييد الملك الخاص للمصلحة العامة" ...... (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۹ر۴۳)۔

جہاں تک اس حکم کی تعمیل کی بات ہے تو اگر اس کا حکم شرعاً جائز ہو تو اس کی تعمیل واجب ہے اور جب حکومت کا پابندی لگانا شرعی دائرہ میں نہ ہو تو پھر حکومت کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہوگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"عن عمر عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم يؤمر بمعصيته فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة" (بخاری، حدیث نمبر: ۲۹۵۵)۔

جواب ۷:

جو چیز عمومی نوعیت کی ہو، جس سے عام لوگ فائدہ اٹھائے ہوں جیسے سڑک، نہر، ڈیم وغیرہ تو ایسی چیزوں کو وجود میں لانا، اور وجود میں آنے کے بعد اس کی مرمت، اس میں توسیع وغیرہ یہ سب حکومت وقت کی ذمہ داری ہے، چنانچہ مختصر وقایہ میں ہے:

(وكرى نهر لم يملك) أى حفره (من بيت المال) لأن ذلك لمصلحة المسلمين وبيت المال الخراجي معد لمصالحهم" (مختصر الوقایہ مع اختصار الروایۃ ۲ر۲۰۳)۔

اس لئے پانی کی ذخیرہ اندوزی بھی حکومت وقت کی ذمہ داری ہے؛ کیونکہ اس کا تعلق مصالح عامہ سے ہے، اور حکومت مصالح عامہ کی رعایت ومحافظت کی مکلف ہوتی ہے؛ اس لئے افراد واشخاص کو اصلاً اس کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ البتہ راقم الحروف کے نزدیک دو صورتوں میں افراد واشخاص کو بھی مکلف بنایا جاسکتا ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ حکومت کے پاس اتنا بجٹ نہ ہو کہ وہ تمام شہری کی ضروریات کے

Marfat.com

بقدر پانی کا ذخیرہ کر سکے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر جگہ بہ جگہ پانی کا ذخیرہ کیا جائے تو زیر زمین سطح آب میں اضافہ ہوتا ہو اور اس کے نتیجہ میں مستقبل میں پانی کے قحط کا سامنا نہ ہو تو یہ ایک ایسی عظیم مصلحت ہے کہ جس کے لئے افراد و اشخاص کو حفاظت آب کا مکلف بنایا جاسکتا ہے، پھر یہ معاملہ ایسا ہی ہوگا جس طرح حکومت لوگوں کو پابند کرے کہ وہ غلاظت، کچرا اور گندگیاں عام جگہوں پر نہ ڈالیں، تاکہ بہت سے امراض جو گندگی کی وجہ سے پھیلتے ہیں ان کا سد باب ہو سکے، تو لوگوں کو اس کی رعایت کرنا ضروری ہوگا؛ اسی طرح پانی کی قلت سے بچنے اور سطح آب میں اضافہ کرنے کا مسئلہ بھی انتہائی اہم ہے، اس سے نمٹنے کے لئے عام لوگوں کو پانی کی ذخیرہ اندوزی کا مکلف بنایا جاسکتا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ نہر کی کھدائی گو کہ حکومت کی ذمہ داری ہے؛ لیکن اگر حکومت کے پاس اتنا بجٹ نہ ہو کہ خود اس کام کو اپنے اخراجات سے انجام دے سکے تو عام لوگوں پر بھی اس کا بوجھ ڈالا جاسکتا ہے۔

"(فإن لم يكن فيه) أى فى بيت المال (شئ) يكفيه ...... (فعلى العامة كريه، يجبرهم الإمام على ذلک لأن فى تركه ضرراً وفلما ينفق العامة على المصالح بإختيارهم، إلا أن الإمام يخرج له من يطيقه ويجعل مؤنته على المياسير الذين لايطيقونه بأنفسهم كما فى تجهيز الجيوش" (مختصر الوقایہ مع اختصار الروایۃ: ۲/۲۰۳)۔

اس لئے راقم الحروف کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں عام لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو ذخیرۂ آب کیلئے مخصوص کر دیں، اور جب حکومت مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں مجبور کر سکتی ہے تو لوگوں پر اس حکم کی اطاعت بھی ضروری ہوگی، نیز جب حکومت کا کوئی حکم جو قرآن و حدیث کی کسی نص کے خلاف نہ ہو، اور لوگوں کی مصلحت کے مطابق ہو تو اس کی اطاعت واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

"یاأیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعو الرسول وأولی الأمر منکم" (النساء:۵۹)۔

اس آیت میں "اولی الأمر" سے ایک قول کے مطابق امراء وحکام مراد ہیں، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عن عمر عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم یؤمر بمعصیة فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولاطاعة" (بخاری، حدیث نمبر:۲۹۵۵)۔

البتہ اس کا خیال ضروری ہے کہ جولوگ تنگ دست ہوں اور خود ان کے لئے جگہ تنگ ہوتو ان کو مزید حفاظت آب کیلئے ایک حصۂ گھر مخصوص کرنے کا حکم دینا "تکلیف مالایطاق" کی قبیل سے ہوگا؛ اس لئے اس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔

جواب ۸:

اسلام نے ہر شخص کو اپنی املاک کے تحفظ کا حق دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لایحل لامرئ من مال أخیه إلا ماطابت به نفسه" (مسند احمد: ۳/ ۵۴۳)۔

اس لئے کسی کی مملوکہ چیز کو اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے البتہ پانی کی ذخیرہ اندوزی اور ڈیم کی تعمیر کے لئے حکومت کا عوام کی زمین حاصل کرنا اور متبادل زمین فراہم کردینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں راقم الحروف کے نزدیک درج ذیل صورتیں ہیں:

۱- حکومت کے پاس اپنی زمین ہو، اور اس پر ڈیم کی تعمیر ہوسکتی ہو تو پھر دوسرے کی زمین جبراً لینا درست نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں حکومت کے سامنے مجبوری نہیں ہے۔

۲- مذکورہ مقصد کے لئے حکومت کے پاس زمین نہ ہو، البتہ حکومت کو ضرورت کے بقدر زمین بلاعوض یا بالعوض مل رہی ہو، تو پھر دوسروں کو نقل مکانی پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

۳- مذکورہ مقصد کے لئے حکومت کے پاس زمین نہ ہو، اور نہ لوگ بالعوض ہی دینے پر آمادہ ہوں، تو اگر پانی کی ذخیرہ اندوزی اور اس کے لئے ڈیم بنانا شہریوں کی ضرورتوں میں داخل ہو چکا ہو تو پھر حکومت کو اس کی اجازت ہوگی کہ وہ مطلوبہ زمین کو اپنے قبضہ میں لے لے، اور حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کا متبادل فراہم کرے، اور متبادل فراہم کرنے میں لی ہوئی زمین کی مالیت کو نظر انداز نہ کرے، یعنی جس مالیت کی زمین حکومت نے لی ہے، اسی مالیت کی دوسری زمین مالکان زمین کے لئے فراہم کرے اگر متبادل زمین رقبہ کے اعتبار سے لی ہوئی زمین کے برابر ہو، لیکن متبادل زمین کی مالیت کم ہو تو کمی کی تلافی دوسری شکل مثلاً مناسب رقم دے کر کرے، بلکہ دلجوئی کے لئے استحقاق سے بڑھ کر دے، اس سلسلہ میں ایک نظیر عہد رسالت کی بھی ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کے لئے جس زمین کا انتخاب فرمایا وہ ایک یتیم کی زمین تھی۔ اس یتیم کو رسول اللہ ﷺ کی خواہش کا علم ہوا تو وہ بلا معاوضہ زمین دینے کو تیار تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا مناسب معاوضہ ادا فرمایا، اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ حسن سلوک کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے، اور زمین والوں سے گفتگو کر کے ان کو نقل مکانی پر آمادہ کرے، پھر بھی زمین والے آمادہ نہ ہوں تو صرف اس صورت میں حکومت نقل مکانی پر مجبور کر سکتی ہے جبکہ ڈیم بنانا ضرورت کے دائرہ میں آچکا ہو۔

جواب ۹:

قاعدہ فقہیہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے "لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف" (الاشباہ: ۱۴۳)۔ اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کا کفار سے جہاد چل رہا ہو، اور دوران جنگ کفار چند مسلمانوں کو پکڑ کر انہیں ایسی جگہ کھڑا کر دیں کہ مسلم فوج جب بھی کفار پر حملہ کریں تو یہ کھڑے

Marfat.com

مسلمان بھی حملہ کی زد میں آ جائیں تو کیا ایسی صورت میں مسلم فوج کفار پر حملہ کرنا بند کر دیں گے؟ فقہاء نے کہا کہ اگر حملہ جنگی نقطۂ نظر سے ضروری ہو تو درمیان میں چند مسلمانوں کو ڈھال بنانے کے باوجود مسلم فوجوں کو حملہ کرنے کی اجازت ہوگی، خواہ اس کی وجہ سے وہ چند مسلمان ہلاک ہو جائیں۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"قالوا الكافر إذا تترس بمسلم فإن رماه مسلم فان قصد قتل المسلم حرم وإن قصد قتل الكافر لا" (الاشباہ والنظائر:۱/۵۵)۔

اس لئے صورت مسئولہ میں بھی اس اصول کو برتا جائے گا۔ اگر باندھ کو نہ کاٹنے میں مجموعی اعتبار سے جانوں اور مالوں کا زیادہ نقصان ہو تو پھر باندھ کاٹنے کی اجازت ہوگی، اور اگر باندھ کاٹنے میں مجموعی اعتبار سے جان و مال کا زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو پھر باندھ کاٹنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

جواب ۱۰:

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب ان سب کا پانی مباحات میں سے ہے، ان پر ہر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، اگر کنواں یا تالاب وغیرہ کھودنے میں حکومت یا کسی فرد نے مال خرچ کئے ہوں، پھر بھی مشہور قول کے مطابق پانی پر حکومت یا اس فرد کی ملکیت قائم نہیں ہوگی۔

"إن صاحب البئر لا يملك الماء ...... هذا مادام في البئر" (الشرح الکبیر: ۸۱/۱۱)۔

اس لئے ایسے پانی سے عام لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں، البتہ استفادہ کی بنیادی طور سے تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

(الف) کھانے، پینے، برتنے، کپڑا دھونے اور اس طرح کی بنیادی ضرورتوں میں پانی کا

Marfat.com

استعمال کہ جس میں پانی کم خرچ ہوتا ہے۔

(ب) دوسری صورت ایسے کاموں میں پانی کے استعمال کی ہے جس میں پانی کی ایک مناسب مقدار کی ضرورت پڑتی ہو، جیسے مویشی کے ریوڑ کو پانی پلانا۔

(ج) تیسری صورت وہ ہے جس میں پانی کی اچھی خاصی مقدار مطلوب ہو، جیسے کھیتوں کی سینچائی، ایسی چیز کی فیکٹری جس کی تیاری میں پانی کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔

پہلی صورت تو مطلقاً درست ہے، یعنی سوال میں جس پانی کا تذکرہ ہے اس سے ہر شخص اپنی بنیادی ضرورت پوری کرنے کا حق رکھتا ہے، دوسری صورت کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ جانور کو ضرر لاحق ہو، اگر عام لوگوں کو ضرر لاحق ہونے لگے تو پھر مویشی کے ریوڑ کو پانی پلانے سے روکا جاسکتا ہے، اسی طرح ہر وہ کام جس میں پانی کی متوسط مقدار مطلوب ہو اور پانی کے استعمال سے ضرر عام لاحق ہو یعنی لوگوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہونے لگے تو اسے حکومت منع کرسکتی ہے، تیسری صورت جس میں پانی کی بہت زیادہ مقدار مطلوب ہو جیسے سینچائی، پانی سے مربوط چیز کی فیکٹری، تو اس کے حکم کی تفصیل یہ ہے کہ عوامی کنویں، سرکاری تالاب اور چشمے جو مال خرچ کرکے نکالے گئے ہوں، ان سے استفادہ بلا اجازت درست نہیں ہے، کھیت کی سینچائی کرنے والے پر لازم ہے کہ حکومت اور اہل حق سے پوچھے اور اجازت لئے بغیر کھیتی سیراب نہ کرے، فیکٹری میں سپلائی نہ کرے، اگر حکومت اور اہل حق کی جانب سے اذن عام ہو اور ہر چھوٹی بڑی ضرورت میں پانی کے عام استعمال کی اجازت ہو تو پھر سینچائی وغیرہ میں بھی مستقلاً اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ حکم دریا اور ندی کا ہے، جو عام طور پر قدرتی ہوتے ہیں کہ اس سے استفادہ کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ لوگوں کو اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں پانی کی قلت کا سامنا نہ ہو، اگر لوگوں کو اس سے ضرر لاحق ہوتا ہو تو پھر اس قسم کے استفادہ کی اجازت نہیں ہوگی، اس سلسلہ میں درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

Marfat.com

"اعلم أن المياه أنواع: منها ماء البحار ولكل واحد من الناس فيها حق الشفة وسقي الأراضي" (ہدایہ ۴/۴۸۴، کتاب احیاء الموات)۔

"نهر لقوم ولرجل أرض بجنبه ليس له شرب من هذا النهر كان لصاحب الأرض أن يشرب ويتوضأ ويسقي دوابه من هذا النهر وليس له أن يسقي منه أرضاً أو شجراً أو زرعاً ......وإن أراد قوم ليس لهم شرب من هذا النهر أن يسقوا دوابهم منه، قالوا إن كان الماء لاينقطع بسقيهم بأن كانت الإبل كثيرة كان لهم حق المنع، وقال بعضهم إن كان تنكسر ضفة النهر ويخرب بالسقي كان لهم حق المنع وإلا فلا، وكذا العين والحوض الذي دخل فيه الماء بغير احراز وإحتيال فهو بمنزلة النهر الخاص" (ہندیہ: ۵/۳۹۱، کتاب الشرب)۔

جواب ۱۱:

اگر نہر چند اشخاص کی ملکیت ہو تو پھر ان ہی مالکان اراضی کو اپنی کھیتی سیراب کرنے کا حق ہوگا جو نہر کے مالک ہیں یا جن کا حق شرب ہو، یا جن کو مالکان نہر اجازت دیں، تاہم فی زمانہ نہریں سرکاری ہیں، اور حکومت نے نہر کا نظام اسی لئے رکھا ہے کہ لوگ اپنے اپنے کھیت سیراب کریں، گویا اذن عام ہوتا ہے جو چاہے کھیت سیراب کرے، تاہم اگر حکومت نے پانی سے استفادہ کی کچھ شرائط رکھی ہوں، مثال کے طور پر یہ قانون ہو کہ کھیت کیلئے پانی وہی لے سکتا ہے جو اولاً متعلقہ محکمہ میں اپنا نام، اور پلاٹ نمبر درج کرائے اور سالانہ اتنا روپیہ جمع کیا کرے، تو پھر ان شرائط کی رعایت کے بعد ہی کھیت سیراب کرنے کی اجازت ہوگی۔ حاصل یہ کہ اس سلسلہ میں ملکی قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے پانی سے استفادہ کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ کوئی قانون شریعت حقہ کے خلاف نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل اور اس کے متعلق فقہی عبارتیں سوال نمبر: ۱۰ کے

Marfat.com

جواب میں آچکی ہیں۔

جواب ۱۲:

پانی پر ملکیت کی بنیادی صورت فقہ کی زبان میں ''احراز'' ہے، احراز کے معنی جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی کرنے کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جب کوئی پانی کو کسی برتن یا کسی اور چیز میں جمع کرلے اور اس کا ذخیرہ کرلے تو وہ ایسے پانی کا مالک ہو جاتا ہے۔

"فأما ما يحوزه من الماء في إنائه أو يأخذه من الكلأ في حبله أو يحوزه في رحله أو يأخذه من المعادن فإنه يملكه بذلك بغير خلاف بين أهل العلم" (الشرح الکبیر ۱۱/۱۸)۔

اسی حکم میں اس تالاب کا پانی بھی ہے جس میں تالاب والے نے مشین کے ذریعہ پانی بھرا ہو، کہ یہ بھی احراز کے دائرہ میں آنے کی وجہ سے مملوک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ شرح کبیر میں ہے:

"أما إذا أخرجه منها بالاحتيال كما في السواني فلا شك في ملكه له كحيازته له في الكيزان ثم صبه في البرك بعد حيازته" (الشرح الکبیر ۱۱/۸۱)۔

سمندر، بڑے بڑے دریا، اور ندی وغیرہ جن میں قدرتی پانی ہوتے ہیں۔ اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، خواہ حکومت ولایت عامہ کی بنیاد پر ایسے پانی پر بھی ملکیت کا دعوی کرے اور اپنے آپ کو مالک سمجھے، تو بھی شرعاً حکومت یا کسی فرد کی ملکیت نہیں سمجھی جائے گی، علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری رقم طراز ہیں:

"وقسم منه لايملك اصلاً وكل الناس فيه سواء في الشرب وسقي الدواب وكري النهر منه إلى أرضه وذلك كالأنهار العظام مثل النيل والفرات ونحوهما" (عمدۃ القاری: ۹/۵۱)۔

Marfat.com

اب رہا مسئلہ مملوکہ کنواں، مملوکہ نہر، اور مملوکہ تالاب وغیرہ کا تو اس سلسلہ میں بھی مشہور قول یہ ہے کہ ان سب کے پانی پر بھی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، مباحات میں سے ہے۔ ایسے پانی سے بنیادی انسانی ضرورت جیسے پینے، کھانا پکانے وغیرہ کیلئے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے، اسی طرح مویشی کو پانی پلانا درست ہے، جب کہ مویشی اتنے زیادہ نہ ہوں جو پانی اس حد تک پی لیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچے، البتہ باغ اور کھیت کی سینچائی بلا اجازت درست نہیں ہے۔

"وأما ما ينبع في ملكه كالبئر والعين المستنبطة فنفس البئر وأرض العين مملوكة لمالك الأرض والماء الذي فيها غير مملوك في ظاهر المذهب، لأنه يجري من تحت الأرض إلى ملكه فأشبه الماء الجاري في النهر إلى ملكه، وهذا أحد الوجهين لأصحاب الشافعي" (الشرح الکبیر ۱۱/۷۸)۔

تاہم ایک قول کے مطابق مملوکہ تالاب، مملوکہ کنواں، وغیرہ کے پانی پر صاحب تالاب اور صاحب کنواں مالک ہو جاتا ہے؛ جب کہ پانی اسی جگہ کی زمین سے سوتے کے ذریعہ نکل رہا ہو، کہ ایسی صورت میں ایسا پانی اسی کی زمین کا "نماء" قرار پائے گا۔ اور زمین کے تابع ہو کر پانی بھی مملوک ہوگا۔ حنابلہ اور شوافع کی ایک روایت یہی ہے، فقہ شافعی کی کتاب البیان فی مذہب الامام الشافعی میں ہے:

"إذا حفر الرجل بئرا في ملكه فالبئر ملك له، لأنه من ملك أرضا ملكها إلى القرار، فإن نبع فيها ماء فهل يملكه؟ على الوجهين" (البیان فی مذہب الامام الشافعی: ۷/۵۰۳)۔

نیز شرح کبیر میں ہے:

"والوجه الآخر يملك: لأنه نماء الملك، وقد روي عن أحمد نحو

Marfat.com

ذلک ...... وقد اختاره أبو بکر وهذا یدل من قوله علی أن الماء مملوک لصاحبه" (الشرح الکبیر ۲۹/۱۱)۔

اسی طرح بعض فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی اس طرح کے پانی کے مملوک ہونے کی بات ملتی ہے۔حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس کے کنویں اور چشمے کے پانی کی بیع کو جائز قرار دیا ہے،جبکہ بائع پانی کی مقدار کی جہالت کو ختم کردے۔

"وإن باعه بذلک لم یجز البیع ولم یحل للبائع والمشتری لأنه مجهول ...... فإن أمکن ضبط مقدار الماء بالعداد ونحوه ینبغي أن یجوز بیعه" (تکملہ فتح الملہم: ۵۲۴/۱)۔

ظاہر ہے کہ بیچنا اسی وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ اس پر ملکیت بھی تسلیم کرلی جائے؛ اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ عام حالات میں مملوکہ تالاب،مملوکہ کنواں،مملوکہ چشمہ کے پانی پر ملکیت قائم نہیں ہوگی؛ کیونکہ مذہب کا راجح قول یہی ہے،تاہم اگر اس طرح کے پانی کی بیع کا چلن عام ہوجائے تو عموم بلوی کی وجہ سے مرجوح قول کا سہارا لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔

جواب ۱۳:

حدیث شریف میں ضرورت سے زائد پانی بیچنے کی ممانعت وارد ہے:

"نهی رسول الله ﷺ عن بیع فضل الماء" (مسلم،حدیث نمبر: ۴۰۰۴،کتاب المساقاۃ)۔

تاہم جمہور فقہاء نے اس ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے،علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"قال الخطابی: والنهی عند الجمهور للتنزیه" (فتح الباری ۳۹/۵)۔

اس لئے عام حالات میں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ دوسروں کو پانی دے کر اس کا

Marfat.com

معاوضہ لیا جائے، تاہم اگر کسی نے مملوکہ پانی کا عوض لے ہی لیا تو عوض کا وہ مالک ہو جائے گا، اور اس عوض سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، البتہ یہ تفصیل اس مملوکہ پانی کی ہے جس کو بیچتے ہوئے بائع کو اضافی لاگت نہ آتی ہو، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بیچنے والے پانی پر بہت سے اخراجات کرتے ہیں، پانی کی سپلائی، ایک جگہ سے دوسری جگہ ترسیل، مشین کے ذریعہ پانی کی صفائی، خود مشین کی ہزاروں روپے میں خریدی، باضابطہ اس کیلئے عملہ کا تقرر، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں پانی کی تجارت اور اس پر نفع کمانے کو مکروہ کہنا بھی مشکل ہے۔

بہر حال جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے ان میں اپنے مملوکہ پانی کی تجارت جائز ہے، اور جو کچھ اس سے آمدنی حاصل ہو وہ حلال ہے۔

جواب ۱۴:

شریعت نے ہر ذی شعور انسان کو اپنی املاک میں تصرف کا حق دیا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ وہ جس طرح کا تصرف کرنا چاہے کرے، تاہم ایسا تصرف جس سے دوسرے کو واضح ضرر اور نقصان پہنچے، اس کی اجازت نہیں ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا ضرر ولا ضرار" (موطا امام مالک ۲/ ۷۵۴)۔

یعنی نہ تو دوسرے کو ضرر پہنچائے اور نہ دوسرا اسے ضرر پہنچائے، نیز موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"فحق الملک وإن کان خاصا بصاحبه ومن حقه أن یتصرف فیه کما یشاء إلا أن حق الغیر مصون ومحافظ علیه شرعا فمراعاة مصالح الآخرین قید علی استعمال الحقوق ومنها الملک" (الموسوعة الفقهیة ۳۹/ ۴۳)۔

نیز ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ، متاخرین حنفیہ اور بعض شوافع کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز میں ایسا تصرف کرے جس سے پڑوسی کو واضح نقصان (ضرر

Marfat.com

فاحش) پہنچے تو اسے تصرف سے روکا جائے گا، اور جب نقصان فاحش کی بات نہ ہو تو پھر اسے تصرف کی اجازت ہوگی۔

"ومنهم من فرق بين الضرر الفاحش فيمنع وغير الفاحش الذى لايمنع وهو رأى أبى يوسف فى رواية ومتأخرى الحنفية وبعض الشافعية" (الموسوعة الفقهية ۳۹/ ۴۲، نیز دیکھئے مبسوط سرخسی ۲۵/ ۱۲، فتح القدیر ۵/ ۵۰۶، رد المحتار ۵/ ۴۴۳، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۲۷، المغنی ۴/ ۳۸۸)۔

اس لئے صورت مسئولہ کی چند ممکنہ شکلوں کے احکام حسب ذیل ہوں گے:

(الف) وہ علاقے جہاں پانی کا مسئلہ درپیش نہ ہو، یعنی نشیبی علاقوں کی پلاٹنگ کی وجہ سے پانی کی سطح نیچے نہ جاتی ہو تو پھر مالکانِ اراضی اپنی نشیبی زمین پر پلاٹنگ کر سکتے ہیں۔

(ب) جن علاقوں میں پانی کا مسئلہ بہت سنگین ہو اور اس کی اہمیت کے پیش نظر حکومت نے بھی مالکان اراضی پر نشیبی علاقوں کی زمین کی پلاٹنگ کرنے کی ممانعت کر دی ہو اور واقعہ بھی یہی ہو کہ پلاٹنگ کرنے کی وجہ سے سطح آب میں کمی آ سکتی ہو، اور اس کی وجہ سے عام خلائق کو ضرر فاحش لاحق ہو تو پھر مالکان اراضی پر لازم ہوگا کہ وہ نشیبی علاقوں کی پلاٹنگ نہ کریں، اور اس قانون کی خلاف ورزی جائز نہیں ہوگی۔

"فكل تصرف - ولوكان فى ملك المالک - يمنع إذا أدى إلى الإضرار بالآخرين ولذلک منع الفقهاء المالک من إشعال النار فى يوم عاصف ولوكان فى ملكه مادام يترتب عليه إحراق شئ من أموال الجيران حيث يعتبر متعديا وعليه الضمان" (مبسوط سرخسی ۱۵/ ۱۲، نیز دیکھئے فتح القدیر ۵/ ۵۰۶)۔

اگر یہی مذکورہ بالا کیفیت ہو اور حکومت نے اب تک پابندی نہ لگائی ہو، تو حکومت کو چاہئے کہ پابندی لگادے؛ تاہم اگر پابندی نہ بھی لگائے تو بھی ارباب زمین پر دیانتاً واجب ہوگا

Marfat.com

کہ نشیبی علاقوں کی پلاٹنگ نہ کریں تاکہ عوام الناس ضرر سے دوچار نہ ہوں۔

(ج) اگر نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کی وجہ سے سطح آب میں کمی تو ہو لیکن اس کی وجہ سے ضرر عام لاحق نہ ہو، جیسے اس شہر میں دریاؤں سے پانی لانے کا مناسب انتظام ہو، کہ اگر زیر زمین پانی سے لوگ استفادہ کم کرتے ہوں اور سرکاری پانی جو دریا سے لایا گیا ہے وہ عام لوگوں کے لئے کافی ہو تو پھر نشیبی علاقوں کی پلاٹنگ درست ہوگی۔

جواب ۱۵:

(الف) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور کا والی بنادیا، پھر اس نے لوگوں کی حاجات و ضروریات کا خیال نہیں کیا تو اللہ بھی اس کی ضرورتوں کو پورا نہیں فرمائیں گے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی ضروریات کے سلسلہ میں ایک شخص کو مقرر فرمایا تھا:

"سمعت رسول الله ﷺ يقول: من ولاه الله عزوجل شيئا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلّتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلّته وفقره قال: فجعل رجلا على حوائج الناس"۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو باب فیما یلزم الامام من أمر الرعیۃ الخ (حدیث نمبر ۲۹۴۹) کے تحت پیش کیا ہے، گویا امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ اس حدیث کی روشنی میں حاکم وقت پر لوگوں کی بنیادی ضروریات کی دیکھ بھال اور اس کے انتظام و انصرام کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔ اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ جس شہر میں لوگ پانی کے مسائل سے دوچار ہوں وہاں آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا حکومت سے مطالبہ کرے؛ البتہ اگر کسی شہر میں پانی کا مسئلہ نہ ہو، پانی عوام کیلئے سہل الحصول ہو تو

Marfat.com

پھر آب رسانی کا انتظام حکومت کے فرائض میں داخل نہیں ہوگا؛ بلکہ خود لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طور پر پانی کا انتظام کرلیں۔

(ب) اگر حکومت نے مستقل محکمۂ آب رسانی قائم کر رکھا ہو تو ظاہر ہے کہ اس انتظام کو چلانے میں ایک بڑی رقم خرچ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کی اجرت متعین کرنا اور اس کا عوض لینا جائز ہے۔ اگر کوئی اجرت نہ دے تو حکومت اس سے پانی روک لینے کی مجاز ہوگی؛ تاہم اگر حکومت مفت اس کا انتظام کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے، البتہ اس طرح کی چیزیں حکومت کی اپنی پالیسی پر مبنی ہوتی ہیں، یعنی حکومت کس طرح کی دی ہوئی سہولتوں پر معاوضہ لے اور کس طرح کی چیزوں پر نہیں لے، ظاہر ہے کہ ہر طرح کی سہولت حکومت مفت فراہم نہیں کرسکتی۔

جواب ۱۶:

دنیا ترقی پذیر ہے، اور اسی مناسبت سے طرز حیات میں بھی روز بروز تبدیلی ہوتی رہتی ہے، زمانۂ قدیم میں ڈرینج کا مسئلہ زیادہ اہم نہیں تھا، لوگوں میں سادگی تھی، مکانات اور سڑکوں اور گلیوں کی بھی یہ کیفیت نہیں تھی، اس لئے ڈرینج کا معاملہ بھی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل نہیں تھا، لیکن اس وقت شہروں کی صورتحال یہ ہے کہ ڈرینج اور استعمال شدہ پانی کی بہتر نکاسی کا نظام نہ ہو تو لوگوں کو بڑا حرج لازم آئے گا، اور حفظان صحت کے اعتبار سے بھی بڑا منفی اثر پڑے گا، اس لئے اس وقت ڈرینج کا مسئلہ لوگوں کی ضروریات میں شامل ہو چکا ہے اور اجتماعی ضرورتوں کا نظم اور ان کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، جیسا کہ سوال ۱۵ کے جواب میں اس سلسلہ کی حدیث گزر چکی ہے، اس لئے ڈرینج کا نظام شہریوں کا حق سمجھا جائے گا۔ اور اس کا مطالبہ بھی درست ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل-شریعت کی نظر میں

مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی ☆

تمہید:

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

پانی انسانی زندگی کا قوام ہے، اس کے بغیر تقریباً زندگی ناممکن ہے، اور یہ نہ صرف انسان کی تخلیق کا رکن اعظم ہے، بلکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام ہی متنفس وحیوانات کا وجود پانی کا ہی رہین منت ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے "وجعلنا من الماء کل شيء حي" (الأنبیاء:۳۰)۔ "واللہ خلق کل دابة من ماء" (النور:۴۵)۔

قرآن کریم میں پچاس سے بھی زائد مقامات پر بطور ایک عظیم نعمت الٰہی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ اگر ایک طرف انسان کی پیاس بجھانے کا ذریعہ ہے (الواقعہ:۶۸) تو دوسری طرف اس کی تطہیر کا سامان بھی (الانفال:۱۱، الفرقان:۴۸)۔ یہ کھیتوں، پھلوں، پھولوں کی شادابی کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف ان کے چوپایوں کو بھی سیراب کرتا ہے۔ پانی سے انسان کا نفع دیرپا ہو اس کے لئے زمین کے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھی (المومنون:۸)، آسمان سے بارش کا انتظام کیا (نباء:۱۴)، اور زمین کی تہوں میں چشموں کی لازوال دولت رکھ دی، اور ان تمام آیات ودیگر بہت سی آیات کے ذریعہ شکر نعمت کی تلقین فرمائی، حکم عدولی ونافرمانی کی صورت میں پانی کے سوتے

☆ دار عرفات تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

Marfat.com

خشک کرنے اور بارش کے روکنے سے ڈرایا (الملک: ۳۰، الکہف: ۴۱) تو اب عقل مندی کی بات یہی ہے کہ اس کا ٹھیک ٹھیک استعمال کیا جائے، اور اس کو ہر طرح کی آلودگی اور ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

تمدن کی ترقی نے جہاں انسانیت کے سامنے بہت سے مسائل کھڑے کئے، انہیں میں سے پانی کا مسئلہ بھی ہے۔ اس تناظر میں آبی وسائل کے تعلق سے سوالات اور نصوص شرعیہ کی روشنی میں ان کا صحیح حل انسانیت کی ایک بڑی خدمت ہے۔

اس تمہید کے بعد جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام کیا ہیں؟

تمہید میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اور پانی کے استعمال کے مختلف مقامات کی نشاندہی بھی قرآنی آیات کی روشنی میں کردی گئی، انہیں آیات سے پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام بھی مستنبط ہوتے ہیں۔

مثلاً:

۱- پانی انسان کے کھانے پینے میں استعمال ہوگا۔

۲- پانی سے انسان طہارت وصفائی کا بھی کام لے سکتا ہے۔

۳- پانی سے کھیتوں اور باغوں وغیرہ کی سینچائی بھی کرسکتا ہے۔

۴- اپنے جانوروں کو بھی پلائے گا۔

۵- پانی کے استعمال میں اسراف وفضول خرچی سے بچے گا۔

۶- پانی کو آلودہ ہونے سے بچائے گا۔

Marfat.com

۷- پانی کو لوگوں کے ضرر اور ایذاء کا سبب نہیں بنائے گا۔

۸- احراز کے ذریعہ پانی پر اس کی ملکیت تسلیم کی جائے گی۔

۹- جن صورتوں میں بھی لوگوں کو حق شفہ حاصل ہو پانی کے استعمال پر پابندی نہیں لگائے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے احکامات ہیں، جو پانی کے عمومی مسائل سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ قرآن وسنت کے نصوص کی روشنی میں ان کی تحدید وتعیین کی جاسکتی ہے۔

جن مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ان میں سے اکثر کے دلائل تمہیدی گفتگو میں ذکر کردیئے گئے ہیں اور بقیہ کے دلائل کا آئندہ سوالات کے جوابات میں انشاء اللہ تذکرہ ہوگا۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق اور اس کا شرعی حکم:

حاجت شرعیہ سے زائد خرچ کرنے کو اسراف یا فضول خرچی کہتے ہیں۔ جیسا کہ رد المحتار میں ہے: "الإسراف: بأن يستعمل منه مافوق الحاجة الشرعية" (رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۲۵۸)۔

یا دوسرے لفظوں میں "مناسب سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں" (قاموس الفقہ ۱/ ۲۶۲)۔

انسان پانی کا استعمال مختلف ضروریات میں کرتا ہے، اس سے وضو بھی کرتا ہے، غسل بھی کرتا ہے، کپڑے بھی دھوتا ہے، آب دست بھی لیتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ضرورتیں ہیں جو پانی سے متعلق ہیں، بہر حال جو بھی شکل ہو اگر "مناسب" سے زیادہ پانی استعمال کرتا ہے تو اسراف کرنے والا سمجھا جائے گا۔

علامہ شامی نے اس کی ایک مثال وضو کے بیان میں پیش کی ہے، مثلاً اعضاء وضو میں سے کسی عضو کو ۳ مرتبہ سے زائد دھوتا ہے اور اپنے اس عمل کو سنت یا قربت سمجھتا ہے تو اسراف کے

Marfat.com

زمرہ میں آئے گا اور یہ عمل مکروہ سمجھا جائے گا؛ لیکن شک کی صورت میں اطمینان قلب کے لئے "مرات" میں اضافہ کرتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

"ومنه (الإسراف) الزيادة على الثلاث أي في الغسلات مع اعتقاد أن ذلک هو السنة، لما قدمناه من أن الصحيح أن النهي محمول على ذلک فإذا لم يعتقد ذلک وقصد الطمأنينة عند الشک أو قصد الوضوء على الوضوء بعد الفراغ فلا كراهة" (رد المحتار علی الدر المختار ۱/۲۵۹)۔

یہی حال کپڑے دھونے اور غسل کرنے میں بھی ہے، اور دیگر ضروریات بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں کہ اگر ۳ مرتبہ سے زائد کو کارثواب سمجھ کر کرتا ہے تو مکروہ ہوگا۔ صحیح بخاری کتاب الغسل میں حضرت جابر کی روایت سے بھی یہی امر مترشح ہوتا ہے۔

"حدثنا أبوجعفر أنه كان عند جابر بن عبد الله هو وأبوه وعنده قوم فسألوه عن الغسل فقال: يكفيک صاع: فقال رجل: مايكفيني، فقال جابر كان يكفي من هو أوفى منک شعرا، وخيرمنک، ثم أمّنا في ثوب" (صحیح البخاری، حدیث:۲۵۲)۔

(ابوجعفر (محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقر) فرماتے ہیں کہ وہ خود اور ان کے والد (علی بن الحسین المعروف بزین العابدین) حضرت جابر بن عبداللہ کی خدمت میں حاضر تھے اور دیگر لوگ بھی وہاں تھے، تو لوگوں نے ان سے غسل (جنابت کا غسل کتنی مقدار پانی میں ہوجاتا ہے) کے تعلق سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک صاع کافی ہے، تو ایک صاحب نے کہا کہ ایک صاع تو میرے لئے کافی نہیں ہے، اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صاع تو اس ذات گرامی کے لئے کافی ہوتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور وہ تم سے بہتر بھی تھے۔ پھر ہمیں ایک کپڑے میں نماز پڑھائی)۔

Marfat.com

علامہ عینیؒ نے اس حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام میں لکھا ہے: وفیه: کراهیة الإسراف فی استعمال الماء (عمدۃ القاری شرح البخاری ۲/۱۶، طبع مکتبہ زکریا دیوبند) کہ اس سے پانی کے استعمال میں اسراف کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "الماء علی أثر الماء یجزی ولیس بعد الثلاث شیٔ" (مصنف بن أبی شیبۃ حدیث ۷۲۶)۔ اعضاء وضو پر یکے بعد دیگرے پانی ڈالنا درست ہے، لیکن تین مرتبہ کے بعد ڈالنا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا تھا "اقصد فی الوضوء ولو کنت علی شاطئ نهر" (ایضا، حدیث: ۷۳۲)۔ نہر و دریا کے کنارے ہو تب بھی وضو کرنے میں میانہ روی کا خیال رکھو۔

جب وضو اور غسل میں پانی کا استعمال کے تعلق سے یہ احکام ہیں، تو دیگر ضروریات میں بھی اسی طرح کا حکم ہوگا۔

باوضو ہوتے ہوئے بھی وضو کرنا:

یہ امر اسراف میں داخل نہیں بلکہ استحباب کے زمرہ میں آتا ہے، جیسا کہ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: "بعض مشائخنا قالوا إن کان من نیته الزیادة یکره، وإن کان من نیته تجدید الوضوء لایکره بل یستحب له ذلک، وذکر الناطفی أن الوضوء مرة واحدة فرض ومرتین فضیلة، وثلاثا فی المغسولات سنة وأربعا بدعة، وهذا کله إذا لم یفرغ من الوضوء، فأما إذا فرغ ثم استأنف فلایکره بالاتفاق" (الفتاوی التاتارخانیۃ ۱/ ۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

(ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ سنت سمجھ کر

Marfat.com

دھوتا ہے تو مکروہ ہے، اور اگر تجدید وضو کی نیت سے ایسا کر رہا ہے تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، اور ناطفی نے ذکر کیا ہے کہ وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھونا فرض، دو دو مرتبہ مستحسن، تین تین مرتبہ سنت اور چار مرتبہ دھونا بدعت ہے۔ یہ ساری باتیں اس وقت ہیں جبکہ ابھی وضو سے فارغ نہ ہوا ہو، اور اگر وضو سے فارغ ہو گیا ہے اور از سر نو وضو کر رہا ہے تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔

فضول خرچی کا شرعی حکم:

وضو اور غسل یا دیگر امور مباحہ میں پانی کا ضرورت سے زائد استعمال عام حالات میں مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ فقہاء نے اس سے بچنے اور اس کے ترک کو ''مندوب''، ''سنت''، ''سنت مؤکدہ'' مختلف لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

رد المحتار میں ہے: ''ترک التقتیر والإسراف من المندوبات، وذکر الحلوانی أنه سنة، وعلیه مشی قاضی خان- ولایلزم کونه زائداً علی المأمور به وغیر طاعة أن یکون حراما نعم إذا اعتقد سنیته یکون قد تعدی وظلم لاعتقاده مالیس بقربة قربة فلذا حمل علمائنا النهی علی ذلک فحینئذ یکون منهیا عنه ویکون ترکه سنة مؤکدة'' (رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

(ضرورت سے زائد خرچ اور بخل سے بچنا مستحب ہے۔ حلوانی نے کہا ہے کہ سنت ہے اور قاضی خان کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مامور بہ سے زائد یا غیر طاعت میں خرچ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حرام ہو، ہاں اگر مامور بہ سے زائد خرچ کو وہ سنت سمجھتا ہے تو ایک غیر ثواب کے کام کو ثواب کا کام سمجھنے کی وجہ سے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا سمجھا جائے گا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے نہی کو اسی معنی پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں ضرورت سے زائد استعمال منہی عنہ ہوگا اور اس کا ترک کرنا سنت مؤکدہ ہوگا)۔

Marfat.com

صاحب منتقی کے نزدیک "اسراف فی الوضوء" مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: "وجعل في المنتقى الإسراف من المنهيات، فتكون تحريمية لأن إطلاق الكراهة مصروف إلى التحريم" (الرد علی الدر ۲۵۸/۱)۔

منتقی میں اسراف کو منہیات میں بتایا ہے، اس لحاظ سے اسراف مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ کراہت کو جب فقہاء مطلق استعمال کرتے ہیں تو اسے کراہت تحریمی پر محمول کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پانی کا ضرورت سے زائد استعمال شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں (کتاب الوضوء والغسل کی) مختلف احادیث پر جو تراجم قائم کیے ہیں ان سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ ضرورت سے زائد استعمال کی گنجائش ہونے کے باوجود ان سے بچنا ہی بہتر ہے مثلاً "باب التخفيف في الوضوء"، "باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة"، "باب الاستنجاء بالحجارة"، "باب الوضوء مرة مرة"، "باب الوضوء مرتين مرتين"، "باب الوضوء بالمد"، باب الغسل بالصاع ونحوه۔

جب وضو اور غسل جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ان میں پانی کے محتاط طریقہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، تو دیگر ضروریات میں اس کا بدرجۂ اولیٰ خیال کیا جائے گا۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت کا حکم:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف احکامات دیئے گئے ہیں، انہیں احکامات سے یہ ہے کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہ لیں، آلودگی سے بچانے کے لئے یہ بھی حکم دیا کہ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھولے، پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے یہ حکم بھی دیا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔

Marfat.com

پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکامات بعض حالات میں اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں، لیکن بعض حالات میں انہیں وجوب کا درجہ بھی حاصل ہے۔

پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینا منع ہے: "عن أبی قتادة أن النبی ﷺ نهی أن يتنفس فی الإناء" (صحیح البخاری ۵/۱۵۵)۔ حضرت ابوقتادۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔

"عن أبی سعيد الخدری أن النبی ﷺ نهی عن النفخ فی الشراب" (سنن الترمذی)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے، ممانعت وجوبی نہیں بلکہ اخلاقی نوعیت کی ہے۔ فتح الملہم میں ہے: "وهذا النهی للتأديب لإرادة المبالغة فی النظافة إذ قد يخرج مع النفس بصاق أو مخاط أو بخار ردئ فيكسبه رائحة كريهة فيتقذر بها جوّ أو غيره كذا فی الفتح" (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۱/۲۵۲)۔

(مذکورہ ممانعت غایت درجہ میں نظافت کے حصول کے لئے اخلاقی ہے، اس لئے کہ بسا اوقات سانس کے ساتھ تھوک، بلغم یا منہ کی بدبو ساتھ ہوتی ہے جس سے خود اس کو یا دوسرے کو گھن آسکتی ہے)۔

علامہ عینی نے بھی اسے نہی برائے ادب قرار دیا ہے: "وعلی كل تقدير هو نهی أدب" (عمدۃ القاری شرح البخاری ۲/۱۹۴)۔

برتن میں بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنے کی ممانعت:

"عن أبی هريرة أن النبی ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده فی الإناء حتی يغسلها فإنه لايدری أين باتت يده" (إعلاء السنن ۲/۲۵)۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"جب تم میں سے کوئی سو کر اٹھے تو اس کو چاہئے کہ برتن میں اس وقت تک ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ اس کو دھو نہ لے، اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگا ہے"۔

یہاں نہی برائے تنزیہ ہے۔ صاحب اعلاء السنن علامہ ظفر احمد تھانوی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قوله ﷺ: "لايغمس يده الخ" يدل على أن النهى للتنزيه" (ایضا) (اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان: "لايغمس يده الخ" بتاتا ہے کہ نہی تنزیہی ہے)، لیکن یہ واضح رہے کہ نہی تنزیہی اسی صورت میں ہوگی جبکہ ہاتھوں پر کوئی گندگی اور نجاست نہ لگی ہوئی ہو، اور اگر ہاتھوں پر نجاست لگی ہوئی ہے تو نہی برائے تحریم ہوگی، اور اس صورت میں پانی کے برتن میں ہاتھوں کے ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا لازمی اور ضروری ہوگا۔

امام بخاریؒ نے غالبا اسی معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کتاب الغسل میں کچھ اس طرح ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے "باب هل يدخل الجنب يده فى الإناء قبل أن يغسلها إذا لم يكن على يده قذر غير الجنابة؟ کیا کوئی شخص اپنے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے برتن میں ڈال سکتا ہے اگر اس کے ہاتھوں پر کوئی نجاست نہ لگی ہو گرچہ وہ جنبی ہو؟

بہر حال پانی کو آلودگی سے بچانا مطلوب ہے، گرچہ ہاتھوں پر کوئی نجاست نہ لگی ہو اور آدمی گرچہ سو کر نہ اٹھا ہو پھر بھی پہلے ہاتھوں کا دھو لینا مستحب ہے۔

علامہ عینیؒ بخاری شریف میں وارد حضرت عثمان بن عفانؓ کی ایک روایت "دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلها ثم أدخل يمينه فى الإناء الخ" کے ذیل میں فرماتے ہیں "فيه غسل اليدين قبل إدخالهما فى الإناء ولو لم يكن عقيب النوم ولهذا مستحب بلاخلاف" (عمدۃ القاری ۲/۲۴۲)۔

Marfat.com

''اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا مطلوب ہے گرچہ وہ سوکر نہ اٹھا ہو۔ اور یہ بات بغیر کسی اختلاف کے مستحب ہے''۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت نے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: **"لایبولن أحدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه"** (صحیح البخاری، حدیث: ۲۳۹، باب البول فی الماء الدائم)۔

''تم میں سے کوئی شخص ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ پھر اس میں غسل کرے''۔

ممانعت کا حکم وجوبی درجہ کا ہے اور نہی برائے تحریم ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام قرطبی کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ پانی میں پیشاب کرنے کو مطلق طور پر حرام کہنا چاہئے اور اس کی دلیل مشہور فقہی قاعدہ ''سد ذرائع'' ہے؛ اس لئے کہ اگر اس سے منع نہ کیا جائے تو یہ عمل پانی کی نجاست کو لازم کردے گا۔ **قال القرطبی "یمکن حمله علی التحریم مطلقا، علی قاعدة سد الذریعة لأنه یفضی إلی تنجیس الماء"** (فتح الباری شرح البخاری ۱/۳۴۸)۔

لیکن امام ابن بطال نے مہلب وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کی ممانعت کا حکم اصول کی بنیاد پر ہوگا، اگر ماء کثیر ہے تو اس صورت میں نہی برائے تنزیہہ ہوگی اس لئے کہ پانی اس وقت تک پاک رہتا ہے جب تک کہ اس کے اوصاف میں تبدیلی نہ آجائے، ہاں اگر ماء قلیل ہے تو نہی برائے وجوب ہوگی، اس لئے کہ پانی کے اندر ایسی نجاست ہے جو اس کے اوصاف کو بدل دے گی۔

قال المهلب وغیره: النهی عن البول فی الماء الدائم مردود إلی الأصول فإن کان الماء کثیرا فالنهی عن ذلک علی وجه التنزه، لأن الماء علی

Marfat.com

الطهارة حتى يتغير أحد أوصافه، فإن كان الماء قليلا فالنهي عن ذلك على الوجوب لفساد الماء بالنجاسة المغيرة له" (شرح ابن بطال علی البخاری ۱/ ۳۵۲)۔

ماء قلیل غیر جاری:

اگر پانی تھوڑا اور غیر جاری ہو تو اس میں استنجا کرنا حرام ہوگا۔

ماء کثیر غیر جاری:

ماء کثیر راکد (غیر جاری) میں بھی پیشاب کرنے کا یہی حکم ہوگا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: وأما الراكد القليل فقد أطلق جماعة من أصحابنا أنه يكره، والصواب المختار أنه حرام، وإن كان كثيرا راكدا فقال أصحابنا يكره ولو قيل يحرم لم يكن بعيدا" (عمدۃ القاری ۲/ ۹۶۶)۔

(جہاں تک تھوڑے ٹھہرے ہوئے پانی میں استنجاء کرنے کی بات ہے تو ہمارے فقہاء احناف کی ایک جماعت نے اسے مطلق مکروہ کہا ہے، لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے، اور جہاں تک ماء کثیر راکد کا معاملہ ہے تو ہمارے فقہاء نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے لیکن اگر وہ حرام کہتے تو بھی صحیح تھا)۔

ماء قلیل جاری:

ماء قلیل جاری کے سلسلہ میں بھی علامہ عینی کا وہی نظریہ ہے جو سابق میں گزرا کہ اس میں استنجاء کرنا حرام ہوگا؛ اس لئے کہ ماء قلیل گرچہ جاری ہو پیشاب نتیجۃً اس کو گندا اور نجس بنا کر چھوڑے گا۔ وہ فرماتے ہیں:

"وإن كان قليلا جاريا، فقد قال جماعة من أصحابنا يكره، والمختار

Marfat.com

أنه يحرم لأنه يقذره وينجسه على المشهور" (عمدۃ القاری ۲/۹۶۶)۔

سمندر، دریا اور نہروں کا پانی نجس نہیں ہوگا، لیکن بچنا ہی اولی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مذکورہ حدیث "لايبولن أحدكم" الخ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "أقول: معناه النهى عن كل واحد من البول فى الماء والغسل فيه والحكمة أن كل واحد منهما لايخلو من أحد أمرين إما أن يغير الماء بالفعل أو يفضى إلى التغيير بأن يراه الناس يفعل فيتابعوا، وهو بمنزلة اللاعنين اللهم إلا أن يكون الماء مستبحرا أو جاريا والعفاف أفضل كل حال" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۴۱۲-۴۱۳، دار المعرفۃ، بیروت)۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور غسل کرنا دونوں کی ممانعت ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ دونوں ہی عمل دو باتوں سے خالی نہ ہوں گے، یا تو خود ان کے ذریعہ پانی کے اوصاف میں تغیر آجائے گا یا یہ تغیر کا سبب بنیں گے، وہ اس طور پر کہ لوگ کسی ایک کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ خود بھی ایسا کرنے لگیں گے (نتیجۃً پانی گندا اور نجس ہو جائے گا) اور یہ عمل لاعنین کے مشابہ ہے (راستہ اور درخت کے سایہ میں قضاء حاجت کرنے کی طرح) الا یہ کہ پانی بہت زیادہ اور جاری ہو، لیکن ہر حال میں پانی میں پیشاب کرنے سے بچنا ہی اولیٰ ہے۔

ماءِ قلیل راکد میں غسل کرنا بھی مکروہ ہے۔ شاہ صاحب کی سابقہ عبارت "النهى عن كل واحد من البول فى الماء والغسل فيه" میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

ندیوں اور نالوں میں غلاظت وکوڑا ڈالنا ممنوع ہے:

پانی کو آلودہ کرنے کی موجودہ دور میں ایک مثال گھروں کی غلاظت اور کوڑا کرکٹ وغیرہ ندی نالوں میں ڈالنا بھی ہے، اگر پانی کا بہاؤ بہت معمولی ہو تو نجاست وگندگی کے

Marfat.com

ٹھہرنے کی وجہ سے ندیوں کا پانی آلودہ اور خراب ہوجاتا ہے اور اسے پینے والوں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔

عامۃ الناس کے ضرر کو دیکھتے ہوئے اسے بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔

علامہ عینی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم" کی شرح میں فرماتے ہیں: "والتغوط فیه کالبول فیه وأقبح وکذا إذا بال فی إناء ثم صبه فیه" (عمدۃ القاری ۲؍۱۷۰)۔

بلکہ احناف کے مسلک کے مطابق تو "ماء راکد قلیل" میں غسل جنابت، غسل حیض ونفاس، یہاں تک کہ غسل جمعہ بھی ممنوع ہے۔ اور اگر اسباب پر غور کیا جائے تو بات واضح ہوجائے گی کہ اس کا اصل مقصد آلودگی سے بچانا ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے: "السابع: المذکور فیه الغسل من الجنابة، فیلحق به الاغتسال من الحیض والنفاس، وکذلک یحلق به اغتسال الجمعة والاغتسال من المیت عند من یوجبها" (ایضا)۔

کارخانوں اور فیکٹریوں کا پانی ندیوں میں لے جانا حرام ہے:

موجودہ دور میں فیکٹریوں اور کارخانوں کا آلودہ پانی، ندیوں اور نالوں میں آتا ہے اور اس کی وجہ سے دریاؤں کا پانی صرف خراب ہی نہیں بلکہ بعض اوقات مہلک بھی ہوجاتا ہے۔ ضرر عام کو دیکھتے ہوئے اسے بھی کم از کم مکروہ تحریمی کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اسلام کا نقطۂ نظر تو لوگوں کو ایذاء اور ضرر سے بچانا ہے۔

لوگوں کو ضرر اور ایذاء سے بچانے ہی کے پیش نظر اس نے عمومی راستہ اور سائے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں، اور پانی ہی میں نہیں بلکہ پانی کے راستہ میں بھی قضاء حاجت سے منع کردیا، اور مذکورہ مقامات پر قضاء حاجت کو لعنت کا موجب بتایا ہے اور اسے

Marfat.com

حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے حدیث میں موجود ہے: قال رسول اللہ ﷺ: اتقوا اللاعنین، "قالوا: وما اللاعنان یارسول اللہ؟ قال: الذی یتخلی فی طریق الناس وظلھم" (سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۵)۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں "الملاعن الثلاثة" کا لفظ ہے اور اس میں "البراز فی الموارد" کا اضافہ موجود ہے (ایضا: ۱)۔

صاحب "عون المعبود" علامہ شمس الحق العظیم آبادی، حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والحدیث یدل علی تحریم التخلی فی طرق الناس أو ظلھم، لما فیه من ایذاء المسلمین بتنجیس من یمر به واستقذاره- المراد بالموارد المجاری والطرق إلی الماء (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ۱/ ۴۳، دار الفکر، بیروت)۔

(حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے راستہ اور سایہ میں قضاء حاجت حرام ہے اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا ہے، اس طور پر کہ جو بھی اس سے گزرے گا اسے گھن آئے گی اور نجس بھی ہوسکتا ہے۔ اور موارد کا مفہوم ہے پانی کی نالیاں، یا پانی کی طرف لے جانے والا راستہ)۔

حدیث اور اس کی شرح کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب "استقذار" اور "تنجیس" موجب حرمت ہیں تو ایسا پانی جو حقیقتاً لوگوں اور ان کے جانوروں کے لئے مہلک ہوندی اور نالوں میں اسکا لے جانا بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ واللہ اعلم

اور مذکورہ صورت میں ممانعت وجوبی درجہ کی ہوگی۔

۴- کیمیاوی عمل کے ذریعہ آلودہ پانی کو صاف کرنا:

پانی میں نجاست کے گرنے کے بعد اگر پانی کے اوصاف میں تبدیلی آجائے تو

Marfat.com

بالاتفاق پانی نجس ہوجائے گا۔ تھوڑا پانی معمولی نجاست کے گرنے سے بھی ناپاک ہوجائے گا گرچہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔ ماء کثیر اس وقت تک نجس نہ ہوگا جب تک کہ اس کے اوصاف میں تبدیلی نہ آجائے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "وأما الماء إذا تغير بالنجاسات، فإنه ينجس بالاتفاق" (فتاوی ابن تیمیہ ۱۲/۳۰)۔

علامہ عینیؒ احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مذهب أصحابنا: الماء إما جار أو راكد، قليل أو كثير، فالجارى إذا وقعت فيه النجاسة وكانت غير مرئية كالبول والخمر ونحوها فإنه لاينجس مالم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه" (عمدۃ القاری ۲/۶۵۶)۔

ہمارے ائمہ کا مسلک اس پانی کے سلسلہ میں جس میں نجاست گرجائے اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ یا تو وہ پانی جاری ہوگا یا ٹھہرا ہوا، قلیل ہوگا یا کثیر، تو جاری پانی اگر اس میں ایسی نجاست گرجائے جو غیر مرئی ہو جیسے کہ پیشاب یا شراب تو پانی اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے اوصاف (یعنی رنگ، بو اور مزہ) میں تبدیلی نہ آجائے۔ طحاوی شریف میں ہے: "باب طهارة الماء الكثير إلا عند تغير لونه أو ريحه أو طعمه" اور پھر یہ حدیث ہے: "الماء لاينجسه شئ إلا ماغلب على لونه أو طعمه أو ريحه" (شرح معانی الآثار ۱/۹)۔

بہر حال پانی جب نجس ہوجائے تو پاکی حاصل کرنے کے لئے اس کا استعمال حرام ہوگا، اور اس سے پاکی حاصل نہ ہوسکے گی، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "وأما إذا تغير بالنجاسة، فانما حرم استعماله، لأن جرم النجاسة باق ففى استعماله استعمالها" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۱/۴۱)۔

پانی جب نجاست کے ملنے کی وجہ سے نجس ہوجائے تو اسکا استعمال حرام ہے، اس

Marfat.com

لئے کہ نجاست کا ''جرم'' پانی کے اجزاء کے اندر موجود ہے تو پانی کا استعمال نجاست کا استعمال ہوگا۔

پانی کی تطہیر کا طریقہ:

پانی کی تطہیر کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو فقہ وحدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے، وہ کنویں وغیرہ سے ''مخصوص'' مقدار میں پانی کا نکالنا ہے، اسی مخصوص و متعین مقدار میں پانی نکالنے کے بعد کنواں پاک سمجھا جاتا ہے اور اس پانی کا استعمال درست ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ جس کا سوالنامہ میں تذکرہ کیا گیا ہے یعنی کیمیائی تعامل کے ذریعہ آلائشوں اور بو وغیرہ کو ختم کر کے پانی کو صاف کرنا، اس پانی کے طہور ہونے کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ نجاست کا استحالہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نجاست کا استحالہ یقینی طور پر ہو جاتا ہے تو پانی کی پاکی کا حکم لگایا جانا چاہئے۔ اس لئے کہ گندے اور آلودہ پانی میں نجاست کے اجزاء یقینی طور پر سرایت کر گئے ہیں، اب وہ کیمیائی تعامل کے ذریعہ الگ ہو سکتے ہیں یا نہیں، یا یہ کہ پانی میں اس طرح گھل مل جائیں کہ ان کا وجود بالکلیہ فنا ہو جائے اس کی تحقیق علوم عصریہ خاص طور پر Bio Chemestry کے ماہرین کر کے بتادیں تو پھر اس پانی کے تعلق سے حکم شرعی کی وضاحت ممکن ہو سکے گی۔

''استحالہ'' کے بعد پانی کی پاکی کے تعلق سے امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کے یہاں صریح حکم ملتا ہے۔ وہ اس پانی کو پاک قرار دیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''وأما إذا تغير (الماء) بالنجاسة، فانما حرم استعماله لأن جرم النجاسة باق، ففي استعماله استعمالها، بخلاف ما إذا استحالت النجاسة فإن الماء طهور وليس هناک نجاسة قائمة۔

Marfat.com

ومما يبين ذلك: أنه لو وقع خمر في ماء واستحالت، ثم شربها شارب لم يكن شاربا للخمر، ولم يجب عليه حد الخمر إذا لم يبق شيء من طعمها ولونها وريحها ولو صب لبن إمرأة في ماء واستحال حتى لم يبق له أثر وشرب طفل ذلك الماء لم يصر إبنها من الرضاعة.

وأيضا: فإن هذا باق على أوصاف خلقته، فيدخل في عموم قوله تعالىٰ "فلم تجدوا ماء" فإن الكلام إنما هو فيما لم يتغير بالنجاسة لاطعمه ولا لونه ولا ريحه، وأما الماء إذا تغير بالنجاسات فإنه ينجس بالاتفاق" (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۱/ ۳۳)۔

اگر پانی نجس چیز کی وجہ سے متغیر ہو جائے تو اس کا استعمال حرام ہوگا، اسی لئے کہ نجاست کے اجزاء پانی میں موجود ہیں، تو اب پانی کا استعمال کرنا نجاست کے استعمال کرنے کا سبب ہوگا، برخلاف اس کے کہ جب نجاست کا استحالہ ہو جائے (اسکا وجود ختم اور فنا ہو جائے) تو پانی طہور سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ اب اس کے اندر نجاست نہیں رہی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً پانی میں شراب پڑ جائے، اور شراب کا استحالہ ہو جائے اگر کوئی پینے والا اس پانی کو پی لے تو اس کو شارب خمر نہیں کہا جائے گا، اور اس پر حد خمر بھی نہیں نافذ ہوگی، اس لئے کہ اس کے رنگ، بو اور مزہ میں سے کوئی چیز پانی میں نہیں ہے اسی طریقہ سے اگر کسی عورت کا دودھ پانی میں ڈالدیا جائے اور دودھ پانی میں اس طرح مل جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ ہو تو اس کو پینے کی وجہ سے وہ بچہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں ہوگا۔

اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ (استحالہ کے بعد) اب یہ ایسا پانی ہے جو اپنے خلقی اوصاف پر باقی ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان "فلم تجدوا ماء" کے زمرہ میں آئے گا۔ تو بات اس پانی کے سلسلہ میں ہے کہ جس میں نجاست کی وجہ سے تغیر نہ ہوا ہو، نہ تو اس کے رنگ میں اور نہ

Marfat.com

ہی بو اور ذائقہ میں، اور اگر نجاست کی وجہ سے تغیر پیدا ہو جائے تو بالاتفاق پانی نجس ہو جائے گا۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''الماء الكثير إذا تغير بالنجاسة صار خبيثا، فإذا زال التغير صار طيبا'' (اعلام الموقعین عن رب العالمین ۲/ ۱۱-۱۴)۔

ماء کثیر میں جب نجاست کی وجہ سے تغیر پیدا ہو جائے تو نجس ہو جائے گا لیکن تغیر ختم ہو جائے تو پاک ہو جائے گا۔

إن يسير النجاسة إذا استحالت فى الماء ولم يظهر لها فيه لون ولا ريح ولا طعم فهي من الطيبات لا من الخبائث (ایضاً)۔

معمولی نجاست اگر پانی میں پڑ جائے اور نجاست کا استحالہ ہو جائے اور پانی میں اس کا کوئی اثر یعنی رنگ، بو اور مزہ نہ ہو تو وہ پاک ہے ناپاک نہیں ہے۔

وہ مزید فرماتے ہیں: ''إن الطيب إذا استحال خبيثا صار نجسا كالماء والطعام إذا استحال بولا وعذرة، فكيف أثرت الاستحالة فى انقلاب الطيب خبيثا ولم تؤثر فى انقلاب الخبيث طيبا. والله يخرج الطيب من الخبيث والخبيث من الطيب'' (اعلام الموقعین ۲/ ۱۴)۔

پاک چیز اگر گندگی میں بدل جائے تو نجس ہو جاتی ہے جیسے کہ کھانا اور پانی (جب کھانے پینے کے بعد) پیشاب اور پاخانہ میں بدل جاتے ہیں تو ناپاک ہو جاتے ہیں۔ تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ استحالہ (قلب ماہیت) کی وجہ سے جب پاک چیز ناپاک ہو جاتی ہے تو آخر اس کی وجہ سے ناپاک چیز پاک کیوں نہیں ہوگی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ناپاک سے پاک چیز کو اور پاک سے ناپاک چیز کو نکالتا ہے۔

لیکن یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ فقہ حنبلی میں امام ابن تیمیہ و امام قیم جس کے شارح و ترجمان ہیں پانی کی نجاست و طہارت کا حکم نجاست کے اثرات کے ظہور و عدم ظہور پر

Marfat.com

دائر ہے، پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا (ایضا)۔اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس سے اتفاق مشکل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: اعلاء السنن ۲/ ۱۷۳)۔اس لئے کہ تقریباً جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ماء قلیل میں خواہ قلیل نجاست گر جائے، پانی کے اوصاف میں تغیر ہو یا نہ ہو پانی نجس ہو جاتا ہے (عمدۃ القاری ۲/ ۵)۔

البتہ جو چیز قدر مشترک ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ماء کثیر میں نجاست کے اثرات کے ظہور وعدم ظہور کو ہر کوئی جانتا ہے یعنی اس میں پانی کے نجس ہونے کی علت اس کے اوصاف میں تبدیلی کو سمجھا گیا ہے،اور حدیث "الماء طهور لاينجسه شيء إلا ماغلب على طعمه أو ريحه أو لونه" (إعلاء السنن ۲/ ۱۷۱) کو اسی پر محمول کیا ہے۔علامہ ظفر احمد تھانوی نے اس پر جو ترجمہ قائم کیا ہے وہ بھی اسی کی وضاحت کرتا ہے۔باب طهارة الماء الكثير إلا عند تغير لونه أو ريحه أو طعمه" (إعلاء السنن ۲/ ۱۷۲)۔

معلوم ہوا کہ ماء کثیر بھی جب اس کے اوصاف میں تبدیلی آجائے نجس ہو جاتا ہے یعنی اوصاف کی تبدیلی مؤثر ہے طہارت ونجاست میں۔اب اگر ماء کثیر نجس کے اوصاف میں کیمیائی طریقہ پر ہی سہی حقیقی تبدیلی ہو جائے تو پانی پاک ہو جانا چاہئے؛اس لئے کہ اصول ہے: إذا زال الموجب زال الموجب (إعلام الموقعين ۲/ ۱۱-۱۴)،اور الحكم إذا ثبت بعلة زال بزوالها (ایضا)۔

خلاصہ یہ کہ گندہ اور آلودہ پانی اگر کثیر ہے اور اس کی آلائش وبو کو کیمیائی تعامل کے ذریعہ دور کرنا ممکن ہو تو پانی پاک ہونا چاہئے (واللہ اعلم)۔

واضح رہے کہ تیل اور شہد وغیرہ میں نجاست گر جانے پر اس کی تطہیر کا نظریہ وطریقہ فقہ حنفی کی متعدد کتابوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ہے،اسی کے بقدر پانی ملا کر مخصوص انداز میں اس کو جوش دینا۔"Water Purify Plants" کے ذریعہ یا دوسرے لفظوں میں کیمیائی تعامل کے ذریعہ

Marfat.com

آلودہ پانی کی صفائی کا جو طریقہ موجودہ دور میں رائج ہے وہ اس پرانے طریقہ سے زیادہ کارگر معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کیمیائی تعامل کے ذریعہ صاف کئے جانے والا پانی پاک ہونا چاہئے۔ تفصیلات پیش ہیں:

علامہ حصکفی نے درمختار میں تیل وشہد میں نجاست گر جانے پر اس کی تطہیر کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:"ویطھر لبن وعسل ودبس ودھن یغلی ثلاثا" (درمختار)۔

علامہ شامی نے حاشیہ میں اس بات کی توضیح فرمائی ہے کہ اسی شہد یا تیل کے بقدر پانی میں ملایا جائے اور اس کو جوش دیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنی حالت پر آجائے اور ایسا تین مرتبہ کیا جائے تو تیل وشہد پاک ہوجائیں گے:"ولو تنجس العسل فتطھرہ أن یصب فیه ماء بقدرہ فیغلی حتی یعود إلی مکانه، والدھن یصب علیه الماء فیغلی فیعلو الدھن الماء فیرفع بشیٔ ھکذا ثلاث مرات ...... وعلیه الفتوی" (ردالمحتار)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب شہد اور تیل میں نجاست گرنے پر اسے مخصوص انداز میں جوش دینے سے پاکی آجاتی ہے تو پانی کو بھی اگر مخصوص انداز میں جوش دیا جائے تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جانا چاہئے۔

فدوی نے شعبۂ کیمیا "Chamistry" کے بعض ماہرین سے اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا تو انہوں نے پانی صفائی کے مراکز کے بارے میں بتایا کہ وہاں بھی پانی کو مخصوص درجۂ حرارت میں جوش دیا جاتا ہے۔ اور اس کو مختلف مراحل سے گزار کر آخر میں فلٹر کیا جاتا ہے، اس طرح اس کی آلائش اور بو اور ذائقہ تبدیل ہوجاتا ہے، اگر اس طرح نہ ہوسکے تو پانی کی صفائی کو مکمل نہیں سمجھا جاتا ہے۔

پانی کی صفائی کا مذکورہ طریقہ آج کی پیداوار نہیں، ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے کام آسان اور اچھے انداز میں ہونے لگا ہے۔ پانی کی صفائی کا یہ نظر

Marfat.com

یہ آج سے بہت پہلے چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان سائنس داں محمد بن احمد التیمی نے پیش کیا تھا، اور آلودہ پانی کی صفائی کا اپنے وقت کے لحاظ سے بہترین حل اپنی کتاب "مادۃ البقاء" میں پیش کیا تھا۔ موجودہ سائنس نے اس کو عملاً ثابت کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے۔

ڈاکٹر خالد عرب اپنی کتاب "كيف واجهت الحضارة الإسلامية مشكلة المياه" میں "مادة البقاء" کا اقتباس "مشكلة تلوث المياه" کے عنوان سے پیش کیا ہے جو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے: "ليس إصلاح الماء الفاسد ممكنا بغير طبخه بالنار إذا النار بحيزها تحلل مافيه من الغلظ وتزيل عنه مازجه من فساد الهواء المشابک له، بما يتصاعد بحيزها من بخاره المصفى لجوهره المميط عنه الغلظ المميز عنه الكدر، أو يمزجه عنه عند شربه بالشراب العتيق الريحاني، وذلک عند تعذر إصلاحه بالطبخ لمن كان مسافرا على طريق أو مجتازا ببعض المواضع الفاسدة المياه۔

وسبيله أن يديم طبخه إلى أن يذهب منه الربع ثم يبرد في آنية من جديد الخزف المتخلل الأجزاء الدائم الرشح إن كان الوقت قيظا، أوفي آنية من الزجاج (کیف واجہت الحضارۃ الإسلامیۃ مشکلۃ المیاہ ۵/۴۵)۔

مذکورہ عبارت کے نتیجہ میں دو باتیں تو بالکل واضح ہیں: (۱) پانی کو خوب جوش دینا۔ (۲) پانی کو فلٹر کرنا۔ (ان دونوں عملوں کے ذریعہ پانی کی صفائی اچھی طرح ہو جاتی ہے)۔

ڈاکٹر خالد عرب محمد بن احمد تیمی مقدسی کی آراء کا تجزیہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: نستنتج مما سبق أن التميمي قبل ألف عام قد أتى في مجال تلوث المياه ومعالجتها بآراء تعد سبقا حضاريا في ذلک الوقت، وقد أثبت العلم الحديث صحة الكثير منها" (کیف واجہت الحضارۃ الإسلامیۃ مشکلۃ المیاہ/۴۷)۔

Marfat.com

پانی کی آلودگی دور کرنے اور اسے قابل استعمال بنانے کا جو نظریہ تمیمی نے ایک ہزار سال پہلے پیش کیا تھا، وہ اسلامی تہذیب کے زمانے سے بھی آگے ہونے کی ایک دلیل ہے، اور جدید سائنس نے ان کے اکثر نظریات کی صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔

پوری بحث کا حاصل یہی ہے کہ ماء کثیر اگر گندہ اور آلودہ ہو اور کیمیائی تعامل کے ذریعہ اس کی آلائش الگ کر دی جائے اور بو اور ذائقہ اصلی حالت پر آجائیں تو پانی پاک ہونا چاہئے (واللہ اعلم)۔

۵-حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا:

کھانے پینے اور طہارت حاصل کرنے کے لئے جس مقدار میں پانی کی ضرورت ہوتی ہے اگر اس کی بھی قلت ہو تو ریاست کی خود ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے ماتحتوں کے لئے پانی کا نظم کرے۔ انسان کی بنیادی ضرورتوں پر پابندی لگانے کا ریاست کو حق حاصل نہیں ہے، اور عام حالات میں اس کے مطابق عمل کرنا بھی شرعاً واجب نہیں ہے۔

لیکن اگر حقیقت میں پانی اتنا کم ہو کہ کھانے پینے کے علاوہ غسل و وضو کی بھی اجازت دیدی جائے تو عامۃ الناس کے حرج میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں غسل و وضو یا اس طرح کے دیگر استعمالات پر پابندی لگانا شرعاً درست ہوگا اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوگا۔

صحیح بخاری کتاب التیمم میں وارد ایک حدیث جو دیگر صحاح میں بھی موجود ہے، سے اس امر پر روشنی ملتی ہے: **قال رجل "أصابتنی جنابة ولا ماء" ...... نودی فی الناس اسقوا واستقوا، فسقی من شاء واستقی من شاء وکان أن أعطی الذی أصابته الجنابة إناء من ماء قال: إذهب فأفرغه علیک"** (صحیح البخاری، حدیث: ۳۴۴، باب الصعید الطیب وضوء المسلم)۔

Marfat.com

مفصل حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، ایک شخص الگ کھڑا تھا، اس سے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی نہیں ہے (اس کے بعد پوری تفصیل ہے۔ پانی ملنے کے بعد) لوگوں میں اعلان کیا گیا، تو جسے خود پینا تھا پیا اور جسے جانوروں کو پلانا تھا پلایا۔ اور سب سے آخر میں یہ ہوا کہ جنبی کو ایک برتن میں پانی دیا گیا اور حکم ہوا کہ لے جاؤ اور طہارت حاصل کرو۔

حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "فيه أن العطشان يقدم على الجنب عند صرف الماء إلى الناس، وفيه تقديم مصحلة شرب الآدمي والحيوان على غيره كمصلحة الطهارة" (عمدۃ القاری ۳/۲۲۳)۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی تقسیم کے وقت پیاسوں کو جنبیوں پر مقدم کیا جائے گا، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انسانوں اور ان کے چوپایوں کے پینے کی مصلحت دیگر مصلحتوں پر مثلاً طہارت وغیرہ پر مقدم ہوگی۔

فتاوی تاتارخانیہ کے ایک جزئیہ سے بھی مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر پانی انتہائی کم ہو تو خواہ حکومت کی طرف سے اجازت ہو یا ممانعت خود مبتلی بہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تیمم کرلے اور اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالے۔

"يجوز للمسافر التيمم إذا لم يكن معه ماء، وكذلك إذا كان معه ماء وهو يخاف العطش على نفسه أو دابته لأنه عاجز عن استعمال الماء حكما لكونه مستحقا لحاجته الأصلية" (الفتاوی التاتارخانیہ ۱/۱۴۶)۔

مسافر کے لئے جائز ہے کہ اگر اس کے پاس پانی نہ ہو تو وہ تیمم کرے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس پانی تو ہو لیکن خود اپنے یا اپنے جانور کے پیاسے رہ جانے کا خطرہ ہو تو بھی تیمم کرے گا؛ اس لئے کہ حکماً یہ عادم الماء ہے، چونکہ جو پانی ہے وہ حاجت اصلیہ کے لئے ہے۔

Marfat.com

لیکن حکومت کی طرف سے پانی کے بعض استعمالات پر پابندی کے تعلق سے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ وہ مصلحت جس کے پیش نظر حکومت پابندی لگا رہی ہے یقینی ہو محض ظنی نہ ہو، اس کے ذریعہ عامۃ الناس کو پہنچنے والے ضرر سے بچانا مقصود ہو یا دفع حرج مقصود ہو، اسی کے ساتھ ساتھ وہ مصلحت کلی ہو جزئی نہ ہو۔ یہ اصول صرف پانی پر پابندی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حکومت کسی بھی ایسی چیز میں جو شرعاً مباح ہو اگر کوئی پابندی لگاتی ہے تو اس اصول کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ڈاکٹر عوف الکفراوی (استاذ کلیۃ الشریعہ محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) حکومت کے ایسے تصرفات کے سلسلہ میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "**ويشترط علماء الشريعة شروطا في المصلحة منها: أن تكون المصلحة يقينية لاوهمية أو ظنية، تجلب نفعا أو تجنب ضررا أو تدفع حرجا أن تكون المصلحة عامة أو كلية أى لاتكون مصلحة أقلية**" (موسوعہ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۴)۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا پانی کس کی ملکیت ہوگی؟:

حقیقت تو یہ ہے کہ زمین کے اندر پایا جانے والا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ ہاں کسی کی مملوکہ زمین کے اندر جو پانی پایا جاتا ہے اس سے استفادہ کا اس کو پورا حق ہے مگر اس کے باوجود بھی سطح زمین کے اندر کا پانی اس کی ملکیت نہیں قرار دیا جاسکتا۔

مبسوط السرخسی میں ہے: "**الماء تحت الأرض غير مملوک لأحد**" (مبسوط السرخسی ۲۳/ ۱۵۳)۔ زمین کے نیچے کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ تقریباً اسی طرح کی بات "**مجلة الأحكام العدلية**" میں بھی ہے: "**الماء الجاری تحت الأرض ليس بملک لأحد**" (مجلۃ لاحکام العدلیہ مع شرحہا ۱/ ۶۷۶، المادۃ: ۱۲۳۵)۔ مجلہ کے شارح اس قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "**ولهٰذا لو حفر احد فی ملكه واستخرج الماء الذی تحت**

Marfat.com

الأرض، ثم جاء آخر وحفر أيضا فى ملک نفسه الذى هو فوق ملک الأول فتحول الماء من ملک الأول إلى ملک الثانى لاشئ للأول على الثانى لأنه غير معتد، لكون الماء تحت الأرض لايملک فلا مخاصمة" (ایضا)۔اسی بنیاد پر (جو مذکور ہے) اگر کسی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا اور اس سے پانی نکالا، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے اپنی مملوکہ زمین میں جو کہ اول الذکر کے اوپر ہے کنواں کھودا، اور پانی پہلے شخص کی مملوکہ زمین سے کھسک کر دوسرے کے کنویں میں چلا گیا، تو دوسرے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں پائی جارہی ہے، اس اصول کی بنیاد پر کہ زمین کے اندر موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، لہٰذا مخاصمت کی کوئی بات نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ پانی مباح الأصل ہے، نہ تو افراد کی ملکیت ہے نہ ہی حکومت کی؛ لیکن اگر حکومت اس مصلحت کے پیش نظر کہ اس سے پانی کی سطح بہت نیچے چلی جائے گی اور عامۃ الناس کو اس سے نقصان پہنچے گا۔ اگر بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے اور عامۃ الناس کو ضرر پہنچنے کا قوی امکان ہو تو ایسا حکم دینے کی گنجائش ہوگی اور تعمیل حکم شرعاً لازم ہوگی۔

مباح اشیاء سے اس وقت تک کسی کو استفادہ کا حق ہے جب تک کہ وہ عامۃ الناس کے ضرر کا سبب نہ ہو۔ اور اگر استفادۂ شخصی عامۃ الناس کے ضرر کا سبب ہو تو حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو بہر حال اس کا ترک لازم و واجب ہوگا۔

مجلۃ الأحکام العدلیہ میں ہے: "يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح لكنه يشترط أن لايضر بالعامة، فإن أضر فلكل واحد مسلما كان أو ذميا منعه" (مجلۃ الأحکام العدلیۃ/۲۸۱۶، المادۃ: ۱۲۵۴)۔

"فلو اراد أن يشق جدولا من النهر العام فله ذلک إلا إذا أضر بالعامة بأن يفيض ماء الجدول فيفسد مال الناس أو ينقطع الماء عن النهر أو يمنع

Marfat.com

جریان السفن فیجوز لکل منعه" (ایضاً)۔

مباح اشیاء سے انتفاع ہر ایک کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ عامۃ الناس کے ضرر کا سبب نہ ہو، اگر وہ ضرر کا سبب ہو تو ہر ایک کو منع کرنے کا حق ہوگا خواہ مسلمان ہو یا ذمی۔

مثلاً کوئی شخص نہر عام سے پانی کی ایک نالی نکالنا چاہتا ہے تو اسے اس کا حق ہے لیکن اگر یہ عامۃ الناس کو نقصان پہنچائے کہ نالی کا پانی بہہ کر لوگوں کے مال (مثلاً کھیتی کو خراب کرے) یا اس کی وجہ سے نہر کا پانی ختم ہو جائے یا کشتیوں کے چلنے کے لئے پانی نہ بچے تو ایسی صورت میں ہر ایک کو روکنے کا حق ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ (۱) زمین کے اندر کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، نہ زمین کے مالک کی نہ حکومت کی۔ (۲) زمین کے مالک کو اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے؛ اس لئے کہ اشیاء مباحہ میں سے ہے۔ (۳) اگر بورنگ کرنے کی وجہ سے واقعۃً عامۃ الناس کے حرج عظیم میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو حکومت کو اس سے منع کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ (۴) اور اس صورت میں حکومت کے اس حکم کی تعمیل شرعاً لازم ہوگی۔

۷- پانی کی ذخیرہ اندوزی کی ذمہ داری حکومت کی ہے یا افراد کی؟:

عام حالات میں پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، عام لوگوں کو اس کا جبری مکلف بنانا درست نہیں ہوگا۔ ہاں اس کے لئے تحریض کی جا سکتی ہے اور اس صورت میں اس حکم کی تعمیل شرعاً واجب بھی نہ ہوگی، ہاں اخلاقی طور پر اس کی تعمیل کرنا مناسب ہوگا۔

مبسوط السرخسی میں ہے: "**وعلی السلطان کراء هذا النهر الأعظم إن احتاج إلی الکراء لأن ذلک من حاجة عامة المسلمین ومال بیت المال معد لذلک فإنه مال المسلمین أعد للصرف إلی مصالحهم**" (مبسوط السرخسی ۲۸۱/۲۳)۔

Marfat.com

(نہر اعظم (نہر عام) کی کھدائی کی اگر ضرورت ہو تو اس کی ذمہ داری سلطان پر ہے، اس لئے کہ عامۃ المسلمین کی ضرورت ہے، اور بیت المال کا مال اسی کے لئے ہے، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے، اور انہیں کے مصالح میں خرچ کئے جانے کے لئے ہے)۔

''مجلۃ الأحکام العدلیۃ'' میں ہے: کری النهر غیر المملوک وإصلاحه علی بیت المال، فإن لم یکن فی بیت المال سعة یجبر الناس علی کریه" (مجلۃ الأحکام العدلیۃ/ ۷۰۵)۔

شرح میں ہے: "وذلک إحیاء لمصلحة العامة" (ایضا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذمہ داری تو اصلاً حکومت کی ہے، اور اگر بیت المال اس خرچ کا متحمل نہ ہو تو عوام کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔ اس میں بھی شرط یہ ہے کہ عامۃ الناس کے یقینی مصالح اس سے وابستہ ہوں، اور حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ ذخیرہ اندوزی کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو "مالا یتم به الواجب إلا به فهو واجب" کے قاعدہ کے تحت عوام کو اس کا مکلف بنایا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

۸- ڈیم وغیرہ بنانے کی صورت میں آبادیوں کو منتقل کرنا:

اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو نقل مکانی پر مجبور کرنا اور ان کو متبادل زمین فراہم کرنا۔ یہ مسئلہ دراصل ملکیت افراد و اشخاص یا ملکیت خاص کو قومی ملکیت بنانے کی قبیل سے ہے۔ خواہ ڈیم وغیرہ تعمیر کرنا ہو یا کوئی اور اس طرح کا کام کرنا ہو جس سے نفع عام مقصود ہو، ضرورت کا تحقق ہونے پر زرعی علاقے ہوں یا آبادیاں، نقل مکانی کروانا اور متبادل زمین فراہم کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ نصوص شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے عصر حاضر کے بعض فقہاء نے کچھ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد سلام مدکور (رئیس قسم الشریعۃ فی کلیۃ الحقوق جامعہ قاہرہ) تحریر فرماتے ہیں:

ثمة حالات تتدخل فيها الدولة لصالح الملكية العامة هى: ١-"نزع الملكية الخاصة أرضا زراعية أو عادية أومسكنا للمنفعة العامة كتوسعة الطريق أو بناء مرفق ضرورى يتحدد بها المكان أو تغلب المصلحة فى بنائه فى هذا المكان"۔

(بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں حکومت نفع عام کی خاطر ملکیت خاص میں دخل اندازی کرتی ہے وہ درج ذیل ہیں: (۱) خاص ملکیت خواہ زرعی علاقہ ہو یا کسی کی پڑی ہوئی غیر آباد زمین ہو یا رہائش گاہ ہو، نفع عام کی خاطر اگر اسی خاص جگہ کی ضرورت ہو خواہ راستہ کو کشادہ کرنا ہو یا شہری ضروریات (پانی، بجلی ذرائع نقل وحمل وغیرہ) متعلق ہوں تو حکومت اس کو ملکیت خاص سے نکال کر ملکیت عام میں داخل کر سکتی ہے)۔

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس فرماتے ہیں: "من حق الدولة أن تستوى على المال الخاص وتحوله للملكية العامة إذا اقتضت مصلحة الأمة ذلک، وإذا أطلقنا كلمة المال فى مجال البحث الاقتصادى فيراد بها كل مايقوم بمال أى يدخل فيها العقار بأصنافه المختلفة من أرض زراعية أو أرض صالحة للإسكان الخ" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۴)۔

(حکومت کو حق حاصل ہے کہ مال خاص کو قبضہ میں لے کر اسے ملکیت عامہ میں شامل کر دے اگر امت کی عمومی مصلحت اس کی متقاضی ہو۔ اقتصادیات کے موضوع پر گفتگو کے دوران جب مال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے ہر وہ چیز مراد ہوتی ہے جس کے اندر مالیت ہو۔ یعنی اس کے جائیداد غیر منقولہ اپنی مختلف اقسام کے ساتھ شامل ہوتی ہے خواہ وہ زرعی زمینیں ہوں یا قابل رہائش قطعہ اراضی یا ان کے علاوہ)۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی اور ڈاکٹر عوف الکفراوی (محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) کا بھی یہی نظریہ ہے۔ ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی فرماتے ہیں: "وللدولة أن تتدخل لتزيل الملكية الخاصة عن أصحابها في بعض المواطن التي تقتضي ذلك كتوسعة الشوارع وإقامة المنشآت العامة أو إزالة الملكية الخاصة للأغراض الأمنية أو العسكرية أو لشق المصارف والترع وما إليها" (موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر ۳/۱۸۱)۔

وہ اس سلسلہ میں ایک اصول کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں: "إذا تعارضت المصلحة الخاصة والعامة فإن الإسلام يؤثر المصلحة العامة" (ایضا ۳/۲۰۹)۔

اگر خاص اور عام مصالح باہم متعارض ہوں تو اسلام کا نقطۂ نظریہ ہے کہ مصلحت عامہ کو ترجیح دی جائے۔

عالم عرب کے مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں: "کہ کبھی کبھی ضرورت وحاجت کے پیش نظر مصلحت عامہ کی خاطر جبری بیع یا قومیانہ کے نام پر ملکیت خاص کو ملکیت عام میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا مناسب وعادلانہ معاوضہ دیدیا جائے، یہ درست ہے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد حرام کی توسیع کے لئے حرم سے متصل مکانوں کی خرید کے ذریعہ ہوا۔

قد يصبح الملك عاما من طريق البيع الجبري أو مايسمى بالتأميم لمصلحة عامة للضرورة أو الحاجة وبشرط دفع تعويض عادل عنها، كما حدث في عهد عثمان وغيره من توسيع المسجد الحرام وشراء الدور المجاورة لها" (ایضا ۳/۱۹۱)۔

لیکن جیسا کہ سابق میں عرض کیا گیا، "ملکیت خاص" کو "عام، یا "قومی ملکیت" میں

Marfat.com

تبدیل کرنے کے لئے حکومت کو کھلی ہوئی چھوٹ نہیں ہے بلکہ شرائط کے ساتھ محدود ہے، اگر ان شرائط کا لحاظ نہ کیا گیا تو حکومت کا اقدام غصب سمجھا جائے گا اور شرعی نقطۂ نظر سے ایک امر حرام کا ارتکاب ہوگا۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی فرماتے ہیں: "والقاعدة فی الملکیات العامة أو ضماناتها هی ملاحظة المصلحة الخاصة للدولة بحق ثابت شرعی معروف وبثمن عادل ومن حاکم عادل ایضا فإن توفرت الشرعیة وعموم المصلحة والعدالة کانت لهذه الملکیات مقبولة وإلا اعتبرت غصبا وحراما" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی المعاصر ۱۹۲/۳)۔

عدل کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد الحلیم عویس فرماتے ہیں: "إن معنی العدل المقصود عند تحویل الملکیة الخاصة إلی عامة أن تؤخذ الملکیة الخاصة بثمن المثل علی الأقل عند حاجة الدولة إلیها" (ایضا)۔

مطلب یہ ہے کہ ملکیت خاص کو ملکیت عام میں تبدیل کرتے وقت ضروری ہے کہ (۱) حکومت کا جو معروف شرعی حق ہے اس کے مطابق اقدام کرے، (۲) ثمن عادل (یعنی کم از کم ثمن مثل) معاوضہ کے طور پر ادا کرے، (۳) فیصلہ حاکم عادل کے ذریعہ ہو۔

ڈاکٹر عوف الکفراوی رقم طراز ہیں: "فالملکیة الفردیة مصونة فی الإسلام، فلیس لولی الأمر أن یمسها عن طریق نزعها أو تحدیدها أو تأمیمها إلا تطبیقا لنص شرعی أو نزولا علی حکم الضرورة لمصالح جماعة المسلمین۔ ویشترط علماء الشریعة فی المصلحة شروطا تکفل عدم اتخاذها من جانب الحاکم ستارا یخفی مایسیطر علیه من أهواء شخصیة– ومن تلک الشروط"۔

Marfat.com

(۱) أن تکون المصلحة یقینیة لا وهمیة أو ظنیة تجلب نفعا أو تجنب ضررا أو تدفع حرجا۔

(۲) أن تکون المصلحة عامة أو کلیة أی لا تکون مصلحة أقلیة (ایضا ر ۱۹۴)۔

اسلام میں افراد واشخاص کی ملکیت کو حفاظت حاصل ہے۔ چنانچہ کسی حاکم کے لئے جائز نہیں ہے کہ قبضہ میں لینے یا قومیانہ کے نام پر کسی فرد کی ملکیت پر ہاتھ ڈالے، ہاں اس وقت گنجائش ہے جب کہ کسی نص شرعی کی تطبیق مقصود ہو یا کم از کم عامۃ المسلمین کے مصالح ضرورت کی حد تک پہنچ گئے ہوں۔

ملکیت افراد پر تصرف کے سلسلہ میں علماء نے کچھ شرطیں عائد کی ہیں تاکہ کوئی حاکم مصلحت کا بہانہ بنا کر اپنی خواہشات نفسانی پر پردہ نہ ڈال سکے۔ مثلاً:

(۱) مصلحت یقینی ہو، وہمی اور ظنی نہ ہو، عامۃ المسلمین کا اس سے نفع مقصود ہو یا ضرر سے بچانا اور حرج دور کرنا مقصود ہو۔

(۲) مصلحت عام اور کلی ہو یعنی محض چند افراد کا فائدہ پیش نظر نہ ہو۔

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے حاکم اور مصلحت کے تعلق سے دو اور شرائط کا اضافہ کیا ہے:

(۱) حاکم اپنے اس تصرف میں مذہبی عصبیت کا شکار نہ ہو۔ یا کسی ایسے نظریہ سے متاثر نہ ہو جو اسلام کے عادلانہ متوازن نظام اقتصادیات سے متصادم ہو، یا کسی خاص طبقہ کے لئے اس کے دل میں کینہ نہ ہو، جن کو وہ اپنے تصرف کے ذریعہ پریشان یا ذلیل کرنا چاہتا ہو۔

(۲) تصرف کے لئے شرط یہ ہے کہ عدل کا اثبات، دفع ظلم اور عامۃ الناس کو بنیادی ضروریات مہیا کرانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ألا یقوم الحاکم فیما یقوم به خاضعا لنزعة مذهبیة، أو متأثرا بتیار

Marfat.com

بعيد عن المذهب الاقتصادى الإسلامى المتوازن العادل، أو حاقدا على طبقة من الطبقات يضمر لها الشر والإذلال والاحتقار۔

حق الحاكم والدولة فى التدخل للمصلحة العامة لأحقاق العدل ومنع الظلم وتوفير الحقوق الأساسية المادية لكل الناس" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۴)۔

خلاصہ یہ کہ اجتماعی مصلحت کے پیش نظر متبادل زمین فراہم کر کے نقل مکانی پر مجبور کرنا ان شرائط کے ساتھ جائز ہے جن کا ماقبل میں ذکر ہوا۔ واللہ اعلم۔

۹- خطرہ کے پیش نظر باندھ کو کاٹ کر پانی کو دوسری طرف پھیر دینے کا حکم:

جواب: کسی بھی طرح سے پہنچنے والے نقصان کے سلسلہ میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ نہ نقصان اٹھایا جائے نہ ہی دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے۔ جہاں تک ہو سکے خود کو بھی نقصان سے بچایا جائے اور دوسروں سے بھی اس کو دفع کیا جائے، اگر دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے کو ضرر سے بچایا جا سکتا ہو تو اس کی پوری سعی کی جائے گی، ورنہ دیکھا جائے گا کہ ضررین میں اعظم کون ہے اور اہون کون ہے، اہون کو برداشت کے ضرر اعظم کو دفع کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں حدیث نبوی "لاضرر ولاضرار" (مسند احمد حدیث: ۲۸۶۷) کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور اس سے دفع ضرر کے تعلق سے بہت سے قواعد وضع کئے گئے ہیں مثلاً: "الضرر يزال" (موسوعۃ القواعد والضوابط الفقہیہ ۱/ ۴۷-۵۷، للاستاذ علی أحمد الندوی)، لیکن اس قاعدہ سے مطلق طریقہ پر ظلم کا دروازہ کھل سکتا تھا، اس لئے فقہاء نے نصوص شریعت اور روح شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے قاعدہ کو مقید کر دیا "الضرر لايزال بمثله" (موسوعۃ القواعد والضوابط الفقہیہ ۱/ ۴۷-۵۷، للاستاذ علی أحمد الندوی)، یا "لايزال بالضرر" یعنی ضرر اور نقصان کو دوسرے کو نقصان پہنچا کر نہیں دور کیا جائے گا۔

Marfat.com

اس کے بعد بھی بعض شکلوں میں ممکن تھا، جب ضرر دو طرفہ ہو تو ایک شخص دوسرے کو ضرر سے بچانے میں بڑا نقصان اٹھا جائے تو فقہاء نے اس سے مزید ایک قاعدہ نکالا: "الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف" (موسوعة القواعد والضوابط الفقهية ۱/ ۴۷-۵۷ للأستاذ علی أحمد الندوی)۔

آخر الذکر قاعدہ کو بیان کرنے کے لئے فقہاء نے متعدد تعبیریں استعمال کی ہیں لیکن سب کا مطلب ایک ہی ہے، وہ یہ کہ ضرر اعظم کے مقابلہ میں اہون کو اختیار کیا جائے گا۔

(۱) إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما

(۲) يختار أهون الشرين

(۳) إذا اجتمع ضرران أسقط الأصغر الأكبر۔

(۴) يجب دفع ما يندفع به أعظم الضررين بالتزام أدناهما (موسوعة القواعد والضوابط الفقهية ۱/ ۴۷-۵۷)۔

(۵) يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام (المدخل الفقهی العام ۲/ ۵۹۹)۔

ڈاکٹر علی احمد الندوی قواعد الفقہ کے موضوع پر اپنی کتاب "موسوعة القواعد والضوابط الفقهية" میں ضرر سے متعلق تمام قواعد کا دراسہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وخلاصة هذا الموضوع أنه عند اجتماع الضررين ينظر فی أعظمها لكی يزال ويرفع ولا حد فی ذلک إلا ما يؤدی إليه الاجتهاد الذی هو أصل فی تقييد الأحكام عند عدم النص" دوطرفہ ضرر پیش آنے پر دیکھا جائے گا کہ کون سا اشد واعظم ہے، اس کو دور کر دیا جائے گا (یعنی اہون کو برداشت کر لیا جائے گا اور اشد واہون کو متعین کرنے کا کوئی خاص پیمانہ نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں وہی اجتہاد رہنما ہے جو کہ کسی مسئلہ کے تعلق سے نص شرعی نہ ہونے پر احکام کو واضح کرتا ہے۔ فقہاء نے فقہ کی کتابوں میں اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ ہم مثال کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ (۱) فقراء کا مالدار اغنیاء پر نفقہ فرض کرنا اس کی مثال ہے کہ اس

Marfat.com

میں اغنیاء کا ضرر فقراء کے مقابلہ میں اخف ہے۔ (۲) کسی شخص کی مرغی دوسرے کا قیمتی جوہر نگل لے تو اب جوہر والے کو حق حاصل ہوگا کہ جبراً قیمت دے کر مرغی پر ملکیت حاصل کر لے تاکہ اس کو ذبح کر کے اپنا جوہر حاصل کر سکے (ایضاً)۔

اشد و اعظم ضرر کے مقابلہ میں اخف و اہون کو اختیار کیا جائے گا، اس پر سورۂ کہف میں وارد حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعہ سے بھی استشہاد کیا جا سکتا ہے، اس طور پر کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اشد و اعظم ضرر سے بچانے کے لئے اہون کو ترجیح دی۔

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اہون الشرین کے اختیار کرنے پر حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فقد أوحى الله إليه أن يخرق السفينة لينتقذ أصحابها من ضرر أعظم وهو أن يغتصبها الملك الظالم" (المدخل الفقہی العام ۲/ ۹۹۵)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ کشتی میں عیب پیدا کردیں تاکہ کشتی والوں کو اس سے بڑے ضرر یعنی ظالم بادشاہ کے ذریعہ کشتی کے غصب کئے جانے سے بچا سکیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قواعد شرعیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ طوفان یا سیلاب آنے پر دیکھا یہ جائے گا کہ کس صورت میں نقصان کم سے کم اٹھانا پڑے گا، خواہ اوپر بستی والوں کو اٹھانا پڑے یا نشیب والوں کو، جس صورت میں بھی نقصان کم سے کم ہو وہ صورت اختیار کی جائے گی یعنی اگر بندھ کاٹ دینے کی صورت میں نشیب والوں کو زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہو تو ایسی صورت میں باندھ کاٹنا اور پانی کو آگے بڑھانا جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کے برعکس ہو تو جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ کی حد:

اسراف اور اضرار سے بچتے ہوئے انسان کی جتنی بھی ضروریات پانی سے متعلق ہوں

Marfat.com

وہ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے ساری ضرورتوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ خواہ کھانے پینے کے لئے استعمال کرنا ہو یا طہارت ودیگر ضروریات کے لئے، یا پھر کھیتوں اور باغات کی سینچائی مقصود ہو، افراد واشخاص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تمام ہی متعلقہ ضرورتوں کو ایسے مقامات کے پانی سے پوری کر سکتے ہیں۔ اور اس سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "المسلمون شركاء في ثلاث في الماء والكلأ والنار" وفي بعض الروايات" الناس شركاء في ثلاث" (سنن أبی داؤد ۳۴۷۷)۔ مسلمان اور بعض دیگر روایات کی بنیاد پر لوگ (مسلم کافر سب) تین چیز میں برابر کے شریک ہیں: (۱) پانی، (۲) گھاس (خودرو)، (۳) آگ۔

اس شرکت کی تفسیر کرتے ہوئے امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: "وتفسير هذه الشركة في المياه التي تجري في الأودية والأنهار العظام كجيحون وسيحون ودجلة وفرات ونيل فإن الانتفاع بها بمنزلة الانتفاع بالشمس والهواء ويستوي في ذلك المسلمون وغيرهم وليس لأحد أن يمنع أحدا من ذلك، وهو بمنزلة الانتفاع بالطرق العامة من حيث التطرق فيها" (مبسوط السرخسی ۲۳/۱۶۷)۔

بڑی ندیوں، دریاؤں اور نہروں کے پانی میں مسلمان وغیر مسلم سب شریک ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہوا اور سورج سے یا عام راستہ سے فائدہ اٹھایا جائے، اور اس سے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، صاحب ہدایہ نے بھی تقریباً یہی بات کہی ہے: "لأن هذا الماء ليس لأحد فيه حق على الخصوص" کہ اس پانی میں کسی شخص کا مخصوص حق نہیں ہے، لہٰذا "فلا يمنع من الانتفاع به على أي وجه شاء" (الہدایہ ۷/۲۶۷، مکتبۃ البشری، پاکستان)۔

جس طرح بھی کوئی فائدہ اٹھانا چاہے کسی دوسرے کو روکنے کا حق نہیں ہوگا۔

Marfat.com

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "إعلم أن المياه أنواع، منها ماء البحار ولكل واحد من الناس حق الشفة وسقى الأراضى حتى إن من أراد أن يكرى نهرا منها إلى أرضه لم يمنع من ذلك" (الہدایہ ۷/۲۶۷) جان لو کہ پانی کی چند قسمیں ہیں: ان میں سے ایک وہ پانی ہے جو سمندروں اور دریاؤں میں ہوتا ہے، ہر انسان کو اس میں حق شفہ اور اپنی زمین کی سینچائی کا حق حاصل ہے، یہاں تک کہ اگر اس سے اپنی زمین تک پانی لے جانے کے لئے نہر یا نالی کھودنا چاہے تو منع نہیں کیا جائے گا۔

لیکن آگے چل کر "إن كان لايضر بالعامة" (ایضاً ۲۶۸)۔ یعنی اگر عامۃ الناس کو اس سے نقصان نہ پہنچے تو اس کو حفر النہر کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔ حقہ شفہ کی تشریح کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے فرمایا "الشرب لبنى آدم والبهائم" (ایضاً ۲۶۷)۔ یعنی انسانوں اور ان کے چوپایوں کو پینے پلانے کا حق۔

البتہ شرح مجلۃ الأحکام العدلیہ میں انسان کے حق انتفاع کی تفصیل ذکر کی گئی ہے اس لئے اسے نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: "الشفه شرب لبنى آدم والبهائم" والمراد بها استعمال بنى آدم لدفع العطش أو للطبخ أو الوضوء والغسل أو غسل الثياب ونحوها۔

والمراد بها فى حق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها، كما ينتفع كل واحد بالهواء وايضاً يسوغ له أن ينتفع أيضا بالبحور والبرك غير المملوكة" (مجلۃ الأحکام، ۶۵۲)۔

انسانوں کے حق میں حق شفہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ پانی کو استعمال کریں پیاس دور کرنے کے لئے یا کھانا بنانے کے لئے یا وضو وغسل اور کپڑے دھونے کے لئے یا اس طرح کی دیگر ضروریات میں۔ اور چوپایوں کے حق میں یہ ہے کہ ان کو پلایا جائے یا جو بھی ضرورت ہو اس میں

Marfat.com

استعمال کیا جائے، جس طرح ہوا اور روشنی سے فائدہ اٹھانا ہر فرد بشر کا حق ہے اسی طرح غیر مملوکہ تالابوں (اس میں سرکاری تالاب، عوامی کنویں اور چشمے داخل ہیں) اور ندیوں سے بھی استفادہ کا حق ہے۔

۱۱-گزرنے والی نہروں سے استفادہ کی حد اور اس کا حکم:

اگر نہر غیر مملوک یعنی عام ہو جیسا کہ ماقبل والے سوال کے جواب میں گزرا تو اسراف واضرار سے بچتے ہوئے اپنی تمام متعلقہ ضروریات کی تکمیل، اسی طرح کھیتوں وغیرہ کی سینچائی، سب کچھ درست ہوگا۔

اور اگر نہر مملوک ہے اور بہت سے لوگ اس میں شریک ہیں تو شرکاء کے درمیان پانی کی تقسیم عادلانہ ہوگی اور بقدر اراضی ان کو پانی سے استفادہ کا حق حاصل ہوگا۔

مغنی میں ہے: "وإن كان حق الشرب من نهر أو جدول واحد ثابتا لأناس كثيرين كان عليهم توزيع الماء بينهم توزيعا عادلا بنسبة مقدار ما يملك كل منهم" (المغنی ۵/ ۵۳۳)۔

مبسوط السرخسی میں ہے: "إذا كان نهر بين قوم لهم عليه أرضون، ولايعرف كيف كان أصله بينهم فاختلفوا فيه واختصموا في الشرب، فإن الشرب بينهم على قدر أراضيهم، لأن المقصود بالشرب سقى الأراضي والحاجة إلى ذلك تختلف بقلة الأراضي و كثرتها، فالظاهر أن حق كل واحد منهم من الشرب بقدر أرضه وقدر حاجته والبناء على الظاهر واجب حتى يتبين خلافه" (مبسوط السرخسی ۲۳/ ۱۶۵)۔

اگر کوئی نہر مختلف لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا حصہ کس اعتبار

Marfat.com

سے ہے پھر ان میں اختلاف ہو جائے اور حق شرب کا مقدمہ قاضی کے پاس پہنچے تو فیصلہ ان کی اراضی کے لحاظ سے کیا جائے گا، اس لئے کہ حق شرب کا مقصد کھیتوں کی سینچائی ہے، اور زمین کی قلت وکثرت کے لحاظ سے ضرورت مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اور ظاہر اس کا یہی ہے کہ ہر ایک کا حق اس کی زمین اور حاجت کے لحاظ سے ہوگا۔ تو جب تک ظاہر کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو جائے ظاہر ہی پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

کھیت یا دیگر ضروریات کے لئے تمام شرکاء کو حق حاصل ہے کہ وہ ہر اس طریقہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جس میں عام لوگوں کا ضرر نہ ہو اور شرکاء کی حق تلفی نہ ہو (الہدایہ ۷/ ۲۶۸)۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نہر کے شرکاء میں سے نہیں ہے، لیکن اس علاقہ میں رہتا ہے جس سے نہر گزرتی ہے تو اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا؛ البتہ اپنی کھیتی سیراب کرنے کا حق نہ ہوگا (مبسوط ۲۳/ ۱۵۸)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں:

پانی کو رسول اللہ ﷺ نے مباح الأصل قرار دیا ہے (سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۴۷۷) اور جو چیز بھی مباح الاصل ہو جب تک اس میں احراز اور قبضہ کی شکل نہ پائی جائے ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں جب وہ محرز ومقبوض ہو جائے تو اب وہ کسی خاص فرد کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور چونکہ پانی بھی مباح الأصل ہے اس لئے اس میں بھی یہی اصول چلے گا۔ اب احراز وقبضہ کی شکل جب بھی اپنائی جائے گی پانی فرد کی ملکیت تصور کیا جائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء والکلأ والنار" (سنن أبی داؤد)۔ نیز "من سبقت یدہ إلی مباح فھو له" (سنن أبی داؤد)۔

احراز کی مثالیں: (۱) نہر مشترک (اشتراک خاص) کا وہ پانی جو مقاسم میں داخل ہو گیا ہو، (۲) ذاتی کنویں، تالاب، اور گڈھے وغیرہ کا پانی، اس میں بورنگ کے پانی کو بھی شامل

Marfat.com

کیا جانا چاہئے،(۳) ٹنکی، بالٹی، گھڑے وغیرہ میں جمع کرلیا گیا پانی۔

مبسوط السرخسی میں ان مقام کی تفصیل موجود ہے: "فأما ما یجری فی نهر خاص لأهل القریة ففیه نوع شرکة لغیرهم ولکن هذه الشرکة أخص من الأول (النهر العامة) وکذلک الماء فی البئر، وکذلک الحوض، فإن من جمع الماء فی حوضه وکرمه فهو أخص بذلک الماء (مبسوط ۲۳/۱۵۸)۔

مزید فرماتے ہیں: "فأما إذا أحرز الماء فی جب أو جرة أو قربة فهو مملوک له" (ایضاً)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "الماء المحرز فی الأوانی، وأنه صار مملوکا له بالإحراز" (الہدایہ ۷/۲۶۹)۔

ڈاکٹر بلحاج العربی بن أحمد فرماتے ہیں: "والماء المحرز فی الأوانی والأنابیب والصهاریج والجرار والحیاض ... شأنه شأن کل مباح یملک بالاستیلاء علیه وحرازه (مجلة البحوث الفقهیة المعاصرة، جلد ۹، شمارہ ۳۵، ص ۸۶)۔

۱۳-مملوکہ پانی کی تجارت کا حکم:

نہر، تالاب اور کنویں وغیرہ کے پانی کو گرچہ احراز کے زمرہ میں رکھا گیا ہے، لیکن حقیقت میں نسبتاً احراز ہیں، اس میں دوسروں کا حق شفہ باقی ہے، اس لئے جب تک ان کو برتن وغیرہ میں محفوظ نہ کرلیا جائے بیع صحیح نہ ہوگی۔

البتہ برتنوں وغیرہ میں جمع کیا گیا پانی بیچنا درست ہے۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: "فأما إذا أحرز الماء فی جب أو جرة أو قربة فهو مملوک له حتی یجوز بیعه ولیس لأحد أن یأخذ شیئاً منه إلا برضاه" (مبسوط ۲۳/۱۵۸)۔

Marfat.com

ڈاکٹر العربی بن احمد فرماتے ہیں: "الماء المحرز فی الأوانی والأنابیب والصاریخ والجرار والحیاض"۔

وما تحرزه شرکات المیاه وما أشبه ذلک، وحکم هذا النوع أنه لایثبت لأحد حق الانتفاع به بأي وجه إلا برضا صاحب الماء لأن شأنه شأن کل مباح یملک بالاستیلاء علیه وحرازه ولأن الرسول صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع الماء إلا ماحمل عنه۔ ولقوله علیه السلام: من سبقت یده إلی مباح فهو له" (مجلۃ البحوث الفقہیہ سعودی عرب/۸۶)۔

شرح مجلۃ میں ہے: "وبطل أیضا بیع الماء من النهر والبئر قبل إحرازه بخلاف الماء الذی فی الجبات ولصهاریج الموضوعة فی البیوت لجمع ماء الشتاء فإن بیعه صحیح لأنها أعدت لإحراز الماء فیملک ما فیها" (شرح المجلۃ، ۲۶۹)۔

۱۴- نشیبی مقامات جیسے تالاب وغیرہ میں پلاٹنگ کر کے آبادیاں بسانا:

نہر، تالاب اور کنویں وغیرہ کے پانی کو گرچہ احراز کے زمرہ میں رکھا گیا ہے، لیکن حقیقت میں نسبتاً احراز ہیں، اس میں دوسروں کا حق شفہ باقی ہے اس لئے جب تک ان کو برتن وغیرہ میں محفوظ نہ کرلیا جائے بیع صحیح نہ ہوگی۔

البتہ برتنوں وغیرہ میں جمع کیا گیا پانی بیچنا درست ہے۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: "فأما إذا أحرز الماء فی جب أو جرة أو قربة فهو مملوک له حتی یجوز بیعه ولیس لأحد أن یأخذ شیئاً منه إلا برضاه" (مبسوط ۲۳/ ۱۵۸)۔

ڈاکٹر بلحاظ العربی بن احمد فرماتے ہیں: "الماء المحرز فی الأوانی والأنابیب والصهاریج والجرار والحیاض"۔

Marfat.com

عامۃ الناس کو ضرر پہنچنے کی صورت میں تالاب وغیرہ میں آبادی بسانا درست نہیں ہے۔حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو دونوں ہی شکلوں میں تالابوں وغیرہ میں پلاننگ کرکے آبادیاں بسانا جبکہ عامۃ الناس کوضرر پہنچتا ہو جائز نہیں ہے۔

''مجلۃ الأحکام'' میں ہے: "الأراضی القریبة من العمران تترک للأهالی مرعی وبیدرا ومحتطبا ویقال لها الأراضی المتروکة" (شرح المجلۃ/۶۸۸)۔

آبادی کے قریب کی زمینیں آبادی کے باشندوں کے مصالح کے لئے چھوڑ دی جائیں گی، مثلاً چراگاہ، کھلیان وغیرہ اور اسے اراضی متروکہ کہا جائے گا۔

اس کی شرح میں ہے: "وهذه الأراضی لایجوز إحیاء ها لتحقیق حاجة الأهالی إلیها تحقیقا وتقدیرا فصار کالنهر والطریق " (ایضا)۔اور اُن اراضی کو رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے فی الحال یا مستقبل میں لوگوں کے مصالح وضروریات وابستہ ہیں تو اب اس کی مثال نہر اور راستہ کی ہوگی۔

جب متروکہ اراضی کا یہ حال ہے تو تالاب وغیرہ میں آبادی بسانا بدرجۂ اولی منع ہوگا۔

شرح میں اس بات کے تعلق سے صریح جزئیہ موجود ہے کہ اگر کسی ندی یا نہر مثلاً فرات میں کسی مقام سے پانی ہٹ گیا ہو لیکن عود کرکے آنے کا احتمال ہو تو ایسی صورت میں اس جگہ کا احیاء (رہائش گاہ بنانا) درست نہیں ہے۔

اس لئے کہ نفع عام ابھی اس سے متعلق ہے۔

"ولا یجوز أیضا (الإحیاء) محل عدل عنه ماء الفرات ونحوه کدجلة والشط وغیرها إذا احتمل عود الماء إلیه، لحاجة العامة إلی کونه نهراً، وإن لم یحتمل عود الماء إلی مکانه جاز إحیائه لکونه ملحقاً بالموات" (مجلۃ الأحکام/۶۸۸)۔

Marfat.com

حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو دونوں ہی صورتوں میں اگر ضرر پہنچتا ہے تو تالاب وغیرہ میں آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا۔

اس لئے کہ حکومت کو جو ولایت حاصل ہے وہ دیکھ ریکھ کی ہے نہ کہ نقصان پہنچانے کی، تو جس صورت میں عوام کو نقصان نہ پہنچے تو یہ قطعہ اراضی دینا معطیٰ لہ کے ساتھ شفقت ہوگی لیکن اس کے برعکس امام عامۃ الناس کے حق کو باطل کرنے والا ہوگا، اور امام کو ابطال کی نہیں بلکہ استیفاء کی ولایت حاصل ہے۔

مبسوط میں ہے: "إن كان يضر بالعامة لم يجز فإن كان لايضر بهم فهو جائز لأن للسلطان ولاية النظر دون الإضرار بالعامة ففيها لايضر بالعامة يكون هذا الاقطاع نظرا لمن أقطعه إياه وفيما يضر بهم يكون هذا الاقطاع إضرارا، وإبطالا لحقهم، وله ولاية استيفاء حق العامة لا ولاية الإبطال" (مبسوط ۲۳/۱۶۵-۱۶۶)۔

۱۵-حکومت کا آب رسانی کی اجرت لینا اور عدم ادائیگی پر پانی روک لینے کا حکم:

پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، جہاں پر پانی آسانی سے میسر نہ ہو وہاں ہر شہری کا حق ہے کہ حکومت سے اس کی فراہمی کا مطالبہ کرے اور حکومت کے واجبات میں سے ہے کہ وہ پانی فراہم کرے۔

اسلامی حکومت کی داخلی ذمہ داریوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں: إن إدارة المرافق العامة في الإسلام كالمساجد والمدارس والمشافي والجسور والبريد والدفاع والعشور والرى وتوريد المياه ونحوها تلتقى مع الطريقة المتبعة الآن، وهي طريقة الاستغلال المباشر ومقتضاها أن تقوم الدولة نفسها (والمديرية والمدينة الآن) بادارة المرافق العامة مستعينة بأموالها

Marfat.com

ومؤظفيها ومستخدمة في ذلك وسائل القانون العام" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۶۴۷۶/۸)۔

اور جہاں تک پانی کا عوض لینے کی بات ہے تو اصول شرعیہ "الغنم بالغرم" وغیرہ کی وجہ سے درست ہے۔

بقول ڈاکٹر مصطفی الزرقاء جو شخص بھی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے شرعاً اس کے اخراجات وغیرہ کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔"إن التكاليف والخسارة التي تحصل من الشئ تكون على من يستفيد منه شرعاً" (المدخل الفقہی العام ۱۰۳۵/۲)۔

عوض ادا نہ کرنے کی صورت میں حکومت کے لئے پانی کا روک لینا صحیح ہوگا؛ اس لئے کہ امام کو دیکھ ریکھ کی ذمہ داری دی گئی ہے تو اس کو بعض امور میں ولایت اجبار بھی حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ بہت سے معاملات میں عوام یا بہت سے لوگ بغیر جبر کئے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے۔

مبسوط میں ہے:"والإمام نصب ناظرا فيثبت له ولاية الإجبار فيما كان فيه الضرر عاما، لأن العامة قل ماينفقون على غير ذلك من غير إجبار" (مبسوط ۱۷۰/۲۳)۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ بہت زیادہ غریب و نادار افراد جو اس کا عوض دینے کے متحمل نہ ہوں، ان کے حق میں پانی کی سپلائی نہیں روکی جائے گی؛ بلکہ بلاعوض ان تک ان کی ضروریات کا پانی پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اس حدیث رسول ﷺ کی وجہ سے جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی میں ہوں۔

"أنا ولي من لا ولي له"۔

۱۶- استعمال شدہ پانی کی نکاسی کی ذمہ داری کیا صرف حکومت کی ہے؟:

مصالح عامہ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز خواہ وہ ذرائع حمل ونقل سے متعلق ہو یا بجلی، پانی کی فراہمی سے متعلق ہو، یا پانی کی نکاسی کا مسئلہ ہو جس کے لئے ڈرینج کا نظام بنایا جاتا ہے، شرعی نقطہ نظر

Marfat.com

سے ان چیزوں کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا۔

بدائع میں ہے: "وملاحظ بأن إصلاح الأنهار والمساقی والمصارف العامة علی الخزینة العامة (أی بیت المال) أو وزارة المالیة، لأن منفعتها للناس فكانت مؤونتها من بیت المال" (بدائع الصنائع ۶/ ۱۹۲)۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نہروں اور آب رسانی و پانی کی نکاسی کے ذرائع کی اصلاح و درستگی کی ذمہ داری وزارت مالیات کی ہے یعنی بیت المال سے اس کے اخراجات ادا کئے جائیں گے، اس لئے کہ اسی سے عامۃ الناس کے مفادات وابستہ ہیں تو اب اس کے اخراجات بیت المال کے ذمہ ہوں گے۔

موجودہ دور میں ان خدمات کو بلدیہ یا میونسپلٹی کے شعبہ سے متعلق کر دیا گیا ہے تو اب شرعاً اس کی ذمہ داری اس شعبہ پر ہوگی۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں: "إن طریق إدارة المرافق العامة فی الإسلام تلتقی منه الطریقة المتبعة الآن ومقتضاها أن تقوم الدولة نفسها (أو المدیریة والمدینة الآن) بإدارة المرافق العامة مستعینة بأموالها وموظفیها ومستخدمة فی ذلک وسائل القانون العام وهذه هی الطریقة التی تداربها جمیع المرافق العامة الإداریة فی الوقت الحاضر" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۸/ ۶۳-۶۴)

خلاصہ یہ کہ موجودہ دور میں بجلی، ذرائع حمل ونقل اور پانی کی فراہمی اور نکاسی وغیرہ کا جو نظام رائج ہے اسلام کا بھی نظریہ تقریباً ایسا ہی ہے کہ حکومت یا اس کے ذیلی ادارے اس ذمہ داری کو سنبھالیں۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل وذرائع - فقہی نقطہ نظر سے

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی ☆

۱- پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام:

ارشاد باری ہے: "وینزل علیکم من السماء ماء لیطھر کم به" (سورۃ الانفال:۱۱) (اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کردے)۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جس وقت کفر واسلام کا پہلا معرکہ ہوا تو کفار مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو اونچائی پر تھا، پانی اس کے قریب تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی ...... اس مقام کے واقف کار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، اس میں تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے، تب حضرت حباب بن منذرؓ نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اسی پر قبضہ کیا جائے وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔ آں حضرت ﷺ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جاکر پانی پر قبضہ کیا ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور، دربھنگہ۔

Marfat.com

پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۴/ ۱۹۴ تا ۱۹۷، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء)۔

۲- ارشاد باری ہے: "وهو الذی أرسل الرياح بشراً بين يدی رحمته وأنزلنا من السماء ماء طهورا، لنحيی به بلدة ميتا ونسقيه مما خلقنا أنعاما وأناسی كثيراً" (سورۃ الفرقان: ۴۸، ۴۹)۔

(اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوش خبری لانے والیاں اس کی رحمت سے آگے اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کردیں اس سے مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو)۔

تشریح وتوضیح: طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اس سے پاک کیا جا سکے۔ حق تعالیٰ نے پانی کو یہ خاص صفت عطا فرمائی ہے کہ جیسے وہ خود پاک ہے اس سے دوسری ہر قسم کی نجاست حقیقی ومعنوی کو بھی دور کیا جا سکتا ہے۔ اور جس پانی کو آدمی استعمال کرتے ہیں وہ عموماً وہی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے کبھی بارش کی صورت میں کبھی برق اور اولے کی صورت میں پھر وہی پانی پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ قدرتی پائپ لائن کی صورت میں ساری زمین پر پھیلتا ہے جو کہیں خود بہ خود چشموں کی صورت میں نکل کر زمین پر بہنے لگتا ہے، کہیں زمین کھود کر کنویں کی صورت میں نکالا جاتا ہے یہ سب پانی اپنی ذات سے پاک اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے اس پر قرآن وسنت کی نصوص بھی ناطق ہیں اور امت کا اجماع بھی (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۶/ ۴۸۴ تا ۴۸۵، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء)۔

۳- ارشاد باری ہے: وهو الذی مد الأرض وجعل فيها رواسی وأنهارا (سورۃ الرعد: ۳)۔

(اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں)۔

Marfat.com

تشریح وتوضیح: زمین پھیلا کر پھر اس کا توازن قائم رکھنے کے لئے نیز اور بہت سے دوسرے فوائد کے لئے اس پر اونچے اونچے بھاری پہاڑ قائم فرمادیئے، جو ایک طرف زمین کا توازن قائم رکھتے ہیں، دوسری طرف ساری مخلوق کو پانی پہونچانے کا انتظام کرتے ہیں، پانی کا بہت بڑا ذخیرہ ان کی پٹیوں پر بحر منجمد ''برف'' کی شکل میں رکھ دیا جاتا ہے، جس کے لئے نہ کوئی حوض ہے اور نہ ٹنکی بنانے کی ضرورت ہے، نہ ناپاک ہونے کا احتمال، نہ سڑنے کا امکان، پھر اس کو ایک زیر زمین قدرتی پائپ لائن کے ذریعہ ساری دنیا میں پھیلایا جاتا ہے، اسی سے کہیں تو کھلی ہوئی ندیاں اور نہریں نکلتی ہیں اور کہیں زیر زمین مستور رہ کر کنوؤں کے ذریعہ اس پائپ لائن کا سراغ لگایا جاتا ہے اور پانی حاصل کیا جاتا ہے (معارف القرآن ۵/۱۶۹ تا ۱۷۰)۔

(۲) پانی کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت حدیث کی زبانی:

۱ – إن المغيرة بن أبي بردة وهو من بني عبد الدار أخبره أنه سمع أبا هريرة يقول: سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! إنا نركب البحر وتحمل معنا القليل من الماء فإن توضأنا به عطشنا أفنتوضأ من البحر فقال رسول الله ﷺ: هو الطهور ماءه الحل ميته" (ترمذی ۱/۲۱، باب ما جاء فی ماء البحر انہ طہور، ابواب الطہارۃ، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۵ء)۔

''حضرت مغیرہ بن ابو بردہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عبدالدار کے خاندان کے ایک فرد تھے اس نے اس بات کی اطلاع دی کہ اس نے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قبیلہ بنی مدلج کے ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس اس صحابی مرد نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ پینے کے لئے تھوڑا پانی لے جاتے ہیں، اب اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیتے ہیں تو ہم پیاسے رہیں گے؛ کیونکہ سمندر کا پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ تو پھر رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے ارشاد فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اس کا مردار حلال ہے''۔

ہر انسان کو پانی کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کو سمجھ کر اس کا صحیح استعمال کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے، جس طرح ہوا، آگ، مٹی، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اسی طرح انسان اور ہر ذی روح جان دار کے لئے پانی بھی ایک بڑی نعمت ہے، اس کے بغیر ساری مخلوق کی زندگی مشکلات میں پڑ جائے گی، اس لئے پانی کا بیجا اسراف نہ کریں، چاہے کھانے پینے کی صورت میں، نہانے دھونے اور وضو کرنے کی صورت میں ہو، اس کا صحیح استعمال کریں، یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

(۳) پانی کے استعمال سے متعلق شریعت مطہرہ کے عمومی احکام:

پانی خواہ میٹھا ہو، کھارا ہو، ندی، نہر کا ہو، تالاب وحوض کا ہو، دریا کا ہو، سمندر کا ہو، بارش کا ہو، چشمہ کا ہو، اولے کا پگھلا ہوا ہو، کنویں کا ہو، نل کا ہو، ٹیوب ویل کا ہو، آبشار کا ہو، ریل وہوائی جہاز کا ہو، اس سے جب چاہے آدمی نجاست دور کر سکتا ہے، کپڑے دھو سکتا ہے، وضو اور غسل کر سکتا ہے، استنجاء کر سکتا ہے، کھانے اور پینے میں بلا تردد وتذبذب کے استعمال کر سکتا ہے۔ کھیتوں کی سینچائی کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے اور نہلانے میں استعمال کر سکتا ہے۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک پانی ہے، پانی اگر میٹھا ہو تو ہماری پیاس بجھانے، کھانا پکانے اور کپڑے دھونے کے کام میں آتا ہے، اور پانی اگر کھارا ہو جیسے سمندر کا پانی، تو اس کی افادیت بھی کچھ کم نہیں، کیوں کہ قدرت کی جانب سے اس میں آلودگی کو جذب کرنے اور آلائشوں کو تحلیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

(۴) پانی کے استعمال کرنے کی قسمیں:

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کا استعمال ضرورت کے مطابق اور حق کی

Marfat.com

رعایت کے ساتھ کیا جائے، بلاضرورت بہانا، اس کی ناقدری کرنا بڑا جرم اور گناہ کا کام ہے۔
شریعت مطہرہ نے اس کے استعمال کے حدود مقرر کئے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- واجب: ایسے فرض کام کے لئے پانی استعمال کرنا واجب ہے جو وضو یا غسل کے بغیر جائز نہ ہو، مثلاً ظہر کی نماز کا وقت آگیا اور بے وضو یا ناپاک ہو تو وضو یا غسل کے لئے پانی کا استعمال کرنا واجب ہے۔

(۲) مستحب: باوضو شخص وضو کرنا چاہے یا جمعہ، عیدین وغیرہ کے لئے غسل کرنا چاہے تو پانی کا استعمال کرنا مستحب ہے۔

(۳) مباح: جائز چیزوں مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے لئے پانی استعمال کرنا جائز ہے۔

(۴) حرام: پانی مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرے، (۲) جو پانی پینے کے علاوہ دوسرے کام کے لئے نہ ہو اس کو استعمال کرے، (۳) وضو یا غسل کرنے سے پانی نقصان پہنچائے مثلاً بیمار ہو جائے یا مرض بڑھ جائے، (۴) پانی اتنا زیادہ گرم یا ٹھنڈا ہو کہ استعمال کرنے سے نقصان پہنچائے، (۵) پانی اتنا ہو کہ وضو یا غسل کرنے سے ختم ہو جائے اور آدمی یا ایسا جانور پیاس سے ہلاک ہو جائے جس کا ہلاک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ان صورتوں میں پانی کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اس کے باوجود کوئی ایسے پانی سے وضو یا غسل کرے تو اس سے نماز صحیح ہے۔

(۵) مکروہ: ۱- پانی اتنا زیادہ سرد یا گرم ہو کہ نقصان پہنچے لیکن اس کے استعمال سے ذہن تشویش میں مبتلا ہو جائے۔

۲- دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ کر پانی کی گرمی یا سردی کی طرف آجائے اور اس کی وجہ سے اطمینان کے ساتھ وضو یا غسل نہ کر سکے۔

۳- شراب پینے کے بعد منہ نہ دھویا اور تھوک کو نگل گیا یا باہر پھینک دیا اس کے بعد کسی برتن سے منہ لگا کر پانی پیا، اسی برتن سے بچے پانی سے وضو یا غسل کرنا۔

Marfat.com

۴- چیل، کوا، کاگا، گدھ، عقاب، شاہین، کھلی ہوئی مرغی وغیرہ کا جوٹھا پانی۔

۵- گھر میں رہنے والی بلی کا جوٹھا پانی، چاہے بلی اہلی ہو یا وحشی، بحری ہو یا برفانی، سب کا حکم یکساں ہے۔

۶- گرم علاقہ میں سونے چاندی کے علاوہ دوسرے دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم پانی کا استعمال کرنا۔

ان صورتوں میں پانی کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔

(۶) مشکوک: خچر اور گدھے کا جوٹھا پانی استعمال کرنا مشکوک ہے (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: مفتی محمد اویس عالم قاسمی، ص: ۴۰ تا ۴۲، ترجمان الدعوۃ دربھنگہ ۱۹۹۹ء)۔

پانی کی دو قسمیں ہیں: ایک مطلق دوسری مقید۔ مطلق پانی سے وہ پانی مراد ہے جسے عام بول چال میں پانی کہتے ہیں، اور مقید پانی سے مراد وہ پانی ہے جو دیکھنے میں پانی ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے مگر عام بول چال میں اسے پانی نہ کہتے ہوں، مثلاً عرق گلاب، عرق کیوڑہ، سوڈا واٹر، شربت وغیرہ۔

مطلق پانی کی قسمیں: مطلق پانی کی پانچ قسمیں ہیں:

۱- نجس: وہ پانی جس سے طہارت حاصل نہ کی جاسکے۔

۲- طاہر: وہ پانی جو پاک ہو اور اس سے طہارت حاصل کی جاسکے۔

۳- طاہر غیر مطہر: وہ پانی جو پاک تو ہے مگر اس سے طہارت حاصل نہ کی جاسکے۔ جیسے وضو اور غسل کے لئے استعمال کیا ہوا پانی۔

۴- طاہر مطہر مکروہ: وہ پانی جس کا استعمال طاہر مطہر پانی کے ہوتے ہوئے مکروہ تنزیہی ہے، جیسے دھوپ میں رکھا ہوا پانی، یا وہ تھوڑا پانی جس میں آدمی کا تھوک پڑ گیا ہو، یا غیر محرم مرد کا جوٹھا پانی عورت کے لئے، یا غیر محرم عورت کا جوٹھا پانی غیر محرم مرد کے لئے، یا وہ پانی جس

Marfat.com

میں کسی ناسمجھ بچے نے ہاتھ ڈال دیا ہو۔

۵- مشکوک: وہ پانی جس کے پاک اور ناپاک ہونے میں شک ہو، مثلاً گدھے، خچر کا جوٹھا پانی۔

۲- پانی میں فضول خرچی کرنے کا شرعی حکم:

کھانا پینا بہ قدر ضرورت فرض ہے۔ اول یہ کہ کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض ولازم ہے، باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے، یہاں تک کہ مرجائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو یہ شخص عنداللہ مجرم وگناہ گار ہوگا۔

کھانے پینے میں اسراف جائز نہیں، آیت کے آخری جملہ "ولاتسرفوا" سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی تو اجازت ہے، بلکہ حکم ہے مگر ساتھ ہی اسراف کرنے کی ممانعت ہے، اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، پھر حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے میں برتنے لگے، اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلا وجہ شرعی حرام سمجھ کر چھوڑ دے، جس طرح حرام کا استعمال جرم وگناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی قانون ہی کی مخالفت اور سخت گناہ ہے۔

اسی طرح یہ بھی اسراف ہے کہ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھائے پیئے، اسی لئے فقہاء نے پیٹ بھرنے سے زائد کھانے کو ناجائز لکھا ہے۔ اسی طرح یہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کہ باوجود قدرت واختیار کے ضرورت سے اتنا کم کھائے جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے، ان دونوں قسم کے اسراف کو منع کرنے کے لئے قرآن کریم میں

Marfat.com

ایک جگہ ارشاد ہے:

"إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين" (سورہ بنی اسرائیل:۲۷) (فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں)۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما" (سورہ الفرقان:٦٧) (اور اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو خرچ کرنے میں توسط اور میانہ روی رکھتے ہیں، نہ حد ضرورت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ اس سے کم خرچ کریں)۔

اور میانہ روی کا یہ حکم جو کھانے پینے کے متعلق اس آیت میں مذکور ہے صرف کھانے پینے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پہننے اور رہنے سہنے کے ہر کام میں درمیانی کیفیت پسند اور محبوب ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۳؍۵۴۴ تا ۵۴۷)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی میں فضول خرچی کا اطلاق غسل کرنے اور کپڑے وغیرہ دھونے کی صورتوں پر ہوگا، اور اسی طرح فضول خرچی کا شرعی حکم بھی معلوم ہوگیا کہ پانی میں بھی فضول خرچی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے مثلاً وضو ایک لوٹا میں مکمل ہو جاتا ہے مگر کوئی آدمی ایک لوٹا پانی کی جگہ تین لوٹے پانی وضو کرنے میں استعمال کرلے تو یہ اس کا فعل شرعاً، عقلاً، اخلاقاً کسی بھی اعتبار سے پسندیدہ اور محبوب عمل نہیں ہوگا۔ کپڑے دھونے کی صورت میں بھی پانی میں فضول خرچی کرنا ممنوع ہے مثلاً کپڑے تین مرتبہ پانی میں صاف کرلیا تو آپ کا کپڑا بالکل پاک وصاف ہوگیا اور صابون کے باقی ماندہ اثرات بھی مکمل طور پر ختم ہوگئے اس کے باوجود کوئی آدمی کپڑے کھنگالنے میں چھ بالٹی پانی خرچ کرلے تو یہ سراسر فضول خرچی میں داخل ہوگا اور شرعاً ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والا شمار ہوگا۔

آپ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے:

(۱) ابن جبير قال سمعت أنساً يقول: كان النبي ﷺ يغسل أو كان

Marfat.com

یغتسل بالصاع إلی خمسة ویتوضأ بالمد" (بخاری ۱/۳۲ کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد، مجموع الفتاوی ابن تیمیہ ۲۱/۲۹۸-دار الرحمۃ للنشر والتوزیع القاہرہ، مصر)۔

(حضرت ابن جبیر نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ ایک صاع پانی سے لے کر پانچ مد پانی تک سے غسل فرماتے تھے اور ایک مد پانی سے وضو کرتے تھے)۔

(۲)أبو بکر بن حفص قال سمعت أبا سلمة یقول: دخلت أنا وأخو عائشة علی عائشة فسألها أخوها منن غسل رسول الله ﷺ فدعت بإناء نحو من صاع فاغتسلت وأفاضت علی رأسها وبیننا وبینها حجاب" (بخاری ۱/۳۹، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ، مسلم ۱/۱۴۸، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ)۔

(حضرت ابو بکر بن حفص نے کہا کہ میں نے حضرت ابو سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہؓ کا رضاعی بھائی عبد اللہ بن یزید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئے، پھر حضرت عائشہ سے ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کرنے کے طریقے کو پوچھا کہ آپ کس طرح غسل فرماتے تھے، تو انہوں نے ایک برتن پانی سے بھرا ہوا منگایا جو ایک صاع کے مساوی تھا، پھر انھوں نے غسل فرمایا اور پانی اپنے سر پر بہالیا، اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا)۔

(۳) عن سفینة أن النبی ﷺ کان یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع" (ترمذی ۱/۱۸، ابواب الطہارۃ، باب الوضوء بالمد، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۵ء، ابن ماجہ ۱/۲۴، ابواب الطہارۃ وسننہا، باب ماجاء فی مقدار ماء الوضوء والغسل من الجنابۃ، اشرفی بک ڈپو دیوبند طبع اول ۱۹۸۵ء)۔

(حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مد پانی سے وضو کرتے تھے، اور ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے)۔

(۴)"عن عائشة قالت کنت أغتسل أنا والنبی ﷺ من إناء واحد من

Marfat.com

قدح يقال له الفرق" (بخاری ۱/۳۹، کتاب الغسل، باب غسل الرجل مع امرأته، ابن ماجہ ۱/۳۱)۔
(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اور نبی اکرم ﷺ دونوں ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے، اس پیالے اور برتن کو فرق کہا جاتا ہے)۔

وضو اور غسل کرنے کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار شرعاً متعین نہیں ہے:

قال الإمام الشافعي وغيره من العلماء الجمع بين هذه الروايات أنها كانت اغتسالات في أحوال وجد فيها أكثر ما استعمله وأقله فدل على أنه لا حد في قدر ماء الطهارة يجب استيفائه والله أعلم (تفصیل کے لئے دیکھئے: نووی ۱/۱۴۸، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۶ء، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ)۔
(حضرت امام شافعیؒ اور دیگر علماء کرام کی جماعت کا قول ہے کہ ان تمام روایات کی تطبیق کی شکل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے غسلوں کے سلسلے میں مختلف حالات پیش آئے جس موقع پر زیادہ پانی میسر آ گیا تو آپ ﷺ نے زیادہ پانی سے غسل فرمایا اور جس وقت کم پانی میسر ہوا تو آپ ﷺ نے کم پانی سے غسل فرمایا، پس یہ حالات متنوعہ دلالت کرتی ہیں اس بات کے اوپر کہ طہارت و نظافت حاصل کرنے کے لئے پانی کی کوئی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے جس کا مکمل طور پر پورا کرنا واجب ولازم ہو، اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے)۔

"مقدار ماء الغسل والوضوء: ويسن عند الشافعية والحنابلة ألا ينقص ماء الوضوء عن مد تقريبا وهو رطل وثلث بغدادي ويساوي (٦٧٥) غم، وألا ينقص ماء الغسل عن صاع تقريبا، وهو أربعة أمداد ويساوي (٢١٧٥) غم" (اس کی پوری تفصیل دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ: الاستاذ الدکتور وہبۃ الزحیلی: ۱/۵۳۳ تا ۵۳۴، مکتبہ رشیدیہ بلوچستان)۔
(غسل اور وضو کے پانی کی مقدار: اور سنت ہے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کہ تقریباً

Marfat.com

ایک مد سے کم پانی سے وضو نہ کرے، اور وہ ایک رطل اور ایک تہائی رطل بغدادی ہے اور وہ برابر ہے ۶۷۵ گرام کے، اور تقریبا ایک صاع سے کم پانی سے غسل نہ کرے، اور وہ چار مد ہیں اور وہ برابر ہے ۲۱۷۵ گرام کے۔

خلاصہ کلام:

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار شرعاً مقرر نہیں، بلکہ اسراف سے بچتے ہوئے جتنا پانی کافی ہو جائے اس کا استعمال جائز ہے، نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول ایک مد سے وضو کرنے اور ایک صاع سے غسل کرنے کا تھا، اور یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے[۱] لیکن پھر اس میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ مد کی مقدار اور اس کا وزن کیا ہوگا؟

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اہل حجاز اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک مد ایک رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوتا ہے، لہٰذا صاع اس حساب سے پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوگا۔

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، اہل عراق اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہ ہے کہ ایک مد دو رطل کا اور ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

شافعیہ وغیرہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں کیوں کہ امام مالکؒ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے اندر ان کے مسلک کے مطابق ایک مد ایک رطل اور ایک تہائی رطل کا اور ایک صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے (اس کی پوری تفصیل دیکھئے: درس ترمذی ۱/ ۲۶۲ تا ۲۶۴، باب الوضوء بالمد، اصلاحی کتب خانہ دیو بند، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/ ۵۲۲ تا ۵۳۷)۔

پانی میں فضول خرچی کرنے کا شرعی حکم: فضول خرچی کے معنی کو قرآن حکیم نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے: ایک تبذیر اور دوسرے اسراف۔ تبذیر کی ممانعت تو اسی آیت مذکورہ

Marfat.com

میں واضح ہے اسراف کی ممانعت آیت: "ولا تسرفوا" سے ثابت ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ کسی معصیت میں یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر و اسراف کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع ہو تو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں؛ اسی لئے تبذیر بہ نسبت اسراف کے اشد ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا سارا مال حق کے لئے خرچ کر دے تو وہ تبذیر نہیں، اور اگر باطل کے لئے مد بھی خرچ کرے تو وہ تبذیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ تبذیر یہ ہے کہ انسان مال کو حاصل تو حق کے مطابق کرے مگر خلاف حق خرچ کر ڈالے، اور اس کا نام اسراف بھی ہے، اور یہ حرام ہے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حرام و ناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے، اور جائز و مباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے، ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تبذیر میں داخل نہیں۔
(قرطبی ۱۰/ ۲۴۸، دیکھئے: معارف القرآن ۵/ ۴۷۰، فرید بک ڈپو، دہلی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء)۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کی اہمیت:

(۱) ألم تر أن الله أنزل من السماء ماء فسلكه ينابيع في الأرض ثم يخرج به زرعا مختلفا ألوانه ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يجعله حطاما إن في ذلك لذكرى لأولي الألباب (سورة الزمر)۔

(تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین

Marfat.com

کے پھر نکالتا اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اس پر پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کرڈالتا ہے اس کو چورا بے شک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے)۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کردینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو اگر زمین کے اندر محفوظ کردینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو انسان اسے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھاسکتا؛ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار اور ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم میں اس نظام آب پاشی کی پوری تفصیل کو سورۂ مؤمنون میں آیت: فأسكنّه في الأرض وإنا على ذهاب به لقدرون" کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ألم تر أن الله أنزل من السماء ماء فأخرجنا به ثمرات مختلفا ألوانها ومن الجبال جدد بيض وحمر مختلف ألوانها وغرابيب سود (سورہ فاطر: ۲۷)۔

(کیا تونے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے ان کے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے ان کے رنگ اور بھجنگے کالے)۔

(اس کی تشریح وتوضیح کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۷/ ۳۳۵-۳۳۶)۔

پانی کو آلودگی سے بچاؤ کا نبوی پیغام حدیث کی زبانی:

(۱) "عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: لايبولن أحدكم في الماء الدائم ثم يتوضأ منه" (ترمذی ۱/ ۲۱، ابواب الطہارۃ، باب کراہیۃ البول فی الماء الراکد، ممتاز اینڈ کمپنی دیوبند، ۱۹۸۵ء، مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/ ۱۳۰-۱۳۲، ح ۱۵۰۸-۱۵۱۲، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی طبع دوم)۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

ہرگز تم میں سے کوئی فرد بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر وہ اس سے وضو کرے گا)۔

تشریح: آئندہ اسی کو اس پانی کی ضرورت پیش آئے گی، پس اگر پانی تھوڑا ہے اور پیشاب کرنے سے ناپاک ہوگیا تو اسی کا نقصان ہوگا، اور اگر پانی زیادہ ہے اور ناپاک نہیں ہوا تو بھی اس کا جی نہیں چاہے گا کہ وہ اس پانی کو استعمال کرے۔ اگرچہ شرعی کراہت نہیں ہے مگر طبعی کراہت موجود ہے۔ اس لئے ہر آدمی بالخصوص ملت اسلامیہ کے نونہالوں کو کسی صورت میں پانی میں پیشاب نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) "عن أبی هریرة عن النبی ﷺ قال: لایبولن أحدكم فی الماء الدائم ثم یغتسل منه" (مسلم ۱/۱۳۸ کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراکد، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہرگز تم میں سے کوئی فرد بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر وہ اس سے غسل کرے)۔

(۳) "حدثنا أبو هریرة ...... قال قال رسول الله: لا تبل فی الماء الدائم الذی لایجری ثم تغتسل منه" (مسلم ۱/۱۳۸ کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراکد، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(۴) "إن أبا السائب مولی هشام بن زهرة حدثه أنه سمع أبا هریرة یقول قال رسول الله ﷺ: لا یغتسل أحدكم فی الماء الدائم وهو جنب فقال كیف یفعل یا أبا هریرة، قال: یتناوله تناولا" (مسلم ۱/۱۳۸ کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراکد، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(ابوسائب مولی ہشام بن زہرہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی فرد بھی جنابت کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، پھر اس نے کہا: اے ابوہریرہؓ تو وہ کس طرح غسل

Marfat.com

کرے گا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس پانی کو لے کر الگ مقام پر جا کر غسل کرے گا)۔

(۵) "عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه نهى أن يبال في الماء الراكد" (مسلم ۱/۱۳۸ کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراکد، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

(۶) "عن جابر أن النبي ﷺ نهى أن يبال في الماء الجاري" (مجمع الزوائد ۱/۲۰۴، فقہ الحدیث ۱/۱۴۷-الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۴ء)۔

(۷) "عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء الناقع" (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز تم میں سے کوئی فرد بھی جمع شدہ پانی مثلاً حوض، تالاب، جھیل وغیرہ میں پیشاب نہ کرے)۔

(۸) عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من الليل فلا يدخل يده في الإناء حتى يفرغ عليها مرتين أو ثلاثا، فإنه لا يدري أين باتت يده" (ترمذی ۱/۱۳، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ ولا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلہا، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۵ء، ابن ماجہ ۱/۳۲)۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ پہلے ہاتھوں کو دو یا تین مرتبہ دھوئے اس کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے)۔

تشریح: (۱) من اللیل کی قید حنفیہ کے نزدیک احترازی نہیں اتفاقی ہے اور یہ اندیشہ

Marfat.com

رات اور دن میں برابر ہے، لہٰذا حکم بھی برابر ہوگا، غسل الیدین کا یہ حکم ہر نیند سے بیداری کے وقت ہے، رات کی نیند کے ساتھ مخصوص نہیں، لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو رات کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (۲) غسل الیدین کا یہ حکم کس درجہ کا ہے؟ امام اسحٰق اور داؤد ظاہری اس کو وجوب کے لئے قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ اس حکم کو علی الاطلاق مسنون کہتے ہیں، اور امام مالک علی الاطلاق مستحب کہتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے جسے علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں بیان کیا ہے، کہ اگر ہاتھوں پر نجاست لگنے کا یقین ہو تو غسل الیدین فرض ہے اور ظن غالب ہو تو واجب ہے، اور اگر شک ہو تو مسنون ہے اور اگر شک بھی نہ ہو تو مستحب ہے۔

(۳) لیکن علامہ ابوالولید باجی مالکیؒ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اہل عراق کا قول زیادہ پسندیدہ ہے کہ دراصل یہ حکم طہارت کے بجائے نظافت سے متعلق ہے، لیکن اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سونے کے بعد ہاتھوں کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دینا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے، لہٰذا یہ حکم صرف اس دور کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ تمام انسانوں، تمام زمانوں اور ہر خطہ کے لئے یہ حکم عام ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: درس ترمذی ۱/۲۲۸ تا ۲۳۰، اصلاحی کتب خانہ دیوبند)۔

ان تمام معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے شریعت مطہرہ نے جو احکام دیئے ہیں وہ وجوب کے درجے میں ہیں صرف اخلاقی نوعیت کے حامل نہیں ہیں۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے آداب حدیث کی روشنی میں:

(۱) جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ نہ

Marfat.com

ڈالے، اس لئے کہ وہ خودنہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔

(۲) رات میں پانی کے برتن کو کھلا ہوا مت چھوڑیئے، اس کو ڈھکن سے چھپا دیجئے تا کہ کوئی وبا اس میں داخل نہ ہو، کوئی زہریلا جان دار پانی میں اپنا زہریلا اثر نہ چھوڑ دے، یا پانی کو آلودہ کر دے جو طہارت و نظافت کے قابل نہ رہے۔

(۳) ٹھہرے ہوئے پانی مین پیشاب نہ کیجئے، پھر بعد میں اس سے آپ وضو کیجئے یا غسل کیجئے تو کراہت شرعی، کراہت طبعی کی بنا پر نہیں کر سکتے ہیں۔

(۴) جاری پانی میں بھی پیشاب کرنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے مفہوم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی اگر جاری پانی میں پیشاب کر دے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، مگر اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ جاری پانی میں بھی پیشاب نہ کیا جائے۔

(۵) لعنت کے تین اسباب سے اجتناب کیجئے: (۱) ندی، نہر، تالاب، دریا کے گھاٹوں پر پیشاب پاخانہ کرنے سے، کیوں کہ یہاں لوگ غسل کرتے ہیں کپڑے صاف کرتے ہیں، جانوروں کے پانی پینے کی جگہیں ہیں، (۲) عام راستوں پر، کیوں کہ یہاں سے انسان، جن، جانور، حشرات الارض وغیرہ کے گزرنے کی جگہیں ہیں، (۳) سایہ دار درخت و مقامات پر، یہاں پر گرمی کے زمانہ میں انسان وحیوانات آ کر آرام کرتے ہیں، ٹھہرتے ہیں، دھوپ ولو سے بچتے ہیں، مسافر بھی آرام کر لیتے ہیں، اگر پھل دار درخت ہے، تو پکا ہوا پھل گرے گا تو ناپاک ہو جائے گا، ان علل واسباب کی بنا پر ان مقامات پر قضائے حاجت سے فراغت کے لئے نہ بیٹھیے، اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور ادب وتہذیب کے بھی خلاف ہے۔

(۶) غسل خانے میں پیشاب کرنے سے پرہیز کیجئے بالخصوص جب غسل خانے کی زمین کچی ہو۔

Marfat.com

(۷) سوراخ وبل کے اندر پیشاب کرنے سے پرہیز کیجئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ان گنت مخلوق کا وہ مسکن ہے، کسی مکین کے مکان کو آلودہ کرنے کا ہم کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، اسی لئے شریعت نے روک لگائی ہے۔

(۸) پانی کے مقامات مثلاً حوض، پوکھر و تالاب، ندی، نہر، جھیل کے آس پاس بھی بول و براز کرنے سے پرہیز کیجئے، ممکن ہے کہ اس نجاست غلیظہ کا اثر پانی تک پہنچ جائے۔

(۹) ٹھہرے ہوئے پانی میں گھس کر کوئی آدمی جنابت کی حالت میں غسل نہ کرے ورنہ پورا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۱۰) اگر کتا کسی پانی کے برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اس کو پھینک دیا جائے، اور برتن کو سات مرتبہ دھوکر پاک کرلیا جائے، پہلے مٹی سے برتن کو خوب اچھی طرح مانجھ لیا جائے (البحر الرائق ۱/۲۳۱ تا ۲۳۵، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، دار المعرفۃ، بیروت لبنان طبع سوم، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء)۔

۴- نالیوں میں گندے بہنے والے پانی کو فلٹر کر کے پاکی حاصل کرنے کا شرعی حکم:

آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہو جاتی ہے گویا بول و براز کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے وہ بھی انہی بول و براز کے اجزاء ہیں، اور بول و براز بہ جمیع اجزاء نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہیں، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہی رہیں گے۔ اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی اس کو قلب ماہیت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تجزیہ ہوا، اس لئے اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک نہیں سمجھا جائے گا۔

اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے فقہ کا جو اصول ہے اس کو سمجھنا چاہئے، دو چیزیں ہیں

Marfat.com

اور دونوں کے احکام بھی جداگانہ ہیں۔ اول: کسی چیز کی حقیقت کا بدل جانا، جس کو فقہاء عظام ''استحالہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوم: ایک شئ کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دینا، جس کو فقہاء عظام ''تجزیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی شئ کی حقیقت بدل جائے تو احکام بدل جاتے ہیں، مگر محض ''تجزیہ'' سے احکام نہیں بدلتے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہونے کے مسئلہ پر علماء متقدمین کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے، اور بالیقین انھوں نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ نالیوں پر منطبق نہیں کیا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ اس کو اس دور کے موجودہ نالیوں پر منطبق کریں۔ متقدمین سے زیادہ ہم لوگ کامل و فائق نہیں ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۱/۲۳۱ تا ۲۵۶، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، دار المعرفہ، بیروت لبنان، طبع سوم، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء)۔

اس سلسلے میں علامہ ابن نجیم مصری حنفیؒ (۹۷۰ھ) یوں تحریر فرماتے ہیں:

"لو ولغ الکلب في العصیر ثم تخمر ثم تخلل لایطہر" (البحر الرائق ۱/۲۳۹، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، طبع سوم)۔

(اگر کتے نے نچوڑے ہوئے رس و شیرہ میں منہ ڈال دیا پھر وہ شراب بن گیا پھر سرکہ بن گیا تو وہ پاک نہیں ہوگا)۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ اس کی حقیقت بدل گئی ہے اس لئے اس کا کھانا جائز ہے سوایسی بات یہاں نہیں ہے وہ ناپاک ہی رہے گا، اس سرکے کا کھانا شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے، اسی طرح اس دور کے گندے نالے سے فلٹر شدہ پانی ناپاک ہی رہے گا، اس سے وضو و غسل کرنا، کھانا پکانا، پینا، اس سے استنجاء کرنا اور کپڑے صاف کرنا جائز نہ ہوگا۔ حلال وطیب چیز کا استعمال کرنا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے (سورہ مائدہ: ۸۸، سورہ مومنون: ۵۱، سورہ مرسلت: ۴۳) پھر ہم حرام کھانے پینے کی اشیاء کی طرف کیوں توجہ کریں، یہ سب سے گھناؤنی بات ہے۔

Marfat.com

شراب کے علاوہ دیگر نجس العین کے استحالہ کی صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف:

"واختلف الفقهاء فيما عدا الخمر من نجس العين هل يطهر بالاستحالة أم لا؟ فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا يطهر نجس العين بالاستحالة، لأن النبى ﷺ "نهى عن أكل الجلالة وألبانها" لأكلها النجاسة، ولو طهرت بالاستحالة لم ينه عنه" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹/ ۱۰۷ تا ۱۰۸، طہارۃ النجاسۃ بالاستحالۃ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ الکویت۔ طبع ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء)۔

نالیوں کے فلٹر شدہ پانی کے سلسلے میں ڈاکٹر بکر عبد اللہ ابو زید (رکن اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ) کا موقف:

نالے دراصل اس غرض سے تیار کئے جاتے ہیں کہ لوگوں کے لئے دینی اور جسمانی اعتبار سے ضرر رساں چیزیں وہاں ڈال دی جائیں تاکہ پاکی حاصل رہے اور ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔

اب ایسے جدید وسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ نالوں کے گندے پانی کو صاف اور شیریں پانی میں تبدیل کر کے اسے مختلف شرعی اور مباح استعمال کے قابل بنا دیا جاتا ہے، جیسے اس پانی سے طہارت حاصل کرنا، اس کو پینا، اس سے سینچائی کرنا، اس ترقی کے پیش نظر جب نالے کے پانی کی ان علتوں اور اوصاف کی تحقیق کی جائے جن کی وجہ سے اس پانی کے استعمال کی ہر صورت یا بعض صورتیں ممنوع تھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نالے کے پانی میں درج ذیل علتیں ہوتی ہیں:

اول: مزہ، رنگ اور بو والے نجس فضلات۔

دوم: متعدی امراض کے فضلات نیز دواؤں اور جراثیم کی کثافت۔

Marfat.com

سوم: گندگی اور خباثت جو نالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یہ اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑوں اور حشرات کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں۔

ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ، مزہ اور بو بدل جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتیں اور نقصان دہ جراثیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

زراعتی محکمے برابر یہ آگاہی دیتے رہتے ہیں کہ صاف کئے گئے اس پانی سے ان کھیتوں کو سیراب نہ کیا جائے جن کی سبزیاں بغیر پکائے کھائی جاتی ہیں، تو ایسے پانی کو براہِ راست پینا کیسے جائز ہو سکتا ہے، جسم کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے، اس لئے کسی بیمار کو صحت مند کے ساتھ نہیں رکھا جاتا اور جس طرح دین کی درستگی کو نقصان پہنچانے والی چیزیں ممنوع ہیں اسی طرح جسم کی درستگی کو نقصان پہنچانے والی چیزیں بھی ممنوع ہوں گی، اور اگر یہ علتیں زائل بھی ہو جائیں تو اپنی اصل کے اعتبار سے ایسے پانی کی خباثت اور گندگی کی علت باقی رہتی ہے، کیوں کہ یہ پانی پیشاب اور پاخانہ سے کشید کیا جاتا ہے تاکہ اسے شرعیات اور عادات میں برابر طور پر استعمال کیا جائے۔

یہ معلوم ہے کہ شافعی مسلک نیز حنابلہ کے معتمد مذہب کے مطابق استحالہ کی بنا پر یہ پانی پاک نہیں ہوگا، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں جلالہ "نجاست کھانے والے" جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دوہنے سے منع کیا گیا ہے، اس حدیث کی روایت اصحاب سنن وغیرہ نے کی ہے، نیز دیگر علتیں بھی ان فقہاء کے پیش نظر ہیں۔

یہ بھی واضح ہے کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہونے کے مسئلہ پر علماء متقدمین

Marfat.com

میں جو اختلاف ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے اور بالیقین انھوں نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ نالوں پر منطبق نہیں کیا ہے جن میں نجاستیں، گندگیاں، ڈسپنسری اور اسپتال کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اور آج کے مسلمان ابھی اضطرار کی اس حالت کو نہیں پہنچے ہیں کہ پاخانہ کو صاف کر کے اس سے طہارت حاصل کریں اور ایسے پانی کو پئیں، کافر ملکوں میں اس کا درست قرار دیا جانا ہمارے لئے قابل اعتبار نہیں کہ ان کے طبائع کفر کی وجہ سے فاسد ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں یہ متبادل موجود ہے کہ سمندر کے پانی کو صاف کیا جائے اور اخراجات کے ایک بڑے حصہ کو اس طرح پورا کیا جائے کہ پانی کے استعمال کی قیمت اتنی بڑھا دی جائے جس میں ضرر نہ ہوتا کہ پانی کے بے جا خرچ کی ممانعت کا شرعی قاعدہ جاری کیا جا سکے" (اسلامی فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ۳۱۹ تا ۳۲۱، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹/۱۷۹-۱۸۰، نیز دیکھئے معارف القرآن ۳/۴۱ تا ۶۴، ربانی بک ڈپو، دہلی، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء)۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نجس العین استحالہ کی بنیاد پر پاک سمجھا جائے گا:

"وذهب الحنفية والمالكية إلى أن نجس العين يطهر بالاستحالة"

(اس کی تفصیل دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹/۱۰۷ تا ۱۰۸)۔

اور حضرات حنفیہ اور مالکیہ کے مسلک کے مطابق نجس العین استحالہ کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک استحالہ کی وجہ سے کسی چیز کی حقیقت بدل جائے تو اس چیز کے اوپر پاکی کا حکم لگے گا، مثلاً لید و گوبر اور براز نجاست غلیظہ ہے مگر جب یہی شئی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے تو وہ پاک ہے۔

(۱) نجس مٹی سے جو برتن کمہار نے بنائے تو جب تک وہ کچے ہیں ناپاک ہیں، جب پکائے گئے تو پاک ہو گئے۔

Marfat.com

(۲) گوبر کے کنڈے، گورہے، اپلے، اور لید وغیرہ نجس چیزوں کی راکھ پاک ہے اور ان کا دھواں بھی پاک ہے، روٹی میں لگ جائے تو کچھ حرج نہیں۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسا، کا گوبر بھی کام آتا ہے، اسے کبھی یوں ہی سکھا کر، کبھی اپلے تھاپ کر لکڑی کی طرح جلاتے ہیں۔ اسی کو یوپی میں کنڈے، بہار میں گورہا، پنجاب میں اپلے کہتے ہیں۔ انسان اس کی ایندھن کے لئے استعمال کرتا ہے اور بھائی جنات اسی کو اپنے جانوروں کے چارہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کوئلہ کو بھی انسان اپنے ایندھن کے لئے استعمال کرتا ہے اور اسی کو بھائی جنات اور غذا وخوراک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بعض جانوروں کے سینگوں اور ہڈیوں کے کنگھے، کنگھیاں، چاقوؤں کے دستے، بوتام، چھوٹی چھوٹی ڈبیاں، بچوں کے کھلونے اور دیگر خوبصورت چیزیں بنتی ہیں۔ انسان ہڈیوں سے اپنی زیب وزینت کی چیزیں بنا کر استعمال کرتا ہے اور بھائی جنات اسی کو اپنی غذا وخوراک کے لئے استعمال کرتے ہیں (حاشیہ کنز الدقائق ۱۷، مکتبہ رشیدیہ، دہلی ۱۳۴۸ھ، حاشیہ قدوری ۱۹، مطبع مجیدی پریس کانپور ۱۳۶۷ھ، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/ ۱۹۴-۱۹۵، کویت طبع دوم ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، مقالات ابن مسلم ۳۲۵ تا ۳۲۶)۔

اسی طرح نمک کے کان میں اگر کوئی ناپاک جانور گر کر مر جائے اور وہ اسی میں گھل کر نمک بن جائے تو اس نمک کا کھانا حلال ومباح ہے؛ کیوں کہ اس کی حقیقت بدل گئی، یہ حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے مسلک کے مطابق یہ سب ناپاک ہی رہے گا؛ کیوں کہ وہ حضرات استحالہ کی بنیاد پر حقیقت بدل جانے کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل پہلے گزر چکی ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی استحالہ کی بنیاد پر گندے نالیوں، فلٹر شدہ پانی پاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہونے کے سلسلے میں فقہاء حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے، اور بالیقین ان تمام فقہاء عظام نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ نالیوں پر منطبق نہیں کیا ہے، جن میں نجاستیں، گندگیاں، ڈسپنسری اور اسپتال کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹/ ۱۰۷ تا ۱۰۸)۔

Marfat.com

۵-حکومت کا پانی پر کنٹرول کرنے کی شرعی حیثیت:

پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، اجتماعی مصلحت وحکمت کی بنا پر عوام وپبلک کو سہولت وآسانی پہنچانے کی غرض سے اگر حکومتیں ایسی تجاویز پاس کرتی ہیں تو اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے اور اس کے مطابق وہاں کے باشندگان کو عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔

ارشاد باری ہے: يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذٰلك خير وأحسن تأويلاً (سورۃ النساء:۵۹)۔

(اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام)۔

اولی الامر کون لوگ ہیں: اولی الامر لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام وانتظام ہو، اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ رضی اللہ عنہم، مفسرین قرآن نے اولی الامر کا مصداق علماء وفقہاء کو قرار دیا ہے، کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے، اور ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے، یعنی علماء کو بھی اور حکام وامراء کو بھی؛ کیوں کہ نظام امر ونہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

Marfat.com

یہاں کی حکومت وریاست پورے ملک کے عوام، پورے صوبے کے عوام کے ساتھ خیر خواہی وبھلائی، اجتماعی مصلحت وحکمت کی بنا پر، انتظامی امور کے درمیان توازن وتناسب برقرار رکھنے کی بنا پر، پانی کی قلت کو دیکھ کر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے کا حق ہے کہ پانی کو اس طرح خرچ کرو اور اس طرح بیجا خرچ نہ کرو، وضو اور غسل فرض پر پابندی لگانے کا حق نہیں ہے کہ تم غسل مت کرو، بغیر غسل کے رہا کرو، یا نماز بلا وضو کے پڑھا کرو، وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ انتظامی امور میں ہمارے اوپر حکام وامراء کی اطاعت واجب ہے۔ پانی کی قلت کی بنا پر حکومت کو مندرجہ ذیل کام کرنے ہوں گے تو پانی پر کنٹرول ہوسکتا ہے:

(۱) شہری آبادیوں میں واٹر ہارویسٹنگ کے ذریعہ استعمال کے لائق پانی کو بڑی عمارتوں کے نظام میں محفوظ کرنا۔

(۲) پانی کے ذخائر، سوتوں وغیرہ کو فیکٹریوں کے فضلات، کیمیائی اشیاء، قدرتی طور پر تحلیل نہ ہونے والے اشیاء یا دیگر آلودگیوں سے غیر محفوظ اور بے کار بنادینے کے عمل پر روک لگانا۔

(۳) پانی کی سپلائی کے نظام میں کوتاہی کے ذریعہ پینے ودیگر استعمال کے پانی کا ضائع کرنا اور گھروں، دفتروں، اداروں وغیرہ کے نل کو لاپرواہی سے کھلا چھوڑ دینا یا ناقص نلوں کو نہ بدلنا جس سے پانی ضائع ہوتا رہتا ہے، اس پر حکومت کا کنٹرول رکھنا واجب ہے۔

(۴) مسجد کے وضو خانے میں ایسے نل جن سے پانی ضائع ہوتا ہے ان کے استعمال پر پابندی لگانا۔

(۵) پانی کے بچانے کے لئے حوض بنانا، پوکھر وتالاب کھودوانا، عصر حاضر میں مسجدوں میں حوض بنانا ضروری ولازم ہوگیا ہے۔

(۶) وضو کے لئے لوٹے، بدھنے کا استعمال عصر حاضر میں موزوں ہے، پانی کا اسراف

Marfat.com

وتبذیر اس سے ختم ہو جائے گا۔

(۷) جہاں کثرت سے پینے کے لائق پانی کا استعمال کارخانوں میں اور کارخانوں کے فضلہ کو بہانے کے لئے ہو رہا ہو اس پر پابندی لگانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اس طرح پانی کا بے جا استعمال اسراف وتبذیر میں داخل ہے۔ فضلہ بہانے کے لئے ماءِ مستعمل کو کام میں لائے۔

(۸) پانی کے استعمال کو کم کرنے کے لئے صنعتوں پر اتنا ٹیکس لازم قرار دیا جائے جس کو ادا کر سکے، کوتاہی کی صورت میں تعزیراتی کارروائی کی جائے۔

(۹) پینے کے لائق دستیاب پانی کے تحفظ کے لئے کیا یہ مناسب ہو سکتا ہے کہ بیت الخلاء میں کاغذ یا کسی اور شیٔ کا استعمال کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنی نصوص کے مطابق بیت الخلاء میں پانی کا استعمال کرنا ہی ضروری ولازم ہے، درحقیقت طہارت پانی ہی سے حاصل ہوتی ہے، اضطراری حالت میں مٹی استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بیت الخلاء میں کاغذ کا استعمال کرنا حرام ہے؛ کیونکہ یہ آلۂ علم ہے، اس کی توہین وتذلیل ہوتی ہے، علم کی تذلیل کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کی توہین وتذلیل کے مترادف ہے (دیکھئے: ترمذی ۱/۱۱، ابوداؤد ۱/۶، مسند ابو عوانہ ۱/۲۱۸ تا ۲۱۹، درس ترمذی ۱/۲۱۶)۔

(۱۰) پانی کے ذخائر پر چند افراد، کمپنیوں یا ملکوں کا قبضہ جس سے دوسرے لوگوں کو ضرر لاحق ہو، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ناروا، ناجائز فعل کو روکے اور اپنی تحویل میں لے کر اس پانی کو عوام کے استعمال کرنے پر صرف کرے، اس کی خلاف ورزی شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہے۔

(۱۱) پانی کی خرید وفروخت کرنا، نیلامی کرنا جس سے ملک کے عوام کو ضرر پہنچ رہا ہو تو یہ ناروا، نامناسب طریقہ ہے، حکومت کو احتراز کرنا لازم وواجب ہے۔

(۱۲) پہاڑوں کے صاف وشفاف پانی کو بوتلوں میں بھر کر دور دراز کے علاقوں میں بیچ کر مقامی یا بین الاقوامی کمپنیاں ایک طرف اس کی رسائی عام آدمی سے دور کرتی جا رہی ہیں تو

Marfat.com

دوسری جانب جن علاقوں سے پانی جمع کیا جاتا ہے وہاں بالآخر پانی کی قلت کا خطرہ پیدا کر رہی ہیں۔ حکومت پر لازم ہے کہ ان کمپنیوں کے لئے بہ قدر ضرورت کوٹا مقرر کر دے تا کہ پبلک کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو۔ "عن أبيض بن حمال أنه وفد إلى رسول الله ﷺ استقطعه الملح قطع له فلما إن ولى قال رجل من المجلس: أتدري ما قطعت له إنما قطعت له الماء العدّ قال: فانتزعه منه" (ترمذی ۲۵۶/۱، ابن ماجہ ۱۸۰/۲-۱۸۱)۔

(۱۳) حکومتوں کی جانب سے پانی کے ذخائر قومیانے کا عمل رواج پا رہا ہے؛ یہاں تک کہ ہینڈ پمپ وغیرہ لگانے پر بھی سرکار پابندی لگانے یا اس پر ٹیکس لگانے لگی ہے؛ حالانکہ حکومت کی ذمہ داری عوام و پبلک کو سہولت و آرام پہنچانا ہے نہ کہ ضرر پہنچانا، شرعاً یہ ناجائز اور ظالمانہ رویہ ہے، اس سلسلے میں بہتر نظام بنانے کی ضرورت ہے۔

۶- مملوکہ زمین کے پانی کا مالک اسلامی نقطۂ نگاہ سے خود مالک زمین ہے:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے، حکومت کی نہیں۔ مثلاً اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرے تو حکومت کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایسا حکم دینے کی گنجائش نہیں ہے اور صاحب زمین کو اس حکم کی تعمیل شرعاً لازم و ضروری نہیں ہوگی۔ ارشاد باری ہے: "وأورثكم أرضهم وديارهم وأموالهم وأرضا لم تطؤها وكان الله على كل شيء قديراً" (سورۃ الاحزاب: ۲۷)۔

(اور تم کو دلائی ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا)۔

اگر واقعی سرکاری کنواں یا بورنگ وہاں پر پہلے سے موجود ہے اور اسی سے متصل کاشت کار کی ذاتی موروثی زمین ہے، اب وہ اپنی زمین میں کنواں کھدوانا یا بورنگ کرانا چاہتا ہے تو

Marfat.com

حکومت کو حریم کی بنیاد پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے منع کرنے کی گنجائش ہے اور صاحب زمین کو اس حکم کی تعمیل شرعاً لازم وضروری ہے (المبسوط ۲۳/۱۶۱ تا ۱۶۳، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء، قدوری ۱۵۱ تا ۱۵۲، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء)۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ فی السوال کے مطابق حکومت کو بورنگ کرانے کے بارے میں صاحب زمین کو منع کرنے کا اختیار نہیں البتہ دوسری شکل میں اختیار ہے۔

۷- پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں کے متعلق کرنے کا شرعی حکم:

جن ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کردیں تو انتظامی امور میں حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی؛ کیوں اس میں خود عوام ہی کا فائدہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من لم یہتم بأمر المسلمین فلیس منهم" (مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۴۸، تنزیہ الشریعۃ ۲/ ۳۸۶)۔

(جو شخص مسلمانوں کے معاملے کے سلسلے میں کوئی بندوبست نہیں کرتا ہے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان ہونے کے باوجود اپنے بھائیوں کے لئے معاشرتی وسماجی، معاملاتی، اقتصادی، اخلاقی، سیاسی، ملی ودینی مسائل کے لئے اور حکومت کی خیر خواہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں فکرمند نہیں ہوتا وہ مسلمان نہیں۔

بہر حال حکومت کو اپنی رعایا کو اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے

Marfat.com

مخصوص کر دینے کے لئے ہنگامی واضطراری حالات کے پیش نظر یا انتظامی امور میں حکومت کی امداد وتعاون کے پیش نظر ایسا حکم دینے کا حق حاصل ہے اور اس کی تعمیل انتظامی امور میں شرعاً واجب ہوگی، پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے ہنگامی حالات میں افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہا السلام نے قحط کے زمانہ میں اپنے طور پر خود غلہ کی ذخیرہ اندوزی کی اور عوام اور کاشت کاروں کو بھی اس سلسلے میں پابند بنایا۔

۸- ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنے کا شرعی حکم:

جس جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنا پڑتا ہے نہ صرف زرعی علاقے بلکہ آبادیاں بھی آبی ذخیرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، لہٰذا اگر اجتماعی مصلحت وحکمت اور پورے ملک کے مفاد کی وابستگی مقصود ہو، اور واقعی اضطراری ضروریات کے پیش نظر حکومت نے کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کیا ہے تو شرعاً اس سلسلے میں اس کی گنجائش ہے، اور حکومت کی اولین ذمہ داری ہوگی کہ ان عوام وپبلک کو جو اپنے گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں اس کا متبادل فراہم کر کے دے اور اس کا بہترین مکان بھی بنوا کر دے، نیز اگر اس کی وجہ سے کاروباری اور کاشت کاری کے سلسلے میں ان لوگوں کا نقصان ہوا ہو تو اس کا بھی ہرجانہ ادا کرے تا کہ وہ لوگ اپنی معیشت کو آگے بڑھا سکیں اور کسی دوسرے کا محتاج بن کر نہ رہ جائیں۔ اگر حکومت اس کی خلاف ورزی کرے گی تو اس کا یہ اقدام شرعاً ظلم وستم کے مترادف ہوگا۔

۹- ایک بستی کو غرق ہونے سے بچانے کے لئے باندھ کو کاٹ دینے کا شرعی حکم:

مکہ میں جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانوں میں آئے ان میں ایک سیلاب جوام نہشل کے نام سے مشہور ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں آیا، اور مسجد حرام تک پہنچ گیا، حضرت عمرؓ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے، جن سے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا۔

Marfat.com

مدینہ میں ایک چشمہ تھا، جس کا نام مہزور تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا، اس لئے انہوں نے اس سے بچنے کے لئے ایک بند بندھوایا (اسوۂ صحابہ ۲/۱۷، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، طبع سوم، ۱۹۹۰ء، مولانا عبد السلام ندویؒ)۔

جن علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کو روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کو کاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو توقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے، لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر آگے کی بستی وآبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہو تو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینا اور پانی کو آگے بڑھا دینا شرعاً، عقلا، اخلاقا معاشرۃ، معاملۃ، دیانۃ، قضاءۃ کسی بھی حال میں جائز نہیں ہوگا۔

۱۰- دریا، ندی، کنواں اور سرکاری تالاب وغیرہ سے استفادہ کرنے کا حق:

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے ہر افراد واشخاص کو پانی پینے، جانوروں کو پانی پلانے، کھیتوں کی سینچائی کرنے، نہانے، کپڑے دھونے کا حق حاصل ہے۔ اس کے اوپر کسی کو اختیار تن تنہا نہیں رہے گا، کیوں کہ یہ سب مباح الاصل ہے، اور مباح الاصل میں سارے لوگوں کا حق شامل ہوتا ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو ذخائر موجود ہیں اور جن کے پیدا کرنے میں کسی شخص کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے وہ سب کے لئے ہیں اور سب ہی ان سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار (ابوداؤد ۲/۴۹۲، ابن ماجہ ۲/۱۸۰)۔

Marfat.com

(تین چیزوں میں سارے مسلمان شریک ہیں، پانی اور چارہ اور آگ میں)۔

اس حدیث میں پانی سے قدرتی چشموں، دریاؤں، ندیوں، نہروں، تالابوں اور جھیلوں وغیرہ کا پانی مراد ہے۔ اسی طرح جانوروں کا وہ چارہ وگھاس جو جنگلوں اور میدانوں میں پایا جاتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا سب کو حق حاصل ہے۔ آگ سے ایندھن میں کام آنے والی لکڑی اور آگ جلانے کا سامان چقماق وغیرہ مراد لئے گئے ہیں۔

ایک بات جو یادرکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں جو مسلم کی قید لگی ہوئی ہے احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے۔ اس کی تشریح وتوضیح حضرت علامہ شمس الدین سرخسیؒ اپنی کتاب المبسوط میں کی ہے (المبسوط ۲۳/ ۱۶۴)۔

حضرت علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانیؒ پانی کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) سمندر کا پانی، (۲) بڑی وادیوں کا پانی مثلاً جیحون، سیحون، دجلہ، فرات، (۳) بخرے کا پانی مثلاً سرکاری نہر کا پانی جو کاشت کے موقع پر کاشتکار کو آبپاشی کے لئے پانی دیتی ہے اور کاشت کار سے پانی کا عوض نقد کی شکل میں وصول کرتی ہے، (۴) محفوظ کیا ہوا پانی مثلاً حوض، ڈرام، کنستر وغیرہ میں پانی بھر کر محفوظ کرلیا۔ چاروں کے احکام الگ الگ مندرجہ ذیل ہیں:

پانی کی پہلی قسم سمندروں کا پانی ہے، جس سے سارے لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا حق ہے، پانی پینے، جانوروں کو پانی پلانے، کھیتوں کی سینچائی کرنے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وہاں سے نہر نکال کر اپنے کھیت تک لاسکتا ہے تو لانے کی اجازت ہے، ان سمندروں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ہے جس طرح آفتاب اور ماہتاب اور ہوا سے فائدہ اٹھانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا ہے، جس طرح چاہے فائدہ اٹھائے۔

پانی کی دوسری قسم یعنی دریاؤں، ندیوں، جھیلوں سے تمام لوگوں کو پانی پینے، جانوروں کو پانی پلانے اور اپنے کھیتوں کی سینچائی کرنے اور دیگر ضروریات کی تکمیل کرنے کا حق حاصل

Marfat.com

ہے، اگر کوئی شخص اپنی کھیتی کی سینچائی کے لئے دریا سے نہر نکال کر اپنے کھیت، تک لے جائے تو اس کی اجازت ہے مگر اس کی وجہ سے عوام و پبلک کو کوئی ضرر نقصان لاحق نہ ہو، اور یہ بھی یاد رہے کہ ان پر کسی ایک کی ملکیت ثابت نہ ہوگی؛ کیوں کہ مباح الاصل ہے اور مباح الاصل میں سارے لوگوں کا حق شامل ہوتا ہے۔

پانی کی تیسری قسم سرکاری محکمۂ انہار کی طرف سے جاری کردہ پانی ہے۔

اس پانی کو حکومت ضوابط وقواعد کی روشنی میں نہر میں چھوڑتی ہے کاشت کاروں کی کھیتی کی سینچائی کے لئے، ضلع کی کون سی تحصیل میں کس تاریخ کو پانی چھوڑا جائے، سب ریکارڈ رکھتے ہیں تاکہ کسی کاشت کار کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

چوتھی قسم برتنوں میں محفوظ پانی اور مملوک کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر کا پانی ہے۔ برتنوں میں محفوظ کیے ہوئے پانی کا مالک وہی شخص ہے جس نے برتن میں محفوظ رکھا ہے، اب اس پانی پر دوسروں کا حق شامل نہیں ہوگا جیسا کہ شکار میں ہوتا ہے کہ جب کسی آدمی نے شکار کو پکڑ لیا تو اس کا مالک ہو جاتا ہے، اس کو اب فروخت کر سکتا ہے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ہے۔ اس آدمی کی اجازت کے بغیر پانی استعمال کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ کسی شخص کی مملوک زمین میں کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر ہے تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو پانی پینے سے روک دے؛ کیوں کہ اس کی ملکیت میں داخل ہے، جب کہ اس کے علاوہ دیگر غیر مملوک کنواں وغیرہ موجود ہو اس کے اردگرد میں، اگر اس کے اردگرد میں پانی اس کے علاوہ موجود نہیں ہے تو پانی کے مالک سے کہا جائے گا کہ اس کو پانی پینے کے لئے پانی دیدو، یا خود پیاسے کو چھوڑ دو کہ وہ اپنے سے خود جا کر پانی پی لے اس شرط کے ساتھ کہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو، ایسا ہی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہدایہ ۴/ ۶۸ ۴، کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل الشرب، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ، المبسوط ۲۳/ ۱۶۱ تا ۱۹۳)۔

Marfat.com

(۱) وہ وسائل حیات جو سب کی ملکیت ہیں:

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو ذخائر موجود ہیں اور جن کے پیدا کرنے میں کسی شخص کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے وہ سب کے لئے ہیں اور سب ہی ان سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء والکلاء والنار (ابوداؤد ۲/۴۹۲، کتاب البیوع، باب فی منع الماء، ابن ماجہ ۲/۱۸۰، ابواب الرہون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث)۔

اس حدیث میں مسلم کی جو قید لگی ہوئی ہے اتفاقی ہے احترازی نہیں (المبسوط ۲۳/۱۶۴) (تین چیزوں میں سارے مسلمان شریک ہیں پانی اور چارہ اور آگ میں)۔

اس حدیث میں پانی سے قدرتی چشموں، دریاؤں، ندیوں اور تالابوں وغیرہ کا پانی مراد ہے۔ اسی طرح جانوروں کا وہ چارہ جو جنگلوں اور میدانوں میں پایا جاتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا سب کو حق حاصل ہے۔ آگ سے ایندھن میں کام آنے والی لکڑی اور آگ جلانے کا سامان چقماق وغیرہ مراد لئے گئے ہیں (اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نیل الاوطار ۶/۴۹-۵۰)۔

(۲) قومی اہمیت کے وسائل سب کے لئے ہیں:

قومی اور ملکی اہمیت رکھنے والے وسائل حیات کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوں گے بلکہ ان سے سب کو فائدہ اٹھانے کے برابر کے مواقع حاصل ہوں گے۔ ابیض بن جمالؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مآرب (یمن کا ایک شہر ہے) میں نمک کی جو کان ہے وہ انہیں عطا کر دی جائے، آپ نے وہ کان انہیں دے دی۔ جب وہ واپس ہوئے تو ایک شخص "اقرع بن حابس" نے عرض کیا کہ آپ نے انہیں ایک ایسی کان عطا فرما دی جو پانی کے ذخیرہ کی طرح ہے، وہاں کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

Marfat.com

اس پر آپ نے وہ کان ان سے واپس لے لی اور عوام کے فائدہ کے لئے وقف کردی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے انہیں اس کے عوض ایک زمین اور باغ عطا فرمایا، ابیض بن جمالؓ نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ اراک (جس کے پتے اونٹ کے چارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں) کے کسی علاقہ کو حد بندی کے ذریعہ اپنی ملکیت میں لیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جہاں اونٹوں کے قدم نہ پہنچیں، یعنی جو آبادی سے دور ہو (ترمذی ۱/۲۵۶، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القطائع، ابن ماجہ ۲/۱۸۰ تا ۱۸۱، ابواب الرہون، باب اقطاع الانہار والعیون)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست بھی اس طرح کا کوئی اقدام نہیں کرے گی کہ جن وسائل حیات سے عام لوگوں کا مفاد وابستہ ہے ان پر کسی ایک یا چند افراد کا قبضہ ہوجائے اور دوسرے ان سے محروم رہیں۔

(۳) ذاتی وسائل حیات میں بھی دوسروں کا حق ہے:

قدرت کے خزانوں کو آدمی بعض اوقات اپنی ذاتی جدو جہد اور محنت سے بھی حاصل کرتا ہے، وہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، مثال کے طور پر اس نے اپنی ضرورت کے لئے کنواں کھدوایا، نہر نکالی یا حوض اور ٹینک میں پانی کا ذخیرہ جمع کیا۔ اس سلسلہ میں ہدایت یہ ہے کہ اس سے دوسرے حاجت مندوں کو محروم نہ رکھا جائے۔ ایک حدیث میں اس بات پر سخت وعید سنائی گئی ہے کہ آدمی کے پاس فاضل پانی ہو اور وہ ضرورت مندوں کو ان کے استعمال کی اجازت نہ دے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے انسانوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ تو انہیں دیکھے گا، نہ ان سے بات کرے گا اور ان پر اس کا سخت عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

رجل كان له فضل ماء في الطريق فمنعه من ابن السبيل (بخاری ۱/۳۱۷، کتاب المساقاۃ، باب اثم من منع ابن السبیل من الماء، مسلم ۱/۷۱، کتاب الایمان، باب تحریم اسبال الازار وغیرہ)۔

Marfat.com

(ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں (کنویں وغیرہ کی شکل میں) فاضل پانی تھا اور اس نے مسافر کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے: "فيقول الله اليوم أمنعک فضلي كما منعت فضل ماء لم تعمل يداک" (بخاری ۱/ ۱۱۹، کتاب المساقاۃ، باب من راوی ان صاحب الحوض الخ، فتح الباری ۵/ ۵۳ تا ۵۴)۔

(اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ آج میں تمہیں اپنے انعام سے اسی طرح محروم کردوں گا جس طرح کہ تم نے ایک زائد چیز کو، جس کے پیدا کرنے میں تمہاری کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا، دینے سے انکار کردیا تھا)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اس بات کی کس قدر تاکید کرتا ہے کہ آدمی کو جو وسائل حیات حاصل ہیں ان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد دوسروں کی ضروریات کا بھی خیال رکھے (اس کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اسلام میں خدمت خلق کا تصور ۱۳۸ تا ۱۳۹، از مولانا سید جلال الدین عمری)۔

وإذا كان لرجل نهر أو بير أو قناة فليس له أن يمنع شيئا من الشفه والشفه الشرب لنبى آدم والبهائم (ہدایہ ۴/ ۴۶۸، کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل الشرب، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ)۔

(اور جب کسی آدمی کے پاس نہر ہو یا کنواں ہو یا نالی ہو تو آدمیوں اور جانوروں کو پانی پینے سے منع نہیں کرسکتا ہے)۔

علامہ ابوالحسن برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل مرغینانی یوں تحریر فرماتے ہیں:

ماء الأودية العظام كجيحون وسيحون ودجلة والفرات للناس فيه حق الشفة على الاطلاق وحق سقى الأراضى (ہدایہ ۴/ ۴۶۸، کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل الشرب، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ)۔

Marfat.com

بڑے وادیوں کے پانی جیسے جیحون اور سیحون اور دجلہ اور فرات، اس میں تمام لوگوں کو علی الاطلاق پانی پینے کا حق حاصل ہے اور اپنے کھیتوں کو سیراب وسینچائی کرنے کا حق حاصل ہے، اگر کوئی شخص اپنی کھیتی کی سینچائی کے لئے یہاں سے نہر نکال کر لے جائے تو اس کی بھی اجازت ہے اس شرط کے ساتھ کہ عوام کو اس سے کوئی ضرر ونقصان لاحق نہ ہو اور نہر پر کسی ایک کی ملکیت ثابت نہ ہو؛ کیوں کہ وہ مباح الاصل ہے، اور مباح الاصول میں سارے لوگوں کا حق شامل ہوتا ہے۔

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے تمام افراد واشخاص کو پانی پینے، نہانے کپڑے دھونے، کھیت سینچائی کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے وغیرہ کے پانی سے تمام لوگوں کو استفادہ کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ اس میں شرکت مباح ہے مگر اس پر کسی ایک شخص کی ملکیت ثابت نہ ہوگی، ہاں کنواں سے اگر کوئی شخص پانی نکال کر اپنے برتن میں محفوظ کرلے تو اس کا وہ مالک ہوگا، اس میں کسی کو دخل اندازی کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا لیکن اس شخص کو پانی پینے سے نہیں روک سکتا ہے جو پیاس کی شدت سے اپنے ہلاک ہوجانے کا خطرہ، یا اپنے جانور کے ہلاک ہوجانے کا خطرہ محسوس کررہا ہو، اگر روکے گا تو اس سے بلا ہتھیار کے جنگ کی جائے گی پانی کی حصولیابی کی لئے۔

اگر دو آدمیوں نے مل کر پانی کا ذخیرہ جمع کیا ہے تو یہاں شرکت ملک ہے، اس صورت میں اگر ایک نے دوسرے کو پانی پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال کرنے سے روکے گا تو پانی کی حصولیابی کے لئے اس سے ہتھیار کے ساتھ جنگ کی جائے گی (عمدۃ القاری ۹/ ۵۲، زکریا بک ڈپو دیوبند، ہدایہ ۴/ ۴۷۰)۔

۱۱- نہر کے پانی سے ہر کاشتکار کو کھیت کی سینچائی کرنے کا حق ہے:

اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو ہر کاشت کار

Marfat.com

کو اپنے کھیت کی سینچائی کرنے اور اپنے جانوروں کو پانی پلانے یا نہلانے، دھونے کے لئے اپنے حدود میں رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، مگر اس کا خیال رکھنا ہر افراد واشخاص پر لازم ہوگا کہ میری ذات کی وجہ سے کسی دوسرے بھائیوں کی حق تلفی نہ ہونے پاوے اور نہ کسی قسم کا ضرر ونقصان لاحق ہو، مثلاً کوئی کاشت کار یہ چاہے کہ پانی کے ذخیرے کو اپنے علاقے سے دوسرے علاقے نہ جانے دے بلکہ نہر میں باندھ، باندھ دے تاکہ پانی آگے نہ جاسکے تو یہ طریقہ اور رویہ شرعاً، اخلاقاً، معاشرۃً، معاملۃً مذموم فعل ہے۔ اس سے ہمارے بھائیوں کی دل آزاری ہوگی اور دل آزاری اسلام میں حرام ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ہدایہ ۴/ ۴۶۸ تا ۴۷۱)۔

ارشاد باری ہے: "قال هذه ناقة لها شرب ولكن شرب يوم معلوم" (سورۃ الشعراء: ۱۵۵)۔

(کہا یہ اونٹنی ہے، اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر)۔

حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ صاحب لکھتے ہیں: "اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت سے، حضرت صالح علیہ السلام کی دعاء سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مویشی بھاگ کر کنارے ہوجاتے۔ تب یوں ٹھہرادیا کہ ایک دن اس پانی پر وہ جائے۔ ایک دن اوروں کے مویشی جائیں" (ترجمہ شیخ الہند ص: ۴۹۷)۔

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبریؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کی باری مقرر کردی گئی تو پھر دوسرے کی باری میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اپنی باری میں اپنا کام کریں دوسرے کی باری میں رخنہ اندازی کرنے سے اجتناب واحتراز کریں (تفسیر الطبری ۱۹-۱۲۰، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان، طبع اول ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء)۔

(۱) عن عبد الله بن الزبير أنه حدثه أن رجلا من الأنصار خاصم الزبير عند النبي ﷺ في شراج الحرة التي يسقون بها النخل فقال الأنصاری

Marfat.com

سرح الماء يمر فأبى عليه فاختصما عند النبى ﷺ فقال رسول الله ﷺ للزبير: اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارک فغضب الأنصارى فقال: إن كان ابن عمتک، فتلون وجه رسول الله ﷺ ثم قال: اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر (بخاری ۱/۳۱۷، کتاب المساقاۃ، باب سکر الانہار)۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے حضرت زبیرؓ سے حرہ کی ندی کے سلسلے میں جھگڑا کیا، جس کے پانی سے مدینہ منورہ کے لوگ کھجور کے درختوں کی سینچائی کرتے تھے۔ انصاری شخص نے حضرت زبیرؓ سے کہنے لگا کہ پانی کو بہنے دو روکتے کیوں ہو، تو حضرت زبیرؓ نے اس بات کے اوپر انکار کردیا، پھر دونوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: اے زبیرؓ اپنے درختوں کی سینچائی کرلو پھر اپنے ہمسایہ کی زمین میں پانی چھوڑ دو، تو وہ انصاری غصہ ہوگیا اور کہا: اس لئے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تو رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا، پھر فرمایا: اے زبیرؓ اپنے درختوں کی سینچائی کرلو پھر پانی روکے رہو یہاں تک کہ منڈیروں تک بھر جائے۔

(۲) قال أبو عبيد: كان بالمدينة واديان يسيلان بماء المطر فيتنافس الناس فيه فقضىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم للأعلى فالأعلىٰ (فتح الباری ۵/۴۵، دارالریان للتراث القاہرہ، مصر طبع دوم ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری ۹/ ۶۶ تا ۷۴، زکریا بک ڈپو دیوبند، التوضیح ۱۵/ ۳۳۷ تا ۳۵۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ دولۃ قطر، طبع اول ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، ابن بطال ۶/ ۵۰۰ تا ۵۰۲، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع ریاض، طبع دوم ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء)۔

ابوعبید کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں دو وادیاں مشہور تھیں جو بارانی پانی سے لبالب اور لب ریز رہتی تھیں گویا کہ جھیل وجوہڑ ہے، لوگ ایک دوسرے پر سبقت کیا کرتے تھے کہ سب سے پہلے ان وادیوں کے پانی سے میں اپنے کھیت کی سینچائی کروں گا، آپ ﷺ نے اس بات کو تاڑ لیا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے درمیان یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ جس کا کھیت فرازی

Marfat.com

ہو پہلے وہ اپنے کھیت کی سینچائی کرے، پھر اس کے بعد جس کا کھیت فرازی ہو وہ سینچائی کرے پھر اسی کے بعد جس کا کھیت فرازی ہو وہ سینچائی کرے، اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے سینچائی کرتے رہیں۔ آپ ﷺ نے ایک ایسا انمول قیمتی فیصلہ کر دیا جس میں کسی کو شکوہ وشکایت کرنے کی نوبت ہی نہ آئے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب کسی چیز کی حصولیابی کے لئے لوگ اکٹھے ہو جائیں تو اس موقع پر ایسی ہی ترتیب اور باری لگا دینی چاہئے، اس طرح سے سارے لوگوں کا کاروبار آسانی کے ساتھ نپٹ جائے گا کوئی دقت ومشقت کا مقابلہ نہ کرنا پڑے گا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک فرازی زمین والوں کی سینچائی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچے گی اس وقت تک کھادر ونشیبی زمین والوں کو سینچائی کی اجازت نہیں ملے گی، آپ ﷺ کا فیصلہ حضرت زبیرؓ کے لئے برحق تھا، یہی فیصلہ آج بھی باقی ہے، مسلم کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اتباع فرض ہے (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: التفسیر المنیر فی العقیدة والشریعة والمنہج ۵/ ۱۳۷ تا ۱۴۱، دار الفکر المعاصر بیروت، طبع دوم ۱۴۱۸ھ، تفسیر ابی السعود ۲/ ۱۵۸ تا ۱۵۹، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع اول ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء، تفسیر الطبری ۵/ ۱۸۹ تا ۱۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول ۱۴۲۱ھ)۔

فرازی کھیت والے، کھادر ونشیبی کھیت والے سے پہلے سینچائی کریں گے:

عن عروة قال خاصم الزبير رجل من الأنصار فقال النبي ﷺ يا زبير اسق ثم أرسل فقال الانصاري: إنه ابن عمتك فقال عليه السلام: اسق يا زبير ثم يبلغ الماء الجدر ثم أمسك (بخاری ۱/ ۳۱۸، کتاب المساقاة، باب شرب الاعلی قبل الاسفل، اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدة القاری ۹/ ۲۷، فتح الباری ۵/ ۴۷)۔

(حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے حضرت زبیرؓ سے جھگڑا کیا، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے زبیر تم اپنے درختوں کی سینچائی کر لو پھر پانی چھوڑ دو، پس انصاری نے کہا: بے شک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

اے زبیر اپنے درختوں کی سینچائی کرلو پھر پانی منڈیروں تک پہنچ جائے پھر روک لو)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس قضیہ کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ پہلے فرازی زمین والا سینچائی کرے پھر نشیبی زمین والا سینچائی کرے، یعنی جب تک پہلا کھیت والا اپنی کھیتی خوب بہتر طریقہ سے سینچائی نہ کرلے اس وقت تک دوسرے کھیت والے کو سینچائی کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اس سلسلے میں یوں تحریر فرماتے ہیں: **قال العلماء: الشرب من نهر أو مسيل غير مملوك يقدم الاعلىٰ فالأعلىٰ، ولاحق للأسفل حتى يستغني الأعلىٰ، وحده أن يغطي الماء الأرض حتى لاتشربه ويرجع الى الجدار ثم يطلقه** (فتح الباری ۵/۴۷)۔

علماء کا قول ہے کہ غیر مملوک قدرتی نہر یا وادی کے پانی سے سب سے پہلے اول فالاول کے اعتبار سے ترتیب وار فرازی کھیت والے سینچائی کریں گے اور کھادر و نشیبی کھیت والے کو اس میں اس وقت تک کوئی حق حاصل نہ ہوگا جب تک کہ فرازی کھیت والے پانی کی سینچائی کرنے سے بے نیاز نہ ہوجائیں، اور اس کی حد و انتہا یہ ہے کہ پورا پانی زمین کو مکمل طور سے ڈھانپ لے یہاں تک کہ زمین اپنے اندر پانی کو اب جذب نہ کرسکے اور پانی منڈیر تک جاکر پورے کھیت میں واپس ہوجائے تب اس وقت پانی کو اپنے بعد والے کے لئے چھوڑ دے۔

عن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزام أنه بلغه أن رسول الله ﷺ قال في مسيل مهزور ومذينب: يمسك حتى الكعبين ثم يرسل الأعلىٰ على الأسفل" (مؤطا امام مالک ۲/۳۱۱، کتاب الاقضیۃ، القضاء فی المیاہ، اشرفی بک ڈپو، دیوبند)۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزام سے روایت ہے کہ بے شک اس کو اس بات کی اطلاع پہنچی ہے کہ فی الواقع رسول اللہ ﷺ نے مہزور اور مذینب وادی کے پانی کے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ درختوں کی جڑوں تک پانی روک لے، پھر صاحب فرازی

Marfat.com

کھیت پانی کو صاحب کھادر کھیت کی طرف چھوڑ دے۔

جس پانی کے حاصل کرنے میں کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو بلکہ قدرتی ہو جیسے دریا، ندی، نہر، چشمے کا پانی وغیرہ اس سے ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے، وادیوں، سیلابوں کے پانی کا بھی یہی حکم ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کا کوئی تن تنہا مالک نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اس نے کنواں کی طرح کھدوا کر یا اور کوئی دیگر اقدام کر کے پانی کو زمین کے اندر سے نہیں نکالا ہے، بلکہ قدرتی طور پر یہ پانی ہمیں دستیاب ہوا ہے اور وہ سب کے لئے مباح ہے، اس لئے ہر آدمی باری اور ترتیب سے پانی کی حصولیابی کے لئے کوشش کرے۔

فقہاء کی آراء کی روشنی میں سینچائی کا شرعی حکم:

(۱) اعلیٰ (فراز و فرازی) یعنی جن کاشت کاروں کی زمین بلندی پر واقع ہو تو ان کو سینچائی کرنے کا موقع سب سے پہلے دیا جائے گا، اور اسفل (کھادر و نشیبی) یعنی جن کاشت کاروں کی زمین گہرائی میں واقع ہو تو ان کو سینچائی کرنے کا موقع ان کے بعد دیا جائے گا۔ کھجور و درخت اور کھیت کی سینچائی کرنے کی ترتیب اعلیٰ سے اسفل کی طرف ہے۔

(۲) پہاڑ سے فوارہ کی طرح پانی ٹپکتا رہتا ہے، وہ پانی جمع ہو کر جھیل و جوہڑ کے مانند ہو جاتا ہے، اس پانی کی سینچائی کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ جو شخص سب سے پہلے وہاں پہنچے گا اس سے انتفاع کا زیادہ حق دار وہی شخص ہوگا (المبسوط ۲۳ / ۱۶۴)۔

(۳) اعلیٰ کو اپنی باری کے بعد اب کوئی اختیار اور حق جواز حاصل نہ ہوگا، جب بعد میں اس کو پانی کی ضرورت لاحق ہو جائے تو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے جو پانی اسفل کی جانب رواں دواں ہے اس کو روک لینے کا کوئی حق نہیں ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ خود کھادر والے ایثار کر دیں تب جا کر اس پانی کو روک کر اپنے استعمال میں لاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۴) باری کے تعلق سے باہم کاشت کاروں کے درمیان یا کاشت کار اور محکمہ انہار

Marfat.com

کے ملازم کے درمیان سب وشتم اور مخاصمت رونما ہو جائے تو کاشت کار اور محکمہ انہار کے ملازمین کے اوپر ضروری ولازم ہے کہ اس کو مقدمہ کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ عفوو درگزر کا معاملہ کرے۔

(۵) ایسے مقدمات کے سلسلے میں سب سے بہتر طریقہ صلح وصفائی کا ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ جب کوئی مصلحت دیکھے تو قاضی خود صلح وصفائی کر لینے کا اشارہ کردے، اور حضرت امام مالکؒ نے قاضی کو اس بات سے منع کیا ہے، اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور صحیح ودرست بات یہی ہے کہ قاضی کو صلح وصفائی کے لئے اشارہ کردینے کا حق جواز حاصل ہے۔

(۶) امام وحاکم کو تعزیر کے معاف کردینے کا حق جواز حاصل ہے۔

(۷) اگر دونوں فریقین میں سے ایک صلح وصفائی نہیں چاہتا اور نہ جس چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اس پر رضامند ہوتا ہے تو ایسے موقع پر امام وحاکم کو حق جواز مل جاتا ہے کہ دونوں کے جو حقوق ہیں اس کو وصول کرلے۔

(۸) جو شخص امام وحاکم پر جفا کرے گا تو وہ آدمی قابل زجر وتوبیخ ہوگا۔

(۹) حاکم کا فیصلہ خوشی کی حالت میں ہوا ہو یا غصہ وناراضگی میں ہوا ہو ہر حال میں معتبر ہے، یہاں پر حاکم سے مراد سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ ہر حال میں آپ سے حق کا فیصلہ صادر ہوگا، آپ معصوم ہیں۔ یہ بھی بات ذہن میں مستحضر رکھے کہ عصمت نبوت کی صفت ہے، بشریت کی صفت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زبیرؓ کے حق میں جو فیصلہ دیا تھا وہ حق نہیں تھا العیاذ باللہ تو ایسا شخص شرعی نقطۂ نظر سے کافر ہوگا۔

(۱۰) قال ابن حبيب: يدخل صاحب الاعلىٰ جميع الماء في حائطه ويسقي به حتى إذا بلغ الماء من قائمة الحائط إلى الكعبين القائم فيه أغلق مغلق الماء وصرف مقدار مازاد من الماء على مقدار الكعبين إلى من يليه، فيصنع به مثل ذلك حتى يبلغ ماء السيل إلى أقصى الحوائط۔

Marfat.com

ابن حبیب کا قول ہے کہ صاحب اعلیٰ پورے پانی کو بیک وقت اپنے باغ کے اندر داخل کرلے اور اس کے ذریعہ سینچائی کرتا رہے یہاں تک کہ پانی جب باغ کی دیوار سے گزر کر فصل کی جڑوں تک جو اس میں موجود ہے پہنچ جائے تب پانی کو روک لیا جائے، اور کعبین کے مقدار جو زائد پانی ہے اس کو جو اس سے متصل چیز ہے اس پر خرچ کردے، پھر پانی کو دوبارہ روک لیا جائے یہاں تک کہ پانی کا بہاؤ باغوں کی آخری سرحد تک پہنچ جائے، اس کے بعد اسفل کی جانب پانی کو چھوڑ دیا جائے، ابن الماجشون اور ابن وہب کا یہی قول ہے۔

(۱۱) وقال ابن القاسم: إذا انتهى الماء في الحائط إلى مقدار الكعبين أرسله كله إلىٰ من تحته ولم يحبس منه شيئا في حائطه۔

اور ابن قاسم کا قول ہے کہ جب پانی باغ کے اندر درختوں کی جڑوں تک پہنچ جائے تو اس پانی کو نشیبی و کھادر والے کی طرف چھوڑ دیا جائے اور اب اس پانی میں سے تھوڑی سی مقدار بھی اپنے باغ میں نہ روکے۔

(۱۲) ابن کنانہ کا قول ہے کہ کھجور اور درخت کی سینچائی کرنے میں پانی کعبین تک روکا جائے گا اور کھیتی و پودے کے اندر شراکت تک پانی روکا جائے گا۔ اور جمہور کا حکم ہے کہ پانی کعبین تک روکا جائے گا، اس کے بعد اسفل کی جانب پانی کو چھوڑ دیا جائے۔

(۱۳) علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ کا قول ہے کہ زمین ہر قسم کی ہوتی ہے مثلاً کوئی ہموار زمین ہے، کوئی اونچ نیچ، اتار چڑھاؤ زمین ہوتی ہے، کوئی زمین پانی کو بہت جلد جذب کرلیتی ہے، کوئی زمین پانی کو بہت دیر تک جذب کرتی رہتی ہے، تو ایسی صورت میں ہر کاشت کار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اپنے کھیت کے اندر اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق پانی کو روک کر سینچائی کرلے جو اس کے لئے کافی ہوجائے جیسا کہ حضرت زبیرؓ نے اپنی ضرورت کے مطابق پانی استعمال کیا تھا۔ اسکے بعد پانی کو اسفل کی جانب چھوڑ دیا جائے۔

Marfat.com

(۱۴) قرطبیؒ کا قول اس صورت میں یہ ہے کہ جب جاری پانی ہو تو اول فالاول کا اعتبار کرکے یکے بعد دیگرے سب لوگ اپنے اپنے کھیت کی سینچائی کرلے یہاں تک کہ سب کی ضرورت پوری ہو جائے، اور ایک دوسرے کا باہم اتحاد و اتفاق رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے کو کوئی ضرر و نقصان نہ پہنچے اور یہ شکل اس صورت میں ہے جب کہ اسفل کے ملک کی اصلیت اس کے ساتھ مختص نہ ہو، پس اگر اسفل کی ملکیت ہے تو اب اعلیٰ کو کوئی حق جواز حاصل نہ ہوگا کہ اس کے معمولی پانی سے استفادہ کرے اگرچہ وہ اس کی طرف سے گزر کر آ رہا ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: التوضیح ۱۵/ ۳۴۸ تا ۳۵۱، ابن بطال ۶/ ۵۰۰ تا ۵۰۲، عمدۃ القاری ۹/ ۷۰ تا ۷۱، فتح الباری ۵/ ۴۷ تا ۴۹، المبسوط ۲۳/ ۱۶۱ تا ۱۹۳، ہدایہ ۴/ ۴۶۸ تا ۴۷۶)۔

سرکاری نہر سے ہر شخص کو پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کا حق حاصل ہے، مگر یہاں سے نہر کھود کر اپنے کھیت تک لے جانے کا کسی کو اختیار حاصل نہ ہوگا (عمدۃ القاری ۹/ ۵۲)۔ سرکاری محکمہ انہار کاشتکاروں کی سہولیات کی خاطر کاشتکاری کے موسم میں نہر میں پانی چھوڑتا ہے کھیتوں کی سینچائی کے لئے، حکومت کی طرف سے دن تاریخ متعین ہوتی ہے، ان دنوں میں جس کی باری ہوگی وہی سینچائی کرے گا، اس کے علاوہ کسی دوسرے کو مداخلت کی اجازت نہ ہوگی (ہدایہ ۴/ ۴۶۸)۔

۱۲- احراز و حفظ کی شکل میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے:

قدرت کے خزانوں کو آدمی بعض اوقات اپنی ذاتی جد و جہد اور محنت و مشقت سے حاصل کرکے اس کا مالک ہوتا ہے، مثال کے طور پر اس نے اپنی ضرورت کے لئے اپنی ذاتی زمین میں کنواں کھدوایا، نہر نکالی یا ٹیوب ویل اور نل لگوایا، حوض و ٹینک بنوایا، شرکت مباح والے پانی کو حاصل کرکے اپنے ڈرام و پیپا، ٹب و ندولا، مشک و بالٹی اور کنستر وغیرہ میں بھر کر رکھ لیا۔ ان سب شکلوں میں احراز و حفظ ہے اس لئے وہ اس کا مالک ہوگا، اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (ابن بطال ۶/ ۵۰۴)۔

Marfat.com

(۱) پانی کی ملکیت حدیث کی روشنی میں:

عن سعید بن جبیر قال: قال ابن عباس: قال النبی ﷺ: یرحم اللہ أم إسمٰعیل لو ترکت زمزم أو قال لو لم تغرف من الماء لکان عینا معینا وأقبل جرھم فقالوا: أتأذنین أن ننزل عندک؟ قالت: نعم ولاحق لکم فی الماء قالوا: نعم" (بخاری ۱/ ۳۱۹، کتاب المساقاۃ، باب من رأی أن صاحب الحوض والقربۃ احق بماءہ، مزید دیکھئے: عمدۃ القاری ۹/ ۸۱ تا ۸۲، التوضیح ۱۵/ ۳۵۹؛ فتح الباری ۵/ ۵۳-۵۴، ابن بطال ۶/ ۵۰۴)۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں پر رحم کرے، اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں اس کے گرد منڈیر نہ اٹھاتیں، یا یوں فرمایا: اگر وہ زمزم سے چلو بھر بھر کر نہ لیتیں تو وہ ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا، اور جرہم قبیلہ کے لوگ ان کے پاس آئے، کہنے لگے: تم ہم کو اپنے پاس قیام کرنے کی اجازت دیتی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق اور دعویٰ نہیں ہوگا، انھوں نے کہا: ہاں۔

وقرر النبی ﷺ علی ذلک، قال الخطابی: فیہ أن من أنبط ماء فی فلاۃ من الأرض ملکہ ولایشارکہ فیہ غیرہ إلا برضاہ، إلا أنہ لا یمنع فضلہ إذا استغنی عنہ، وإنما شرطت ھاجر علیھم أن لا یتملکوہ (عمدۃ القاری ۹/ ۸۱، فتح الباری ۵/ ۵۳)۔

(اور نبی اکرم ﷺ نے اسی طریقہ پر اس کو برقرار رکھا، خطابی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ جو شخص کسی وسیع بیابان زمین میں کنواں کھود کر پانی نکالا تو وہ اس کا مالک ہوگا، اور کوئی دوسرا شخص اس میں شریک نہیں ہوسکتا مگر اس کی رضامندی سے، مگر وہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو ضرورت مندوں کو استعمال کرنے سے نہیں روکے گا، اور بے شک حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا نے ان لوگوں سے یہ شرط رکھا کہ وہ لوگ پانی کے مالک نہیں ہوسکتے ہیں)۔

Marfat.com

پانی کے سلسلہ میں ہدایت نبوی ہے کہ واقعی یہ تمام چیزیں صاحب ملک کی ہیں مگر اس کے باوجود اس سے دوسرے حاجت مندوں کو محروم نہ رکھو، اس سے استعمال واستفادہ کا موقع عنایت کرو۔ جس آدمی کے پاس اپنی اور اہل وعیال، کھیتی اور مویشی کی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو زائد پانی ہو اور وہ ضرورت مندوں کو ان کے استعمال کرنے کی اجازت نہ دے اس بات پر سخت وعید آئی ہے، یہ بخاری کی حدیث کا مفہوم ہے (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری ۱/ ۳۱۷، عمدۃ القاری ۹/ ۵۶، المبسوط ۲۳/ ۱۶۹)۔

فقہاء عظام کی آراء کی روشنی میں پانی کے استعمال کے شرعی احکام:

جس آدمی نے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنی ذاتی زمین میں کنواں کھدوایا، یا غیر ملک افتادہ زمین میں اپنی ملک کے لئے کھدوایا تو ان دونوں صورتوں میں کنواں اور پانی پر اس کی ملکیت ثابت ہوگئی، اس میں کسی کو مداخلت کا جواز نہیں؛ کیوں کہ شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ شخص اس کا مالک ہوگیا۔ مگر اس کے باوجود اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو حاجت مندوں کو استعمال واستفادہ کرنے کی اجازت دینی ہوگی، اس سے روکنا شرعاً ممنوع ہے، یہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔ ایک شخص غیر ملک افتادہ زمین میں اپنی ملکیت کے لئے کنواں کھودا، اور دوسرا آدمی غیر ملک افتادہ زمین میں کنواں کھودا فائدہ اٹھانے کے لئے۔ پہلا شخص پانی کا مالک ہوگا؛ کیوں کہ اس نے اپنی ملکیت حاصل کرنے کی نیت سے کنواں کھودا تھا۔ اور دوسرا شخص پانی کا مالک نہیں ہوگا بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ حقدار اس بات کا ہوگا کہ وہ پانی سے استفادہ کرسکتا ہے؛ کیوں کہ اس نے فائدہ اٹھانے کے لئے کھودا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں دونوں آدمیوں کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو زائد پانی ہو حاجت مندوں کے اوپر خرچ کردینا واجب ہوگا، یہ شافعیہ کا مسلک ہے۔

جس شخص کے پاس مملوکہ زمین میں کنواں ہے اس کے اوپر اپنی ضرورت سے زائد پانی

Marfat.com

کوضرورت مندوں پر خرچ کردینا واجب نہیں ہے۔ اور وہ شخص جو کسی برتن میں پانی کو محفوظ کرلیا ہے اس کے اوپر بھی اپنی ضرورت سے زائد پانی کو ضرورت مندوں پر خرچ کردینا واجب نہیں ہے سوائے مضطر کے لئے یعنی اگر کوئی آدمی پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہو تو ایسے مواقع پر ان کو پانی پلانا واجب ہوگا، یہ مالکیہ کا مسلک ہے (فتح الباری ۵/ ۳۹، عمدۃ القاری ۹/ ۵۶ تا ۵۷، توضیح ۱۵/ ۳۲۰ تا ۳۲۱، ابن بطال ۶/ ۴۹۵ تا ۴۹۶)۔

کسی شخص کی مملوکہ زمین میں یا غیر ملک موات والی زمین میں کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر ہو تو دوسرے لوگوں کو پانی پینے یا جانوروں کو پانی پلانے یا وضو، غسل اور کپڑے دھونے کے لئے پانی لینے سے یا گھڑے بھر کر درخت یا کیاری میں ڈالنے سے منع نہیں کرسکتا ہے۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ (المبسوط ۲۳/ ۱۶۱، بدائع الصنائع ۶/ ۱۸۹، ہدایہ ۴/ ۴۶۸ تا ۴۷۱، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۴۵۸ھ)۔

جس شخص کے پڑوسی کے کنویں کا پانی خشک ہوگیا ہو اور اس کے پاس کھیت یا باغ ہے، اب ایسی ناگہانی صورت میں اس کے لئے پانی کی فراہمی مشکل صورت ہوگئی ہے کہ اپنے کھیت یا باغ کی سینچائی کس طرح کرے، اور اس کے پاس کنواں ہے، اپنے کھیت یا باغ کی سینچائی کرلینے کے بعد بھی اس کے اندر زائد پانی موجود ہے تو ایسے مشکل حالات میں اپنے پڑوسی کو اپنی ضرورت سے زائد سے سینچائی کرنے سے نہیں روکے گا (المدونۃ الکبری ۴/ ۴۷۳، التوضیح ۱۵/ ۳۲۱، المنتقی ۶/ ۴۰، ابن بطال ۶/ ۴۹۶)۔

چوپایوں کو پانی پلانے کے شرعی احکام:

ایک وسیع بیابان میں ایک کنواں ہے اور اس کے اردگرد میں گھاس و چارہ سے مالا مال نہایت سرسبز وشاداب میدان ہے اور یہی ایک کنواں ہے، اسی وجہ سے چرواہے اپنے چوپایوں کو وہاں چرنے اور چرانے کے لئے لے جاتے ہیں کہ اس جگہ پر چراگاہ اور کنواں دونوں ہیں، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا کنواں یا جھیل و جوہڑ بھی نہیں ہے اسی کے اوپر چوپایوں اور چرواہوں کا

Marfat.com

دارومدار ہے۔ ایسے حالات میں اہل کنواں پر ضرورت سے زائد پانی سے چوپایوں کو بلانے کے لئے خرچ کرنا لازم وضروری ہوگا اور اسی کے ساتھ ساتھ چرواہوں کو جب پیاس کی حاجت پڑے گی تو ان کو بھی پانی پینے کی اجازت دینی لازم ہوگی (دیکھئے: عمدۃ القاری ۹/ ۵۷ تا ۵۸، فتح الباری ۵/ ۴۰، التوضیح ۱۵/ ۳۲۰ تا ۳۲۱۔ ابن بطال ۶/ ۴۹۵ تا ۴۹۶)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس طرح کے واقعات کے موقع پر اہل کنواں کا اپنی ضرورت سے زائد پانی سے چوپایوں کو پانی پلانے سے روکنا اس کا مجرمانہ فعل اور شرعی نقطۂ نگاہ سے حرام ہے، اور چوپایوں کو پانی پلانا بلاعوض کے اس کے اوپر واجب ہوگا، وجوب کی تین شرطیں ہیں: (۱) اس کے علاوہ کوئی دیگر کنواں وہاں پر نہ ہو کہ اس سے بے نیاز ہوجائے، (۲) واقعی چوپایوں کو پلانے کی ضرورت ہو نہ کہ کھیتی کی سینچائی کے لئے، (۳) خود مالک اس پانی کا محتاج نہ ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: نووی ۲/ ۱۸ تا ۱۹، مکتبہ رشیدیہ دہلی)۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایسے ناگزیر حالات میں چوپایوں کو پانی پلانے سے اہل کنواں کا روکنا درحقیقت چوپایوں کو چرنے، چرانے سے روکنے کے مترادف ہوگا جو سراسر حرام ہے (المنتقی ۶/ ۳۵، المدونۃ الکبری ۳/ ۲۸۹)۔

حضرت امام اوزاعیؒ کا یہی قول ہے (الحاوی الکبیر ۷/ ۵۰۷ تا ۵۰۸) اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے (اعلام الحدیث ۲/ ۱۱۶۴، طرح التثریب ۶/ ۱۸۰)۔

ابن الملقن فرماتے ہیں: "والأصح عندنا أنه يجب بذله للماشية لا للزرع" (التوضیح ۱۵/ ۳۲۰)۔

ایسے مشکل ترین وقت میں ہمارے نزدیک سب سے زیادہ درست طریقہ یہی ہے کہ اہل کنواں پر چوپایوں کو پانی پلانا واجب ہوگا، کھیتی کی سینچائی کے لئے اہل کنواں پر پانی دینا واجب نہ ہوگا۔

Marfat.com

۱۳-اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا شریعت کی روشنی میں:

احراز واذخار کی صورتوں میں جب کوئی شخص پانی کا مالک ہوتا ہے، توان حالتوں میں اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا از روئے شرع جائز ہے۔ اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود کسی چیز کو حلال قرار دیا ہے تو ہمیں کیا اختیار حاصل ہے کہ اس کو حرام قرار دیں۔

پانی کی تجارت قرآن کی روشنی میں:

وأحل الله البيع وحرم الربوا (سورۃ البقرہ:۲۷۵)۔

اور اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو (اس کی توضیح وتشریح کے لئے دیکھا جائے معارف القرآن ۱/ ۶۴۷ تا ۶۸۱)۔

ارشاد باری سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی کی خرید وفروخت جائز وحلال ہے۔ اس میں کوئی قباحت وشناعت نہیں۔

پانی کی تجارت حدیث کی روشنی میں:

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا، جس کا مالک رومۃ الغفاری یہودی تھا، اس کے نام سے منسوب کر کے بئر رومہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کردے اور اس میں اس کا بھی اتنا ہی حصہ ہو جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے تو اسے اس سے بہتر چیز جنت میں ملے گی، حضرت عثمانؓ نے اسے خرید کر وقف فرمادیا (بخاری ۱/ ۳۱۶-۵۲۲، ترمذی ۲/ ۲۱۰)۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی یوں تحریر فرماتے ہیں:

”بئر رومة كانت ليهودي، وكان يقفل عليها بقفل ويغيب فيأتي

Marfat.com

المسلمون لیشربوا منها فلا یجدونه حاضرا فیرجعون بغیر ماء، فشکی المسلمون ذلک، فقال ﷺ: من یشتریها ویمنحها للمسلمین ویکون نصیبه فیها کنصیب أحدهم فله الجنة؟ فاشتراها عثمان، وهی بئر معروفة بمدینة النبی علیه الصلوٰة والسلام، اشتراها عثمان بخمسة وثلاثین ألف درهم فوقفها" (عمدۃ القاری ۹/ ۵۳، ابن بطال ۶/ ۴۹۱ تا ۴۹۲، التوضیح ۱۵/ ۳۰۹ تا ۳۱۰، فتح الباری ۵/ ۴۷۸ تا ۴۷۹، تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۱۵۱، ۱۳۵، اشرفی بک ڈپو دیوبند)۔

بئر رومہ ایک یہودی کا تھا، اور وہ کنواں پر تالا لگادیتا تھا اور غائب ہوجاتا تھا، مسلمان لوگ یہاں آتے تاکہ اس کنویں کا پانی پئیں مگر وہاں پر ان لوگوں نے اس کو موجود نہیں پایا تو پھر وہ لوگ وہاں سے بغیر پانی پئے ہوئے واپس ہوگئے پھر سب مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس بات کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اسے خریدے گا اور مسلمانوں کے لئے اس کو وقف کردے گا اور اس میں اس کا بھی اتنا ہی حصہ ہوگا جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے تو اسے اس سے بہتر چیز جنت میں ملے گی، تو حضرت عثمانؓ نے اس کو خرید لیا، اور وہ کنواں مشہور ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر "مدینۃ منورہ" میں، حضرت عثمانؓ نے اس کو پینتیس ہزار درہم میں خریدا پھر اس کو وقف کردیا۔

پانی کی تجارت فقہاء کی آراء کی روشنی میں:

وفیه: جواز بیع الآبار، وفیه: جواز الوقف علی نفسه ولو وقف علی الفقهاء ثم صار فقیرا جاز اخذه منه (عمدۃ القاری ۹/ ۵۳)۔

بئر رومہ کے وقف کی روشنی میں کنوؤں کے بیچنے کا جواز معلوم ہوا، اور اپنی ذات پر وقف کرنے کا جواز بھی، اور اگر کسی شخص نے محتاجوں پر کوئی چیز وقف کردیا، پھر وہ واقف خود محتاج وقلاش بن گیا تو اس کے لئے اس شخص سے وقف شدہ چیز کو لے لینا جائز ہے۔

Marfat.com

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک پانی کی خرید وفروخت اور تجارت جائز ہے۔ وہ استدلال کرتے ہیں کہ منہی عنہ منع الفضل ہے، ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت ہے، نہ کہ منع الاصل ہے، جو اصل پانی ہے اس کے بیچنے کی ممانعت نہیں ہے (فتح الباری ۵/۴۰)۔

قال: وهو حجة لمالك ومن وافقه أنه لا بأس ببيع الآبار والعيون في الحفر إذا احتفرها لنفسه لا للصدقة، فلا بأس ببيع مائها، وكره بيع ما حفر من الآبار في الصحراء من غير أن يحرمه" (التوضیح ۱۵/۳۱۰، المدونۃ الکبری ۳/۲۸۹)۔

علامہ ابن ملقنؒ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت امام مالکؒ اور جو شخص ان کے ہم نوا ہیں کے لئے حجت ہے کہ ان کنوؤں اور چشموں کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو آبادی کے اندر ہوں اس صورت میں جب کہ اس کو اپنے مفاد کی خاطر کھودا ہو نہ کہ وقف کرنے کے لئے، پھر تو کنواں کے پانی کو فروخت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اوران کنوؤں کے سلسلے میں جس کو جنگلوں کے اندر کھودا ہو اس کے فروخت کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے مگر حرام نہیں قرار دیا ہے"۔

"عن اياس بن عبد المزني قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الماء" (ترمذی ۱/۲۴۰، ابواب التجارۃ، باب ماجاء فی بیع فضل الماء)۔

حضرت ایاس بن عبد المزنیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی کی فروختگی کو منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت امام ترمذیؒ یوں تحریر فرماتے ہیں: والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم أنهم كرهوا بيع الماء وهو قول ابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحق وقد رخص بعض أهل العلم في بيع الماء منهم الحسن البصري" (ترمذی ۱/۲۴۰، ابواب التجارۃ، باب ماجاء فی بیع فضل الماء)۔

اہل علم کے طبقوں کی اکثریت کا عمل اسی کے اوپر ہے کہ وہ لوگ پانی کے فروخت

Marfat.com

کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور اس کے قائل حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، اور حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اور حضرت اسحٰق وغیرہم ہیں۔ اور تحقیق کہ بعض اہل علم نے پانی کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے ایک حضرت حسن بصریؒ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اپنے کنویں کا پانی مملوکہ ہے اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث میں ممانعت مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے۔ مملوکہ زمین کی گھاس اور پانی زمین اور کنویں کے مالک کی ملک ہے، اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ بخاری و مسلم اور ابوداؤد، ترمذی میں گھاس پانی کے فروخت کی جو ممانعت ہے وہ ذاتی مملوکہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا محمل سرکاری جنگل کی گھاس اور چشموں اور نہروں کا پانی ہے، اس کو کوئی شخص فروخت نہیں کرسکتا ہے، دنیا کے تمام جنگلوں کی گھاس اور پانی کا یہی حکم ہے، مگر ذاتی زمین کی گھاس اور ذاتی کنویں کے پانی کا یہ حکم نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: المبسوط ۲۳/ ۱۶۴ تا ۱۶۵، تحفۃ الالمعی ۴/ ۱۹۹ تا ۲۰۱، الحاوی الکبیر ۷/ ۵۰۸ تا ۵۰۹)۔

بعض علماء نے اس کو محمول کیا ہے ماء الفحل (نر جانور کا نطفہ) پر، لیکن اس میں بعد ہے، صحیح بات وہی ہے جو پانی ہم لوگ پیتے ہیں وہ مراد ہے (التوضیح ۱۵/ ۳۲۳)۔

امام حاکمؒ اپنی کتاب المستدرک میں یوں تحریر فرماتے ہیں: "وأن يبيع الرجل أرضه وماءه" (مستدرک حاکم ۲/ ۴۴، التوضیح ۱۵/ ۳۱۸ تا ۳۲۱)۔

اور آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زمین اور اپنے پانی کو فروخت کردے۔

"وقياس الماء على الطعام إذا احتاج إليه" (التوضیح ۱۵/ ۳۲۳)۔

اور پانی کا قیاس کرنا کھانے کے اوپر جب اس کی ضرورت پڑ جائے۔

جب پانی کے فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو کھانے پر قیاس کرکے اس کے فروخت کرنے کی اجازت دی جائے گی، عصر حاضر میں پانی کی خرید وفروخت اور تجارت

Marfat.com

بہت بڑھ گئی ہے اس لئے اب پانی کے فروخت وتجارت کے سلسلے میں کوئی رخنہ اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۴-تالاب کو بھر کر اس پر عمارت بنا کر فروخت کرنے کی حیثیت:

اسلام نے نہر، تالاب، جھیل وجوہڑ اور کنواں وغیرہ کھدوانے کی ترغیب دی ہے۔ دوسری طرف اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی چیز کو بھی جس سے عوام کا مفاد وابستہ ہو اس کو نقصان پہنچایا جائے۔ وہ چیز چاہے عوامی ہو یا سرکاری دونوں کا حکم یکساں ہے۔

صورت مسئولہ فی السوال کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں۔ ان تینوں شکلوں کی شرعی نقطۂ نگاہ سے کیا حیثیت ہوگی سب کی شرعی حیثیت الگ الگ لکھی جارہی ہے تاکہ اس پر شرعی حیثیت کو منطبق کیا جاسکے۔

پہلی شکل زاہد نے اپنی مملوکہ زمین میں اپنے ذاتی مال وروپے صرف کر کے اپنی ذاتی مفاد کی خاطر تالاب کھدوایا اور ضرورت مندوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ اس نے وقف کرنے کی نیت سے نہیں کھدوایا تھا۔ اب اس نے تالاب کو پاٹ کر اپنے لئے رہائشی مکان اور دکان اور مارکیٹ اس پر بنالیا یا بلڈرز کے معرفت فروخت کردیا، اس نے اس کو پاٹ کر مکان تعمیر کر کے فروخت کرنے میں مشغول ہوگئے اور عوام کی زندگی اس کی اس حرکت سے دقت ومشقت میں پڑ گئی کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی کو آبادی میں منتقل کردیا جس کی وجہ سے یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو ایسی صورت میں تالاب میں آبادیاں بسانا شرعی نقطۂ نگاہ سے درست نہیں ہے، لیکن اگر شہروں کے مصارف کے پیش نظر اور اہل وعیال کے اخراجات کے

Marfat.com

لئے اس نے تالاب کو فروخت کیا ہے، جبکہ اس کی ملکیت بھی ہے تو شرعاً اس کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے، حضرت امام مالک کے نزدیک کنوؤں اور چشموں کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے اگر وہ آبادی میں ہوں، اور اگر بیابان وجنگل میں ہوں تو اس کو فروخت کرنے کی ممانعت ہے (التوضیح ۱۵/۳۱۰، المدونۃ الکبری ۳/۲۸۹)۔ حنفیہ کے نزدیک بھی پانی کی خرید وفروخت اور تجارت جائز ہے، اسی طرح مملوکہ کنواں، چشمہ، تالاب، جھیل کو فروخت کرنا بھی جائز ہے (دیکھئے: المبسوط ۲۳/۱۶۱ تا ۲۰۴)۔

دوسری شکل: ساجد نے اپنی ذاتی زمین میں اپنا مال وزر صرف کر کے تالاب کھدوایا، اور اذن عام کر دیا کہ میری زندگی میں اور موت کے بعد بھی ہر شخص کو اس تالاب سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگا، کسی کو کوئی روک ٹوک نہیں کرسکتا ہے کیوں کہ تالاب میں نے رفاہ عام کے لئے کھدوایا ہے، نہ کوئی اس کو فروخت کرسکتا ہے، اور نہ کوئی اس کا وارث ہوگا، اور نہ کسی کو ہبہ کیا جاسکتا ہے مگر اس نے وقف کے سلسلہ میں کوئی کاغذی کارروائی یعنی رجسٹری نہیں کرسکا اور دار فانی سے دار بقا کی جانب ارتحال کر چکا، اب اس کے بعد اس کا وارث ایسی حرکت کرتا ہے تو اس کی اس نازیبا حرکت پر عوام کو چوکس رہنے کی ضرورت ہے، شرعی نقطۂ نگاہ سے اس کو فروخت کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ تعامل وقف ہوگیا، رجسٹری نہیں ہوئی اس کے باوجود وقف ہی مانا جائے گا۔

صاحب ہدایہ یوں تحریر فرماتے ہیں: لأن الحاجة ماسة إلى أن يلزم الوقف منه ليحصل ثوابه إليه على الدوام (ہدایہ ۲/۷ ۶۳)۔

کیوں کہ حاجت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ وقف لازم ہو جائے اس کی جانب سے تا کہ اس کا ثواب واجر ہمیشہ ہمیش کے لئے اس کو پہنچتا رہے۔

یا حکومت نے رفاہ عام کے لئے تالاب کھدوایا تھا تا کہ پوری عوام اس سے فائدہ

Marfat.com

اٹھائے مگر بعد کے لوگوں کی بداحتیاطی اور بدعملی نے اس درجہ پہونچادیا کہ تالاب کو پاٹ کر پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کرنے لگے، آبادیاں بسا کر لوگوں کی زندگی اجیرن کردی۔ عوامی تالاب ہو یا سرکاری تالاب ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے۔ کسی کو بھی یہ حق جواز حاصل نہیں ہے کہ تالاب کو پاٹ کر پلاٹنگ کرکے فروخت کرنے لگے، اس کی یہ حرکت قابل ملامت ہے (دیکھئے: ہدایہ ۲/ ۶۴۳ تا ۶۴۶، کتاب الوقف)۔

تیسری شکل: راشد نے اپنی مملوکہ زمین میں اپنا مال وزر صرف کرکے تالاب کھدوایا اور اس کو باضابطہ رجسٹری کرکے وقف کردیا، اس کے بعد عوام اس سے فائدہ اٹھانے لگے، اس وقت سے لے کر تالاب پاٹتے وقت تک سارے عوام فائدہ اٹھاتے رہے۔ لوگوں کے گروہوں نے تالاب پر دھاوا بول کر اس پر اپنا قبضہ جما کر شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا نقشہ تیار کرکے، تالاب کو معدوم کرکے، پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کررہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جارہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو ایسی صورت میں تالاب میں آبادیاں بسانا کسی بھی حال میں درست وجائز نہیں ہے۔ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو، یا ممانعت نہ ہو دونوں صورتوں کے احکام یکساں ہیں۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے اس قبیح وشنیع فعل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تالاب عوامی وقومی مفاد کے لئے وقف کیا جاتا ہے، عوامی تالاب ہو یا سرکاری تالاب دونوں کا حکم یکساں ہے، تالاب میں آبادیاں بسانا اسلامی نقطۂ نگاہ سے حرام ہے؛ کیوں کہ اس سے قومی مفاد وابستہ ہے۔ جس سے شہری، دیہاتی، انسانی وحیوانی، چرندے، پرندے، درندے سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آبادیاں بسانے سے جو مفاد تھا وہ ختم ہوگیا۔

Marfat.com

۱۵-عوام تک استعمال کے لئے پانی پہنچانے کی ذمہ داری حکومت پر ہے:

صورت مسئولہ فی السوال کے مطابق حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک کھانے کے لئے غلہ واناج، پینے اور وضو وغسل کرنے، کپڑے دھونے کے استعمال کے لئے پانی پہنچائے، پہننے، اوڑھنے، بچھانے کے استعمال کے لئے کپڑے پہنچائے تاکہ عوام کو اپنی زندگی بسر کرنے میں کوئی دقت ومشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے۔شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ رعایا کے آرام وآسائش اور خبرگیری کے سلسلہ میں پورا خیال رکھے، اور اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہے نظام ونسق کو بہترین طریقے سے بحال کرنے کے لئے، تو حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق حاصل ہوگا، جس طرح سے بجلی کا بل اگر کوئی شخص حکومت کے کھاتے میں جمع نہ کرے تو حکومت اس کے کنکشن کو کاٹ دیتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص پانی کا بل نہیں ادا کرے گا تو حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا۔انتظامی امور کے سلسلے میں رعایا پر حاکم کی اطاعت واجب ہے۔خلاف ورزی کرنے پر حکومت باز پرس کرسکتی ہے۔شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اوامر ونواہی کے سلسلے میں رعایا کو باخبر رکھیں تاکہ رعایا حکومت کے قوانین کا پابند رہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۲ / ۴۴۴ تا ۴۵۳، فرید بک ڈپو، دہلی ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

حضرت عمرؓ کا بصرہ کے عوام کے لئے آب رسانی کا انتظام کرنا:

نہر ابی موسیٰ: بصرہ والوں کو آب شیریں کی سخت تکلیف تھی، ایک بار ان کا ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وفد کے ایک ممبر حنیف بن قیس نے نہایت پُر اثر تقریر

Marfat.com

میں حضرت عمرؓ کو اس طرف توجہ دلائی، حضرت عمرؓ نے اسی وقت حضرت ابوموسی اشعریؓ کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ والوں کے لئے ایک نہر کھدوادی جائے، چنانچہ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے اس نہر کو دجلہ سے نکال کر نہر ابلہ سے ملادیا، اخیر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز نے جو حضرت عثمانؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے، اس کی مرمت واصلاح کروادی (فتوح البلدان ر ۳۶۵، بہ حوالہ اسوۂ صحابہ ۲ر۶۹)۔

۱۶-رعایا کا حکومت سے ڈرینج بنانے کا مطالبہ کرنا:

اسلام میں یہ بات ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ معروف کو پھیلائے اور منکر یعنی ناجائز کی روک تھام کرے یا کم از کم ان سے اظہار نفرت کرے۔

یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت جو استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کے لئے ڈرینج کا نظام بناتی ہے وہ امر بالمعروف میں شامل ہے، اس سے پوری آبادی کے لوگ مستفید ہوں گے۔

بہر حال ڈرینج بنانے کی ذمہ داری شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ہوگی اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا، اور یہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اگر استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا کوئی انتظام نہیں کیا جائے گا تو یہ پانی آبادیوں میں پھیل جائے گا اور نالے گڑھے میں محبوس ہوکر رہ جائے گا تو پانی سڑے گا، اس میں مچھر وغیرہ پیدا ہوجائیں گے، طرح طرح کی بیماریاں پھیل جائیں گی اور تعفن کی وجہ سے انسان کی زندگی اجیرن ہوجائے گی، رعایا کی صحت وتندرستی کی کس طرح حفاظت کی جائے یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل - شرعی تناظر میں

مولانا توقیر بدر القاسمی☆

جواب:۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانی کو ان انعام میں شمار کروایا ہے جو انسان کیلئے بنیادی حقیقت کا حامل ہے۔ سورہ فرقان میں ایک جگہ "وھو الذی أرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته وأنزلنا من السماء ماء أ طھورا" (آیت:۴۸) فرمایا ہے، جس کے کئی مقاصد ہیں، ہم نے آسمان سے صاف ستھرا پانی تمہیں پاکی حاصل کرنے کیلئے عطا کیا ہے، چنانچہ اس کے بارے میں لغوی تحقیق کے بعد علامہ قرطبی رقم کرتے ہیں: "فبین أن الماء المنزل من السماء طاھر فی نفسه مطھر لغیره" (قرطبی ج:۷ ص:۳۸) نیز یہ کہ اس پانی سے مری ہوئی زمینوں کو زندہ کر دیں اور بہتیرے جانوروں وانسانوں کو ہم سیراب کر دیں۔

اسی سورہ کی دوسری آیت ہے:

"وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا" (آیت:۵۳)۔ بحرین کی تفسیر ابن عباسؓ اور ابن جبیرؒ نے بحر الماء و بحر السماء سے کی ہے، اس کے بعد آیت ہے: "وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسبا وصھراً" (آیت:۵۴)۔ علامہ قرطبی تحریر کرتے ہیں: (من الماء) إشارة إلی

☆ استاذ شعبہ افتاء المعہد العالی پھلواری شریف، پٹنہ۔

Marfat.com

أصل الخلقة فی أن کل حیّ مخلوق من الماء" (قرطبی: ج:۸ ص:۴۰)، خود اس کی تائید قرآن میں سورہ انبیاء کی آیت "وجعلنا من الماء کل شیٔ حی أفلا یؤمنون" (۳۰) سے ہوتی ہے، جس کی تین طرح سے تفسیر کی گئی ہے، ان میں سے دوسری ہے: "الثانی حفظ حیاۃ کل شیٔ بالماء" (قرطبی ج:۶ ص:۱۸۸)۔ یعنی کہ ہر جاندار چیز کی زندگی کا مدار پانی پر ہے، الغرض قرآن کریم میں عام حالات میں انسان کیلئے خواہ صفائی ستھرائی کا معاملہ ہو یا خود کو، اپنے جانوروں اور زمینوں کو سیراب کرنے کا مسئلہ، ان سب کو بہت ہی واضح انداز میں بتلایا گیا ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پانی نعمت خداوندی وعطیہ الٰہی میں سے ایک اہم عطیہ ہے جس سے ہر جاندار کی سیرابی، کھیتوں اور باغات کی سینچائی اور صفائی و ستھرائی وابستہ ہیں۔ جس کی بناء پر اس کی حفاظت و صیانت ایک لازمی فریضہ ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے: "مایتم به الواجب فهو واجب" (قواعد الفقہ)۔

ان تفصیلات سے پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام جو شرعیتاً وفطرتاً ناگزیر ہیں واضح اور مدلل نظر آتے ہیں۔

چنانچہ فتح الباری (ج: ۵ ص: ۳۷) میں لکھا ہے: "عن أبی هريرة قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبرنی عن کل شیٔ قال: کل شیٔ خلق من الماء، إسناده صحيح" یعنی تمام چیزوں کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے۔

جواب ۲: فضول خرچی کی تعریف:

سب سے پہلے فضول خرچی کی تعریف یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ "اموسوعة الفقهية الكويتية" میں درج ہے: "وأما السرف الذی نهی الله عنه فهو أنفق فی غير طاعة الله قيلا كان أو كثيراً" (الموسوعۃ الفقہیہ: ۱۷۶/۴)۔ یعنی وہ فضول خرچی

Marfat.com

جس سے اللہ نے منع کیا ہے وہ ہر اس صرف ہونے والی شئ کو کہا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ ہو خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

مزید موسوعہ ہی میں علامہ شامی کی تحقیق یوں نقل کی گئی ہے: "الاسراف صرف الشئ فیما ینبغی زائداً علی ما ینبغی" (الموسوعۃ الفقہیہ: ۴/۱۷۷)۔ مناسب مقدار سے زائد خرچ کرنا اسراف ہے۔ یہ واضح رہے کہ بعض علماء نے راہ خیر میں خرچ کرنے کو خواہ کتنی ہی مقدار میں ہو اسراف ماننے سے انکار کیا ہے جبکہ دیگر علمائے کرام اس کو بھی اسراف مانتے ہیں، ان کی دلیل "کلوا واشربوا ولاتسرفوا" (اعراف: ۳۱) اور "وآتوا حقه یوم حصاده ولا تسرفوا" (انعام: ۱۴۲) جیسے آیات ہیں، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے۔

تعریف نقل کرنے کے بعد یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ پانی میں فضول خرچی کا اطلاق درج ذیل صورتوں پر ہوگا:

(الف) وضو میں جب کہ مسنون طریقہ یعنی ہر ہر اعضاء کو تین بار سے زائد دھونا بشرطیکہ تین بار میں کامل وضو ہو چکا ہو (ابن ماجہ ج: ۱ ص: ۴۳، ایڈٹ شدہ: از محمد فواد عبد الباقی)۔

(ب) غسل میں جبکہ تمام بدن کو تین بار سے زائد دھویا جائے۔ کیونکہ یہ نہ مسنون ہے اور نہ ہی حاجت شرعیہ و طاعت ربانی کے تحت ہے۔

(ج) دور جدید کے اندر پانی کی ٹنکی کا بھر جانے کے بعد یوں ہی چھوڑ دینا جس کو "Overflow" کہا جاتا ہے، جس کا فائدہ کچھ نہیں، ہاں نقصانات ہیں۔

(د) کسی بھی جگہ نلوں کو چلا کر پھر اس سے کام لینا جبکہ ٹیوب ویل وغیرہ میں یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی لوٹا یا کسی برتن میں نل سے پانی لے کر کام کرے یا کپڑے کھنگا لے تو درست ہے ورنہ اسراف ہی ہوگا۔ خواہ وضو ہو یا غسل یا کوئی اور کام، اسی طرح جدید دور کے بیت الخلاء وغیرہ میں فلش Flash کو دبا کر چھوڑ دینا یہ بھی اسراف میں شامل ہے، ہاں البتہ ایک بار

Marfat.com

دبا کر صفائی کرے تو درست ہے۔

دیہاتوں میں کھیت یا باغ وغیرہ کو سینچائی کرتے وقت اس قدر پانی بھرنا کہ آڑ (میڈھ) سے بہہ جائے یہ بھی اسراف ہوگا، البتہ اگر کھیت کو ضرورت اس قدر ہو کہ آڑ اونچا کیا جائے اور پانی سے اس کو بھر کر چھوڑ دیا جائے تو اور بات ہے۔

حکم فضول خرچی:

ظاہر ہے کہ "لاتسرفوا" نہی کا صیغہ ہے جس کا کم از کم درجہ ممانعت وکراہت ہے، جب پانی خود کی ملکیت بھی ہو، ورنہ "ماء وقف" مثلاً مدارس ومساجد وغیرہ کے پانی میں "اسراف" حرام ہے (شامی ج:۱ص:۹۵۲)۔

جواب ۳:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ بالکل صریح اور واضح ہیں۔ سب سے پہلے یہاں کتاب اللہ سے ہم اس بحث کو ثابت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثماً مبینا" (احزاب: ۵۸)، یعنی جو لوگ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو بغیر ایسے کام کے جس سے وہ مستحق سزا ہوں ایذا پہونچاتے ہیں تو وہ لوگ صریح بہتان اور گناہ کا اپنے اوپر بار لیتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر میں رقم کیا ہے:

"أذیة المؤمنین والمؤمنات ھی أیضا بالأفعال والأقوال القبیحة کالبھتان والتکذیب الفاحش" (قرطبی ج:۱۳-۱۴ص:۱۵۴)۔

(تکلیف پہنچانا یہ عملاً بھی ہوسکتا ہے اور قولاً بھی مثلاً کسی پر بہتان لگا کر یا جھوٹ گھڑ کے پریشان کیا جائے)۔

Marfat.com

مفتی شفیع عثمانیؒ معارف القرآن میں رقم کرتے ہیں:

مذکورہ آیت میں کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذاء اور دکھ پہونچانے کی حرمت ثابت ہوئی (معارف القرآن ج:۷ ص:۹۲۲)۔

مذکورہ باتوں سے اتنی بات تو بے غبار ہو جاتی ہے کہ کسی بھی شکل میں مسلمانوں کے لئے پریشان کن بننا درست نہیں ہے، بلکہ یہ عمل حرام ہے۔

اب پانی جیسی عظیم نعمت کو لیا جائے اور اس کی آلودگی کو بھی سامنے رکھا جائے، تو یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ پانی جیسے عظیم وسیلہ اور اہم نعمت کو آلودہ کر کے مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ انسانی آبادی کو تباہی کے عمیق غار میں دھکیلنا ہے جس کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی؛ کیونکہ "ولقد کرمنا بنی آدم" (بنی اسرائیل:۷۰) کے حوالہ سے سبھی بنو آدم تکریم وحرمت کے مستحق ہیں۔ لہٰذا کسی کو کسی طرح سے پریشان نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری سورہ "بقرہ" میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وإذا تولّى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد" (بقرہ:۲۰۵)۔

(یعنی جب لوٹ کر جائے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ فساد پھیلائے اس میں اور تباہ کرے کھیتی اور نسل کو، اور اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

تفسیر کی کتاب میں اس آیت کا سبب نزول "اخنس بن شریق" اور اس کے عمل کو بتلایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے مدیون یا قبیلہ ثقیف جس سے چشمک تھی اس کی کھیتی اور چوپایوں کو جلا ڈالا تھا، جس کے نتیجے میں وہ فسادی بن گیا اور نتیجۃً اللہ کے نزدیک مبغوض ٹھہرا۔ (تفسیر مظہری ج:۱ ص:۴۱۰)۔

اور علامہ قرطبی تحریر کرتے ہیں:

Marfat.com

قلت: والآية بعمومها تعم كل فساد كان في أرض أو مال أو دين (قرطبی: ج:۳-۴،ص:۱۴)۔

(یعنی خرابی و بربادی جس طرح کی بھی ہوگی وہ سب اس میں آ جائے گی، خواہ خشکی پر ہو، یا مال میں، یا دین میں، اور ایسا کرنے والا مبغوض ہی ہوگا)۔

ظاہری بات ہے کہ آج پانی کے آلودہ ہونے سے جہاں وہ نا قابل استعمال بنتا جا رہا ہے وہیں آبی جانوروں اور کبھی کبھار انسانوں کیلئے بھی موت کا پیغام بر ثابت ہو رہا ہے، جس کی اجازت قطعاً نہیں ہوگی۔

اور جہاں تک حدیث نبوی کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے صاف صاف الفاظ میں بتلا دیا کہ نالائق اور لعنت گروں سے بچتے رہنا، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں کے راستے اور سایہ دار جگہوں پر بول و براز کرتے ہیں (مسلم شریف ج:۱ ص:۱۳۲) اور ایک جگہ ارشاد ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے (مسلم شریف ج:۱ ص:۱۳۸)۔

امام نوویؒ پہلی حدیث کی تشریح یوں کرتے ہیں:

أما قوله صلى الله عليه وسلم "الذي يتخلى في طريق الناس" فمعناه أن يتغوط في موضع يمرّ به الناس "وما نهى عنه في الظل والطريق" لما فيه من إيذاء المسلمين بتنجيس من يمر به ونتنه واستقذائه. والله أعلم (مسلم شریف ج:۱ ص:۱۳۲)۔

(لوگوں کی گزرگاہ یا سایہ دار جگہ پر بول و براز سے ممانعت ہے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوگی اور گزرنے والے ناپاک ہوں گے اس کی بدبو اور عفونت سب پریشان کن ہوگی۔ لہٰذا یہ عمل ممنوع ہے)۔

Marfat.com

ظاہر سی بات ہے کہ ان صورتوں میں صرف خارجی وشرعی پریشانیاں ہیں تو اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی، اور پانی کے آلودہ ہو جانے پر تو آج جراثیمی ومہلک بیماریوں کے امکانات رہتے ہیں، اس سے تو ممانعت اور باز رہنے کی تلقین از روئے شرع بدرجہ اولیٰ ہوگی، جیسا کہ احادیث کے "دلالۃ النص" کا یہ محور نظر آتا ہے۔

اور دوسری حدیث کی شرح میں علامہ نوویؒ رقم کرتے ہیں:

"قال العلماء ويكره البول والتغوط بقرب الماء وإن لم يصل إليه لعموم نهي النبي ﷺ عن البراز في الموارد ولما فيه من إيذاء المارين بالماء ولما يخاف من وصوله الى الماء" (مسلم شریف ج:۱ص:۱۳۸)۔

(علماء کہتے ہیں: پانی کے قریب بول و براز کرنا مکروہ ہے خواہ گندگی وہاں تک نہ پہنچے، کیونکہ آپ ﷺ نے جو ممانعت کی ہے وہ عام ہے کہ کسی بھی گھاٹ پر بول و براز نہ کیا جائے؛ کیونکہ جہاں گزرنے والوں کو تکلیف ہوگی وہیں امکان ہے کہ پانی تک پہونچ کر اس کو ناپاک اور آلودہ کردے)۔

مذکورہ تفاصیل سے احقر کے نزدیک پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم وجوب کا ہے، اور جہاں تک اخلاقی نوعیت کی بات ہے تو یہ واضح رہے کہ اسلام کے تمام ہی قوانین دینی فرائض ودنیوی تمدن واخلاق کو جامع ہیں۔ چنانچہ امام اعظمؒ نے فقہ کی تعریف کی ہے: "الفقه معرفة النفس مالها وما عليها" کہ فقہ نام ہے انسانوں کے حقوق وفرائض کو اس طرح جاننے کا جس سے دنیوی واخروی نفع ونقصان دونوں پیش نظر رہے۔ (دیکھئے: "فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل" ازمولانا مجیب اللہ ندوی)۔

جواب ۴:

آج کل گندے وآلودہ پانی کو ذخیرہ کرکے کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال جو بنایا جاتا

Marfat.com

ہے وہ کیمیاوی عمل کے بعد اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی بدبو وآلودگی دور ہو جاتی ہے۔ آیا یہ پاک وقابل استعمال سمجھا جائے یا نہیں؟ یہ ایک اہم اور سنجیدہ سوال ہے۔ اس سلسلہ میں چند بنیادی باتیں یہاں پر ضروری ہیں:

(الف) پانی کے اوصاف اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ (ب) کیا فقہاء پانی کے اوصاف رنگ، بو اور مزہ کے بدلنے پر جس طرح اس کو ناپاک اور ناقابل استعمال قرار دیتے ہیں۔ دوبارہ اس میں ان اوصاف کے واپس ہونے سے اس کو پاک وقابل عمل ان کے یہاں سمجھا جاتا ہے؟ (ج) پانی کو کیمیاوی عمل سے صاف کرنے کا کیا طریقہ کار ہے اور اس سلسلہ میں ماہرین کی کیا آراء ہیں؟

اولاً ہم یہاں پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف سے بحث کریں گے۔ "الماء جسم لطیف سیال به حیاة کل نام" پانی درحقیقت ایک رقیق سیال مادہ ہے جو ہر ذی روح اور بڑھنے والے جسم کیلئے اس کو زندہ رکھنے اور بڑھوتری میں موثر ہے (دیکھئے: حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار: ۲۰۲)۔ جہاں تک اوصاف کی بات ہے تو وہ رنگ، مزہ اور بو کا نام ہے۔ إن الماء لا ینجسه شئ إلا ما غلبه علی ریحه وطعمه ولونه (ابن ماجہ ج ۱ ص: ۱۷۴)۔

ثانیاً: کیمیاوی طریقہ سے آلودہ ونجس پانی کو جو صاف وستھرا کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں ہم مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے دسویں اجلاس منعقدہ ۱۳ر تا ۱۹ر رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹ر تا ۲۶ر فروری ۱۹۸۹ء کے پانچویں فیصلے کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں:

"کیمیاوی طریقہ سے آلودہ کی صفائی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ اس صفائی میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ "ترسیب"، یعنی پانی اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹر یاز کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے

Marfat.com

ذریعہ بیکٹریاز دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا۔ ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے۔ یہ ماہرین مسلمان عادل اور صدق وامانت میں قابل اعتماد ہیں“۔

لہٰذا المجمع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اس جیسے عمل کے ذریعہ صاف کردیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا (دیکھئے: المجمع الفقہی الاسلامی کے فیصلے: ۲۲۹)۔

ثالثاً: اب یہ بات رہ گئی کہ کیا اس طرح سے صفائی جس میں رنگ ومزہ اور بو سبھی میں تبدیلی آجائے اور اس میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ کیا یہ شرعاً اس لائق واقعی ہوگی کہ اس کو پاک اور بعد ازالہ حدث ونجس کے معتبر سمجھا جائے؟

اس سلسلہ میں احقر کے نزدیک وہ حدیث ہے جو ابوداؤد وترمذی میں منقول ہے، ابوداؤد میں ہے:

”نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجلالة أن يركب عليها أو يشرب من ألبانها“ (ابوداؤد شریف ج:۲ ص:۵۳۱)۔

(آپ ﷺ نے نجاست خور جانوروں کے دودھ اور گوشت کے استعمال اور اس پر سواری کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

اور مشکوٰۃ مع مرقات میں ہے: ”نهى رسول الله عن أكل الجلالة وألبانها“ (رواہ الترمذی)، اس کی شرح میں ملا علی قاری نے اور ابوداؤد کے حاشیہ پر محشی نے جو رقم کیا ہے اس کو نقل کیا جاتا ہے:

فاختلفوا في أكلها فذهب قوم إلى أنه لا يحل أكلها إلا أن تحبس أياما وتعلف من غيرها حتى يطيب لحمها، وهو قول الشافعي واحمد وابى حنيفة

Marfat.com

وكان الحسن لا يرى بأسا بأكل لحوم الجلالة وهو قول مالك وقال اسحق لابأس بأكلها بعد أن يغسل غسلا جيدا (رواہ الترمذی، مرقاۃ المفاتیح ج:۸-۸ص:۱۴۰)۔

(جلالہ (نجاست خور جانوروں) کے کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کچھ حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ جلالہ کا کھانا جبھی درست ہوسکتا ہے کہ اس کو چند روز تک روک کر کے چارہ وغیرہ کھلایا جائے تا کہ گوشت صاف ستھرا ہو جائے، اور یہی حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام حسن تو مطلق اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں، یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ تاہم امام اسحاق کا یہ کہنا ہے کہ بعد ذبح کے گوشت کو خوب اچھی طرح سے دھولیا جائے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں)۔

الحاصل مذکورہ تقریر سے اتنی بات تو صاف ہوجاتی ہے کہ جب جانور کو کچھ دنوں تک روک کر رکھا جائے اور اس کے گوشت سے بدبو ختم ہوجائے تو اس سے حدیث میں آنے والی ممانعت ختم ہوجاتی ہے۔

اس لئے احقر کی رائے یہی ہے کہ جب جمانے کے ساتھ چھاننے اور پھر چھان کر کے اس کے بیکٹر یاز کو ماردیا جائے پھر مزید کیمیکل اور کلورین کے ذریعہ آئندہ کسی بیکٹر یا کا سدباب کردیا جائے تو اس کو پاک وصاف سمجھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۵:

پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟ اس سلسلہ میں ایک فقہی ضابطہ ہے: "تصرف الامام على الرعاية منوط بالمصلحة" (الاشباہ ص:۳۳۱۔ بیروت) کہ حکومت وقت اسی وقت مداخلت کرسکتی ہے عوامی کاموں میں جب کہ اس

Marfat.com

سے عام لوگوں کو فائدہ ہو۔ اور غالباً یہ ضابطہ حدیث "من سبق إلى ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له" (ابوداؤد مع بذل المجہود ۴؍ ۱۶۸)۔ اور دوسری حدیث "من أحيىٰ أرضا ميتة فهي له" (ابوداؤد مع بذل المجہود ج ۴ ص: ۱۶۱) کی شرح سے مستنبط کیا گیا ہے، چنانچہ اس کی شرح صاحب بذل المجہود نے اس طرح کی ہے: "أي صارت تلك الأرض مملوكة له لكن إذن الإمام شرط له عند أبي حنيفة ...... قال القاري وفيه أن قوله صلى الله عليه وسلم ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه يدل على اشتراط الإذن" (بذل المجہود ج: ۴ ص: ۱۶۹)
یعنی پانی پر اگر کوئی مسلمان پہلے قبضہ کرلے تو اس کا ہے، اسی طرح اگر ویران زمین کوئی آباد کرلے تو اسی کی ہوگی، تاہم یہاں امام کی اجازت شرط ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ملا علی قاری نے بھی لکھا ہے کہ لوگوں کے لئے وہی بہتر ہوتا ہے جو اس کا امام چاہے، یہ حدیث خود دلیل ہے اس بات کی کہ امام کی اجازت شرط ہوگی؛ کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں عام لوگوں کا فائدہ ہو مگر کوئی ایک چالاکی سے قبضہ کرلے اس لئے امام غور وفکر کر کے کسی کو دے گا، اس لئے یہاں بھی اگر پانی جیسے اہم ذریعہ حیات اور موجودہ دور کی نزاکت کو دیکھا جائے تو حکومت کو اس کی پابندی لگانے کی اجازت ہونی چاہئے اور شرعاً اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ واقعی یہ صورتیں صرف حکومت وقت سے ہی عمل میں آسکتی ہوں اور ایسا کرنا ناگزیر ہوں، ورنہ عام حالات میں لوگوں کی ملکیت پر تصرف کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

جواب ۶:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ کس کی ملکیت ہے اس سلسلہ میں بورنگ کرانے پر حکومت پابندی لگاتی ہے۔ تو حکومت کی طرف سے پابندی لگانا اور شرعاً اس کے

Marfat.com

مطابق عمل کرنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں بنیادی بات جو یہاں ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ آیا پانی انسان کی انفرادی ملکیت میں کب آتا ہے یا پھر عام لوگوں کے لئے کب رہتا ہے۔ اگر قرآن کریم کی آیت پر غور کیا جائے تو "وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منه لحما طریا وتستخرجوا منه حلیة تلبسونها" (سورہ نحل آیت: ۱۴)۔ سے "عبارت النص" میں جہاں دریاؤں کو انسان کے تابع کر کے اس مچھلی کو کھانے اور مونگے موتی کو نکال کر زیور کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت سمجھ میں آتی ہے وہیں "اشارۃ النص" کے طور پر اس کے پانی کا بھی ہر انسان کے تابع اور ملکیت میں آنا سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن عام انسان کی ملکیت کب ہوگی اور حکومت وقت کی کب؟ اس کی تفصیل ہمیں احادیث میں ملے گی؛ چنانچہ ابوداؤد میں ہے: "تین چیزیں ایسی ہیں کہ اس طرف کوئی مسلمان سبقت کر جائے یعنی بڑھ کر پہلے اپنے قبضہ میں لے لے تو اس کی ہے، ورنہ پھر وہ حکومت وقت کی طرف سے جس کو مل جائے اس کی ہوگی؛ کیونکہ قبضہ سے قبل عام انسانوں کا حق ہے جس میں حکومت کے حوالہ سے سبھی لوگ فائدہ اٹھائیں گے یا کسی وجہ سے کسی ایک کو دیدے تو صحیح ہوگا۔ یا حکومت وقت عام مصلحت کے پیش نظر اگر چاہے تو اس کے استعمال پر پابندی لگا دے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: "المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار" (ابوداؤد مع البذل ۴/۱۶۸)۔ علامہ طیبی نقل کرتے ہیں:

"والمراد بالماء المیاہ التی لم تحدث باستنباط أحد وسعیه کماء القنی والآبار ولم یحرز فی إناء أو برک أو جدول ماخوذ من النهر، وبالکلاء ماینبت فی الموات" (شرح الطیبی ج:۶ ص:۱۷۰)۔

(جن پانی میں تمام کو شریک ٹھہرایا گیا ہے وہ ہے جس میں کسی کے عمل اور کدوکاوش کا کوئی دخل نہ ہو، ساتھ ساتھ اس کو کسی طرح سے قبضہ میں نہ لیا گیا ہو، تو ظاہر ہے کہ اس میں سب

Marfat.com

شریک ہوں گے، اب زیر زمین جو پانی ہے وہ نہ تو ابھی وجود میں سامنے ہے اور نہ ہی کسی نے عمل وغیرہ سے قبضہ میں لیا ہے)۔

اس لئے احقر کے خیال میں اس میں سب کے لئے خیر مانتے ہوئے اگر قلت کے پیش نظر سرکار بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہے تو شرعاً یہ درست ہے؛ کیونکہ وہ پانی ابھی زیر زمین مملوک ہے، جو کسی کے قبضہ میں نہیں آسکا ہے۔

جواب ۷:

بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں جو باتیں اہم اور ضرورت کے لائق ہیں، وہ یہ ہیں: (الف) پانی کے ذخائر کی حفاظت جو بہر صورت لازم اور ضروری ہے۔ (ب) اس کی ذمہ داری کو ذمہ دار شہریوں پر حکومت وقت کی طرف سے عائد کرنا، اس حکومت کا اس طرح حکم دینا کہ ہر شہری اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کیلئے مخصوص کردے۔ ان سب کی شرعی حیثیت پر غور کیا جائے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ پانی کے ذخائر کی حفاظت شرعاً لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے جب اسراف فی الوضوء سے منع کیا تو کسی صحابی نے دریافت کیا: اگر دریا کے کنارے وضو کریں تب بھی اسراف ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس سلسلہ میں باضابطہ روایت موجود ہے (رواہ ابن ماجہ ج:۱ ص:۱۴۸)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے تین تین بار سے زائد اعضاء کو دھونے پر تنبیہ فرماتے ہوئے کہا: "فمن زاد علی هذا فقد أساء وتعدى وظلم" (ابن ماجہ ج:۱ ص:۳۴) کہ تین بار سے زائد دھونے والا گنہگار اور ظالم ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پانی کی حفاظت، ضرورت کے مطابق استعمال کے بعد بچائے رکھنا یا اس کی تدبیر کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری ہے۔

Marfat.com

جہاں تک حکومت وقت کا شہریوں کو پانی کی حفاظت پر مامور کرنا اور اس کے لئے گھر کا ایک حصہ خاص کروانا جہاں ضروری ہو اور اس کا فائدہ عوام کو ہی لوٹ کر ملتا ہو تو احقر کے نزدیک شرعاً یہ پہلو بھی درست ہی نہیں بلکہ واجب کے درجہ میں ہے، یہی ''الأشباہ'' کا قاعدہ ہے: ''تصرف الامام علی الرعیة منوط بمصلحة الرعایة'' (ص:۱۲۳) کہ یقیناً ذاتی گھر، مکان حکومت کی ملکیت نہیں بلکہ رعایا کی ہوتی ہے مگر اس پر تصرف امام اس وقت تک کرسکتا ہے جب تک اس سے عام رعایا کے مفاد وابستہ ہوں۔ ہاں البتہ علامہ ابن نجیم مصری نے تنبیہ کا عنوان قائم کر کے اس کا ایک معیار مقرر کیا ہے۔ وہ رقم کرتے ہیں:

''إذا کان فعل الإمام مبنیا علی المصلحة فیما یتعلق بالأمور العامة لم ینفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه فإن خالفه لم ینفذ'' (الأشباہ ص:۱۲۴)۔

(امام کا حکم شرعاً امور عامہ میں جب ہی نافذ ہوگا جبکہ وہ واقعی مصلحت اور شریعت کے مطابق ہو)۔

چنانچہ یہاں شریعت و مصلحت کے عین موافق ہونے کی بنیاد پر ہم اس کو شرعاً بھی درست کہیں گے۔

جواب ۸:

بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں منتقل کرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ تحقیق کرنا ہے کہ ڈیم کی تعمیر آبی ذخیرہ اندوزی کیلئے شرعاً درست ہے یا نہیں؟ تو قرآن کریم میں قوم سبا کی حالت بتلاتی ہے کہ ان کے یہاں شاندار ڈیم تھا، یہ احسان خداوندی ہی کے قبیل سے تھا۔ مگر اس قوم کے احکام خداوندی سے اعراض نے اس کو عذاب کی شکل میں بدل دیا۔ ''فأعرضوا فأرسلنا علیهم سیل

Marfat.com

العرم" (سورہ سبا ۱۶)۔اور جہاں تک ڈیم کیلئے کسی کو منتقل کرنا پڑے اور یہ حکومت کے پیش نظر اتنا ہی ضروری اور عوامی مصلحت کے لئے لازم ہو تو گذشتہ قاعدہ "تصرف الامام منوط بالمحصلة" کے پیش نظر ایسا کرنا درست ہوگا۔ اور جہاں تک معاوضہ دینے کی بات ہے تو احادیث میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص ۵۵۳ پر باب ہجرۃ النبی کے تحت امام بخاری نے جو واقعہ نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور نماز کے لئے مسجد بنوانا چاہا تو آپ ﷺ نے سہل اور سہیل نامی بچوں کی زمین خرید کر عمارت کھڑی کرنا چاہی تو بچوں نے ہبہ کی پیش کش کی، آپ ﷺ نے انکار فرمایا، باضابطہ اس کو خریدا اور اس زمین کا معاوضہ دیا، اس کے الفاظ یہ ہیں: "حتی ابتاعه منهما ثم بناه مسجدا" (بخاری شریف ج:۱ص:۵۵۵)۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار کو معاوضہ دینا چاہئے تب ہی نقل مکانی کرا سکتی ہے۔ ہاں نقل مکانی میں زمین کا متبادل زمین ہی نہیں بلکہ مکان جو چھوڑنا پڑتا ہے اس کا معاوضہ بھی ضرور ادا کرے۔ جیسا کہ اصول ہے "الغرم بالغنم اور الخراج بالضمان" (قواعد الفقہ: ۸۰-۹۴)۔واللہ واعلم۔

جواب ۹:

سب سے پہلے تو بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تباہ کن سیلاب کا آنا یہ ایک عذاب خداوندی ہے، اس کے بعد غور کرنا یہ ہے کہ کیا اگر کوئی بستی والے عذاب سے دوچار ہوں تو ان کو یہ عذاب دوسری بستی تک پہنچانا درست ہوگا؟ اس سلسلہ میں احقر کی نظر اس روایت پر جا کر ٹھہرتی ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں طاعون وہ عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لوگوں پر مسلط کیا تھا، یا اس سے پہلے والوں پر؛ چنانچہ جب تم کسی علاقہ کے متعلق اس بیماری کے ہونے کے بارے میں سنو تو وہاں جانا مت اور ایسی

Marfat.com

سرزمین جہاں تم رہو اور یہ وہاں پھوٹ پڑے تو تم وہاں سے راہ فرار اختیار کر کے ٹلنا مت۔ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو نقل کر کے متفق علیہ قرار دیا ہے۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے:

"وقال القاضی فی الحدیث: النهی عن "استقبال البلاء" فإنه تهود وعن "الفرار" فإنه فرار من القدر ولاینفعه. قال الخطابی أحد الأمرین تأدیب وتعلیم والآخر تفویض وتسلیم" (مرقاۃ المفاتیح ج:۳-۴ ص:۲۶۰)۔

(قاضی بیضاوی نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ کہیں جا کر مصیبتوں کے سر لینے سے منع اس لئے کہا ہے کہ یہ ایک قسم کی سینہ زوری ہے اور کہیں بیاری ہو وہاں سے بھاگنے سے منع اس لئے کیا ہے کہ یہ تو مقدر ہے جس کو جھیلنا ہی ہے، بھاگنے سے کیا فائدہ، اور امام خطابی نے فرمایا کہ پہلے کا تعلق ادب سکھلانے اور تعلیم دینے سے ہے اور دوسرے کا تعلق خود کو حالات کے حوالہ خدا کے بھروسے پر چھوڑ دینے سے ہے؛ چنانچہ اس کو توبہ واستغفار سے دور کرے، کسی کے لئے مصیبت نہ بنے اور نہ بنائے)۔

یہی احقر کی رائے ہے۔

اب سیلاب کو لیجئے، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک عذاب خداوندی ہی ہے جس سے بھاگ تو نہیں رہے ہیں البتہ اس کو دوسری طرف دھکیل رہے ہیں جو یقیناً مقدر کو ٹلانے کے ہی مترادف ہے اور یہ بے سود ہے۔ اس لئے اس حدیث کی روشنی میں پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کاٹ دینا درست نہیں ہوگا۔ دوسری طرف جب اصول فقہ پر نگاہ کرتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات" (لأشباہ ص:۱۴۰) کہ بوقت ضرورت ممنوع بھی مباح ہو جاتی ہیں۔ مگر گہری نگاہ رکھنے والے بزرگوں نے باضابطہ اس کو ایک قید کے ساتھ مقید کر کے اس پر مسئلہ بھی متفرع کر کے دکھایا ہے، اور اشباہ میں ہی ہے: "**وزاد الشافعیة علی**

Marfat.com

هذه القاعدة بشرط عدم نقصانها" (الاشباہ ص: ۱۴۰)۔ یعنی اس قاعدہ میں یہ اضافہ شوافع حضرات نے کیا ہے کہ کسی نقصان کا سبب نہ بنے۔ اس کی شرح علامہ حموی نے یہ کیا ہے: "أی الضرورات فی نظر الشارع عن ذلک المحظور الذی اقتضت إباحتها" (حاشیۃ الأشباہ ص: ۱۴۰)۔ چنانچہ فقہاء نے کیا لکھا ہے اس کی روشنی میں؟ صاحب اشباہ نقل کرتے ہیں کہ:

"قالوا لو أكره على قتل غيره بقتل لايرخص له فإن قتله أثم لأن مفسدة قتل نفسه أخف من مفسدة قتل غيره" (الأشباہ ص: دری ۱۴۰)۔

(فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو دوسرے کی جان لینے کے لئے یہ دھمکی دیکر مجبور کیا گیا کہ تم نے فلاں کو نہیں مارا تو تم کو ماردیں گے تو مکرہ کو دوسرے کی جان لینے کی اجازت اپنی جان بچانے کے لئے نہیں ملے گی؛ کیونکہ اس مکرہ کا مارا جانا یہ کم خرابی پر مشتمل ہے بمقابلہ اس دوسرے کے مارے جانے پر؛ کیونکہ دوسرے کو مارنا یہ مستقل گناہ ہے)۔

خلاصہ بند توڑنے میں دوسرے کو ہلاک کرنا ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی (الأشباہ ایضا)۔

اس لئے احقر کی رائے میں بہتر یہی ہے کہ سیلاب جہاں آتا ہے وہاں کے لوگ برداشت کریں۔ توبہ واستغفار اور دیگر دنیاوی تدابیر ایسی کریں جس سے دوسرے کو نقصان نہ پہونچے، بالخصوص کسی کی جان پر نہ بنے، اگر وہیں رہتے ہوئے مرگئے تو "الغرق شهيد" (مسلم شریف ج:۲ ص:۱۴۲) کا مژدہ جانفزا تو ہے ہی۔

جواب ۱۰:

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد واشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟ اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز مشترکہ طور پر سب کے لئے ہوتی

Marfat.com

ہے وہ کسی کی نجی ملکیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اس کو اپنے قبضہ میں نہ کرلے۔ خواہ حاکم وقت کی اجازت سے ہو یا عرف میں بحکم نبیؐ وہ مباح الاصل ہو جس کی اجازت سب کو ہوتی ہے، کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی جیسا کہ احیاء موات اور گھاس و پانی کے سلسلہ میں فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے (دیکھئے معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام ص:۷)۔

صاحب الدر المختار نے نقل کیا ہے:

"(وبیع) ...... (المراعی) أی الکلأ (واجارتها) أما بطلان بیعها فلعدم الملک لحدیث "الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار"۔

اس کی شرح میں علامہ شامی رقم کرتے ہیں:

"أخرجه الطبرانی بلفظ "المسلمون شرکاء فی ثلاث الخ وکذا أخرجه ابن ماجه وفی آخره "وثمنه حرام" ای ثمن کل واحد منها، وأخرجه أبو داؤد وأحمد ابن أبی شیبة وابن عدیؒ، قال الحافظ بن حجر: ورجاله ثقات" (شامی ج:۷ ص:۲۷۵)۔

اور ارض موات کے سلسلہ میں علامہ شامی تحریر کرتے ہیں:

"ومشروعیته بقوله علیه السلام "من أحیا أرضا میتة فهی له" (شامی ج:۱۰ ص:۵)۔

جہاں تک دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد و اشخاص کے استفادہ کرنے کی بات ہے تو صاف واضح ہے کہ انسانی ضرورت خواہ انسان کے پینے، نہانے، وضو بنانے کی شکل میں ہو یا پھر کپڑوں یا دیگر اشیاء کی دھلائی یا سینچائی یا تعمیراتی کام کی شکل میں ہو اس کو ان مصرفوں میں اسراف سے اور دیگر لوگوں کے حقوق کو غصب کرنے سے بچتے ہوئے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی؛ کیونکہ فالتو خرچ کرنے والوں کو قرآن نے شیطان کے چیلے

Marfat.com

قرار دیا ہے: إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين (بنی اسرائیل آیت: ۲۷)۔ حتی کہ وضو جو عبادت مقصودہ کا اہم وسیلہ ہے اس میں بھی پانی کے فضول خرچی سے حضور نے منع فرمایا؛ حالانکہ استفسار کے طور پر جب صحابہ نے سوال کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دریا کے کنارہ پر وضو کریں تب بھی اسراف ہوگا۔

روایت سند اگرچہ کمزور ہے تاہم اس مفہوم کی دوسری روایت بھی موجود ہے، البتہ جہاں تک استعمال کرنے کی اجازت اور اس کی دلیل کا سوال ہے تو یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ پانی خواہ جہاں بھی ہو کسی کے برتن یا ٹنکی میں مقبوض و مأخوذ نہ ہو اس کے استعمال کرنے میں سبھی لوگ برابر کے حصہ دار ہیں؛ حتیٰ کہ فقہاء نے تو صاحب کنواں کو بھی جب تک کہ وہ برتن میں پانی نہ لے لے مطلق کنواں کے پانی کو کنواں کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے مملوک نہیں مانا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رقم کرتے ہیں:

"قال الرملي: ان صاحب البئر لايملك الماء ...... وهذا مادام في البئر أما إذا أخرجه منها بالاحتيال كما في السواني فلاشك في ملكه له لحيازته له في الكيرات ثم صب في البرك بعد حيازته" (شامی ج۸، ص: ۲۵۸)۔

جواب ۱۱:

اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضرورت کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟

اس طرح کے سوالات کے جوابات میں وہ حدیث راہ نمائی کا کام کرتی ہے جس میں آپ ﷺ نے وضو کرنے والے کو صرف اتنا ہی پانی استعمال کرنے دیا جتنے کی ضرورت تھی، کم وبیش کی شکل میں ظالم قرار دیا (ابوداؤد، ج:۱ ص۱۸، نسائی: ج۱ ص:۱۸)۔ جس کو فقہاء کرام مسنون یعنی

Marfat.com

تین بار دھونے سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے زائد کو اسراف گردانتے ہیں؛ چنانچہ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے تمام لوگوں کو جو مشترکہ نہر سے کھیت وغیرہ سیراب کرتے ہیں اس بات کا مکلف بنایا جائے کہ وہ صرف اتنا ہی پانی استعمال کریں جو ان کے کھیت کے لئے ضروری ہے؛ تاکہ دوسروں کا حق متاثر نہ ہو اور ساتھ ساتھ اسراف جیسی برائی سے بچ سکے۔

جواب ۱۲:

کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

مذکورہ سوال کا جواب فقہاء کرام نے بہت ہی واضح انداز میں دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کوئی انسان پانی کو اس کے مستقر مثلاً کنواں، ندی، یا دیگر ذرائع سے پانی کو نکال کر اپنے ظرف خواہ ڈول ہو، ٹنکی ہو، یا کوئی برتن وغیرہ میں نہ لے لے اس وقت تک اس کا مالک نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ علامہ شامی رقم کرتے ہیں:

”اما إذا أخرجه بالإحتيال كما في السوانى فلاشک فی ملکه له لحيازته لهٗ في الكيرات ثم صبه في البوک بعد حيازته تأمل“ (ردالمحتار علی الدر، ج:۷ ص:۲۵۸)۔

(جب کوئی شخص پانی کو کسی ذریعہ سے مثلاً پانی ڈھونے والے ڈول میں پانی کو لے لے تو وہ اس کو اپنے برتن میں لے لینے کی بنا پر مالک ہوگا خواہ پھر وہ اپنے قبضہ میں کرکے اس کو حوض میں رکھ لے)۔

دراصل اس سلسلہ میں بنیاد ابوداؤد کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے مفاد عامہ کی ضروری اشیاء کو قبضہ میں لینے کی کیفیت بتلائی ہے۔ چنانچہ عقیلہ بنت سمر بن مفرس اپنے والد سمر بن مفرس سے روایت کرتی ہیں:

Marfat.com

"قال أتيت النبي ﷺ فبايعته فقال: من سبق إلى ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له قال فخرج الناس يتعادون يخاطون" (ابوداؤد ج:۱ ص:۴۳۷)۔

(سمر بن مفرس روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت اسلام کی تو آپ ﷺ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص کسی پانی پر اپنے مسلمان بھائی کے قبضہ سے پہلے قبضہ کرلے تو وہ اسی کا ہے؛ چنانچہ اس فرمان کو سن کر لوگوں نے وہاں سے اٹھ کر جلدی جلدی جہاں جہاں پہلے پہنچے ان مقامات پر نشان لگانے لگے)۔

مذکورہ روایت سے صاف واضح ہے کہ جن کو جہاں جہاں چشمے یا تالاب نظر آئے ان کو اپنی ملکیت میں لینے کی جو شکل اس وقت ہوسکتی تھی اس کو اپنایا گیا۔

الحاصل: جب بھی کوئی شخص پانی کو خواہ سمندر سے یا کنواں سے یا عوامی ٹنکی سے اپنے برتن میں موٹر کے ذریعہ یا دیگر ذرائع سے حاصل کرلے وہ اس کی ملکیت متصور ہوگی؛ خواہ اس کی مقدار کچھ بھی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۱۳:

اولاً اصولی طور پر ہمیں تجارت بالفاظ دیگر بیع وشراء کی تعریف پر غور کرنا چاہئے، فقہاء نے اس کی تعریف کی ہے: "مبادلة المال بالمال" یا "مقابلة شيء بشيء مالا أولا" (الدر علی الرد، ج:۷، ص:۱۰) کہ ایک مال کا دوسرے مال سے پھیر بدل کرنا یہ تجارت ہے، اور مال کی تعریف علامہ شامی نے "ما يميل إليه الطبع" سے کی ہے (ردالمحتار علی الدر، ج:۷ ص:۱۰) مال جو کہ طبعاً مرغوب ہو یا اس کی طرف طبیعت کا رجحان ہو۔ اب ظاہر ہے کہ پانی بھی انسانی طبائع کے میلانات ومرغوبات میں سے ہی ہے۔ نیز اس کی اجازت تو قرآن کریم نے مطلقاً بھی دیا ہے۔

"يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون

Marfat.com

تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما" (سورۃ نساء آیت:۲۹)۔

(اے ایمان والو! تمہارے درمیان آپسی رضامندی سے جو تجارت ہوتی ہے اسی کو کمائی سمجھو اس کے علاوہ ناجائز طریقے سے آپس میں کسی کا مال مت ہڑپو الخ)۔

الحاصل: جب انسان پانی کو اپنی ملکیت میں لے لے تو وہ اس کے دیگر اشیاء مملوکہ کی طرح ہوگا، نیز بتصریح فقہاء یہ جب آپسی رضامندی سے ہو اور آپس کی رغبت ورجحان بھی ہو تو بظاہر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک اس کی تجارت درست ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۱۴:

اصولی طور پر قرآن کریم (سورہ روم آیت:۴۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون"۔

(روئے زمین پر یا سمندر میں جو بھی خلل و بگاڑ آتا ہے وہ انسانی کرتوت کا ہی نتیجہ ہوتا ہے)۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے أيدي الناس کی دو تاویلیں کی ہیں، اولاً مجاز مانا ہے اور ثانی کو حقیقت، تاویل ثانی یہ ہے: انه ظهرت المعاصي من قطع السبيل والظلم (قرطبی ج:۱۲-۱۳ ص:۲۸)۔ یعنی ظلم وڈکیتی کی بناء پر جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ظاہر ہے ظلم وڈکیتی یہ انسانی عمل ہی ہیں۔

جہاں تک تالاب کو کاٹ کاٹ کر پلاٹنگ کر کے پانی کے بحران جیسے مسائل پیدا کرنے کا سوال ہے وہ بھی میرے نزدیک اسی کے تحت آتے ہیں؛ کیونکہ چند لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے

Marfat.com

تاہم پوری آبادی پانی جیسے ضروری و بنیادی عنصر حیات سے محروم ہو جاتی ہے اور ایسے مسائل کے سلسلہ میں ضابطہ ہے: **لیتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام** (الأشباہ ص ۸۷ مطبوعہ دار الکتب بیروت)۔ چنانچہ جہاں عام انسانوں کو پانی کے بحران جیسے سنگین مسائل کا سامنا ہے اس کے پیش نظر چند خاص بلڈروں یا سرمایہ داروں کے سرمایہ کاری پہ شرعاً قدغن لگانا ضروری ہے۔ نیز یہ دونوں صورتوں میں ضروری ہے خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو؛ بلکہ ممانعت کے بعد تو یہ اور سنگین جرم ہے جو غدر و بغاوت ہے۔ ''یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم'' (سورہ نساء: ۵۸) سے ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

جواب ۱۵:

فقہاء نے حقوق مجردہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں جن حقوق کا ذکر کیا ہے ان میں ایک حق ''شرب'' بھی ہے۔ ''شرب'' کے لغوی معنی پانی کے ایک حصہ کے ہیں جیسا کہ معجم الوسیط میں ہے: ''الشرب: الماء یشرب والنصیب منه''۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے ''لها شرب ولکم شرب یوم معلوم'' (سورہ شعراء، آیت: ۱۵۵)۔

اصطلاح فقہ میں شرب کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ''هو النصیب من الماء للأراضی وغیرها'' (کتاب التعریفات ص: ۱۴۳)۔ پانی کی وہ مقدار جسے زمین کی سینچائی یا اس کے علاوہ مقصد کے لئے حاصل کیا جائے۔

حق شرب پر عوض لینے کا حکم: حق شرب کی بیع زمین کے تابع ہو کر بالاتفاق جائز ہے لیکن اگر وہ مجرد طور پر ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مشائخ بلخ اس کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ وہ فاسد ہے۔

''وکذا بیع الشرب أی فانه یجوز تبعا للأرض بالاجماع، ووحده فی

Marfat.com

روایة وهو اختیار مشائخ لأنه نصیب من الماء ...... وظاهر الروایة فساده إلا تبعا وهو الصحیح کما فی الفتح" (شامی ج:۷،ص:۲۷۶)۔

فقہاء کی وہ جماعت جو اس کو ناجائز کہتی ہے ان کے پیش نظر اس عقد میں وہ جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہو سکتی ہے، حالانکہ یہ حضرات اس کو مال مانتے ہیں۔ وانما لم یجز بیع الشرب وحده فی ظاهر الروایة للجهالة لا باعتبار أنه لیس بمال" (عنایہ علی الفتح ج:۶،ص:۳۹۳)۔

وہ حضرات جو اس کو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک لوگوں کا تعامل ہے جس کی بنا پر قیاس کو ترک کیا جا سکتا ہے۔

"جوزه مشائخ بلخ کأبی بکر الاسکافی ومحمد بن سلمة لأن أهل بلخ تعاملوا ذلک لحاجتهم إلیه والقیاس یترک بالتعامل کما جوز السلم للضرورة" (فتح القدیر ج۶،ص:۳۹۳)۔

فقہاء کی دونوں جماعتوں کی علتوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کی جہالت نزاع کا باعث بن سکتی ہے، جیسا کہ سابقہ عبارت سے واضح ہے؛ اس لئے نہیں کہ وہ مال نہیں ہے۔

دوسری جماعت کے مطابق تعامل کی بنا پر قیاس کو ترک کر دیا جائے؛ اس لئے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت درپیش ہے۔

پانی انسانی زندگی کے لئے ایک ناگزیر شئ ہے۔ اس کے حصول کے مختلف زمانے میں مختلف طریقے رہے ہیں اور آج حکومت اس ذمہ داری کو اپناتی ہے؛ لہٰذا مشائخ بلخ کے فتوی کے مطابق حکومت کے لئے اس کا عوض لینا درست ہوگا اور رقم کی عدم ادائیگی کی صورت میں پانی کے روکنے کا حق حاصل ہوگا۔

Marfat.com

گویا کہ یہ حق شرب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور عدم جواز کے قائلین کی علت (جہالت) تعامل کی بنا پر آج کے زمانے میں مفقود ہے۔

جواب ۱۶:

رہا یہ مسئلہ کہ آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے، جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں ہر شہری کو مطالبہ کا حق ملے؟ تو اس کا جواب اثباتاً ہاں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ چیز ''مصلحت مرسلہ'' کے تحت آتی ہے۔ فقہاء نے ''مصلحت مرسلہ'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''المصلحة المرسلة اى المطلقة فى اصطلاح الاصوليين: المصلحة التى لم يشرع الشارع حكماً لتحقيقها ولم يدل دليل شرعى على اعتبارها أو إلغائها ...... ومثالها المصلحة التى شرع لأجلها الصحابة اتخاذ السجون أو ضرب النقود'' (علم اصول الفقہ للخلاف، ص: ۸۴)۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام

مفتی تنظیم عالم قاسمی ☆

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس طرح ہوا کے بغیر انسان کا جینا مشکل ہے اسی طرح پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ تمام جانور، پیڑ پودے اور وہ تمام چیزیں جن میں حیات کا عنصر پایا جاتا ہے ان کی بقا اور افزائش کا انحصار پانی پر ہے، پانی کے بغیر ان کی زندگی اور بقا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، گویا تمام جاندار اشیاء میں جان اور روح کو باقی رکھنے کے لئے پانی اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے، آج زمین پر جو بھی ہریالی، خوش نمائی، آبادکاری، انسان اور مختلف جانوروں کا چلنا پھرنا ہے، سب اسی پانی کے دم سے قائم ہے، ارشاد باری ہے: ”وهو الذي أنزل من السماء ماء فأخرجنا به نبات كل شيئ (الانعام:۹۹) (اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وجعلنا من الماء كل شيئ حي“ (الانبیاء:۳۰) (اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی)، ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جانور ہی نہیں بلکہ ہرے بھرے کھیت، خوبصورت باغات، مختلف چیزوں کے درخت کا وجود اسی پانی سے وابستہ ہے، اگر پانی ختم ہو جائے تو زندگی ختم ہو جائے گی اور دنیا سے حیات کا نام مٹ جائے گا۔

انسان کے روزمرہ استعمال میں بھی پانی کی کثرت سے ضرورت پیش آتی ہے، کھانے، پینے، نہانے دھونے، بجلی کی توانائی پیدا کرنے اور صنعتوں کو متحرک رکھنے کے لئے پانی کی اہمیت

☆ استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

Marfat.com

مسلم ہے، اگر پانی نہ رہے تو بڑی بڑی فیکٹریاں اور کارخانے بھی ٹھپ ہو جائیں گے اور انسانی نظام حیات معطل ہو جائے گا، اسی پانی کی کرم فرمائی ہے کہ خشک اور بنجر زمین تھوڑی محنت سے سبزہ زار ہو جاتی ہے اور سبزیوں، غلوں، بیجوں اور پھلوں وغیرہ سے انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اس حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے: "وما أنزل الله من السماء من ماء فأحيا به الأرض بعد موتها" (البقرہ: ۱٦۴) (اور نشانی ہے قدرت کی اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے)، پانی کے فوائد بیان کرتے ہوئے ایک جگہ قرآن کہتا ہے: "هو الذى أنزل من السماء ماء لكم منه شراب و منه شجر فيه تسيمون (النحل: ۱۰) (وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا، جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لئے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے)، غرض انسان اور جانور کے رزق اور زندگی کا انتظام اسی پانی کے ذریعے ہوتا ہے، پانی میں کمی آئے گی تو اسباب حیات بھی متاثر ہوں گے اور دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود لوگوں پر تنگ ہو جائے گی۔

پانی کے ذریعے جن ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے ان میں سے ایک اہم کام ناپاک چیزوں کا پاک کرنا ہے، حدث اکبر ہو یا اصغر، اس کو دور کرنے کے لئے پانی کلیدی کردار ادا کرتا ہے، کپڑے یا کوئی جگہ اور برتن ناپاک ہو جائے تو اسے بھی پانی کے ذریعے پاک کیا جاتا ہے اور پاک صاف ہو کر قرب خداوندی کے حصول کی سعی کرتا ہے۔ اسلام کی تقریباً تمام عبادات کا مدار طہارت پر ہے، جس کے لئے پانی بنیادی جز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: "وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به و يذهب عنكم رجز الشيطان (الانفال: ۱۱) (اور وہ آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے)۔

۱- اس پس منظر میں یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے پانی کی عظیم نعمت سے بندوں کو سرفراز کیا اور ساتھ ہی اس کے استعمال سے متعلق مختلف احکام بھی

Marfat.com

دیئے ہیں جن پر اجتماعی عمل آوری سے دنیا پانی کی قلت اور مسائل سے محفوظ رہ سکتی ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

الف- پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے اجتناب :- اسراف اور فضول خرچی مطلقاً منع ہے، اس لئے کہ تمام نعمتیں اللہ کی دی ہوئی اور اسی کی ملکیت ہیں یہ انسانوں کو محض اپنی ضرویات کی تکمیل کے لئے دی گئی ہیں، اسراف ان نعمتوں کے بیجا استعمال کرنے کا نام ہے، جس کا بندوں کو حق نہیں، قرآن نے کسی بھی چیز میں فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے: "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين وكان الشيطان لربه كفورا" (بنی اسرائیل: ۲۷) (فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے)۔

یہ قاعدہ بھی ہے: "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة"، ضرورت کی تکمیل کے لئے جو چیز دی جائے، اسے بقدر ضرورت ہی استعمال کا حق ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ضروریات زندگی جب فراہم کی ہے تو انہیں ضرورت کی تکمیل کی حد تک ہی استعمال کا حق ہوگا، ضروریات سے زیادہ جس پر فضول خرچی کا اطلاق ہو جائز نہیں ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے پانی میں فضول خرچی کرنے والے کو امت کا بدتر شخص قرار دیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: "شرار أمتي الذين يسرفون في صب الماء" (حاشیہ الطحطاوی: ۸۰)۔

ب- پانی کے استعمال میں اعتدال :- کھانے اور پینے اور رزق کے استعمال کرنے میں اسلام نے بنیادی طور پر اعتدال کی تعلیم دی ہے، ارشاد باری ہے: "كلوا واشربو ولا تسرفوا إن الله لا يحب المسرفين" (الاعراف: ۳۱) (تم کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)، اسی طرح ارشاد فرمایا گیا: "ولا تجعل يدك مغلولة فى عنقک ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا" (الاسراء: ۲۹) (نہ تو تم اپنے ہاتھ کو گلے سے باندھ لو (کہ کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ اسے بالکل پھیلا دو اور پھر پشیمانی اور حسرت کرنے کے لئے بیٹھ جاؤ)۔ مذکورہ دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی

Marfat.com

وسائل کا اعتدال سے استعمال کرنا چاہئے، بداحتیاطی اور بے اعتدالی سے مسائل پیدا ہوں گے اور مختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ موجودہ دور میں جن چیزوں میں بھی قحط اور قلت کا اندیشہ ہے ان میں اعتدال تدارک کا بڑا اور اہم ذریعہ ہے، اگر احتیاط اور اعتدال کا سہارا لیا جائے تو بڑی حد تک پانی کی کمی کے اندیشے دور ہو سکتے ہیں۔

ج- آلودہ کرنے والی چیزوں کی حفاظت :۔ پانی سے متعلق شریعت نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اسے ہر ممکن پاک وصاف رکھا جائے، پانی جن چیزوں سے آلودہ اور گندہ ہوتا ہے ان سے مکمل اجتناب کیا جائے جیسے پانی میں تھوکنے، ناک کی ریزش ڈالنے، پیشاب اور پاخانہ سے پرہیز، تھوڑے پانی میں جنابت کا غسل نہ کرنا، کنویں یا تالاب سے اتنا قریب بیت الخلاء یا گندگی جمع ہونے کا گڑھا نہ بنایا جائے کہ گندگی کے اثرات پانی تک پہنچ جائیں، اس فاصلے کی مقدار زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے: "والحاصل انه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال أرضه" (شامی ۳۸۱/۱ زکریا بکڈپو)۔

د- پانی میں فیاضی سے کام لینا: اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ہمدردی، وسعت ظرفی اور سخاوت کا مزاج پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے بالخصوص ایسی چیز جو بآسانی حاصل ہوجاتی ہے اور اس میں قیمت زیادہ نہ لگتی ہو، اس میں دوسروں کو شریک کرنا اور طلب پر دے دینا نہایت اجر وثواب کا باعث ہے، اور نہ دینے کی صورت میں وعید آئی ہے۔ "ويمنعون الماعون (الماعون: ۷) (تباہی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں)۔ رسول اکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے: "الناس شركاء في ثلث: الماء، والكلأ والنار" (ابوداؤد) (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، خوردگھاس، آگ)، ایک حدیث میں ہے: "لا يمنع فضل الماء" (ضرورت سے زیادہ پانی دوسروں کو لینے سے نہیں روکا جائے گا)۔

ان احادیث کی بنیاد پر اصحاب نظر وارباب تحقیق نے پانی کو مباح قرار دیتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی کی خاص ملکیت میں پانی ہوتو بھی ضرورت مندوں کو اس سے منع نہیں کیا جاسکتا ہے:

Marfat.com

"بل هو مباح فی نفسه ولصاحبه حق خاص فیه سواء کان فی أرض مباحة أو مملوکة لأن الماء فی الأصل مباح لجمیع الناس" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۴) (پانی اپنی ذات سے مباح ہے، البتہ اس میں اس کے مالک کا خاص حق ہوگا خواہ یہ پانی ارض مباح یا مملوک میں ہو، اس لئے کہ پانی درحقیقت سارے لوگوں کے لئے مباح ہے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو وضو کرنے، نہانے دھونے، اپنے یا چوپائے کی پیاس بجھانے یا کھیت و باغات سیراب کرنے کے لئے پانی طلب کیا جائے تو اس میں فیاضی اور ہمدردی کا ثبوت دینا چاہئے، پانی پر قبضہ جما کر بیٹھ جانا اور ضرورت مندوں کو پانی نہ دینا اخلاق وانسانیت کے خلاف ہے۔ "اتفق العلماء علی أنه یستحب بذل الماء بغیر ثمن" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۵۱)۔

۲- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام میں سے ایک اسراف اور فضول خرچی سے بچنا ہے، اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضو، غسل اور دیگر مواقع کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار شرعاً مقرر نہیں، بلکہ اسراف سے بچتے ہوئے جتنا پانی کافی ہو جائے اس کا استعمال جائز ہے اور یہ طباع کے اختلاف سے مختلف ہو سکتا ہے، اس پر تقریباً تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔

"واعلم أنه نقل غیر واحد الإجماع علی عدم التقدیر فی ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الکفایة لاختلاف طباع الناس" (حاشیہ الطحطاوی علی المراقی/ ۸۱)۔

اسراف ضرورت سے زیادہ استعمال کو کہا جاتا ہے، خواہ یہ ضرورت شرعی ہو یا ضرورت طبعی، ضرورت شرعی سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے کسی فعل کے لئے جتنی مقدار متعین کیا ہے، بلا کسی وجہ اس سے زیادہ استعمال نہ کرنا، جیسے وضو میں ہر عضو کو تین بار دھونا سنت کامل ہے، پوری حیات رسول اکرم ﷺ کا اس پر عمل رہا ہے، اس عدد پر اعضاء کے غسل کی حاجت شرعیہ پوری ہوگئی، لہذا ایسا شخص جس کو شک وغیرہ کا مرض نہ ہو، اس کے لئے اس عدد سے زیادہ بار اعضاء کا

Marfat.com

دھونا مکروہ تحریمی ہوگا، تالاب، نہر، سمندر یا کسی بڑے حوض پر وضو کر رہا ہو اس کا یہی حکم ہے،

"عن عبد الله بن عمرو العاصؓ أن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ فقال: نعم وإن كنت علىٰ نهر جار (ابن ماجہ)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گذرے اور وہ وضو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا فضول خرچی ہے؟ عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں خواہ جاری نہر پر ہی تم کیوں نہ ہو)۔

البتہ کسی کو وہم اور شک کا مرض ہو تو تین کی عدد کو مسنون سمجھتے ہوئے محض یقینی کیفیت پیدا کرنے کے لئے زیادہ بار بھی وضوء کے اعضاء کو دھوسکتا ہے، یہ اسراف میں داخل نہیں ہے۔

ضرورت طبعی یہ ہے کہ شریعت نے کوئی مقدار متعین نہ کیا ہو بلکہ جتنی مقدار میں طبیعت مطمئن ہوجائے جیسے پینے، نہانے دھونے اور زندگی کے دیگر مواقع پر برتنے کے لئے پانی کی مقدار متعین نہیں کی گئی، ان تمام جگہوں میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا اسراف کہلائیگا، ضرورت کی تکمیل میں عرف کا اعتبار ہے یعنی عرف عام میں وہ کام پانی کی جتنی مقدار میں پورا کیا جاتا ہو، اس کا اعتبار ہوگا، اس سے زیادہ استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، "الإسراف العمل فوق الحاجة الشرعية، في فتاوى الحجة يكره صب الماء في الوضوء زيادة على العدد المسنون والقدر المعهود" (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ر ۸۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال فضول خرچی ہے، اس ضرورت کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، حالات اور مواقع الگ الگ ہوتے ہیں، ان کے اعتبار سے پانی کی مقدار میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے، البتہ وضو کے لئے جو عدد متعین ہے اس سے زیادہ استعمال اسراف ہوگا، اس لئے کہ یہ حاجت شرعیہ سے زائد ہے اور اسی طرح

Marfat.com

عرف میں نہانے دھونے کے لئے پانی کی جو مقدار عموماً استعمال کی جاتی ہے اس سے زیادہ استعمال اسراف ہوگا۔

پانی میں اسراف اور فضول خرچی اگر اپنی ملکیت یا مباح میں ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر وقف کا پانی ہے جیسے مدارس کا پانی تو اس میں اسراف حرام ہے۔ "ویکرہ الإسراف فیه تحریما لو بماء النهر أو المملوک له أما الموقوف علیٰ من یتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام" (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ر ۸۰)۔

۳- ورلڈ بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق ۸۸/فیصد بیماریوں کی جڑ غیر محفوظ پانی کے استعمال میں چھپی ہے، اس لئے شریعت نے پانی کو آلودگی سے حفاظت کی تعلیم دی ہے اور ایسے تمام کاموں سے روکا ہے جن سے پانی آلودہ ہوتا ہو یا اس کی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہو جیسے پانی میں پیشاب کرنا، اس سے منع کیا گیا ہے خاص طور پر جب کہ پانی ٹھہرا ہوا ہو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یبولن أحدکم فی الماء الراکد" (صحیح بخاری ار ۳۷) (تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے)۔ طبرانی کی ایک روایت میں بہتے ہوئے پانی میں بھی پیشاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسی طرح پانی میں قضائے حاجت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "اتقوا الملاعن الثلاث: البراز فی الماء وفی الظل وفی طریق الناس" (ابن ماجہ: ار ۱۳۸) (قابل نفرت ولعنت تین چیزوں سے بچو یعنی پانی میں، یا سایہ میں یا لوگوں کے چلنے کے راستہ میں قضائے حاجت سے بچو)۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں جنابت کے غسل سے بھی منع کیا گیا ہے: قال رسول الله ﷺ: لا یغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب" (سنن نسائی کتاب الغسل)۔

(تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں جنابت کا غسل نہ کرے)، اسی طرح بیت الخلاء یا گندگی جمع ہونے کا کنواں تالاب اور پانی کے کنویں سے دور بنانا کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ناپاکی کے اثرات پانی تک نہ پہنچ سکیں اور یہ فاصلہ زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے مختلف

Marfat.com

ہوسکتا ہے اگرچہ حدیث میں دس گز کا تذکرہ ہے مگر یہ مدینہ منورہ کی زمین کے اعتبار سے ہے،

"قال رسول الله ﷺ من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعا فيكون لها حريمها من كل جانب عشرة" (شرح وقایہ ۱/۸۷)۔

"وإن أراد أن يحفر بئر بالوعة يمنع أيضا لسراية النجاسة إلى البئر الاولى وتنجيس مائها ولا يمنع في وراء الحريم وهو عشر في عشر" (شرح وقایہ ۱/۸۸)۔

اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ کنویں اور بالوعہ کے درمیان کوئی فاصلہ متعین نہیں ہے، زمین کی نرمی اور سختی کے اعتبار سے یہ مختلف ہوسکتا ہے۔

"والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال أرضه" (شامی ۱/۳۸۱)۔

ان تمام مذکورہ چیزوں سے روکنے کی وجہ جہاں پانی کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے وہیں اس کی آلودگی سے حفاظت بھی ہے ورنہ بہتے پانی میں پیشاب کرنے سے منع نہ ہوتا، اس لئے کہ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اسی طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب، پاخانہ کرنے یا جنابت کا غسل کرنے سے اس کا رنگ، مزہ، بو وغیرہ بدلنے کا بہت کم اندیشہ ہے جس سے پانی ناپاک ہوتا ہے۔ البتہ اس پانی کے آلودہ ہونے کا اندیشہ قوی ہے، بالخصوص ایک کو دیکھ کر دوسرا اور دوسرے کو دیکھ کر تیسرا پیشاب، پاخانہ کرنا شروع کردے تو اس کے آلودہ ہونے کا امکان مزید بڑھ جائے گا، اس لئے سدا للباب ان کاموں سے روک دیا گیا ہے۔

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرات فقہاء نے حیض و نفاس کی چیتھڑیوں، سڑی مری چیزوں کو پانی میں ڈالنے سے منع کیا ہے، غرض ہر وہ چیز جس سے پانی آلودہ ہوسکتا ہے، خواہ وہ فی نفسہ پاک ہو پانی میں اس کو پھینکنے پر شریعت نے پابندی عائد کی ہے جیسے تھوک اور ناک کی ریزش وغیرہ۔ **"ومن منهياته إلقاء النخامة والامتخاط في الماء"** (درمختار مع الشامی ۱/۲۶۰)۔

Marfat.com

پانی کو آلودہ کرنے والی چیزوں کو پانی میں ڈالنے یا پھینکنے سے ممانعت بعض جگہوں میں وجوبی اور بعض جگہوں میں اخلاقی نوعیت کا حامل ہے، پانی اگر ٹھہرا ہوا اور قلیل مقدار میں ہو اور ان چیزوں کے ڈالنے سے پانی کے آلودہ ہونے کا ظن غالب ہو تو ان چیزوں کی ممانعت وجوب کے درجے میں ہوگی خواہ وہ شیء پاک ہی کیوں نہ ہو جیسے تھوک یا ناک کی ریزش وغیرہ، ماء راکد میں پیشاب کی ممانعت کے بارے میں جو مشہور حدیث ہے: "**لا یبولن أحدکم فی الماء الراکد**"، اس نہی سے نہی تحریمی مراد ہے، اس لئے کہ مطلق نہی جو دیگر قرائن سے خالی ہو، حرمت پر دلالت کرتی ہے، ہدایہ کے حاشیہ میں ہے: "**لأن النبی ﷺ نهی عن البول فی الماء الدائم ومطلق النهی یقتضی التحریم**" (ہدایہ ۱/۳۰ حاشیہ نمبر: ۱۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس عمل سے ضرر عام وابستہ ہے، اور قاعدہ ہے: "**الضرر یزال**" جس سے ضرر لاحق ہو اس کو وجوبی طور پر دور کیا جائے گا، اس لئے ٹھہرے ہوئے تھوڑے پانی میں آلودہ کرنے والی چیزوں کو پھینکنا مکروہ تحریمی ہوگا، اس سے اجتناب شرعاً واجب ہے، اسی طرح ایسے پانی کے استعمال سے جسم کو نقصان ہوگا اور جسم کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے، ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: "**والحقیقة أن موقف الإسلام من الصحة والوقایة وسلامة الأبدان موقف لا نظیر له فی أی دین من الأدیان فالنظافة فیه عبادة وقربة بل فریضة فرائضه**" (فتاویٰ معاصرہ ۱/۶۷۹)، اور اگر پانی جاری ہو جیسے نہر، سمندر، دریا، ندی وغیرہ یا پانی کثیر مقدار میں ہو جیسے تالاب، بڑا حوض وغیرہ، جہاں ان چیزوں کے ڈالنے سے پانی کے آلودہ ہونے کا ظن غالب نہ ہو، البتہ اس طرح کے متعدد عمل سے پانی کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ان چیزوں سے اجتناب بہتر اور مستحب ہے، یہ اخلاق وانسانیت سے عبارت ہوگا، گویا وجوب اور عدم وجوب کا مدار پانی آلودہ ہونے کے ظن غالب ہونے اور نہ ہونے پر ہے، جہاں پانی آلودہ ہونے کا ظن غالب ہو وہاں بچنا واجب ہوگا اور ظن غالب نہ ہونے کی صورت میں اجتناب اخلاقی عمل شمار ہوگا۔

Marfat.com

۴- گندے اور آلودہ پانی کو اگر کیمیاوی اور سائنسی طریقے پر اس طرح صاف کردیا جائے کہ اس کی بو، رنگ، مزہ تینوں ختم ہوجائے تو ایسا پانی راقم الحروف کے خیال میں پاک شمار کیا جائے گا، اس سے وضو، غسل وغیرہ جائز ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگ، مزہ، بو پانی کے تین اوصاف میں سے کسی ایک کے ختم ہونے اور اس کی جگہ ناپاکی کا کوئی وصف ظاہر ہونے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الماء طهور لا ينجسه شئ إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه" (ابن ماجہ) ...... پانی کے ناپاک ہونے کی علت ناپاک شی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک کا ظاہر ہونا ہے، اگر یہ علت ختم ہوجائے گی تو پانی کی نجاست بھی جاتی رہے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی گڑھے کا پانی ناپاک ہو اس میں اتنا پانی ملادیا جائے کہ ناپاکی کا اثر اور وصف ختم ہوجائے تو اس کا پانی پاک ہوجائے گا۔ ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه وكذا البئر وحوض الحمام (درمختار مع الشامی ۱/ ۳۴۵)۔

آج کل آلودہ پانی کے ذخیرے کو کیمیاوی طریقے پر اس طرح صاف کیا جاتا ہے کہ پانی بالکل صاف ہوجاتا ہے، نجاست کا کوئی وصف اس میں باقی نہیں رہتا، اس لئے پانی کو پاک قرار دیا جائے گا۔

رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم اسلامی فقہ اکیڈمی کے گیارہویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ ۱۳ تا ۲۰ رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۶ فروری ۱۹۸۹ء میں اکیڈمی کے ذمہ داروں نے اہم علماء کرام کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دی، جس میں عرب کے ممتاز اصحاب افتاء نے شرکت کی اور بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ نالیوں میں بہنے والے پانی کو فلٹر کرکے اس سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے، فیصلہ کی عبارت یہ ہے:

"لہٰذا اکیڈمی فیصلہ کرتی ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعے صاف کردیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ، بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجائے گا، اور اس پانی سے پاکی کا حصول اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہوجائے گا

Marfat.com

کہ اگر زیادہ پانی میں گری ہوئی نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے" (مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ۳۱۷)۔

تاہم راقم الحروف کی رائے ہے کہ دنیا کی آبادی صرف ایک حصہ پر ہے اور ۳ر حصے میں پانی ہی پانی ہے، گندے اور آلودہ پانی کو فلٹر کے ذریعے صاف کرنے کے بجائے سمندر، دریا اور دیگر جگہوں کے کھارے پانی کو میٹھا بنا کر عام کیا جائے، اسی کے ساتھ لوگوں کو ضروری معلومات دے کر ان میں ایک بیداری پیدا کی جائے، کفایت شعاری اور دانشمندانہ طور پر پانی کے استعمال کی عادت پیدا کی جائے، اس سے قدرتی پانی کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور نہ گندے پانی کو فلٹر کی ضرورت پیش آئے گی۔

۵- حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے قوانین بنائیں جو مصالح عامہ کے مطابق ہوں، جن کے سہارے ملک اور ریاست سے ظلم وزیادتی، حق تلفی، برائی اور بے حیائی کا ماحول ختم ہو، عدل وانصاف، امن واطمینان کی کیفیت پائی جائے، داخلی اور خارجی فتنوں سے ملک کی حفاظت ہو، رعایا اور عامۃ الناس کو نقصان پہنچانے والے تمام عناصر کا خاتمہ ہو سکے خواہ یہ چیزیں فی الوقت پائی جائیں یا ان کے اندیشے ہوں، ان سے نمٹنے کے اقدامات حکومت کے واجبات میں سے ہے۔

مشہور محقق ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: "**تتسع دائرتها لكل التصرفات والاجراء ات التى من شأنها أن ترفع الظلم وتقيم العدل بين الناس وتزيل عنهم الضرر والضرار وأسباب النزاع والصراع ليحل محله التعاون والأخاء** (فتاویٰ معاصرہ ۱/۵۸۱)۔

اس کے دلائل اور وجوہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"**ومن هنا نقول إن من واجبات الحكومة المسلمة أن تنظم علاقات الناس علىٰ أسس سليمة فتضع من الأنظمة والقوانين ما يحقق العدل ويرفع**

Marfat.com

الظلم ويشيع الطمأنينة والا ستقرار بين الناس ويزيل أسباب النزاع والخصام من بينهم (فتاویٰ معاصرۃ ار ۵۹۳)۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"فكل ما يرى ولى الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعية وأبعد عن الفساد فله أن يفعله بل قد يجب عليه وإن لم يجئ بذلك نص خاص" (فتاویٰ معاصرۃ ار ۵۸۳)۔

بعض عبارتوں میں اگرچہ حکومت کے ساتھ "مسلم" کالفظ ہے لیکن یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے، اس لئے کہ حکومت عوام کے ساتھ خیر خواہی اور بہتر نظام چلانے کا نام ہے، اور عوام کا ذمہ دار ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا نظم ونسق چلائے جو عام رعایا کے مفاد کے حق میں ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كلكم راع و كلكم مسؤول عن رعيته" (تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور نگراں ہونے کی حیثیت سے تم میں سے ہر ایک سے اپنے رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر اپنے دور خلافت میں فرمایا تھا: "لو هلك جدى بشط الفرات لرأيتني مسؤولا عنه أمام الله يوم القيامة"، یعنی میری غفلت کے سبب اگر فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی مرجائے تو میں قیامت کے دن اپنے آپ کو جواب دہ محسوس کرتا ہوں)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب حکومت کو چوکنا اور بیدار مغز رہنا چاہئے، تاکہ ملک کی رعایا پریشانی اور مختلف تکالیف سے دوچار نہ ہو، یہیں سے مصالح عامہ کا پہلو سامنے آتا ہے اور فقہاء کرام نے مستقل قاعدہ لکھا ہے: "تصرف الإمام على الرعيه منوط بالمصلحة (الاشباہ والنظائر ر ۱۸۷)۔

اسی طرح ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

أن القوانين التى تسن لتحقيق مصالح الناس ولتحفظ بينهم الأمن

Marfat.com

والاستقرار يجب طاعتها والعمل بمقتضاها (فتاویٰ معاصرہ ۱/ ۵۹۴)۔

اس طرح کے قوانین چوں کہ شریعت کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں اس لئے ان کی مخالفت گویا دین وشریعت کی مخالفت ہے۔

إن الذين يخالفون القانون الذى يحفظ الحقوق ويقر العدل ويقيم ميزانه هؤلاء يعتبرون شرعا مخالفين للدين نفسه لأن الدين يأمر بطاعة مثل هذه القوانين التنظيمية ما دامت بالمعروف وفي غير مصية (فتاویٰ معاصرہ ۱/ ۵۹۷)۔

اس تفصیل سے زیر بحث پانی کا مسئلہ بھی خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی پانی چوں کہ انسان اور تمام جاندار کے لئے بنیادی ضرورت ہے اور مختلف النوع استعمال سے اس کی قلت کا اندیشہ ہے بلکہ بعد میں پانی کے بارے میں تنگی اور مشکلات کا اندیشہ ہو تو بعد میں پیش آنے والے ضرر عام سے بچنے کے لئے پانی کے بعض غیر ضروری استعمال پر پابندی لگا سکتی ہے، حکومت کو چاہئے کہ پانی کی قلت کے اندیشے کو دور کرنے کے لئے کوئی بیچ کا راستہ نکالے یعنی نہ تو ایسی پابندی لگائے جس سے لوگ اپنی روزمرہ زندگی گذارنے میں تنگی میں پڑ جائیں جیسے کھانے پینے، نہانے دھونے، کھیت وباغات کی سیرابی اور دیگر ضروریات زندگی میں ان پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، ورنہ مستقبل میں ضرر کے اندیشے سے فی الحال ضرر لاحق ہوگا، اور ضرر کے ذریعے ضرر دور نہیں کیا جاسکتا، مشہور فقہی قاعدہ ہے: أن الضرر لا يزال بالضرر ......

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: وليس للإمام أن يخرج شيئا من يد أحد إلا بحق ثابت معروف ..... (الاشباہ والنظائر/ ۱۸۹)۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذ لم يضر الفعل بالنهر أو بالغير أو بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطريق أو المرافق العامة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۷)۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ نے گوشت کی قلت کے اندیشے سے جس طرح مسلسل جانوروں کو ذبح کرنے سے منع کیا اور ایک دن کی غیبوبت سے ذبح کرنے کا حکم دیا اس میں ضرورت مندوں کی بھی رعایت ہوگئی اور اندیشے وغیرہ کا بھی تدارک ہوگیا، اسی طرح یہاں بھی بیچ کا راستہ نکالنا چاہئے تاکہ دونوں طرح کی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔

بہرحال پانی کی قلت کے پیش نظر اس طرح کی پابندی لگانا حکومت کا حق ہے اور ایسی پابندیاں جو ضروریات زندگی میں سے نہ ہو ان پر عمل کرنا مسلمانوں پر شرعا واجب ہوگا۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ انسان کی اپنی ملکیت ہے، اس لئے کہ زمین پر ملکیت اس کے تمام اجزاء کے ساتھ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے ذاتی گھر یا مملوکہ زمین میں معدن پایا جائے تو معدن مالک کی ملکیت ہوتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں خمس بھی واجب نہیں ہے، دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہ اپنی زمین کا تمام اجزاء کے ساتھ مالک ہوتا ہے اور دیگر اجزاء پر مؤونت نہیں ہے لہذا اس پر بھی کوئی مؤونت نہ ہوگی۔

وله إن من أجزاء الأرض مركب فيها ولا مؤنة فى سائر الأجزاء فكذا فى هذا الجزء....... (ہدایہ ۱/۲۰۰)۔

پانی اجزاء ارض میں سے ہے لہذا یہ بھی انسان کی مملوکہ زمین میں اپنی ملکیت ہوگی، اس میں جیسا وہ چاہے تصرف کرسکتا ہے مگر اس سے دوسروں کو بھی استفادہ کا حق ہے، اس لئے کہ آپؐ نے پانی، گھاس اور آگ میں لوگوں کو شریک قرار دیا ہے یعنی بضرورت ہر ایک کو اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے۔

حکومت کو حق ہے کہ مصالح عامہ کے پیش نظر بعض مباحات پر پابندی لگائے جیسے حضرت عمرؓ نے روزانہ ذبیحہ ذبح کرنے سے منع فرمایا: **فولى الأمر من حقه أن يقيد بعض المباحات إذا كان فى ذلك مصلحة راجحة ....** (فتاوی معاصرہ ۱/۵۹۴)۔

اگر پانی کی سطح کے نیچے چلی جانے کے خطرہ سے حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرنے

Marfat.com

سے منع کرے تو اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ تنظیمی امور اور مصالح عامہ میں سے ہے، اس کا مقصد ہے مستقبل میں پانی کی قلت کے اندیشے کو دور کرنا، پانی کی سطح نیچے چلی جائے تو اس سے ضرر عام ہوگا، ایک انسان سڑکوں پر چلتی ہوئی گاڑیوں کے تصادم سے فکرمند ہوتا ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ ایسا حادثہ پیش نہ آئے تاکہ چند جانوں کا نقصان نہ ہو، پانی کی قلت میں تو عام لوگوں کا نقصان ہے، اس باب میں انسان کو زیادہ فکرمند اور اس طرح کے قوانین پر عمل کرنے کے لئے حریص ہونا چاہئے۔

اس طرح کے احکام کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی بشرطیکہ اس سے کوئی قابل ذکر نقصان نہ ہو، حکومت بورنگ کرانے سے منع کرے اور دوسرے طریقوں سے اس شخص کی ضرورت پوری کردی جائے تو اس کے لئے اس حکم پر عمل کرنا ضروری ہوگا ورنہ پانچویں مسئلہ میں ذکر کردہ اصول أن الضرر لا یزال بالضرر اور الاشباہ والنظائر اور الفقہ الاسلامی کی عبارت کی وجہ سے ضروری نہ ہوگا؛ ہاں البتہ اگر مالک کو بورنگ نہ کرنے سے ضرر خفیف ہو تو ضرر عام سے بچنے کے لئے اس کو برداشت کیا جائے گا چوں کہ قاعدہ ہے: **الضرر الاشد یزال بالضرر الأخف** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۵)، اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے **أن دفع الضرر العام واجب** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۵۱)۔

۷- ملک میں بہتر نظم ونسق، عدل وانصاف کا قیام، رعایا کی عمومی ضرورت کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہے تاکہ عوام ضرر سے بچ سکیں، جس طرح اس پر ضروری ہے کہ عوام میں جھگڑا لڑائی کی بنیاد کو ختم کرکے امن وسکون کا نظم قائم کرے یہ ذمہ داری دفع ضرر کے لئے ہے۔

أن من واجبات الحکومة المسلمة أن تنظیم علاقات الناس علی أسس سلیمة فتضع من الأنظمة والقوانین ما یحقق العدل ویرفع الظلم ویشیع الطمأنینة والاستقرار بین الناس...... (فتاویٰ معاصرہ ۱/۵۹۳)۔

پانی کا تعلق بھی عام زندگی سے ہے، اس کی کمی سے عام زندگی کو ضرر لاحق ہوگا، اس

Marfat.com

لئے اس کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے نہ کہ افراد کی، البتہ اس کے لئے عوام کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے، جیسے رسول اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے تحفظ اور ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے مختلف صحابۂ کرامؓ میں تقسیم فرما دیا تھا جب کہ قیدیوں کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے پاس جو وفود بیرون ممالک سے آتے تھے ان کی، مہمان نوازی کی ذمہ داریاں بھی تقسیم فرما دیتے حالانکہ وہ سرکاری مہمان ہوتے۔

پانی کے تحفظ سے عام لوگوں کا مفاد وابستہ ہے اس لئے یہ ایک صالح اور نیک کام ہے، اس میں مسلمانوں کو کھل کر تعاون کرنا چاہئے، البتہ اس حکم کی تعمیل مسلمانوں پر واجب نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ ان کے واجبات میں سے نہیں ہے،...... لہذا پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے متعلق کی جا سکتی ہے مگر اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے اور اس طرح کے احکام کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

۸- پانی کی ذخیرہ اندوزی چوں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کی تکمیل کے لئے ڈیم تعمیر کرنا اور ذخیرہ کے اسباب تلاش کرنا حکومت کے ذمے ہے اور اس سے مصالح عامہ بھی وابستہ ہیں اس لئے حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ آبادیاں منتقل کر کے اس حصے کو ڈیم بنائے اور اس کا عوض فراہم کر دے۔... وقتی طور پر اگرچہ انتقال مکانی سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر ہوگا مگر عوض ملنے سے یہ ضرر بڑی حد تک ختم ہو جائے گا اور تھوڑی تکلیف یا ضرر کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ ڈیم کی تعمیر میں اجتماعی مصلحت اور مفاد ہے، ڈیم کی تعمیر نہ کرنے سے ضرر عام ہوگا اور قاعدہ ہے: **الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۹۵)، اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے: **أن دفع الضرر العام واجب** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۵۱)۔

تاہم یہ اس وقت ہے جب کہ آبی ذخیرہ اور ڈیم کے لئے دوسری متبادل جگہ حکومت کو نہ ملے جہاں آبادیاں نہ ہوں، اگر دوسری جگہ دستیاب ہو تو خواہ مخواہ انتقال مکانی پر مجبور کرنا درست نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ زرعی یا گھر کی زمین جسے ڈیم میں شامل کی جاتی ہے اس

Marfat.com

کا عوض معروف طریقے پر دیا جائے ورنہ درست نہ ہوگا، کیوں کہ اضطرار یا ضرورت سے کسی کا حق ختم نہیں ہوگا۔ الاضطرار لا يبطل حق الغير (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۳)۔

۹- سیلاب سے بچاؤ کے لئے تعمیر کردہ ڈیم کے بندھن یا باندھ کو اس طرح کاٹنا کہ نشیب کے علاقوں میں بسے ہوئے لوگ ڈوب جائیں اور جان و مال کا نقصان زیادہ ہو، یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں تھوڑے نقصان کو دور کرنے کے لئے ضرر کثیر لاحق ہوگا، ایک تو پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوگی، دوسرے حکومت کا نقصان ہوگا اور تیسرے نشیبی علاقے میں تباہی زیادہ ہوگی، اس لئے اس بندھن کو کاٹنے کے بجائے حکومت کو اس کا دوسرا نظم کرنا چاہئے، یا تو پانی کے اخراج کے لئے دوسرے راستے نکالے جائیں یا پھر اوپر کی آبادی کو دوسری جگہ منتقل کردی جائے اور انتقال مکانی پر حکومت کی طرف سے متبادل زمین اور معاوضہ فراہم کردیا جائے، اس میں بھی مذکورہ قاعدہ: "الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف" اور "أن دفع الضرر العام واجب" ملحوظ رکھنا چاہئے۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب وغیرہ مباح عام ہے، اس سے سارے لوگوں کو استفادے کا حق ہے، اگر حکومت کی جانب سے پانی سے استفادہ کی کوئی تحدید نہ پائی جاتی ہو اور وافر مقدار میں پانی موجود ہو یعنی استعمال سے دوسرے افراد کی حق تلفی نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں عام نہروں، کنویں اور ندیوں سے افراد و اشخاص کے لئے ہر طرح کا استفادہ جائز ہے، اپنے گھر کے روز مرہ استعمال، چوپایوں اور جانوروں کی پیاس بجھانے اور اپنے کھیت و باغات سینچنے کے لئے جس قدر ضرورت ہو، پانی لیا جاسکتا ہے، نہر، تالاب، چشمے اور ندی وغیرہ سے اپنے کھیت اور باغات تک چھوٹی نہر یعنی پانی کی نالی کھودی جاسکتی ہے اور ضرورت پڑنے پر مشین وغیرہ کا نصب بھی درست ہے تاکہ بآسانی حسب منشاء پانی لیا جاسکے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وحكمه أنه لاملك لأحد في هذه الأ نهار لا في الماء ولا في

Marfat.com

المجری بل هو حق للجماعة كلها فلكل واحد حق الانتفاع بها بالشفة (سقی نفسه ودوابه) والشرب (سقی زرعه وأشجاره) وشق الجداول منها ونصب الآلات عليها لجر الماء لأرضه ونحوها من وسائل الانتفاع بالماء (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۶)۔

دریا، ندی، سمندر اور عام جگہوں میں پائے جانے والے پانی کو محرز کرنے کے بعد فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، جس طرح ایک صحابی جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کے پاس دست سوال دراز کیا تو آپ ﷺ نے ان کو جنگل سے لکڑی کاٹنے اور اس کے فروخت کا حکم دیا تاکہ لوگوں سے بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے، جنگل ارض مباح ہے، وہاں کی لکڑی کا استعمال بھی تمام لوگوں کے لئے جائز ہے، جس طرح چاہے استعمال کرے اس لئے آپ ﷺ نے بیع وغیرہ کا حکم دیا، اشیاء مباح کے احراز کے بعد اگر ان کو بیچنا درست نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کا حکم نہ دیتے۔ بالقياس على جواز بيع الحطب إذا أحرزه الحاطب لحديث الرجل الذی أمره النبی ﷺ بالاحتطاب ليستغنی به عن السؤال (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۲)۔

اور اگر افراد واشخاص کے آزادانہ استعمال سے مستقبل میں پانی کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو یا دیگر افراد کی حق تلفی ہوتی ہو تو حکومت کو استعمال کی تحدید کردینی چاہئے، جس کی پابندی افراد واشخاص پر ضروری ہوگی جیسے گھر کے روزمرہ استعمال اور جانوروں کی ضرورت کے علاوہ کھیت، باغات وغیرہ سینچنے پر پابندی لگادے یا اس کے لئے باری اور وقت مقرر کردے، اسی طرح پانی کی بیع وغیرہ پر مکمل پابندی لگادی جائے، چوں کہ مباح اشیاء میں ہر ایک کا حق ہے، ہر فرد کو استفادہ کا حق ہے مگر سلامتی کی شرط کے ساتھ اس لئے کہ ضرر عام کو دفع کرنا واجب ہے، عام رفاہی ادارہ سے استفادہ کا یہی اصول متعین ہے۔

فإذا أضر فلكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمين وإباحة التصرف فی حقهم مشروطة بانتفاء

Marfat.com

الضرر کالانتفاع بالمرافق العامة إذ لا ضرر ولا ضرار (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵؍۵۹۷)۔

۱۱-اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں سے گزرتی ہو تو ہر ایک کو اس سے بقدر ضرورت استفادہ کا حق حاصل ہے، نہر سے جس کا کھیت متصل ہے پہلے اس کو حق ہے کہ عرف عام کے مطابق اپنا کھیت پانی سے بھر لے پھر زائد پانی دوسروں کے لئے چھوڑ دے اور اگر نہر میں پانی بند ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کم آرہا ہو تو نہر سے متصل کھیت اور باغ کے مالک کو چاہئے کہ بھرے بغیر محض سیراب کر کے پانی اپنے متصل کھیت کے لئے چھوڑ دے، یہ عمل ان کا فضل واحسان اور اخلاقیات میں شمار ہوگا ایسا کرنا ان کے لئے ضروری نہیں ہے، حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری صحابیؓ میں کھیت کو سینچنے کے بارے میں جب اختلاف ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو اپنا کھیت محض سیراب کر کے انصاری کے کھیت کے لئے پانی چھوڑنے کا حکم دیا لیکن جب انصاری صحابی کو اس پر اعتراض ہوا تو آپ ﷺ نے اب عدل اور قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ فرمایا اور حکم دیا: یا زبیر! اسق أرضک إلی أن یبلغ الجذر (صحیح بخاری ومسلم) (زبیر! تم اپنا کھیت اس طرح سینچ لو کہ درخت کا جڑ ڈوب جائے)۔ گویا یہ ہر کھیت والے کا حق ہے اور اس سے پہلے پانی کا چھوڑ دینا افضل ہے۔

اسی طرح حضرت عبادہؓ سے مروی یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے:

أن النبی ﷺ قضی فی شرب النخل من السیل: أن الأعلی یشرب قبل الأسفل ویترک الماء إلی الکعبین ثم یرسل الماء إلی الأسفل الذی یلیه وکذلک حتی تنقضی الحوائط أو یفنی الماء (ابن ماجہ، مسند احمد)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

وینتفع الناس بماء الأمطار أو السیول أو النهر الصغیر الذی یزدحم الناس فیه بأن یبدأ بالأعلی فیسقی أرضه حتی یصل إلی الکعب (النهایة) ثم یرسله إلی من یلیه فیسقی ویحبس الماء حتی یصل إلی کعبه ثم یرسله إلی من

Marfat.com

یلیه فیفعل کذلک (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۹)۔

۱۲- پانی کی مختلف قسمیں ہوسکتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے، آسانی کے لئے پانی کو تین قسموں میں کرسکتے ہیں:

الف- وہ پانی جسے اپنے برتن، گھڑا، حوض یا کسی مخصوص جگہ جمع کرلیا جائے اسے ماء محرز کہا جاتا ہے، اس پر بالاتفاق محرز کی ملکیت ہوگی، دوسروں کو اس کی اجازت کے بغیر اس سے استفادہ کرنا درست نہ ہوگا۔

ب- پانی کی دوسری قسم سمندروں، دریاؤں، ندیوں، نہروں اور عام چشموں کا پانی ہے، وہ مباح عام ہے، اس میں افراد واشخاص کو بالاتفاق ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے، البتہ اس میں سے جو پانی برتن وغیرہ میں احراز کرلیا جائے، احراز کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہوگی۔

ج- تیسری صورت ہے کہ کسی شخص کا اپنا ذاتی کنواں ہے، اس ذاتی اور مملوک کنویں کے پانی پر کس کی ملکیت ہے، یہ شکل مختلف فیہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالک کی ملکیت حاصل نہ ہوگی بلکہ اسے مباح کہا جائے گا، ندی، نہر، تالاب اور عام چشموں کی طرح اس سے عام لوگوں کو استفادہ کا حق ہوگا البتہ صرف اپنی گھریلو ضروریات اور جانوروں کو سیراب کرنے کے لئے درست ہے، کھیت یا باغات وغیرہ بلا اجازت سیراب نہیں کیا جاسکتا، اس سے کنویں کے مالک کو ضرر ہوگا چوں کہ کنواں ان کا مملوک ہے اس لئے ان کو حق خاص ہوگا، اپنے درخت، کھیت وغیرہ سیراب کرنے کا ان کو حق حاصل ہے اگر دوسرے پانی کثیر مقدار میں نکال لیں تو مالک بڑ نقصان میں رہیں گے۔

ومن استقی منه شیئا فهو له قال (أبویوسف) ولیس لصاحب العین والقناة والبئر والنهر أن یمنع الماء من ابن السبیل لما جاء فی ذلک من الأحادیث والآثار وله أن یمنع سقی الزرع والنخل والشجر والکرم وهو یضر لصاحبه فأما الحیوان والمواشی والإبل والدواب فلیس له أن یمنع من ذلک (اعلاء السنن ۱۴/۱۶۷)۔

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **الناس شرکاء فی ثلث: الماء والکلأ والنار** (ابوداؤد) (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ)۔

لفظ عام ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی، خودرو گھاس اور آگ سے حاصل ہونے والی روشنی عام لوگوں کے لئے مباح ہے، اس دلیل سے احناف نے کنویں کے پانی کو خواہ وہ ذاتی زمین میں ہو یا ارض مباح میں، اس کو افراد کے لئے غیر مملوک قرار دیا ہے، سلامتی کی شرط کے ساتھ ہر ایک کو اس سے نفع حاصل کرنے کا حق حاصل ہے، تاہم نفع کے حصول کے لئے کنواں اگر گھر کے اندر ہو یا باؤنڈری میں تو دخول کی اجازت لینا ضروری ہوگا، ورنہ مالک کو ضرر لاحق ہوگا اور حدیث ہے: **لا ضرر ولا ضرار**۔

امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک ذاتی کنواں کے پانی پر ملکیت حاصل ہوگی، یعنی جس کنویں کو اپنی محنت سے کھودا ہے، خواہ وہ ارض مملوکہ میں ہو یا ارض مباح میں، کنواں نکالنے کے لئے محنت اور پیسے لگائے، لہٰذا افراد کو ایسے کنویں کے پانی پر ملک حاصل ہوگا، البتہ ان کے نزدیک بھی ضرورت مندوں کو پانی دینا ضروری ہوگا، استعمال سے زائد پانی کو روکنا درست نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا به الكلأ** (صحیح بخاری) (لوگوں کو بچے ہوئے پانی سے منع نہ کرو تاکہ اس کے بہانے تم گھاس سے منع کرو)۔

بہرحال ذاتی کنویں کے سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک افراد کو اس پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور شوافع کے یہاں ذاتی کنویں کے پانی پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، طرفین برحق ہیں، دونوں کے مقلدین کو اپنے اپنے امام کی رائے پر عمل کرنا چاہئے، کیوں کہ کوئی شدید ضرورت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اپنے امام کے قول سے عدول کیا جائے۔

۱۳- جن صورتوں میں آدمی پانی کا مالک بن جاتا ہے، یعنی ماء محرز کو جمہور علماء کے نزدیک بیچنا جائز ہے اور آج اسی پر لوگوں کا عمل ہے بلکہ پانی کی بیع قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے؛ البتہ اس میں زیادتی بعد کے زمانے میں پیدا ہوئی ہے۔ پانی کی بیع درج ذیل دلائل سے

Marfat.com

درست ہے:

الف- رسول اکرم ﷺ کی ترغیب پر حضرت عثمان غنیؓ نے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کردیا تھا (نیل الاوطار ۵/۱۴۶)۔

ب- المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے گھاس میں بھی عام مسلمانوں کو شریک بتایا ہے، مگر احراز کے بعد گھاس کی بیع بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ ایک صحابی کو آپ ﷺ نے جنگل سے لکڑی وغیرہ کاٹ کر بیع کرنے اور گذر بسر کرنے کی ہدایت دی تھی، جب لکڑی اور گھاس وغیرہ کی بیع احراز کے بعد درست ہے تو پانی کی بیع بھی ملکیت کے بعد درست ہوگی۔

ج- أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه (اعلاء السنن ۱۴/۱۶۶)۔

حمل سے مراد احراز ہے، حدیث میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عام پانی کی بیع درست نہیں ہے؛ البتہ جب اس کو جمع کرلیا جائے تو درست ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ نهى عن رسول الله ﷺ عن بيع الماء کے تحت فرماتے ہیں: هذا عندنا أنه نهى عن بيعه قبل أن يحرز والإحراز لا يكون إلا في الأوعية والآنية فأما الآبار والأحواض فلا (اعلاء السنن ۱۴/۱۶۸)۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے پانی کی بیع کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

وعلى ذلك مضت العادة في الأمصار ببيع الماء في الروايا والحطب والكلأ من غير نكير قلت وهذا مما يؤيد ما رواه أبو بكر عن المشيخة فإن عمل الأمة من غير نكير يتنزل منزلة الإجماع (اعلاء السنن ۱۴/۱۶۶)۔ درمختار (۵/۳۱۱)، بدائع الصنائع (۶/۱۸۸)، تبیین الحقائق (۶/۳۹)، المغنی (۵/۵۳۶)، فتح القدیر (۸/۱۴۸) میں پانی کی بیع سے متعلق تفصیلی بحث کرتے ہوئے سب نے اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

Marfat.com

وہ پانی جو برتن اور خاص جگہ میں ہو اس کی بیع تو بالاتفاق درست ہے، البتہ کنویں کے پانی کی بیع احناف کے نزدیک احراز سے قبل درست نہیں، پہلے کسی برتن میں جمع کرلیا جائے، مقدار کے تعین کے بعد اس کی بیع درست ہوگی جیسا کہ دیگر اشیاء مباح کی بیع کا یہی حکم ہے، البتہ شوافع کے نزدیک چوں کہ کنویں پر ملکیت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے پانی کی بیع درست ہوگی۔

۱۴-شہروں میں نشیبی علاقوں کے حصے میں پلاٹنگ کرکے اس کی بیع درست ہے، اس میں آبادیوں کا بسانا بھی درست ہوگا، چوں کہ رہائش بھی ایک ضرورت ہے، جب شہر پھیلے گا اور نشیبی علاقوں کے علاوہ کوئی جگہ نہ ہوگی تو زندگی بسر کرنے کے لئے مکانات کی تعمیر ان نشیبی علاقوں میں ناگزیر ہو جائے گی، پانی وغیرہ کا اسٹاک شہر سے باہر بھی کیا جاسکتا ہے بلکہ بیرون شہر ہی اس کے لئے مناسب ہے، اگر آبادی بسانے کی اجازت نہ دی جائے تو نقصان زیادہ ہوگا اور یہ بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جانے کا نقصان خفیف ہے، اس لئے **الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف** اور **لا ضرر ولا ضرار** کے قاعدے سے یہ درست ہے۔

لیکن واضح رہے کہ اگر حکومت مصالح عامہ کی وجہ سے منع کردے اور نشیبی علاقوں میں آبادیاں بسانے پر پابندی لگادے تو پھر پلاٹنگ کرنا اور آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ مصالح عامہ، عدل وانصاف، ضرر وضرار سے تحفظ کے لئے جو قانون بنایا جائے شرعا ایسے قانون کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

إن الذين يخالفون القانون الذي يحفظ الحقوق ويقر العدل ويقيم ميزانه هؤلاء يعتبرون شرعا مخالفين للدين نفسه لأن الدين يأمر بطاعة مثل هذه القوانين التنظيمية ما دامت بالمعروف وفي غير معصية (فتاویٰ معاصرہ ۱/۵۹۷)۔

البتہ نشیبی علاقے اگر کسی کی ملکیت ہو تو حکومت کو چاہئے کہ معروف طریقے پر اس کا معاوضہ فراہم کردے، اس لئے کہ قاعدہ ہے: **الاضطرار لا يبطل حق الغير .....لا ضرر ولا ضرار**۔

Marfat.com

۱۵-حکومت پر واجب ہے کہ عوام کو درپیش ضرورتیں فراہم کرے جیسے سڑکیں، لائٹ، آمد و رفت کی سہولت اور پانی وغیرہ، ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ حکومت سے ان چیزوں کا مطالبہ کرے؛ البتہ حکومت کے لئے یہ درست ہے کہ وہ عوام سے مناسب مقدار میں اس کا عوض لے، جیسے بسوں اور ٹرینوں کا کرایہ، سڑکوں کا ٹیکس وغیرہ لیا جاتا ہے اسی طرح پانی فراہم کرنے کا عوض بھی لینا درست ہوگا، اور اجرت نہ دینے کی صورت میں حکومت کو پانی روک لینے کا حق ہے، کیوں کہ پانی اور سہولت کی چیزیں فراہم کرنے کا اگر عوض نہ دیا جائے تو یہ صرفہ کس طرح پورا ہوگا، بیت المال سے حکومت چلتی ہے اور بیت المال کا خزانہ تو عوام سے ہی لیا جائے گا جیسے خمس، عشر، خراج وغیرہ سب اسی کی صورتیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے خیبر کی زمین کو بعض عوض کے بدلے تقسیم کیا تھا۔

تاہم اگر کوئی غریب ہے، ذرائع آمدنی نہیں ہے تو ان کو پانی کے عوض نہ دینے کی صورت میں پانی روک دینا درست نہ ہوگا، کیوں کہ وہ مجبور ہے اور اضطرار کی کیفیت سے گزر رہا ہے اور بیت المال میں تمام افراد کی ملکیت پائی جاتی ہے البتہ اس کا نظم ونسق حکومت کے قبضے میں ہے۔

۱۶-عوام کو جس طرح کا بھی ضرر ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو اس سے بچانا حکومت کی ذمہ داری ہے، ڈرینج کا نظام نہ بنانے کی صورت میں امراض پھیلیں گے، وبا پھیلے گی، اور عوام متاثر ہوں گے، اس لئے شہریوں کا حق ہے کہ وہ ڈرینج بنانے کا مطالبہ کریں اور حکومت فوری طور پر اس کا نظام بنائے، اس لئے کہ ضرر عام کا دفع حکومت کے واجبات میں سے ہے: **فكل ما يرى ولي الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعية وأبعد عن الفساد فله أن يفعله بل قد يجب عليه** (فتاویٰ معاصرہ ۱/ ۵۸۳)۔

هذا ما عندي و الله أعلم بالصواب

Marfat.com

آبی وسائل سے متعلق شرعی ہدایات

مفتی سید باقر ارشد بنگلوری قاسمی ☆

پانی اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام نعمتوں میں ایک ایسی اہم نعمت ہے جس کے حصول پر رب عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس دنیا کے لئے اور بالخصوص حیات انسانی کے لئے پانی بے حد ضروری ہے، اس کے بغیر انسانی زندگی اور اس کے متعلقات محال ہیں۔ ماحول اور انسانی حیات سے متعلق تمام وسائل پانی ہی پر منحصر ہیں۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر دنیا والے ہر سال مارچ ۲۲ کو "عالمی یوم آب" یا "ورلڈ واٹر ڈے" مناتے ہوئے عوام کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ تیزی سے پانی کی مقدار میں آتی جارہی کمی پر قابو پایا جائے۔ دنیا اور دنیا والے پانی کی قلت اور اس کی دن بہ دن کم ہوتی ہوئی مقدار کے تدارک کا انتظام عملی طور پر کرنے سے قاصر ہیں یا اس سلسلہ میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ یوم آب یا واٹر ڈے منالینا اس کا کوئی حل نہیں بلکہ عملی اقدام کی ضرورت ہے، یا کسی ایسے نظام یا دستور یا قانون یا پھر طرزِ حیات وطریقہ بود و باش کی ضرورت ہے جس میں پانی کو کم سے کم استعمال کیا جائے یا پانی کی حفاظت اور پانی کے ضیاع اور اس کی فضول خرچی پر روک لگ سکے۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

شرب کے لغوی معنی پانی کے حصہ کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں شرب کہتے ہیں:

☆ سرپرستِ معہدِ یعقوبؒ، چن پٹن۔

Marfat.com

پانی سے فائدہ حاصل کرنا، زراعت کے لئے اور جانوروں کے پلانے کے لئے۔ ھو لغة نصیب الماء، وشرعاً نوبة الانتفاع بالماء سقیاً للزراعة والدواب...... (الدرالمختار ۱۰/۱۲، مکتبہ زکریا)۔

شفعۃ کے معنی ہیں انسانوں اور جانوروں کے پینے اور استعمال کے حق کے......

الشفة: شرب بنی آدم والبھائم...... (الدرالمختار ۱۰/۱۲، مکتبہ زکریا)۔ وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ: ھو حق الانتفاع بالماء لشرب الإنسان والاستعمال المنزلی من طبخ وغسل ونحوھما، ولسقی البھائم بالشفاہ لدفع العطش ونحوہ...... الخ (۶۰۲/۵)۔

پانی کے استعمال کے سلسلہ میں شریعت کے احکام یہ ہیں کہ غیر مملوکہ پانی کے استعمال کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ لیکن اس کا استعمال ایسے کرے کہ دوسرے کو یا عوام کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور نہ ہی اس پانی کے ذریعہ کو کسی قسم کا ضرر ہو۔ رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی گھاس اور آگ)۔ مملوکہ پانی کے استعمال میں پانی کے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ اگر پانی پر مشترکہ ملکیت ہو تو ایسی صورت میں اس کے استعمال کے لئے پہلا حق اس کا ہوگا جس کا نقصان زیادہ ہو رہا ہو۔ حدیث رسول اکرم ﷺ "لا ضرر ولا ضرار" کے تحت پانی کے استعمال میں عوام کا مفاد بھی پیش نظر رہے، پانی کا زیادہ استعمال یا پانی کو ایسا سینچنا کہ عوام کو نقصان ہو تو ایسی صورت میں اجتماعی ضرورت پیش نظر رہے اور انفرادی مفاد کو ترجیح نہ دی جائے۔

عوام کے لئے جائز ہے کہ وہ بارش کے پانی سے استفادہ کریں، اس کو اپنے استعمال کے لئے بہنے سے روکیں اور اس کو محفوظ کر کے بعد میں استعمال کریں۔ اسی طرح سے بہتے ہوئے پانی سے استفادہ کرنا عوام کے لئے جائز ہے۔

Marfat.com

اگر پانی ایک آدمی کی ملکیت ہے تو وہ جیسے چاہے ویسے اس سے انتفاع کرسکتا ہے، لیکن اگر پانی کے ایک سے زیادہ مالک ہیں تو ان کے درمیان عدل قائم رکھنا ضروری ہے۔ اور ان میں جس کا زیادہ نقصان ہونے کا اندیشہ ہو اس کو پہلے انتفاع کا موقع ہوگا۔

ٹیوب ویل، کنواں یا نہر سے آب پاشی کے لئے بنائی گئی چھوٹی نالیوں کے پانی سے انسانوں و جانوروں کے پینے کے لئے مباح ہے۔ کسی حکومت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ عوام کے پیسوں سے بنائی گئی نہروں اور ٹیوب ویل کے پانی کا کرایہ لے۔

پانی کی اقسام:

مطلق پانی کی قسمیں:

۱- آسمان کا پانی یعنی برسات کا پانی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وینزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به۔ وفي الموصوعة الفقهية: الأول: ماء السماء أى النازل منها يعنى المطر۔ ومنه الندى** (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵۹/۳۹ باب المیاہ)۔

۲-سمندر کا پانی: **وفي الموسوعة الفقهية: ما البحر، والأصل فيه ما رواه أبوهريرةؓ: سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! إنا نركب البحر ونحمل معنا القليل من الماء فإن توضأنا به عطشنا أفنتوضأ من ماء البحر، فقال رسول الله ﷺ: هو الطهور ماؤه الحلّ ميتته** (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵۹/۳۹ باب المیاہ)۔

۳- بڑی اور چھوٹی نہروں کا، نالوں کا پانی۔

۴-کنویں کا پانی: **وفي الموسوعة الفقهية: والأصل فيه ما ورد عن أبى سعيد الخدريؓ قال: قيل: يا رسول الله ﷺ! أنتوضأ من بئر بضاعة، وهى بئر يلقى فيها الحيض ولحوم الكلاب والنتن؛ أى كانت تجرفها إليها السيول من الطرق والأفنية ولا تطرح فيها قصداً و لا عمداً فقال رسول الله ﷺ: إن الماء**

Marfat.com

طهور لا ينجسه شئي (الموسوعة الفقہیہ ۲۵۹/۳۹ باب المیاہ)۔

۵-چشمے کا پانی، یعنی وہ پانی جو زیر زمین نکلتا ہے۔

۶- برف کا پانی: برف میں دو قسمیں ہیں: ایک وہ برف جو آسمان سے پانی کی شکل میں گرتی ہے اور پھر جامد ہو جاتی ہے یا پھر پانی ہی کو مصنوعی طریقوں سے برف بنایا جاتا ہے۔ ماء الثلج وهو ما نزل من السماء مائعاً ثم جمد، أو ما يتم تجميده بالوسائل الصناعية الحديثة۔ دوسری قسم برف کی وہ ہے جو آسمان ہی سے جامد گرتی ہے اور زمین پر پانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ماء البرد وهو ما نزل من السماء جامداً ثم ماع علىٰ الأرض، ويسمى حب الغمام وحب المزن...... (الموسوعة الفقہیہ ۲۵۹/۳۹ باب المیاہ)۔

نجاست وطہارت کے اعتبار سے پانی کی قسمیں:

نجاست وطہارت کے لحاظ سے پانی کی تین قسمیں ہیں، طہور، طاہر اور غیر طہور متنجس۔

طہور: پاک کرنے کی صلاحیت کا حامل پانی۔ یہ وہ پانی ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہو یا پھر زیر زمین موجود سوتوں سے نکلا ہو۔ اور اس پانی کی تین علامتوں (رنگ، بو وذائقہ) میں سے کسی بھی علامت میں فرق نہ آیا ہو۔

طاہر: یہ وہ پانی ہے جو پاک کرنے والا تھا مگر اس کو اس طرح سے استعمال میں لایا گیا کہ اس کا رنگ یا ذائقہ یا بو کسی پاک شئی کے مل جانے سے متغیر ہو جائے، جیسے دودھ، گلاب کا عرق وغیرہ جس سے اس کے سیلان ورقت میں فرق آ گیا ہو، ایسا پانی پاک تو رہے گا مگر اس کا وصف طہوریت باقی نہ رہے گا، لہٰذا اس سے وضو یا غسل جائز نہیں ہوگا بلکہ کھانے یا پینے میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

غیر طہور متنجس: یہ نجاست آلود پانی ہے جو پاک نہیں ہے اور نہ ہی پاک کرنے والا، لیکن اگر نجاست کثیر پانی میں مل جائے اور اس سے اس کے رنگ یا ذائقہ وبو میں کوئی فرق نہ آئے

Marfat.com

تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کم مقدار کا پانی کسی نجس شئی کے مل جانے سے ناپاک ہو جائے گا خواہ رنگ، ذائقہ و بو بدلے یا نہ بدلے (کذا فی الکتب الفقہیہ)۔

۲- پانی میں فضول خرچی کی صورتیں:

پانی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ لہٰذا پانی میں فضول خرچی نہ کی جائے، اس میں اسراف نہ کیا جائے، ارشاد باری ہے: "**كلوا واشربوا ولا تسرفوا اِنّ الله لا يُحب المسرفين**" (اے بنی آدم کھاؤ اور پیو، لیکن اسراف مت کرو، اللہ تعالیٰ اسراف وفضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بتلا دیا کہ وضو میں اعضاء کا ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہے، زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھونے کا جواز ہے، تین سے زیادہ مرتبہ دھونا اسراف میں داخل ہے اور یہ مکروہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے: **قال أبو عبدالله: وبيّن النبى ﷺ أنّ فرض الوضوء مرة مرة وتوضأ أيضاً مرتين وثلاثاً ولم يزد علىٰ ثلاث وكره أهل العلم الإسراف فيه وأن يجاوزوا فعل النبى ﷺ......** (صحیح البخاری، کتاب الوضو، باب ما جاء فی الوضو، سی ڈی انسائیکلو پیڈیا آف حدیث)۔

رسول اکرم ﷺ پانی کے استعمال میں احتیاط فرمایا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ وضو کے لئے ایک مد اور غسل کے لئے ایک صاع پانی کا استعمال کیا کرتے تھے، وزن کے اعتبار سے ایک مد پانی کی مقدار 2/3 لیٹر اور ایک صاع پانی کی مقدار 3 لیٹر اور 1/2 لیٹر ہوتی ہے۔ لہٰذا نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: **والمستحب الا ينقص فى الغسل عن صاع ولا فى الوضوء عن مد...... والصاع خمسة أرطال وثلث بالبغدادى والمد رطل وثلث .... و ذكر جماعة من أصحابنا وجهاً لبعض أصحابنا؛ أنّ الصاع هنا ثمانية أرطال والمد رطلان...... وأجمع العلماء**

Marfat.com

على النهي عن الإسراف في الماء ولو كان على شاطئ البحر، والأظهر أنه مكروه كراهة تنزيه، وقال بعض أصحابنا الإسراف حرام والله أعلم (صحیح مسلم بشرح النووی، القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، سی ڈی انسائیکلوپیڈیا آف حدیث)۔

حدیث: "أنّ الوجوء شیطاناً يقال له الولهان فاتقوا وسواس الماء" (رواہ الترمذی) کے تحت تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے: والحديث يدلّ على كراهية الإسراف في الماء للوضوء وقد أجمع العلماء على النهي عن الإسراف في الماء ولو على شاطئ النهر ...... (تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، رقم حدیث: ۵۲)۔

صحیح مسلم اور سنن النسائی میں ہے: "أنّ النبي ﷺ يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد......" (صحیح مسلم، کتاب الحیض، رقم: ۴۹۰، سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، رقم: ۷۲)۔

ان تمام عبارات وروایات سے واضح ہوتا ہے کہ پانی میں اسراف وفضول خرچی سے اجتناب کیا جائے، وضو میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ، یا دو دو مرتبہ یا تین تین مرتبہ دھویا جائے، اس سے زیادہ مرتبہ دھونا اسراف میں داخل ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچیں، مثلاً ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال، قریہ جات ودیہاتوں میں جہاں کھیتوں وباغات کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے وہاں پانی ضرورت سے زیادہ پمپ ہاؤس سے خارج ہوتا ہے اور گندی نالیوں میں بہتا رہتا ہے، جب کہ شہروں میں پانی کی قلت کا رونا رویا جاتا ہے اور بہت ہی کم سپلائی شہروں کو ہوتی ہے۔

آج کل اسلام ومسلمین پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ روزانہ پنج وقتہ وضو سے پانی کا ضیاع ہو رہا ہے، اسراف ہو رہا ہے، جب کہ نبوی تعلیم یہ ہے کہ تین سے زیادہ مرتبہ اعضاء کا وضو میں دھونا اسراف اور وضو میں ایک مد سے زیادہ، غسل میں ایک صاع سے زیادہ کا استعمال اسراف میں شامل ہے۔ مگر دوسرے مذاہب میں اس طرح کی نہ تو تعلیم ملتی ہے اور نہ ہی اس

Marfat.com

انداز میں پانی کے استعمال میں احتیاط کی جاتی ہے۔ منہ دھونے کے نام پر نلوں سے بے تحاشا پانی، غسل کے لئے شاور اور بڑے سے باتھ ٹب کا استعمال کیا جاتا ہے، یہ سب فضول خرچی کو شامل ہے۔

۳- پانی کا آلودگی سے بچاؤ- شریعت کی نظر میں:

عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه نهى أن يبال في الماء الراكد...... (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم حدیث: ۴۲۳، وایضاً فی صحیح البخاری فی الوضوء رقم: ۲۳۲، النسائی فی الطہارۃ رقم: ۶۷ وغیرہ)۔

قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم ولا يغتسل فيه من الجنابة...... (سنن ابی داؤد، طہارۃ: ۶۴)۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکام وجوب کے درجے میں ہیں اخلاقی نوعیت کے نہیں۔

جس طرح پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکام شریعت میں وجوب کا درجہ رکھتے ہیں اسی طرح پانی کی صفائی اور اس کو پاک کرنے کے احکام بھی شریعت میں لازم و وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔

۴- کیمیاوی طریقہ سے پاک کیا گیا آلودہ و گندہ پانی:

پانی کی آلودگی کو دور کرنے کے روایتی دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ پانی میں سے کچھ متعینہ مقدار نکال دی جائے بقیہ پانی کے پاک ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پانی میں کثیر مقدار میں (موجودہ آلودہ پانی کی مقدار سے زیادہ) پانی اس میں ملا دیا جائے تاکہ نجاست زائل ہو جائے۔

پانی کی آلودگی کو دور کرنے کا جدید طریقہ کے سلسلہ میں اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے

Marfat.com

یہ تفصیل پیش کی ہے کہ پانی کی صفائی کے ماہرین نے وضاحت کی کہ پانی میں نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے۔ پہلا مرحلہ ترسیب ہے یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں۔ دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا ہے۔ تیسرا مرحلہ بیکٹر یاز کو مار دینا اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹر یاز کو دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا ہے۔ ان مرحلوں کے بعد پانی کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ ماہرین مسلمان، عادل اور صدق وامانت میں قابل اعتماد ہیں (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے؛ص ۳۱۷)۔

چنانچہ اس کی بنیاد پر اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے فیصلہ لیا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعہ صاف کردیا جائے اور اس کے مزہ رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجائے گا۔ اور اس پانی سے پاکی کا حصول اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہوجائے گا کہ اگر زیادہ پانی میں گری ہوئی نجاست کا ازالہ اس طرح ہوجائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہوجاتا ہے (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے: ص ۳۱۷-۳۱۸)۔

آلودہ پانی جو کیمیاوی طریقہ سے پاک وصاف کیا گیا ہو، صفائی کے بعد اس میں سے وہ گندگیاں وآلودگیاں بھی دور ہوگئی ہوں اور صاف وپاک پانی کے اوصاف بھی پائے گئے ہوں تو میرے نزدیک ایسے پانی سے نجاست کا ازالہ، پاکی کا حصول اور کھیتوں وباغات کی سینچائی اور اس کا پینے کے لئے استعمال جائز ہے۔

اسی طرح پانی پاک ہے مگر وہ استعمال کے قابل نہیں ہے، مثلاً سمندر کا پانی کھارا ہونے کی وجہ سے نہ پینے کے کام آتا ہے اور نہ ہی کپڑے وغیرہ دھونے کے۔ ایسے پانی کو کیماوی طریقہ سے قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر آلودہ وگندہ پانی کو ایسا پاک کیا گیا کہ پانی کے پاک ہونے کی تین خصلتین اس میں پائی گئیں (رنگ، مزہ، بو) تو ایسی صورت میں وہ پاک ہوگا۔

Marfat.com

کیونکہ ماء کثیر ہو اور اس کا کوئی وصف متغیر ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا (دیکھئے: فتاوی تاتارخانیہ ار ۹۲، مکتبہ دارالایمان سہارنپور، مراقی الفلاح ر ۱۹)۔

۵- پانی کے استعمالات پر حکومتی پابندی جائز ہے یا ناجائز؟

تمام شہریوں کے لئے پانی پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے پینے، ان کے استعمال کے لئے، زمین کی سینچائی اور جانوروں کو پلانے کے لئے پانی کا پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور شہریوں کا یہ بنیادی حق ہے۔ اب اس حق کو پہنچانے کے لئے حکومت اپنا اختیار استعمال کرسکتی ہے۔ لہٰذا پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے پانی کے بے جا استعمال پر حکومت پابندی لگاسکتی ہے اور اس طرح کی پابندی پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ پانی سب کو پہنچائے اور پانی کے ضیاع کو روکے۔ اگر کہیں کہیں پانی کا ضرورت سے زیادہ استعمال ہورہا ہے اور یہ عام لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس طرح کی زیادتی کو روکے۔ کما فی الہندیۃ: لو أراد الأمیر أن یجعل شرباً لرجل من النھر الأعظم أو یزید کوۃ إن کان یضر بالعامۃ لا یجوز وإن لم یضر بھم جاز ...... (فتاویٰ الہندیہ ۵؍۴۰۵)۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں موجود پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

آدمی کی مملوکہ زمین میں موجود پانی پر اسی آدمی کا حق ہے، اس پر حکومت اپنا حق نہیں جتاسکتی الا یہ کہ اس پانی وزمین کا مالک خود حکومت کو اس کا اختیار دے دے۔ اگر پانی کی سطح میں کمی کا خوف ہو تو ایسی صورت میں حکومت اس کو ضرورت سے زیادہ کے استعمال سے منع کرسکتی ہے، بقدر ضرورت استعمال سے منع کرنے کا پھر بھی اس کو کوئی حق نہیں۔ ہاں افزود پانی کو مالک زمین یا پانی کا مالک روک نہیں سکتا، اس کو افادہ عام کے لئے جاری کردینا چاہئے۔

اگر بہتا ہوا پانی ہے، بڑی نہر یا بڑی ندی کی صورت میں تو اس صورت میں آدمی کی

Marfat.com

زمین میں بہنے والا پانی پر اس آدمی کا صرف پینے، استعمال کرنے اور جانوروں کو پلانے یا کھیت کو سیراب کرنے کا حق ہے، وہ اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور حکومت اس کی حقدار ہے۔ مگر وہ آدمی کو پینے، استعمال کرنے، جانوروں کو پلانے، کھیت کو سیراب کرنے سے عام حالات میں روکنے کا حق نہیں رکھتی؛ البتہ پانی کی قلت کا قوی خوف ہو تو ایسی حالت میں حکومت اس کے استعمال سے روک سکتی ہے۔ ایسے حکم کا ماننا ضروری ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/۱۲۹، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۶۰۳، فتاویٰ ہندیہ ۵/۴۸۰)۔

۷- پانی کے ذخائر کی حفاظت کا حکم:

پانی کی قلت سے بچنے اور اس میں اضافہ کی کوشش کرنے کی حکومت اور عوام دونوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں پانی کو محفوظ کیا جانے کا انتظام ہوتا ہے وہاں زیر زمین پانی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ حکومت اگر شہریوں کو پابند کرتی ہے کہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو پانی کی حفاظت کے لئے مختص کریں تو اس کا ایسا کرنا صحیح ہے، کوئی قباحت نہیں۔ شرعاً اس کی تعمیل ضروری ہوگی۔

کما فی الفتاویٰ الہندیۃ: **وأما الذی یکون کریه وإصلاحه علی أهل النهر فإن امتنعوا أجبرهم الإمام علی ذلک.......... فإذا امتنعوا أجبرهم لأن فساد ذلک یرجع إلی العامة وفیه تقلیل الماء علی أهل الشفة ....الخ"** (۵/ ۴۷۳)۔

اس عبارت میں جہاں امام المسلمین یا حکومت کو یہ اختیار ہے کہ مملوکہ نہروں کی اصلاح صاحب نہر کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو ان پر زبردستی کرے تاکہ وہ نہر کی اصلاح کریں، یہ زبردستی عوام کے مفاد کے لئے ہے، اسی طرح سے پانی کی قلت سے بچنے کے لئے حکومت عوام کو مجبور کرسکتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو پانی کی حفاظت کے لئے مختص کریں۔

Marfat.com

۸-آبی ذخیرہ کے لئے آبادی کی منتقلی:

اجتماعی مصلحت کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے یا بڑے پیمانے پر آبی ذخیرہ کے لئے آبادی کو دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے مگر اس آبادی میں موجود افراد کو ان کی اس جگہ کا بہتر معاوضہ ادا کیا جائے یا متبادل زمین دی جائے اور ان کی رضامندی سے زمین کو حاصل کیا جائے۔

۹-اپنی حفاظت کے لئے پانی کو دوسری بستی کی طرف چھوڑ دینا:

کسی آبادی میں سیلاب آجائے اور اس بستی والے اپنی حفاظت کی غرض سے ڈیم کو توڑ دیں اور پانی کو دوسری آبادی یا بستی کی طرف چھوڑ دیں اور ان کے اس اقدام سے دوسری بستی کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں دینی واخلاقی دونوں پہلوؤں سے جائز نہیں ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کے لئے دوسرے کی جان لینا جائز نہیں۔ خود کے نقصان سے بچنے کی خاطر دوسری بستی کو نقصان میں مبتلا کردینا غیر انسانی حرکت ہے، اگر بستی والے سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے ڈیم کو توڑ کر پانی کو دوسری بستی کی جانب چھوڑ دیتے ہیں تو ان پر ضمان واجب ہوگا۔ ساری بستی والے اس بستی کے نقصان کی بھرپائی کریں گے۔

کما فی الہندیہ: رجل سقی أرضه فتعدی الماء إلی أرض جاره أن أجری الماء إجراء لا یستقر فی أرضه بل یستقر فی أرض جاره یضمن...... وإن کانت أرضه فی صعدة وأرض جاره فی هبطة ویعلم أنه لو سقی أرضه یتعدی إلی أرض جاره یضمن...... (فتاوی الہندیہ ۵/ ۴۸۲-۴۸۳)۔

وعلیٰ هذا قالوا: إذا فتح رأس نهره فسال من النهر شئی إلی أرض جاره فغرقت ینظر إن کان فتح من الماء مقدار ما یفتح من الماء فی مثل ذلک النهر فی العرف والعادة لا یضمن وإن فتح مقدار ما لا یفتح مثله فی ذلک النهر ضمن کذا فی محیط السرخسی...... (فتاوی الہندیہ ۵/ ۴۸۳)۔

Marfat.com

۱۰-عام آبی ذخائر سے استفادہ کی حد:

دریا، ندی، عوامی کنویں اور چشموں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں بلکہ یہ عام استعمال کے لئے ہے اور اس پر کوئی اپنا حق جتا بھی نہیں سکتا۔ سرکاری تالاب حکومت کی ملکیت ہوتا ہے اور حکومت کی اجازت سے اس کی ملکیت سے عوام کے لئے استفادہ کرنا جائز ہے۔ ان میں عامۃ الناس کے لئے حق شفہ وحق سقی اراضی ہے۔ یعنی ان تمام ذرائع سے عام لوگ پینے کا پانی حاصل کرسکتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں۔ کھیتوں کی سیرابی کے لئے بھی ان کا پانی استعمال کرسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ ان ذرائع سے پانی بھی کھینچ سکتے ہیں اور پانی کو کاٹ کر اپنی زمین یا کھیت تک لیجاسکتے ہیں، اس کے لئے وہ مشین کا استعمال بھی کرسکتے ہیں بشرطیکہ عوام کو اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔ اگر ضرر عامہ ہو تو ایسی صورت میں پانی کو کاٹ کر لے جانا جائز نہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلأ والنار (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں؛ پانی گھاس اور آگ)۔

وفي رد المحتار: أن المياة أربعة أنواع. الأول: ماء البحار، و لكل أحد فيحا حق الشفه و سقى الأراضى فلا يمنع من الانتفاع على اىّ وجه شاء...... وحاصله : أن لكل أحد فى الأولين حق الشفة و السقى لأرضه، و فى الثالث حق الشفة فقط، ولاحتىٰ فى الرابع لأحد...... (ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۰/ ۱۲، مکتبہ زکریا دیوبند، نیز فتاوی ہندیہ ۵/ ۴۷۵، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/ ۱۲۹)۔

۱۱- بہتے ہوئے پانی سے کس حد تک استفادہ کا حق ہے؟

بہتے ہوئے پانی سے استفادہ کا عام لوگوں کو حق ہے، کیونکہ بہتے ہوئے پانی پر کسی کی ملکیت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی کھدائی میں کسی شخص نے محنت وجد وجہد

Marfat.com

نہ کی ہو۔لیکن کوئی ایسی نہر یا ندی جو مختلف علاقوں اور لوگوں کے کھیتوں پر سے گذرتی ہو تو اس پر ان سب لوگوں کا حق ہے جن جن کے کھیتوں پر سے وہ نہر یا ندی گذرتی ہے۔ ہر ایک کو اختیار ہے کہ اس نہر یا ندی کو نقصان پہنچائے بغیر نہر یا ندی سے کوئی نالہ کھود کر اپنی زمین یا کھیت تک لے جائے۔ ہاں اگر اس کے اس فعل سے نہر یا ندی کو نقصان پہنچتا ہے تو ایسی صورت میں یہ مفاد عامہ کے خلاف ہوگا، اس شخص کے لئے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ نالہ کھودے، البتہ وہ کسی برتن سے پانی لے کر کھیت یا زمین تک پہنچا سکتا ہے یا عارضی طریقہ سے یا مشین وغیرہ سے سینچائی کر کے پانی کو حاصل کرسکتا ہے۔ وفی الفتاویٰ الہندیہ: ما یجری علیٰ نهر خاص لقرية فلغيرهم فيه شركة في الشفة وهو الشرب وسقي الدواب ...... (الفتاویٰ الہندیہ ۵/ ۴۷۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

خود کے پینے کے لئے یا اپنے جانور کو پانی پلانے کے لئے اور دوسری ضروریات کے لئے اس نہر کا پانی وہ شخص استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔اس کے لئے وہ کوئی سا طریقہ استعمال کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کے اس اقدام سے نہر کو یا کسی دوسرے پڑوسی کو نقصان نہ پہنچے۔

ایسا شخص جس کے کھیت یا زمین پر سے وہ نہر یا ندی نہ گذر رہی ہو تو اس کے لئے اس نہر سے پانی پینے، اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا اختیار ہوگا۔ مگر اس کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اس نہر سے اپنی کھیتی، زمین یا درخت کو پانی دے، نہ ہی وہ نہر کو کاٹ کر کھیت یا زمین تک پانی لیجا سکتا ہے اور نہ ہی وہ برتن میں بھر بھر کر پانی لیجا سکتا ہے۔ اہل نہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو اس ضمن میں روکیں (دیکھئے: الفتاویٰ الہندیہ ۵/ ۴۷۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

حکومت اس بڑی نہر یا ندی میں سے اگر کسی کو استعمال کرنے کے لئے نہر کھودنے کی اجازت دے دے، ایسی صورت میں اگر اس سے دوسرے عام لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو تو حکومت کا اجازت دینا جائز نہیں، اور اگر عام لوگوں کو ضرر نہ پہنچتا ہو تو اجازت دینا حکومت کے لئے جائز ہے۔ ضرر نہ پہنچتا ہو پھر بھی پڑوسیوں نے منع کیا یا اس کو روکنا چاہا تو ان کا روکنا جائز نہیں۔ کما فی

Marfat.com

الهندية: لو أراد الأمير أن يجعل شرباً لرجل من النهر الأعظم أو يزيد كوة إن كان يضر بالعامة لا يجوز وإن لم يضر بهم جاز...... (الفتاوی الہندیہ ۴۸۰/۵)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں

ملکیت کے اعتبار سے پانی کے چار ذرائع ہیں:

۱- سمندر

سمندر کا پانی، قدرتی نہریں و بڑے بڑے دریا کسی کی ملکیت نہیں بلکہ یہ عام استعمال کے لئے ہے اور اس پر کوئی اپنا حق جتا بھی نہیں سکتا۔ اس میں عامۃ الناس کے لئے حق شفہ و حق سقی اراضی ہے۔ یعنی ان ذرائع سے عام لوگ پینے کا پانی حاصل کر سکتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں۔ کھیتوں کی سیرابی کے لئے بھی ان کا پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ کوئی کسی کو روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ سمندر کا پانی اور اس سے استفادہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ سورج و چاند کی روشنی اور ہوا سے استفادہ کرنا، جیسا ان کے استفادے میں کوئی کسی کو روکنے کا اختیار نہیں رکھتا ایسے ہی سمندر کے پانی سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ یہ قدرتی وسیلہ ہے اور پانی کا عظیم سرچشمہ۔ بڑی نہریں اور بڑے بڑے دریا بھی قدرت کا عظیم تحفہ ہیں اور عامۃ الناس کے استفادے کے لئے بنائے گئے ہیں (دیکھئے: ردالمحتار علی الدر المختار ۱۰/ ۱۲، مکتبہ زکریا دیوبند، الفتاوی الہندیہ ۴۷۵/۵ کتاب الشرب)۔

۲- نہر خاص:

وہ جھیلیں یا تالاب، نہریں جن کو کسی شخص نے اپنی ذاتی محنت و مشقت اور صلاحیت سے اپنے سرمایے سے بنوایا ہو یا حکومت نے اپنے سرمایہ سے بنوایا ہو۔ یہ دوسری قسم کا پانی جو کسی خاص آدمی کی ملکیت ہو، اس کا استعمال انسان و جانور اپنی ضرورت کے لئے کر سکتا ہے، مگر کھیت کی سیرابی یا سینچائی بغیر اس کے مالک کی اجازت کے جائز نہیں۔ ہاں اس کے مالک کو یہ حق نہیں

Marfat.com

کہ لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روکے یا پانی پینے یا پلانے کا کوئی کرایہ وصول کرے یا اس پانی کو فروخت کرے، البتہ اس پانی کو کسی برتن میں محفوظ کرکے فروخت کرسکتا ہے (رد المحتار علی الدر المختار ۱۰ر ۱۲، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۳-کنواں یا حوض:

وہ کنواں اور حوض جن کو کسی شخص نے اپنی ذاتی محنت ومشقت اور صلاحیت سے اپنے سرمایے سے بنوایا ہو یا حکومت نے اپنے سرمایہ سے بنوایا ہو۔اس قسم کے پانی کے مالک کو یہ حق نہیں لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روکے یا پانی پلانے یا پینے کا کوئی کرایہ وصول کرے۔مگر کھیت کی سیرابی یا سینچائی بغیر اس کے مالک کی اجازت کے جائز نہیں (رد المحتار علی الدر المختار ۱۰ر ۱۲، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

اگر اس کے مالک نے لوگون کو پانی پینے سے روکا اور لوگوں کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ پانی پینے کا نہیں ہے تو ایسی صورت میں لوگ جبراً اس شخص کے کنویں یا حوض سے پانی لے سکتے ہیں۔مگر جب کثرت استعمال سے تالاب یا حوض کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا پانی کے خراب ہونے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں پانی کے استعمال سے اس کا مالک روک سکتا ہے یا اس کا کرایہ لے کر استعمال کی اجازت دے سکتا ہے۔ان ذرائع سے انسان و جانوروں کے پینے کے لئے پانی کا استعمال مباح ہے۔

۴-ذخیرہ کیا ہوا پانی:

وہ پانی جس کو کوئی شخص ذخیرہ کرلیتا ہو، بارش کا پانی یا ٹینک یا گھڑے میں بھر کر اپنے استعمال کے لئے رکھتا ہو۔یعنی برتن میں محفوظ کیا ہوا پانی محفوظ کرنے والے کی ملکیت ہے، اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں۔اس پانی کو اس کا مالک فروخت کرسکتا ہے۔اگر کسی کی پیاس کی وجہ سے جان پر بن آئی ہے اور اس برتن کے پانی کے علاوہ کہیں دوسرا پانی بھی میسر نہیں تو ایسی صورت

Marfat.com

میں جبراً اس پانی کے مالک سے پانی کو لیا اور پیا جاسکتا ہے (دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار ۱۰؍۱۲، مکتبہ زکریا دیوبند، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶؍۱۳۹)۔

کھیت کو پانی پہنچانے کے لئے کنواں یا نہر کھودنا یا ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے کوئی انتظام کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔

ندی یا تالاب میں پانی نکالنے یا لینے کی مشین لگا کر بھی پانی لینے کا حق ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس سے دوسرے کو نقصان نہ ہو۔ اور اگر پانی ختم ہو جائے یا دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو تو مشین لگا کر پانی لینے سے روکا جائے گا۔

ایسی جگہ جہاں کھیت کو پانی پہنچانے کا یا آب رسانی کا ذریعہ نہ ہو یا ذریعہ ختم ہو گیا ہو تو ایسی جگہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے صرفہ سے اس کا انتظام کرے، اگر اس کے بجٹ میں گنجائش نہ نکلے تو اس کو چاہئے کہ عوام سے اپیل کرے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔

نہر سے دور والی زمین کے مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زمین تک پانی کو بہا کر لے جائے یعنی سینچ کر لے جائے۔ اور پڑوس میں موجود زمین کے مالک کو یہ حق نہیں کہ وہ پانی کو سینچنے سے روکے۔

تاوان کے مسائل:

نیز کسی نے غیر ملکیت والے ذریعہ کا پانی کسی کے کھیت میں یا باغ میں جانے نہیں دیا جس سے اس کے کھیت کو نقصان ہو گیا...... ایسی صورت میں پانی کے روکنے والے پر تاوان واجب ہے۔

یا اسی طرح اپنے کھیت کا زیادہ پانی دوسرے کے کھیت میں کاٹ دیا جس سے اس کی کھیتی خراب ہو گئی یا ضائع ہو گئی تو ایسی صورت میں پانی زیادہ چھوڑنے والے سے تاوان لیا جائے گا۔

Marfat.com

اسی طرح اگر کسی نے راستے میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا تو ایسی صورت میں اس کنواں کھودنے والے کو چاہئے کہ خون بہا دے۔ لیکن اگر اس نے راستے میں کنواں حکومت کے حکم سے کھودا تو ایسی صورت میں اس پر خون بہا نہیں ہے۔

اور اگر اس نے کنواں اپنی ذاتی ملکیت والی زمین میں کھودا اور کوئی گر کر مر گیا تو ایسی صورت میں اس پر خون بہا نہیں ہے۔

۱۳- مملوکہ پانی کی تجارت کا جواز:

دن بہ دن کم ہوتی زیرِ زمین پانی کی سطح کے نتیجہ کے طور پر پانی کی قلت عام ہوتی جارہی ہے۔ دنیا میں بعض حصے ایسے ہیں جہاں پانی کم یابی ونایابی کے درجہ میں پہنچ چکا ہے۔ تقریباً ہر ملک میں آلودہ پانی و مستعمل پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کا عمل شروع ہو گیا ہے، واٹر پیوری فائر پلانٹ قائم کئے جارہے ہیں، پانی کی حفاظت کی ہدایات دی جارہی ہیں، ایسے میں پینے کی پانی کی قلت نے تاجر لوگوں اور حکومتوں کو پانی کی تجارت کا موقع فراہم کردیا۔ بوتل بند پینے کے پانی کی تجارت کا یہ طرز بہت ہی عام ہو گیا ہے۔ مختلف کمپنیاں باقاعدہ اس کاروبار میں شریک ہو گئی ہیں اور خوب خوب فائدہ اٹھارہی ہیں۔ دودھ کی قیمت بیس روپے ہے تو ایک لیٹر پانی کی قیمت بارہ سے پندرہ روپے ہے۔ بعض ممالک میں دودھ و مشروبات سے زیادہ قیمت پانی کی ہے۔

بہرکیف! زیر غور مسئلہ پانی کی تجارت ہی کا ہے کہ اسلامی شریعت اس سلسلہ میں ہمیں کیا حکم دیتی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: **الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار** (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی گھاس اور آگ)۔

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ پانی چونکہ اللہ کی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو لازمہ حیات بنایا ہے اور شریعت نے پانی کی فراہمی اور اس کے انتظام کرنے والے کے لئے اس عمل کو اس کے لئے

Marfat.com

صدقہ جاریہ فرمایا؛ چنانچہ اس کے نتیجہ میں پانی کی قلت اور اس کی فراہمی و دستیابی کے مشکل وقت میں آپ ﷺ کے داماد حضرت عثمانؓ بئر رومہ نامی کنویں کو پینتیس ہزار درہم میں خرید کر اہل اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا، لہٰذا اس سلسلہ میں کوئی کسی کو نہ روکے اور نہ ہی پانی کی فراہمی و دستیابی کو مشکل بنائے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ موجود پانی کو دوسرے مسافروں سے روکنے والا قیامت کے روز اللہ کی نظر کرم کا مستحق نہ ہوگا۔ **ثلاثة لا يكلمهم الله عزوجل ولا ينظر إليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم رجل على فضل ماء بالفلاة يمنعه من ابن السبيل**......الخ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۱۵۷، سی ڈی انسائیکلوپیڈیا آف حدیث)۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس پانی کی تجارت کی اجازت دی ہے جس کو مالک نے محفوظ کرلیا ہو، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے: **أنه نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه**...... (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۳ بحوالہ الاموال لابن سلام)۔ یعنی رسول اکرم ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا سوائے اس مقدار کے جسے نکال کر محفوظ کرلیا گیا ہو۔

تاہم فقہاء کرام نے ایسے پانی کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے جس کو کسی برتن یا کسی کنٹائنر میں بھر کر محفوظ کرلیا ہو۔ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ بہنے والا پانی یا عوام کی ملکیت والے پانی کو کوئی فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی خرید سکتا ہے۔ مگر کسی نے اپنے ذاتی صرفہ سے اپنی زمین پر اپنی ملکیت میں کنواں کھودایا پھر پانی کی ٹنکی یا کنٹائنر رکھا اور اس میں پانی بھر کر محفوظ کرلیا تو ایسی صورت میں وہ اس پانی کا مالک ہے اور اپنی ذاتی کوشش سے اس کو حاصل کیا ہے، اب وہ اس کو فروخت کرسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص پیاسا ہے اور مضطر ہے اس کو پانی دستیاب نہیں ہو رہا ہے اور پانی خریدنے کی طاقت بھی نہیں ہے اور اس پانی کا مالک دے بھی نہیں رہا ہے تو ایسی صورت میں اس پانی کے مالک سے زبردستی پانی کو حاصل کیا جائے گا۔ لیکن پانی کے مالک کو ایسی حالت میں مضطر کے لئے

Marfat.com

پانی کو روکنا جائز نہیں ہے۔

حق شرب کی خرید وفروخت جائز نہیں، لیکن کسی نے زمین فروخت کی اور شرب زمین کے ساتھ آگیا تو وہ زمین کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ کسی شخص نے زمین اجرت پر لی اور اس میں شرب کا ذکر نہ کیا، شرب آجائے تو وہ جائز ہے (دیکھئے: الفتاوی الہندیہ ۵/۴۷۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۶، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/۱۲۹)۔

۱۴- پانی کے ذخائر کو ختم کر کے آبادی بسانا کیسا ہے؟

دنیا میں رفتہ رفتہ پانی کی قلت بڑھتی جارہی ہے، زمین کی حدت میں اضافہ اور زیر زمین پانی کی سطح میں کمی کا ایک سبب پانی کے ذخائر کا سوکھ جانا بھی ہے، ایسے ماحول میں موجود آبی ذخائر کو ختم کر کے آبادی کو بسانے کا رجحان غلط بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ کیونکہ جنگلات، پہاڑ اور آبی ذخائر ماحولیات اور موسم میں دخیل ہیں۔ ان کو ختم کرنا نقصان دہ ہے۔ عام حالات میں تالاب کو ختم کر کے آبادی کو بسانا جائز نہیں کیونکہ اس سے عوام الناس کا نقصان ہے اور عوام کا نقصان کرتے ہوئے پانی کے ذخیرہ کو ختم کرنے کی اجازت نہیں (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۶۰۳)۔

ہاں اگر کسی شہر یا گاؤں میں ایک سے زیادہ آبی ذخائر موجود ہیں اور ایک کے ختم ہو جانے کے باوجود دوسروں سے پانی کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں پانی کے ذخیرہ کو ختم کر کے آبادی کو بسایا جاسکتا ہے۔

۱۵- آب رسانی کے انتظام کی ذمہ داری کا مسئلہ:

آب رسانی ہر ایک شخص کا حق ہے۔ اس کا انتظام ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اس کے لئے وہ نہر، ندی یا تالاب سے پانی کاٹ کر انتظام کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں پر آب رسانی کا معقول انتظام نہ ہو تو ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ اور عام شہریوں کو اس بات کا حق ہے کہ وہ آب رسانی کے لئے حکومت سے مطالبہ کریں؛ کیونکہ بنیادی ضرورتوں کی

Marfat.com

فراہمی حکومت کی اولین ذمہ داری ہے؛ چنانچہ آب رسانی کا حکومت انتظام کر رہی ہے تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اس آب رسانی کا معاوضہ ان لوگوں سے طلب کرے جو اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے پانی کی تجارت سے منع فرمایا لیکن اس پانی کی تجارت کی اجازت دی ہے جس کو مالک نے محفوظ کرلیا ہو، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے: **نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه**۔ یعنی رسول اکرم ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا سوائے اس مقدار کے جسے نکال کر محفوظ کرلیا گیا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اس پانی کی بیع، خرید وفروخت جائز نہیں ہے جو قبضہ میں نہیں ہے، ملکیت میں نہیں ہے اور اس پانی کی مقدار کی تجارت جائز ہے جس کو پانی کے مالک نے محفوظ کرلیا ہو۔

اور آب رسانی کے معاوضہ کی عدم وصولیابی پر حکومت کو اختیار رہے گا کہ وہ پانی کو روک لے۔

اگر حکومت آب رسانی کا انتظام کرنے سے قاصر ہے یا اس کے خزانے میں گنجائش نہیں ہے تو ایسی صورت میں عامۃ الناس سے رضا کارانہ طور پر آب رسانی کا انتظام کرنے کی اپیل کرے، لیکن ایسی صورت میں حکومت کو اس کا کرایہ وصول کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور شہریوں کو پانی کی فراہمی کا حکومت سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا مسئلہ:

استعمال شدہ پانی کی نکاسی، ڈرینج کا انتظام حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے، شرعاً حکومت پر واجب ہے کہ وہ اس سے متعلق انتظام ووسائل مہیا کرے، اور شہریوں کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل رہے گا۔

استعمال شدہ پانی کی نکاسی کے لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ڈرینج کا انتظام کرے، پانی کو نالیوں یا پائپوں کے ذریعہ اس جگہ تک لے جائے جہاں اس کے جمع ہونے کا

Marfat.com

انتظام کیا گیا ہے۔

حکومت کے لئے واجب ہے کہ اس سلسلہ میں اخراجات اپنے خزانہ سے پورے کرے۔ اگر حکومت کے خزانے میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کے اخراجات پورے کر سکے تو وہ شہریوں سے ٹیکس وصول کر کے وہ اخراجات پورے کر سکتی ہے۔

شہریوں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پانی کی نکاسی، ڈرینج کے انتظام اور خراب پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی قبل از وقت احتیاط و تدارک کے سلسلہ میں حکومت سے مطالبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

Marfat.com

تیسرا باب

مختصر مقالات

Marfat.com

Marfat.com

آبی وسائل اوران سے متعلق شرعی مسائل

مولانا عبدالجلیل قاسمی ☆

الحمد لمن هو أهله والصلوة والسلام على من لا نبى بعده: أمابعد

١-اللہ تعالی نے قرآن کریم میں پانی کو ان انعامات وعطیات میں شمار کیا ہے، جو انسان کی زندگی، اس کی صفائی ستھرائی، طہارت وپاکی، جانوروں کی سیرابی، باغات وکھیتی کی سینچائی کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔

ارشاد ہے: **وأنزلنا من السماء ماءاً طهوراً** (الفرقان:٤٨)۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: **فبين أن الماء المنزل من السماء طاهر فى نفسه مطهر لغيره** (قرطبی ٣٨/٧)۔

اللہ تعالی نے پانی نازل کرنے کی غرض وغایت خود ہی بیان کی ہے تاکہ مردہ زمین کو زندہ کریں اور جانوروں نیز انسانوں کو سیراب کریں۔

ارشاد ہے: **وهو الذى خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً** (الفرقان:٥٤)۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: **من الماء إشارة إلى أصل الخلقة فى أن كل حى مخلوق عن الماء** (قرطبی ٤٠/٧)۔ اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جو سورہ انبیاء میں ارشاد ہے: **وجعلنا من الماء كل شئ حى أفلا يؤمنون** (الانبیاء:٣٠)۔

فتح الباری (٣٧/٥) میں ہے: **عن أبى هريرةؓ قلت: يارسول الله اخبرنى عن كل شئ. قال: كل شئ خلق من الماء۔**

☆ قاضی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

Marfat.com

ان آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام جانداروں اور نبات کی پیدائش پانی سے ہے۔ اوران کی زندگی وبقاء کا انحصار بھی پانی پر ہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ پانی صرف انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ جانوروں اور نباتات کی زندگی کے لئے بھی کس قدر انتہائی ضروری ہے، اور یہ کہ یہ اللہ تعالی کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

۲-فضول خرچی کی تعریف: وأما السرف الذی نهی الله عنه فهو ما أنفق فی غير طاعة الله قليلاً كان أو كثيراً (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۷۶/۴) یعنی جس فضول خرچی سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے وہ اللہ تعالی کی اطاعت کے علاوہ میں خرچ کرنا ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ نیز موسوعہ میں علامہ شامی کی یہ تحقیق منقول ہے: الإسراف صرف الشئ فيما ينبغی زائداً علی ما ينبغی (ایضا ۱۷۷/۴) یعنی مناسب مقدار سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔

اگر پانی مملوک یا مباح ہوتو اسراف مکروہ ہے، اگر پانی موقوف ہوتو حرام ہوگا (شامی)۔

پانی میں درج ذیل صورتوں پر فضول خرچی کا اطلاق ہوگا:

(۱) وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو تین بار سے زائد دھونا، بشرطیکہ تین بار میں وضوء کامل ہوگیا ہو۔

(۲) غسل واجب میں بدن کو تین بار سے زائد دھونا (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۸۱/۴)۔

(۳) دور جدید میں پانی کی ٹنکی کے بھر جانے کے بعد بھی موٹر کو چالو رکھنا۔

(۴) نل کو کھلا ہوا چھوڑ کر وضو یا غسل کرنا۔ اس میں بھی ضرورت سے زائد پانی خرچ ہوتا ہے جو اسراف ہے۔

(۵) بیت الخلاء کی صفائی کے لئے ایک بار فلش کو دبا دینا تو ضرورت ہے؛ البتہ اس طرح دبا ہوا چھوڑ دینا کہ ضرورت پوری ہو جانے کے بعد بھی پانی گرتا رہے اسراف ہوگا۔

(۶) کھیت یا باغ میں سینچائی کرتے وقت ضرورت سے زائد پانی استعمال کرنا وغیرہ۔

الغرض جہاں بھی پانی کے استعمال کی ضرورت ہو وہاں پانی ضرورت کی مقدار سے

Marfat.com

زیادہ استعمال کرنا فضول خرچی میں داخل ہو کر حرام یا مکروہ ہوگا۔

۳-شریعت میں پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: لا یبولن أحدکم فی الماء الراکد (مسلم)۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں: علماء کے نزدیک پانی کے قریب بھی پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ ہے اگر چہ پانی تک نہ پہنچے۔ اس لئے کہ ممانعت عام ہے۔ نیز اس لئے کہ پانی کے لئے جانے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ نجاست پانی میں پہنچ جائے (مسلم ۱/۱۳۸)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کو نجاست سے بچانا واجب ہے۔

۴-آج کل گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ چار مرحلوں میں یہ عمل مکمل کیا جاتا ہے: پہلے مرحلہ میں پانی کو جمع رکھا جاتا ہے تا کہ اس کی کدورتیں اور گندگیاں نیچے تہ نشیں ہو جائیں۔ دوسرے مرحلہ میں اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کرلیا جاتا ہے۔ تیسرے مرحلہ میں جراثیم کش دوا کے ذریعہ ان کو مار دیا جاتا ہے۔ چوتھے مرحلہ میں ایسی دوائیں ڈال دی جاتی ہیں تا کہ پھر دوبارہ اس میں جراثیم پیدا نہ ہوں۔ اس کی یہ صورت بتانے والے یہ ماہرین مسلمان عادل اور صدق و امانت میں قابل بھروسہ ہیں۔ ان کے بتانے کے مطابق ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد پانی میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے تو کیا اس طرح نجاست کا اثر ختم ہو جانے کے بعد اس پانی کے طاہر ہونے کا حکم دیا جائے گا؟ اور کیا حدث و نجاست کے دور کرنے میں اس کا استعمال کرنا صحیح ہوگا؟

اگر پانی جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو لیکن کثیر ہو تو صرف نجاست کے واقع ہونے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ناپاک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو، یعنی پانی کا کوئی وصف رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے۔ اور اگر پانی قلیل ہو تو صرف نجاست کے واقع ہونے سے ہی پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

جس کثیر پانی کے اوصاف نجاست کے واقع ہونے کی وجہ سے بدل جائیں اس کی صفائی کا نظم ماضی قدیم میں نہیں تھا۔ یہ نظم جدید دور کی پیداوار ہے۔

جب ہم غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جاری پانی یا کثیر پانی میں صرف نجاست کے واقع ہو جانے سے فقہاء اس کو ناپاک قرار نہیں دیتے ہیں؛ بلکہ جب اس کے اوصاف میں تبدیلی ہو جائے تب اس کے ناپاک ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ناپاک ہونے کی وجہ صرف وقوع نجاست نہیں ہے بلکہ نجاست کے واقع ہونے کے بعد پانی کے اوصاف کا بدل جانا شرط ہے۔ اس لئے جب کیمیاوی عمل کے ذریعہ اوصاف کی تبدیلی جو نجاست کی وجہ سے تھی دور ہو جائے تو نجاست کے باوجود شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وہ پانی ناپاک باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے اس کو پاک قرار دیا جانا چاہئے۔

۵- حدیث میں ہے: من سبق إلى ماء لم يسبق إليه مسلم فهو له (ابوداؤد مع البذل ۴/۱۶۸)، نیز حدیث ہے: من أحيى أرضاً ميتة فهو له (ایضا ۴/۱۶۹)، اس کی شرح میں صاحب بذل المجہود فرماتے ہیں: أی صارت تلك الأرض مملوكة له لكن إذن الإمام شرط له عند أبی حنيفة... قال القاری: وفيه أن قوله ﷺ ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه يدل على اشتراط الإذن (بذل المجہود ۴/۱۶۹)، یعنی اگر کوئی پانی پر پہلے قبضہ کر لے وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غیر آباد زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کی ملکیت ہو گی تاہم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں امام کی اجازت شرط ہے۔ ملا علی قاری نے امام کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے۔ فقہی ضابطہ ہے: تصرف الإمام منوط بالمصلحة والرعاية (الاشباہ والنظائر/ ۱۳۳)، اس لئے اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو حکومت کو حق ہوگا کہ بعض استعمالات پر پابندی لگائے؛ تاکہ عام لوگوں کو ضرر سے بچایا جا سکے۔ ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا شرعاً واجب ہونا چاہیے۔

۶- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: المسلمون شركاء في ثلاث: في

Marfat.com

الماء والکلأ والنار (ابوداؤد مع البذل ۱۶۸/۴)، یعنی تین چیزوں میں تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ اوپر جو حدیث گزری اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان پانی کو اپنے قبضہ میں کر لے تو وہ مالک ہو جائے گا، اس حدیث کے بارے میں علامہ طیبی رقمطراز ہیں: المراد بالماء المیاہ التی لم تحدث باستنباط أحد وسعیه کماء القنی والآبار ولم تحرز فی إناء أو برکة أو جدول مأخوذ من النهر (شرح الطیبی ۱۸۰/۶)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی زیر زمین ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے اس لئے ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا؛ البتہ اگر حکومت بعض مصالح کی وجہ سے اس کے استعمال پر پابندی عائد کرے تو اس کو اس کا حق ہوگا اور اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

۷- پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو نبھانے میں عوام کے تعاون کی ضرورت محسوس کرے اور ان کی مدد کے بغیر اس پر قابو پانا حکومت کے لئے دشوار ہو تو وہ عوام سے تعاون لے سکتی ہے۔ ایسی صورت میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہوگا۔ اوپر جو فقہی قاعدہ مذکور ہوا کہ امام کا تصرف مصلحت پر مبنی ہوا کرتا ہے، اس میں یہ شرط ہے کہ تمام امور میں مصلحت کے مطابق امام کا تصرف اسی وقت قابل نفاذ ہوگا جبکہ وہ تصرف شریعت و مصلحت کے مطابق ہو۔

۸- اگر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے ڈیم تعمیر کرنا ضروری ہو۔ اور اس میں عام لوگوں کی مصلحت ہو تو تصرف الإمام منوط بالمصلحة کے پیش نظر ڈیم کی تعمیر جائز ہوگی۔ اس میں حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ ڈیم کی تعمیر کے لئے زرعی علاقوں کا انتخاب کیا جائے۔ ایسی صورت میں جو اراضی ڈیم کی تعمیر کے لئے لی جائیں ان کا مناسب معاوضہ ادا کیا جائے۔ اگر کوئی جگہ ایسی ہو کہ وہاں ڈیم کی تعمیر ضروری ہو لیکن زرعی علاقہ میں اس کی تعمیر مفید نہ ہو بلکہ آباد حصہ میں تعمیر ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں عام لوگوں کی مصالح کے پیش نظر اس آبادی کو منتقل کرنا جائز ہونا چاہئے۔ اسی کے ساتھ ان کو زمین و مکان کا معاوضہ اتنا دینا چاہئے کہ وہ دوسری جگہ زمین

Marfat.com

حاصل کر کے اس طرح کا مکان بنا سکیں جیسا ان کا مکان تھا۔ اور اس میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح یعنی عام مصالح کی وجہ سے ایسا کیا جائے۔ صرف آبادی کو ضرر پہنچانے کے لئے اس طرح کا منصوبہ نہ بنایا جائے۔

۹- اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو دھمکی دی جائے کہ اگر تم فلاں کو قتل نہیں کرو گے تو تم کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کے لئے فلاں کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا (الاشباہ والنظائر ر ۱۴۰)۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے دو شخص کو یکساں استفادہ کا حق ہے، لیکن اس میں شرط ہے کہ دوسرے کو ضرر نہ ہو، اس لئے کہ خود اپنی ملکیت میں کوئی ایسا تصرف کرنا جائز نہیں ہے جس سے دوسرے کو ضرر ہو۔ اس کی مثالیں فقہ وفتاوی کی کتابوں میں معروف ہیں۔ تو عام مباح اشیاء میں تو بدرجہ اولی دوسرے کو ضرر نہ پہنچانے کی قید ہوگی۔

۱۱- نہر کے پانی کو روکے بغیر اپنے کھیت میں اتنا پانی روکنے کا حق ہوگا جتنا کھیتی کے لئے ضروری ہو۔

۱۲- جب کوئی شخص پانی اپنے برتن یا اپنی ٹنکی وغیرہ میں محفوظ کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ کوئی حیلہ کر کے پانی زمین سے نکالے گا تو اس کا مالک ہوگا جیسے نل یا پمپ کے ذریعہ پانی نکالے تو وہ اس پانی کا مالک ہو جائے گا۔

۱۳- ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص پانی کا مالک ہو جائے گا۔ تو اس میں اس کو ہر قسم کے جائز تصرف کی اجازت ہوگی؛ چنانچہ وہ جس طرح اس پانی کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہے اسی طرح اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔

۱۴- نشیبی علاقے اگر کسی کی ملکیت ہوں تو ان کو اس میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جا سکتا الا یہ کہ دوسروں کو اس سے ضرر ہو۔ ان علاقوں میں مکانات بنانے کی صورت میں یہ سمجھنا کہ وہاں جو پانی جمع رہتا تھا وہ آبادی میں داخل ہو جاتا ہے صحیح نہیں ہے؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب تک

Marfat.com

وہ اراضی نشیبی تھی آبادی کا پانی وہاں پہنچ کر رک جاتا تھا۔ اب جب وہاں مکانات بن گئے تو اب پانی وہاں جمع نہیں رہتا ہے بلکہ بہہ کر ندی وغیرہ میں چلا جاتا ہے اور ندی کی راہ سمندر میں چلا جاتا ہے۔ اس لئے ایسی نشیبی اراضی میں مکانات بنانے کو منع نہیں کیا جانا چاہئے۔

۱۵- تمام باشندگان ملک کی راحت رسانی اور ان کو نقصان سے بچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً روشنی کا نظم کرنا، پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا، مریضوں کے علاج کا نظم کرنا، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کرنا۔ اس سلسلہ میں جو اخراجات ہوں گے ان کو پورا کرنے کے لئے حکومت کو حق ہوگا کہ عوام سے ٹیکس وصول کرے۔ نیز اخراجات کی بھرپائی کو ان سہولتوں سے مربوط کر دینا بھی جائز ہوگا۔ مثلاً سڑک اور پلوں پر گزرنے والی گاڑیوں سے کرایہ وصول کرنا۔ اسی طرح آب رسانی کے اخراجات کو پانی کی قیمت سے مربوط کر دینا بھی صحیح ہوگا۔ اور قیمت ادا نہ کرنے والوں سے پانی کو روک لینا صحیح ہوگا۔

۱۶- استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا نظم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہوگی، تا کہ عام لوگوں کی صحت و مفادات کی حفاظت ہو سکے۔

Marfat.com

آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام

مفتی عبداللہ کاوی والا☆

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔

آیت: "وأنزلنا من السمآء ماء طهوراً، وينزل عليكم من السمآء ماء ليطهركم به"۔

حدیث: المآء طهور لاينجسه شئ۔

پانی اللہ کی نعمت ہے، اور یہ نعمت تمام نعمتوں سے جداگانہ ہے، ہم اس سے پاکی حاصل کرتے ہیں، اس کو کھانے پینے میں استعمال کیا جاتا ہے، اور پانی کی ضرورت ایسی ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو دنیا کی کوئی جاندار شئ باقی نہ رہے۔

لہذا پانی کو بقدر ضرورت استعمال کیا جائے، بے جا اسراف کرنے والے کو قرآن نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين"۔ بہرحال شریعت کے عمومی احکام اس طور پر ہیں، پانی کا استعمال جو ناپاک چیزوں میں ہوا کرتا ہے، اس کو پاک کرنا، جیسے ناپاک کپڑے ہیں، یا ناپاک برتن ہیں، یا ناپاک جگہ کو پاک کرنا، یا انسان بذات خود اپنی طہارت کے لئے استعمال کرے، وغیرہ اور بھی چیزیں ہیں۔

☆ دارالافتاء دارالعلوم کنتھاریہ، بھروچ، گجرات۔

Marfat.com

اسی طریقہ سے کھیتوں میں اور باغوں میں بھی پانی کا استعمال کیا جاتا ہے، جس سے اناج حاصل ہوتا ہے، اور باغوں سے پھل پھول حاصل ہوتے ہیں، ان کی بقا پانی سے ہے، اور پانی کا استعمال کھانے میں بھی ہوتا ہے، گھر بنانے میں ہوتا ہے، ہر طرح کی تعمیری کام میں ہوتا ہے، حاصل یہ کہ معلوم ہوا کہ انسان کو سب سے زیادہ اور ضرورت والی چیز پانی ہے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سے عمومی احکام ہیں۔

۲-پانی میں اسراف کی صورتیں:

پانی میں فضول خرچی کا اطلاق ان صورتوں پر ہوگا: جہاں جہاں پانی کو زیادہ صرف کیا جاتا ہے، اور صرف کرنا بھی بے محل ہو، اس پر فضول خرچی کا اطلاق ہوگا جیسے پاکی حاصل کرنے میں، وضو کرنے میں، غسل کرنے میں، استنجاء کرنے میں، ناپاک کپڑے کو پاک کرنے میں، اور کھانے پینے میں، ناپاک جگہوں کو صاف کرنے میں، اور اس کے علاوہ دیگر وہ کام جہاں پانی کا استعمال کیا جاتا ہے، اور اس میں فضول خرچی ہو، جیسے پانی سے نبی اکرم ﷺ نے وضو اور غسل فرمایا، اور آپ ﷺ کے غسل میں پانی کی مقدار آج کے وزن کے اعتبار سے ۱۵۰ء ۳ تین کیلو ایک سو پچاس گرام ہے، اور وضو میں ۷۹۰ گرام پانی کا استعمال کیا کرتے تھے (بحوالہ تحفہ الالمعی ۱/۲۸۷)۔ اس سے زیادہ اگر غسل اور وضو میں پانی استعمال کرے تو یہ اسراف ہوگا، اسی طریقہ سے اگر نل اس طرح لگایا گیا ہو، اس میں سے مسلسل جاری ہتا ہو اور اس کو برابر بند نہ کیا ہو، تو وہ بھی فضول خرچی ہے، اور کپڑا اور برتن دھونے میں پانی حد سے زیادہ بہانا، اور اسی طریقہ سے باغات اور کھیتوں کو سیراب کرنا اور اس میں پانی حد سے زیادہ استعمال کرنا، یہ اسراف ہے، اور اسی طریقہ سے گھر وغیرہ کی صاف صفائی میں، اور اسی طریقہ سے نہر یا تالاب میں وضو کرنا اور اعضاء کو بار بار دھونا، جدید دور کے اعتبار سے انگریزی باتھ روم میں ٹب وغیرہ ہوتے ہیں، اور اس میں پانی بھر کر غسل کیا جاتا ہے، اس طرح کرنا یہ بھی فضول خرچی ہے، اور جانوروں کو پانی پلانے میں یا

Marfat.com

نہلانے میں زیادہ استعمال کرنا، الغرض ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا فضول خرچی ہے۔

فضول خرچی کا شرعی حکم یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ (حوالہ مشکوۃ شریف صفحہ ۴۸، حاشیہ ۸)۔

اور قرآن کریم نے فرمایا: "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين"۔

اسراف اور تبذیر میں فرق ہے۔ اسراف کہتے ہیں: موقع صحیح ہو، لیکن وہاں زیادہ صرف کرنا، اور تبذیر کہتے ہیں: معصیت میں اور بے موقع اور بے محل خرچ کرنا۔

ایک مرتبہ حضرت سعدؓ وضو کر رہے تھے، اور حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ اسراف کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: یہ اسراف ہے، حضرت سعد نے عرض کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم بہتی نہر پر ہی کیوں نہ ہو، اسی طریقہ سے دوسری حدیث میں ہے: "فقد أساء وتعدى وظلم" تحقیق اس نے بہت برا اور زیادتی کی۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت کا حکم:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے پانی کو زیادہ صرف نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس کو اتنا ہی استعمال کرنا چاہئے، جتنی اس کی ضرورت ہو، اور پانی کو کھلی جگہ پر رکھنا اس طور پر کہ دھول وغیرہ اڑ کر اس میں جائے اس لئے پانی کو ڈھک کر رکھنا چاہئے، اسی طرح سے وہ پانی جو جمع کیا گیا ہو، لیکن وہ دردہ سے کم ہو، اس میں ناپاکی ڈالنا یا اس میں غسل کرنا جنابت کا یا اس میں استنجاء کرنا وغیرہ ان سب چیزوں سے بچنا اور اسی طریقہ سے کنویں وغیرہ میں ناپاکی یا گندگی کا ڈالنا اس سے احتیاط کرنا، کسی بھی چیز کے پاکی اور صفائی کرتے وقت اس طریقہ سے صفائی کرنا کہ اس کے گندے قطرے پاک پانی میں مل جائے، اس سے بھی احتیاط کرنا، اور برتن وغیرہ کو اس طور پر کھانا

Marfat.com

رکھنا کہ درندے اس میں منھ ڈالدے اس سے بھی بچنا۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت نے جو حکم دیا ہے، وہ وجوب کے درجہ میں ہے۔

حدیث: لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم، ولا یغتسل فیه الجنابة (ابوداؤد)۔

حدیث: لایبولن أحدکم فی الماء الدائم، لم یتوضأ منه (ترمذی)۔

۴-گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنانا:

آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاتا ہے، کیمیاوی طریقہ پر اس کی بدبو اور آلودگی دور ہوجائے اور پانی کے اندر کوئی وصف باقی نہ رہے تین وصفوں میں سے تو ایسا پانی پاک سمجھا جائے گا۔

کسی بھی چیز کی ماہیت اور حقیقت کے بدل جانے سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اور کسی بھی شئ کے بنیادی عناصر تین ہیں: رنگ، بو، مزا۔ تینوں وصف اگر کسی شئ میں سے ختم ہوجائے یا بدل جائے تو وہ شئ بھی بدل جاتی ہے، اور اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، جیسے کہ شراب اگر اس کو سرکہ بنادیا جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے، اور اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی طریقہ سے گدھا اگر نمک کے کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے، اور حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی طریقہ سے اگر گندے پانی اور آلودہ پانی کو بھی کیمیاوی طریقہ پر اس طرح کردیا جائے کہ اس کا مزا، رنگ اور بو ختم ہوجائے اور صاف پانی کی طرح ہوجائے تو اس پانی کو پاک سمجھا جائے گا، اور وہ قابل استعمال ہوگا۔

"قول محمدؒ أن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانیها خرجت عن کونها نجاسة، لأنها اسم لذات موصوفة فتنعم بانعدام الوصف

Marfat.com

وصارت كالضد إذا تخللت" (بدائع الصنائع ار ۲۴۳)۔

اس میں ایک اور بات ہے کہ عین نجاست کو کسی بھی طریقہ سے پاک کیا جائے وہ پاک نہیں ہوسکتا، جیسے پیشاب، دم مسفوح، پاخانہ، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں نجاست پوری پوری ہوا کرتی ہے، اور ان کو جدید طریقہ سے جس طرح بھی کارآمد بنایا جائے، لیکن وہ پاک نہیں ہوسکتیں۔

۵-حکومتوں کا پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگانا:

پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگاتی ہیں، اس بات کا حکومت کو حق ہے، اس لئے کہ اگر حکومت اس کے بارے میں توجہ نہ دے تو رعایا کے لئے ایک مصیبت پیدا ہوسکتی ہے۔

اور بعض استعمال میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ پانی کو زیادہ خرچ کرنا، بغیر ضرورت کے، چاہے وہ کسی بھی شکل اور صورت پر ہو۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بارش کے موسم میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے ندی نالے اور تالاب وغیرہ خشک ہوگئی ہو، اور پانی کی قلت نظر آتی ہو، ایسی صورت میں تمام رعایا کو پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے، یہ صورت حال کو دیکھ کر حکومت پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگائے تو شرعا ضرورت کے درجہ میں ہوگا، اور کبھی واجب اور فرض کے درجہ میں ہوتا ہے، اور کبھی مستحب اور افضل کے درجہ میں ہوتا ہے، اور کبھی ظلم کے درجہ میں بھی ہوتا ہے۔

۶-انسان کی مملوکہ زمین میں موجود پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوگی، اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرے تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرنے سے پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہو اور اس میں ضرر

Marfat.com

عام ہو تو ایسی صورت میں حکومت کو حکم دینے کی گنجائش ہے اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے، اور اگر بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچے جاتی ہے اور اس سے ضرر عام نہ ہوتا ہو تو اس وقت بورنگ کرانا جائز ہے اور حکومت کے حکم کی تعمیل شرعاً ضروری نہ ہوگی۔

فقہ کا قاعدہ ہے: **الضرر یزال، لاضرر ولاضرار فی الاسلام**، اس قاعدہ کے تحت اگر ضرر عام ہوتا ہو اور حکومت منع کرے تو اس کی بات ماننا ضروری ہے اگر نہ مانے گا تو گنہگار ہوگا، اور اگر ضرر نہ ہو اور حکومت منع کرے تو اس پر عمل نہ کرنے سے آدمی گنہگار نہ ہوگا۔

۷- پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری کس کی ہے:

بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے وہیں زیرِ زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اس طور پر کہ بارش کے موسم کا پانی جمع کرلیا جاتا ہے اور اس کو سال بھر تک استعمال کیا جاتا ہے، ایسا کرنے کی صورت میں زیر زمین پانی کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، ایسی صورت میں پانی کی سطح اوپر رہتی ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کردیں تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب بھی نہیں؛ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اور وہ یہ کہ پانی کی حفاظت کے لئے مکان کے ایک حصہ کو مخصوص کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، کیونکہ جو مالدار ہوں گے ان کے لئے تو کوئی حرج نہیں اور جو غریب طبقہ کے لوگ ہوں گے وہ ایسا نہیں کرسکتے، اس حرج کی بنا پر حکومت کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

رہی بات پانی کی ذخیرہ اندوزی کی کہ وہ حکومت کی ذمہ داری ہے یا افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے، اس زمانہ میں پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، کیونکہ اس دور میں حکومت ہر چیز کا ٹیکس وصول کرتی ہے اور اس میں پانی بھی شامل ہے تو ظاہر بات ہے کہ

Marfat.com

اس کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہونی چاہئے، اور اگر افراد پانی کی ذخیرہ اندوزی کریں تو یہ ان کے لئے فائدہ مند ہوگا اور پانی کی قلت کے زمانہ میں ان کے لئے باعث راحت ہوگا۔

۸-ڈیم بنانے کی صورت میں آبادیوں کو منتقل کرنے کا مسئلہ:

بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے وہاں سے آبادیوں کو منتقل کرنا پڑتا ہے، ان آبادیوں میں زرعی علاقے بھی ہوتے ہیں اور ایسی آبادیاں بھی ہوتی ہیں جہاں پر لوگوں نے اپنی قیام گاہ بنائی ہوتی ہے لیکن ڈیم بنانے کی صورت میں اور آبی ذخیرہ کو محفوظ بنانے کے لئے ان تمام بستیوں کو منتقل کرنا پڑتا ہے، لہذا شرعی نقطۂ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو منتقل کرنا اور ان کو دوسری جگہ پر اس کے متبادل جگہ فراہم کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے، بشرطیکہ جو جگہ فراہم کی جارہی ہے وہ ان کی پہلی جگہ کے قائم مقام ہو یا اس کی قیمت کے قائم مقام ہو، لیکن اگر ان کی پہلی زمین کے مقابلہ میں کم ہو اس کے برابر کی نہ ہو تو ایسی صورت میں منتقل کرنا درست نہ ہوگا، اور یہ حکومت کی طرف سے ایک طرح کا ظلم ہوگا۔

۹-سیلاب کے زمانے میں بستی کو بچانے کے لئے باندھ کو کاٹ دینے کا حکم:

فقہ کا ایک قاعدہ ہے: "إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر" اس قاعدہ کے تحت پہلی بستی والوں کو باندھ کو کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز نہ ہوگا، اگر انھوں نے باندھ کو کاٹ دیا اور بعد والی بستی کو نقصان ہوا تو ضمان پہلی بستی والوں پر آئے گا۔ (الاشباہ والنظائر)۔

۱۰-دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ کی حد:

دریا کے بارے میں شامی میں ہے: ماء البحار ولكل أحد فيها حق الشفة

Marfat.com

وسقي الأرض فلا يمنع من الانتفاع على أي وجه شاء (الشامی ۱۰، ۱۳)۔دریا سے ہر شخص کواستفادہ کی اجازت ہے چاہے اپنے پینے کے لئے ہو یا جانوروں کو پلانے کے لئے یا کھیتی وغیرہ کوسیراب کرنے کے لئے۔ندی کے بارے میں ہے:"ولكل سقي أرضه من بحر أو نهر عظيم كدجلة والفرات ونحوهما" (شامی ۱۰/ ۱۴) ہر شخص کوندی کے پانی سے اپنے پینے اور کھیتی کوسیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کی اجازت ہے، اسی طریقہ سے اس سے نہر نکالنا اپنی کھیتی کوسیراب کرنے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ ضرر عام نہ ہو۔

عوامی کنویں اور چشمے سے اپنے پینے کے لئے اور اپنے چوپایوں کو پانی پلانے کی اجازت ہے، "العين أو الحوض الذي دخل فيه الماء بغير إحراز واحتيال فهو بمنزلة النهر الخاص" (شامی ۱۰/ ۱۵)، سرکاری تالاب سے بھی اپنے لئے اور چوپایوں کے لئے اجازت ہے، اور اگر اجازت ہوتو اپنی کھیتی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ ضرر عام نہ ہو۔

۱۱-گزرنے والی نہر سے استفادہ کی حد:

اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہوتو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے اسی حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے جس سے لوگوں کو ضرر نہ ہوتا ہو۔

۱۲-پانی پر ملکیت کی صورتیں:

پانی اگر برتن میں جمع کرلیا یا مٹکے اور گھڑے میں پانی جمع کرلیا تو ان صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

۱- الماء المحرز في الأواني كالحباب والدنان والجرار ونحوها مملوكاً له بالإحراز (البنایہ ۱۲/ ۳۱۷)۔

Marfat.com

۲-فلو أحرزه في جرة أو حب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر أو جص وانقطع جريان الماء فإنه يملكه (ردالمحتار ۱۰/ ۱۳)۔

۳-ما أحرز في حب ونحوه فليس لأحد أن يأخذ منه شيئاً بدون إذن صاحبه وله بيعه لأنه ملكه بالإحراز (فتاوی عالمگیری ۵/ ۳۹۱)۔

۱۳-مملوکہ پانی کی خرید وفروخت:

جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے ان میں اس کے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے۔

قوله: لملكه بإحرازه، فله بيعه (ردالمحتار ۱۰/ ۱۵) كما إذا استولى على الحطب والحشيش والصيد فيجوز بيعه كما يجوز بيع هذه الأشياء (بدائع الصنائع ۵/ ۲۷)۔

۱۴-نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کر کے آبادیاں بسانا:

فقہ کا قاعدہ ہے: يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام، اس قاعدہ کی رو سے تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے چند لوگوں کی زندگی وابستہ ہے اور چند لوگوں کو نفع ہے لیکن اس کی وجہ سے ضرر عام لاحق ہوگا وہ اس طور پر کہ اس سے لوگوں کا پانی پینے اور استعمال کا حق وابستہ ہے اور چوپایوں کا حق بھی وابستہ ہے اور کھیتی بھی اسی سے پلتی بڑھتی ہے، لہٰذا ضرر عام کے پیش نظر ضرر خاص کو برداشت کرلیا جائے گا، چاہے حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں میں تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہیں ہے۔ (الاشباہ والنظائر)۔

۱۵-کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے؟:

اس دور میں آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے جیسے اس دور میں

Marfat.com

سڑکیں بنوانا اور دیگر رفاہی کام حکومت کے ذمہ ہے، اسی طریقہ سے آب رسانی کا انتظام بھی حکومت کے ذمہ ہے، اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، کیونکہ اس میں حکومت کا بہت بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے جیسے پائپ لائن ڈالنا اور پانی کو صاف وشفاف رکھنے کے لئے کیمیکل وغیرہ ڈالنا اور اسی طریقہ سے فلٹر مشین لگانا، اور ڈیم وغیرہ تعمیر کرنا اور ایک بہت بڑا عملہ اس میں کام کرتا ہے جس کا خرچ حکومت اٹھاتی ہے وغیرہ وغیرہ، لہذا ان ساری وجوہات کی بنا پر اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۶- کیا استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے؟:

بالکل حکومت کی ذمہ داری ہے، اور شہریوں کا حق سمجھا جائے گا، ''ألا کلکم راع'' (الحدیث) کے پیش نظر حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ استعمال شدہ پانی کا نکاس اس طرح کریں کہ امراض، وبائیں اور جراثیم کش دوائیں استعمال کریں اور زمین میں بند راستہ سے استعمال شدہ پانی نکالا جائے، اس کا صرفہ شہریوں پر عائد کیا جائے گا (ردالمحتار)، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل اور شرعی نقطہ نظر

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

پانی کی اہمیت شریعت کی نظر میں: ہر ذی روح کے وجود کا اصلی اور حقیقی سبب پانی ہے جس سے ہر چیز کو روئیدگی اور حیات نو نصیب ہوتی ہے، انواع واقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا ہوتے ہیں اور زمین اس کی وجہ سے تروتازہ ہوکر لہلہاتی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **وأنزلنا من الماء كل شيء حي أفلا يؤمنون** (الأنبیاء:۳۰) (اور ہر چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا، کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت پانی ہے، خالق کائنات نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی پانی کی وافر مقدار قیامت تک کے لئے زیر زمین محفوظ بھی کردیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **وأنزلنا من السماء ماء بقدر فأسكناه في الأرض وإنا على ذهاب به لقادرون فأنشأنا لكم به جنت من نخيل وأعناب لكم فيها فواكه كثيرة ومنها تأكلون** (المؤمنون:۱۸-۱۹) (ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اسے زمین میں ٹھہرادیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں، اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کرتے ہیں کہ تمہارے لئے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو)۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں پانی کی حفاظت اس طرح کی گئی ہے کہ چشموں، نہروں

☆ استاذ ومفتی جامعہ دار السلام عمرآباد۔

Marfat.com

دریاؤں، تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا؛ کیوں کہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے ان سے پانی حاصل کرلیا جائے۔

شریعت مطہرہ نے لوگوں کو اور ہر ذی روح کو سیراب کرنے والے عمل کو افضل صدقہ قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث رسول ﷺ سے واضح ہے جو مسلمان کسی مسلمان کی پیاس بجھائے گا اللہ تعالیٰ اسے رحیق مختوم سے سیراب کرے گا (ابوداؤد ۱۶۸۲)۔

ذیل میں پانی سے متعلق چند سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

ارشاد باری ہے: "**وأنزلنا من السماء ماء طهورا**" (الفرقان: ۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "**وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به**" (الأنفال: ۱۱) (اور وہ تم پر آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**إن الماء طهور لا ينجسه شيئ**" (صحیح ابی داؤد: ۶۰ / ترمذی: ۶۶/ شرح معانی الآثار: ۱/۱۱) (پانی پاک ہے اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی)۔ سمندر کے پانی کے تعلق سے ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**هو الطهور ماؤه والحل ميتته**" (صحیح ابی داؤد: ۷۶، کتاب الطھارۃ باب الوضوء بماء البحر) (اس کا پانی پاک ہے اور اس کے مردار حلال ہیں)۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں مطلق پانی سب کے نزدیک طاہر اور مطہر ہے خواہ وہ زمین سے نکلے یا آسمان سے برسے۔ سادہ پانی کے طاہر و مطہر ہونے پر اجماع ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ار ۲۶۵)۔

سادہ پانی طاہر اور مطہر ہے مگر صرف ایسی نجاست جو اس کی بو یا اس کا رنگ یا اس کا

Marfat.com

ذائقہ تبدیل کرے اس کا حکم ماء نجس کا ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سے بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کے بارے میں دریافت کیا گیا۔(بئر بضاعہ ایک قدیم کنواں تھا جس میں حیض آلود کپڑے، کتے کے گوشت کے ٹکڑے اور بدبودار اشیاء ڈالی جاتی تھیں) آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: "**الماء طهور لا ينجسه شيء**" پانی پاک ہے اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (صحیح ابوداؤد:۶۰)، اور حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "**إن الماء لا ينجسه شيئ إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه**" (ضعیف ابن ماجہ:۱۱۷، دارقطنی ۱/۲۰۸، طبرانی کبیر ۱/۱۲۶) (یقیناً پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی الا یہ کہ پانی پر اس ناپاک چیز کی بو، ذائقہ اور رنگ غالب ہو جائے)۔

راجح: اگرچہ استثناء والی روایات ضعیف ہیں لیکن ان کے معنی و مفہوم کے صحیح و قابل عمل ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ امام ابن منذر و امام نووی، امام ابن قدامہ اور امام ابن ملقن رحمہم اللہ نے اس مسئلے میں اجماع نقل کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، سعید بن المسیب، امام نخعی و امام جابر بن زید و امام مالک وغیرہم کا یہی موقف رہا (الاجماع لابن المنذر ۱۰/۳۳، والمجموع للنووی ۱/۱۱۰، المغنی لابن قدامہ ۱/۵۳، البدر المنیر لابن الملقن ۲/۸۳، نیل الاوطار ۱/۶۹)۔

جس پانی کو بطور طہارت استعمال کرنے کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے وہ ماء مطلق ہے جسے قرآن کریم میں ماء طہور کہا گیا ہے اور حدیث میں: "**إن الماء طهور**" (صحیح ابوداؤد:۶۰)، امام ابن حزم کا خیال یہ ہے کہ جب تک پانی پر لفظ ماء (پانی) بولا جا سکتا ہے اس وقت تک وہ طاہر و مطہر ہے (المحلی بالآثار ۱/۹۳)۔

امام ابن رشد نے فرمایا ہے کہ "**أجمع العلماء على أنه جميع أنواع المياه طاهرة فى نفسها ومطهرة لغيرها إلا ماء البحر فإن فيه خلافاً فى الصدر الأول شاذاً وهم محجوجون بتناول اسم الماء المطلق له وبالأثر الذى خرجه مالك وهو**

Marfat.com

قوله ﷺ: "هو الطهور ماؤه الحل ميتته"، وهو إن كان حديثا مختلفا في صحته فظاهر الشرع يعضده...... (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۳)، وقال واتفقوا على أن الماء الكثير المستبحر لا تضره النجاسة التي لم تغير أحد أوصافه وأنه طاهر (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۳)۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق اور اس کا شرعی حکم:

نبی کریم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ ایک صاع (تقریبا دوکلو پانچ سوگرام) پانی سے غسل کرلیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث انس بن مالکؓ سے مروی ہے: "كان النبي يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالمد" (بخاری: ۲۰۱، مسلم: ۳۲۵) (نبی کریم ﷺ ایک صاع، یعنی چار مد پانی سے لے کر پانچ مد پانی تک سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو کرلیا کرتے تھے)۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں جہاں تک ہوسکے اتنا ہی پانی استعمال کرنا چاہیے جو مقدار محدد ہے، اور اسراف سے اجتناب ضروری ہے تاہم کبھی زائد پانی استعمال کرلیا جائے تو بھی شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ حدیث پانی کی تعیین وتحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کا فعل استحباب پر دلالت کرتا ہے البتہ ضرورت سے زیادہ پانی کا خرچ کسی بھی صورت میں مکروہ ہے، جیسا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کی مندرجہ ذیل تبویب سے ظاہر ہے: باب (۲۰۵) استحباب أن لا ينقص في الوضوء من مد ولا في الغسل من صاع (سنن البیہقی ۱/ ۱۹۵) باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة (مسلم ۲۵۲) باب الوضوء بالمد (بخاری ۱۹۸) باب الغسل بالصاع ونحوه (بخاری ۲۴۸) باب القدر الذي يكتفي به الإنسان من الماء للوضوء والغسل (سنن النسائی ۷۳)۔

"كان النبي يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالمد" (بخاری: ۲۰۱، مسلم: ۳۲۵)، حدیث مذکور کے بارے میں ترمذی میں ہے: "قال الشافعي وأحمد وإسحاق ليس معنى هذا الحديث على التوقيت أنه لا يجوز أكثر منه ولا أقل

Marfat.com

منه وهو قدر مایکفی" (ترمذی:۵۶،ص:۲۴)،اس لیے کہ آپ ﷺ سے ایک فرق (یعنی ایک بڑے برتن کہ جس میں تقریباً۹ سیر پانی سماجاتا ہے) پانی سے بھی غسل کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے (بخاری:۱/۲۵۰،مسلم:۱/۳۱۹،ابوداؤد:۱/۲۳۸،نسائی:۱/۱۲۷،۱،ابن ماجہ:۳۷۶)۔

اور یہ قاعدہ مدنظر رکھا جائے گا۔"الضرورة تقدر بقدرها" ضرورت سے زائد پانی کا استعمال شرعا درست نہیں ہے بلکہ اسراف کرنے والا شرعا گنہگار ہوگا،قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اور احادیث کی روشنی میں:

۱- "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين وكان الشيطان لربه كفورا" (اسراء:۲۷) (بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے)۔

۲- "ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين" (الانعام:۱۴۱) (اور فضول خرچی نہ کرو بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

۳- "عن أبي بن كعب قال قال رسول الله ﷺ إنه للوضوء شيطانا يقال له ولهان فاتقوا وسواس الماء"۔

(حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ وضو میں وسوسہ ڈالنے والا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے،پس تم وضو کے وسوسے سے بچو (ابن ماجہ:۴۲۱،باب ماجاء فی کراہیۃ الاسراف فی الماء،ترمذی:۵۷ ضعیف الاسناد)۔

۴- وعن ابن عمرؓ قال: رأى رسول الله ﷺ رجلا يتوضأ فقال: لا تسرف لا تسرف (ابن ماجہ:۴۲۴ قال الألبانی: موضوع، الضعیفہ ۴۷۸۲،ضعیف الجامع ۶۲۲۸) (آپ ﷺ نے ایک صحابی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: فضول خرچی نہ کرو فضول خرچی نہ کرو)۔

۵- وعن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال ما هذا السرف؟ فقال أفي الوضوء إسراف؟ قال: نعم وإن كنت على نهر

Marfat.com

جار" (ابن ماجہ: ۴۲۵ قال الألبانی: ضعیف: الضعیفۃ ۴۷۸۲) (آپ ﷺ کا گزر حضرت سعد سے ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے تو فرمایا: کیا یہ فضول خرچی کیا ہے؟ تو سعد نے سوال کیا کہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگر چہ کہ تم بہتی نہر کے پاس ہی کیوں نہ ہو)۔

نوٹ: مذکورہ بالا احادیث اگر چہ ضعیف ہیں مگر ان کی تائید قران کریم کی مذکورہ آیات سے ہوتی ہے۔

وضوء کے سلسلہ میں ہر عضو کو ۳ بار سے زائد دھونے پر ممانعت وارد ہے، جیسا کہ حدیث عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: فرمایا: "جاء أعرابی إلی النبی ﷺ فسأله عن الوضوء فأراه ثلاثا ثلاثا ثم قال: هذا الوضوء فمن زاد علی هذا فقد أساء أو تعدی أو ظلم" (ابن ماجہ: ۴۲۲) (ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر وضو کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے تین تین بار وضو کے اعضاء دھونے کا طریقہ سمجھایا، پھر آپ نے فرمایا: یہی وضو کا طریقہ ہے، جس نے اس میں زیادتی کی تو یقیناً اس نے تجاوز کیا یا ظلم کیا)۔

قال الترمذی فی (۳۴) باب ماجاء فی الوضوء ثلاثا ثلاثا

العمل علی هذا عند عامة أهل العلم أن الوضوء يجزئ مرة مرة ومرتين افضل وأفضله ثلاث وليس بعده شئی وقال ابن المبارک: لا آمن إذا زاد فی الوضوء علی الثلاث أن يأثم وقال أحمد وإسحاق لا يزيد علی الثلاث إلا رجل مبتلی (صحیح ابی داؤد: ۱۰۰، ترمذی ص: ۲۲)۔

یعنی امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے: اہل علم کا عمل اس پر رہا ہے کہ وضو میں ایک مرتبہ دھونے سے کافی ہو جاتا ہے، دو دو بار دھونا افضل ہے، اور افضل ترین عمل تو تین تین بار وضو کے اعضاء کا دھونا ہے۔ ابن مبارکؒ نے فرمایا ہے: تین بار سے زیادہ دھونے والا گنہگار ہوگا۔ امام احمد و اسحاق نے فرمایا ہے: ایک مرفوع القلم شخص ہی تین بار سے زائد دھو سکتا ہے۔

Marfat.com

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت کا حکم:

شریعت مطہرہ نے پاکی صفائی کو نصف ایمان کا درجہ دیا ہے۔ "**الطهور شطر الایمان**" (مسلم:۵۵۶)، گویا پاکی صفائی کا اہتمام ایمان کا لازمی حصہ ہے، خاص کر پانی کو آلودگی سے بچانے کی خاطر رسول اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل احادیث شریفہ میں یہ تعلیمات دی ہیں:

۱- **عن أبی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: "إذا استیقظ أحدکم من نومه فلیغسل یده قبل أن یدخلها الإناء فإن أحدکم لا یدری أین باتت یده" وفی بعض روایاته: "فلیغسلها ثلاثا"** (بخاری، مسلم) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ دھو لیا کرے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔ دوسری روایت میں فرمایا: تین بار دھو لیا کرے)۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے اختلاف کیا ہے کہ کیا وضو کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل دھونا ضروری ہے؟

بعض نے سنن الوضوء میں شمار کیا ہے اور بعض نے استحباب کے درجہ میں رکھا ہے، لیکن امام داؤد ظاہری نے وجوب کا حکم دیا ہے (بدایۃ المجتہد:۱/۹)۔ امام ابن رشد نے کہا کہ اس حدیث کا تعلق پانی سے ہے وضو سے نہیں ہے، نیند کی حالت میں ہوسکتا ہے ہاتھ گندا ہو گیا ہو اس سے پانی کو محفوظ کرنے کے لئے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲- **عن أبی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال: "لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم ثم یتوضأ منه"** (ابن ماجہ:۳۴۴، ترمذی:۶۸، صحیح) (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اُسی سے وضو بھی کرے)۔

امام ترمذی نے باب باندھا ہے: "**باب ما جاء فی کراهیة البول فی الماء الراکد**"۔

Marfat.com

۳- عن عبد الله بن أبی قتادة عن أبیه أن رسول الله ﷺ قال: "إذا شرب أحدکم فلا یتنفس فی الإناء" (ترمذی: ۱۸۸۹/باب ماجاء فی کراھیۃ التنفس فی الاناء/ صحیح، صحیح أبی داود: ۳۷، بخاری: ۵۶۳۰) (تم میں سے کوئی برتن میں پیتے ہوئے سانس نہ چھوڑے)۔

۴- عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: "أطفئوا المصابیح إذا رقدتم وغلقوا الأبواب وأوکوا الأسقیة وخمروا الطعام والشراب...... وأحسبه قال: ولو بعود تعرضه علیه" (بخاری: ۵۶۲۴) (حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سونے سے قبل چراغ بجھا دیا کرو اور دروازہ بند کرلیا کرو، مشکیزوں اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانک کر رکھا کرو۔ راوی فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز نہ ملے تو کسی تنکے/لکڑی وغیرہ کے ذریعہ ہی ڈھانک لیا کرو)۔

وفی روایة: "خمروا آنیتکم" (بخاری: ۵۶۲۳: باب تغطیۃ الاناء، کتاب الأشربۃ)

دوسری روایت میں وارد ہے کہ برتنوں کو اچھی طرح بند کر کے رکھو۔

مذکورہ نصوص کی روشنی میں پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے جو احکامات وارد ہیں جن کا حکم شرعی تنزیہی ہے۔

۴- گندے آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنانا:

پانی کی حقیقت اور اصلیت بدل جائے تو حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے۔ البتہ جب پانی کا رنگ، بو اور مزانہ بدلے تو پانی طاہر ہی رہتا ہے، امور تعبدیہ کے لئے ایسے صاف شدہ پانی استعمال کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ پینے میں صحت کے لئے نقصان نہ ہو تو ماہرین سے مشورے کے بعد استعمال کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مؤقر اہل علم کے فتاوی سے ظاہر ہے:

إذا کان الماء المتنجس کثیرا وزالت أوصاف النجاسة عنه لونا وطعما وریحا صار طهورا فلا ینجس ما أصابه من ثوب أو مکان أو بدن وإن لم

Marfat.com

تزل منه أوصاف النجاسة بل بقي بعضها تنجس ما يصيبه من ثوب أو بدن أو مكان (فتاوى اللجنة الدائمة عبد الله بن باز عبد الله بن قعود عيد الله بن غديان عبد الرزاق عفيفي) (فتوى رقم ۳۰۲۲) (۳۱۵۹)، البتہ امام ابن رشد کی رائے منفرد ہے: وحد الكراهية عندى هو ما تعافه النفس وترى أنه ماء خبيث وذلک أن ما يعافه الإنسان شربه يجب أن يجتنب استعماله في القربة إلى الله تعالى وأن ما يعاف وروده على ظاهر بدنه كما يعاف وروده على داخله" (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵)، واللہ أعلم۔

۵-حکومتوں کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا:

شرعی نقطہ نظر سے اولوالأمر کی اطاعت بھی واجب ہے جب کہ ان کے احکام شریعت کے دائرہ میں ہوں، وہ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہوں یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام کرنے کی خاطر اسراف سے بچنے کا تاکیدی حکم صادر کرتے ہوں؛ اس لیے کہ معصیت میں اطاعت نہیں ہوسکتی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (قال الألباني: صحيح)، "إنما الطاعة في المعروف" (صحیح بخاری: باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ)۔

لہذا ضرورت سے زائد پانی کے استعمال پر پابندی لگانا شرعا درست ہے اور لوگوں پر نظم کی پابندی کرنا ضروری ہے اور ان احکامات کی پاسداری کرتے ہوئے ان پر عمل کرنا بھی شرعا واجب ہے۔ مزید برآں کہ اس طرح کی پابندیوں کا تعلق سد الذرائع پر مشتمل ہے یعنی ان کاموں سے روکنا جن کے ذریعہ ایسی ممنوع چیز تک پہنچا جاسکتا ہو جو فساد وخرابی پر مشتمل ہو۔ اور یہ احکامات، پابندیاں، جلب مصلحت اور دفع مضرت کی خاطر عائد ہوتی ہیں اس لیے اولوالأمر کی اطاعت ان صورتوں میں ضروری ہے۔

Marfat.com

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا پانی اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟

صورت مسئولہ میں مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے شرعا وہی اس پانی کا بھی مالک ہے؛ البتہ مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے ممانعت، جلب مصلحت اور دفع مضرت کی خاطر ہے، لہذا حکومت کو ضرورت اور حالات کے پیش نظر مصلحت عامہ اور افادہ عامہ کی خاطر بورنگ کرانے پر یا بورنگ میں حد بندی کی اجازت ہوگی، ایسے حالات میں اس حکم پر عمل کرنا عوام پر ضروری ہوگا؛ اس لیے کہ یہ مصالح معتبرہ ہیں جو لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر حکومت کی طرف سے نافذ کیے جاتے ہیں۔

نوٹ: بورنگ کے متعلق تجربات اور مشاہدات سے یہ بات ثابت ہے کہ بڑے بورنگ (8 قدم) لگانے کے لیے کم از کم 300 قدم کا فاصلہ ضروری ہے تاکہ پانی کے سوتوں میں کمی نہ آئے۔ چھوٹے چھوٹے بورنگ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ قریب میں لگایا جا سکتا ہے، اور شرعی قاعدہ مدنظر رہے کہ "لا ضرر ولا ضرار" (صحیح سنن ابن ماجہ ۲۳۳۱) یعنی خود بھی نقصان نہ اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔

۷- مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنا:

مذکورہ صورت میں تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی خاطر مذکورہ احکامات نافذ کیا جانا بھی مصلحت عامہ کی خاطر ہی ہے۔ عوام حکومت کے کل پرزے ہیں جن کا تعاون ہر نیک کام میں ضروری ہے۔ حکومت افراد کے انتخاب سے بنتی ہے لہذا عوام الناس کو حکومت کے ساتھ نیک کاموں میں تعاون کا رویہ اپنانا ضروری ہے۔ اور حکومت بھی عوام کی ضرورتوں کے پیش نظر پانی کے ذخائر کا انتظام کرے لہذا پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے اور افراد کی بھی۔

دور نبوت میں لوگ تابیر نخل کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے شروع میں منع فرمایا، اس

Marfat.com

ممانعت کی وجہ سے پیداوار میں کمی آئی تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ تابیر نخل نہ کرنا ہے تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "أنتم أعلم بأمر دنياكم" (مسلم: ۴۳۲۸) یعنی تم لوگ اپنے دنیوی امور کا زیادہ علم رکھتے ہو۔

اس طرح جو معاملات تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں طے پاتے ہوں اور جس کے اچھے نتائج سامنے آرہے ہوں تو ایسے کارآمد اور مفید تجربات کو قبول کرنے اور تعاون کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو منتقل کرنا:

مذکورہ مسئلہ بھی مصالح مرسلہ میں سے ہے؛ چونکہ پانی کی ضرورت مسلم ہے اور ذخیرہ اندوزی کے فوائد بھی معتبر ہیں۔ ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ آبی ذخیرہ اندوزی کرے اور لوگوں کو ضرورت کی چیزیں فراہم کرے اور شرعی نقطۂ نظر سے نقل مکانی پر لوگوں کو مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا جائز ہوگا جیسا کہ اراضی موقوفہ میں حالات اور ضرورت کے وقت تصرف اور تبدیلی کی علماء کرام نے اجازت دی ہے۔

قاعدہ فقہیہ ہے: "درء المفسدة أولى من جلب المصلحة" (نظم القواعد الفقہیہ ۱/ ۵۲، شرح الکوکب المنیر ۳/ ۱۵۳)۔

۹- سیلاب کے موقع پر بند کو کاٹ کر پانی آگے بڑھا دینا:

اولا: حکومت وقت کو چاہیے کہ خطرات کے موقع پر لوگوں کو پیشگی اطلاع دے۔ خود بھی حفاظتی تدابیر اختیار کرے اور لوگوں کو بھی محفوظ رہنے اور اپنا بچاؤ کرنے کی تجویز پیش کرے تاکہ حفاظتی تدبیریں عمل میں آسکیں: "الوقاية خير من العلاج"۔

ثانیا: اپنی جان بچانے کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچانا شرعا ناجائز ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے: "لا ضرر ولا ضرار" (صحیح سنن ابن ماجہ) نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔

Marfat.com

ارشاد نبوی ﷺ ہے: "لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه" (السلسلۃ الصحیحۃ ۷۳/) یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ایسے تباہ کن حالات سے قبل پیشگی اطلاع دینا اور نشیبی علاقہ کے لوگوں کے لیے تحفظ فراہم کرنا شرعا واخلاقا واجب ہے۔ آگے کی آبادی والے کے پوری طرح محفوظ ہونے کے بعد بند کو کاٹ کر پانی کو آگے کیا جاسکتا ہے تاکہ انسانی نفوس اور مویشی کا ضیاع نہ ہو۔ افادۂ عام کی خاطر ایسے ناگزیر حالات میں حکومت کو اختیار ہوگا کہ ایسے حفاظتی تدابیر اختیار کرے اور عوام الناس کو ضرر سے روکے۔ قاعدہ فقہیہ ہے: ارتکاب أخف الضررین وأهون الشرین (فتاوی الأزہر ۲/۳۱۸)، درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح (المنتقی من فتاوی الفوزان ۱٦/٦، نظم القواعد الفقہیۃ ۱/۵۲) واللہ أعلم۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ:

مذکورہ آبی وسائل وذرائع حکومت کی ملکیت میں شامل ہیں اور ان وسائل سے استفادہ کی اجازت سب کو ہے۔ ایسی صورت میں نظم کی پابندی ضروری ہے، خلاف قانون کوئی بھی کارروائی جائز نہیں ہوگی۔ البتہ وہ آبی وسائل وذرائع جسے حکومت نے کسی کو TENDER دے دیا ہو۔ (مچھلی پالنے وغیرہ کے لیے) تو وہ وسائل وذرائع مخصوص ہوں گے، ان سے عام استفادہ کی گنجائش نہ ہوگی۔

۱۱- مختلف علاقوں اور کھیتوں سے گزرنے والی نہر سے استفادہ کی حد:

پانی اللہ کی نعمت ہے جس کے ذریعہ ہر چیز کا وجود متحقق وملتزم ہے۔ استفادہ کے اعتبار سے سارے لوگوں کے لیے مساویانہ حقوق ہیں۔ ایسی صورت میں کسی فرد کا نہر یا تالاب وغیرہ سے اپنی ضرورت کی حد تک قانون کے دائرہ میں رہ کر استفادہ کا حق حاصل ہوگا، البتہ نہر یا

Marfat.com

تالاب یا کسی آبی وسائل پر قبضہ جمانا یا اپنی ملکیت میں داخل کرنا کسی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء والکلأ والنار" (صحیح سنن ابن ماجہ: ۲۴۶۳) یعنی مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہوں گے: پانی، آگ، گھاس۔

اس لیے کہ مذکورہ اشیاء عام استفادہ کے لیے قدرت نے بنائی ہیں؛ البتہ وہ لوگ جو کسی نہر یا تالاب سے قریب ہوں تو اس پانی کے اولین حقدار ہوں گے۔ الأقرب فالأقرب کے تحت اپنے لیے ضرورت کا پانی استعمال کرنے کے بعد آگے کے لوگوں کے لیے راہ فراہم کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ حضرت زبیرؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم سیراب کرلو اپنے کھیت کو پھر اپنے ساتھی کے لیے پانی چھوڑ دو (ترمذی: ۱۳۶۳ صحیح)۔

۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

مملوکہ زمین سے حاصل شدہ پانی کا وہی شرعا مالک ہوگا جس نے اپنی محنت ومشقت اور صرف خاص سے پانی حاصل کیا ہو، اسی طرح حکومت کی اجازت کے ساتھ تالاب ونہر یا کنویں وغیرہ سے استفادہ کی عام اجازت ہوگی، البتہ جہاں حکومت دفع مضرت کے لیے بورنگ لگانے یا کنویں کھودنے سے منع کرے تو ایسی صورت میں نظم کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱۳- مملوکہ پانی کی تجارت کرنے کا مسئلہ:

مملوکہ زمین میں مملوکہ پانی کی تجارت میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے؛ کیونکہ پانی کے حاصل کرنے میں محنت ومشقت اور FILTER کا خرچ وغیرہ بھی شامل ہے لہذا پانی کی تجارت جائز ہے؛ البتہ جس حدیث میں یہ فرمان ہے کہ مسلمان ۳ چیزوں میں برابر کے شریک ہیں: پانی، آگ، گھاس (ابوداود)۔ یہ عام پانی ہے جو ندی، بارش، تالاب وغیرہ میں عام لوگ شریک ہیں جس میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: لا تبیعوا

Marfat.com

فضل الماء (بخاری:۲۳۵۳) یعنی زائد پانی جس کا کوئی مالک ہی نہ ہو اس کی تجارت نہ کرو، یعنی ضرورت سے زائد پانی کو روکنا یا اسے فروخت کرنا یا اس پر قبضہ جمالینا وغیرہ شرعا درست نہیں ہے۔

۱۴- تالاب میں آبادیاں بسانا:

تالاب میں آبادیاں بسانا درحقیقت نقصان سے خالی نہیں ہے بلکہ عوام کو استفادہ سے محروم کرنے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، ارشاد ربانی ہے: **ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة** (البقرة:۱۹۵) یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اس لیے کہ تجربات شاہد ہیں جہاں بھی تالابوں اور ندیوں کے کنارے لوگوں نے گھر بسائے نقصان اٹھائے ہیں، اس لیے خواہ حکومت اجازت دیتی ہو یا نہ دیتی ہو، آبادیاں بسانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ شرع کا اصول یہ ہے: "**لا ضرر ولا ضرار**" نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان میں ڈالو (سنن ابن ماجہ:۲۳۴۰، السلسلة الصحيحة:۲۵۰)، اور تجربات سے سبق حاصل کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ آبادی بسانے سے مجموعی طور پر پانی کی سطح نیچے چلی جائے تو اکثریت کا خسارہ ہے، اس لیے مذکورہ نص کی روشنی میں تالاب میں بستیاں بسانا شرعا درست نہیں ہے (**خير الناس أنفعهم**)۔

۱۵- کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے؟

بلاشبہ آب رسانی، بجلی کی فراوانی، سڑک بنانا وغیرہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے بلکہ واجبات میں سے ہے۔ ہر شہری کو اس کے مطالبہ کا حق بدرجۂ اتم حاصل ہے، اور حقوق طلبی خاص کر حکومتوں سے عوام کا بنیادی اور واجبی حق ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آب رسانی کے انتظام وانصرام میں کافی اخراجات درکار ہوتے ہیں، اس صورت میں حکومت کا عوام سے مناسب اجرت لینا رعوض لینا درست ہوگا اور اجرت مقررہ ادا نہ کرنے کی صورت میں نظم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پانی کو

Marfat.com

روک لینے کا بھی حق حاصل ہوگا، ہاں وہ غریب عوام جو پانی کا بل نہیں ادا کر سکتے اُنہیں بغیر اُجرت کے پانی پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا مسئلہ:

صورت مسئولہ میں استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا مسئلہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے جو آبادی کی صحت کی حفاظت پر مبنی ہے۔ اگر حکومتیں، کارپوریشن یا بلدیہ عملاً اس ذمہ داری کو ہر شہر، ہر دیہات میں اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں تو رعایا حکومت کی ہر اچھے اسکیم کا استقبال کرے گی اور خوش دلی سے تعاون کرے گی۔ رعایا کے تعاون سے ہی حکومت اپنا فرض پورا کر سکے گی۔

"تعاونوا علی البر والتقویٰ" (المائدہ) هذا ما تبین لی والله أعلم بالصواب۔

☆☆☆

اور صا

کنویں وی

لگانے یا کنویں م

۱۳-مملوکہ پانی کی نج

مملوکہ زمین میں مملو

حاصل کرنے میں محنت ومشقت اور

تجارت جائز ہے؛ البتہ جس حدیث میں یہ

ہیں: پانی، آگ، گھاس (ابوداؤد)۔ یہ عام پانی

شریک ہیں جس میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، اسی وجہ

آبی وسائل سے متعلق شرعی مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

الحمد لولیه والصلوٰة علی نبیه ورسوله والسلام علی آله المتأدبین بآدابه وبعد!

جواب ا: پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "إنا أنزلنا من السماء ماء طهورا" ہم نے آسمان سے بہت پاک کرنے والا پانی نازل کیا ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین بار دھولے؛ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کے جسم کے کن اعضاء تک اس کا ہاتھ پہونچا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ پانی کے مسئلہ میں اقوال و دلائل کے مجموعہ سے جو بات مجھ کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک پانی پیدا کیا گیا ہے طاہر و مطہر بالطبع، کوئی شئ اس کو نجس نہیں کرتی، اور پانی کی ذات نجاست کی ملاقات سے خبیث نہیں ہوتی، ہاں نجاستوں کے استعمال سے بچنا واجب

☆ صدر مدرس جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

Marfat.com

ہے؛ کیونکہ نجاستیں ان خبیث چیزوں میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے: **ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث،** اللہ تعالیٰ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ کبھی پانی بھی متروک الاستعمال ہوتا ہے اس کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا نجاست کے قریب ہونے کی وجہ سے کہ اس پانی کے استعمال سے نجاست کے بعض اجزاء کا استعمال لازم آتا ہے، اور اسی لئے بیدار ہونے والے کو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے؛ کیونکہ اس کو یہ نہیں معلوم کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ جسم کے کن کن حصوں تک پہونچا ہے، اور ماء قلیل میں پیشاب کرنے اور غسل جنابت کرنے سے منع کیا گیا اور کتے کے منہ ڈالے ہوئے پانی کو بہا دینے کا حکم وارد ہوا ہے مرفوعاً، موقوفاً دونوں طریق سے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے جب اس کو سات مرتبہ دھویا جائے تو اس کو پاک کردے گا، اور یہ کل احادیث دلالت کرتی ہیں کہ پانی اگرچہ بذات خود مطہر ہے مگر وہ متروک ہوگا جب اس سے نجاست مل جائے، اور مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ بئر بضاعہ میں نجاستیں رہتی تھیں؟ کیسے یہ گمان ہو سکتا ہے جب کہ بنی آدم کی عادت جاری ہے پانی کو نجاستوں سے بچانے کی بلکہ بئر بضاعہ میں ہوا کی وجہ سے نجاستیں گر جاتی تھیں، ایسا نہیں تھا کہ قصداً لوگ نجاستوں کو ڈالتے تھے پھر وہ نجاستیں نکالی جاتی تھیں پھر جب اسلام آیا تو لوگوں نے طہارت شرعیہ کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانی مطہر ہے کوئی چیز اس کو نجس نہیں بناتی، واللہ اعلم (فتح الملہم ۱/۴۳۲-۴۳۴)۔

پس پانی اپنی فطرت کے اعتبار سے مطہر ہے لیکن عارضی نجاست کی وجہ سے نجس

Marfat.com

ہو جاتا ہے، لہٰذا پانی کو نجاستوں اور گندگیوں سے بچانا واجب ہے اور عمداً گندہ بنانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

جواب ۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم:

پانی اللہ تعالیٰ کی جانب سے حیوانات، جمادات اور نباتات کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے؛ کیونکہ پانی قدرت کا وہ عطیہ ہے کہ قدرت نے اسی پر ہر ایک کی زندگی رکھی ہے۔ بدون پانی کوئی بھی شئ زندہ نہیں رہ سکتی؛ لہٰذا پانی اس مقدار میں خرچ کرنا چاہئے جتنی ضرورت ہے اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں اسی ضرورت مختلفہ کے اعتبار سے پانی خرچ کرنا چاہئے اس سے زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی شمار ہوگا۔

پانی میں فضول خرچی کا اطلاق مندرجہ ذیل صورتوں پر شرعاً ہوتا ہے:

۱- دریا پر وضو کرنے میں؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر گزرے اس حال میں کہ وہ وضو کر رہے تھے اور وہ وضو میں پانی زیادہ گرا رہے تھے فعلاً یعنی اعضاء مغسولہ تین تین بار سے زیادہ دھو رہے تھے، یا باعتبار مقدار یعنی ضرورت سے زیادہ مقدار میں پانی گرا رہے تھے تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اے سعد! یہ پانی میں فضول خرچی کیا ہے؟ تو اس تنبیہ پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا وضو میں فضول خرچی ہوتی ہے؟ ان کا خیال تھا کہ طاعت و عبادت میں فضول خرچی نہیں ہوتی، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے اگرچہ تم بہتے ہوئے دریا پر ہو؛ کیونکہ اس میں وقت کا زیادہ لگانا ہے اور عمر کو ضائع کرنا ہے، یا شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے، رواہ احمد و ابن ماجہ (مشکوٰۃ علی المرقاۃ ۱/۳۲۱)۔

Marfat.com

۲- دریا میں غسل کرنے میں بھی پانی میں فضول خرچی ہوتی ہے کہ جو غسل مثلاً پانچ منٹ میں ہوتا ہے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنا غسل مکمل کرتا ہے تو اس میں بھی وقت زیادہ لگاتا ہے اور عمر کو ضائع کرتا ہے۔

۳- مساجد کے وضو خانوں میں ٹنکی سے وضو کرنا، اس میں بھی فضول خرچی اس طرح ہوتی ہے کہ وضو کرنے میں ٹنکی کھولدیتا ہے، پانی گرتا رہتا ہے، لوٹے میں پانی لیکر وضو کرنے میں جو وضو ایک لوٹا پانی سے ہوجاتا ہے ٹنکی سے وضو کرنے میں ٹنکی کھولدینے سے کئی لوٹے پانی گرجاتے ہیں اس میں مقدار شرعی سے تجاوز ہے۔

۴- غسل خانوں میں ٹنکی کے پانی سے غسل کرنے والا بہت پانی گرادیتا ہے، اس طرح کہ غسل کرنے والا ٹنکی کھولکر اس کے نیچے بیٹھ جاتا ہے جبکہ ایک بڑی سی بالٹی جس میں دس پندرہ لوٹے پانی آسکتا ہے اس سے بسہولت غسل مکمل ہوسکتا ہے، لیکن اس پر دھیان نہیں ہوتا جس سے گناہ لازم ہوتا ہے۔

۵- عام ضرورتوں میں مقدار ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا، اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

اس فضول خرچی کا شرعی حکم ناجائز ہونا اور لزوم گناہ ہے، اس سے اپنے کو بچانا لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۳: پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ وجوب کے درجہ میں ہیں، واللہ اعلم۔

جواب ۴: اس طریقہ مذکورہ فی السوال پر صاف کیا گیا پانی شرعاً پاک مانا جائے گا۔ واللہ اعلم

جواب ۵: صورت مذکورہ فی السوال میں اس طرح پابندی لگانے کا ریاست کو حق

Marfat.com

ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔ واللہ اعلم

جواب ۶: انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اسی کی ملکیت ہے، اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرے تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے، تو حکومت کو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ حکم دینے کی گنجائش ہے اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے؛ کیونکہ شریعت نے انسانی ضرورتوں کا بہت ہی خیال رکھا ہے۔ واللہ واعلم

جواب ۷: جن ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے متعلق بھی کی جاتی ہے اس طرح ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے اور زیرزمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے سکتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو پانی کی حفاظت کیلئے کردیں تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، اور پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری تو ہے ہی افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

جواب ۸: صورت مسئولہ میں شرعی نقطۂ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر وہاں کی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا جائز ہے اور متبادل زمین کا فراہم کرنا جائز ہوگا۔ واللہ واعلم

جواب ۹: صورت مذکورہ فی السوال میں پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینا اور پانی کو آگے بڑھادینا جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں انسانیت کو ہلاک کرنا ہے جس کی شرعاً قطعاً اجازت نہیں ہوگی، واللہ اعلم

جواب ۱۰: صورت مذکورہ فی السوال میں افراد و اشخاص کو ضرورت کی حد تک استفادہ کی شرعاً اجازت ہے، واللہ اعلم۔

Marfat.com

جواب ۱۱: مذکورہ صورت میں مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی دیگر ضروریات کے لئے ضرورت کی حد تک شرعاً استفادہ کرنا جائز ہے اور کسی دور والے کو روکنا اور استفادہ نہ کرانا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۲: چند صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے: (۱) اپنی مملوک زمین میں پانی کیلئے بورنگ کرانے سے (۲) سرکاری پانی کی سہولیات کیوجہ سے اپنے گھر یا مملوک زمین میں سرکار سے پانی کا کنکشن لینے سے (۳) اپنی مملوک زمین میں کنواں کھدوانے یا گڈھا کھود کر تالاب بنانے سے (۴) اپنے برتن میں کہیں سے پانی جمع کرنے سے (۵) اپنے لئے پانی خریدنے سے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۳: جن صورتوں میں جو شخص پانی کا مالک ہوجاتا ہے اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۱۴: جب نشیبی علاقوں میں سستے داموں میں زمین مل جاتی ہے جس میں غریب آدمیوں کو زمین خریدنا پھر مکان تعمیر کرانا ممکن ہوتا ہے اور اس سے اس کی رہائش کا مسئلہ سہل ہوجاتا ہے تو تالاب جیسے نشیبی علاقوں میں آبادیاں بسانا درست ہے اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو۔ اور اگر ممانعت ہو تو درست نہیں، اس لئے کہ بارش کے موسم میں ان آبادیوں اور تعمیرات کے ہلاک ہونے اور برباد ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ نشیبی علاقوں میں مٹی ڈلوا کر اونچی کرادے اور آبادیاں بسانے کے لائق بنادے۔ واللہ اعلم

جواب ۱۵: صورت مسئولہ میں آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے جس کا وہ مطالبہ کرسکتا ہے اور حکومت اس کی اجرت متعین کرکے پانی کا

Marfat.com

عوض لے سکتی ہے؛ کیونکہ وہ اس آب رسانی کے انتظام کو قائم و باقی رکھنے کے لئے ملازمین رکھتی ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور ضرورت کے مطابق ہی پانی کو جاری کرتے ہیں، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق اس لئے حاصل ہوگا کہ اس کا نظم قائم رہ سکے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۶: پانی وغیرہ کی نکاسی کے لئے حکومت نے جو ڈرینج کا نظام بنایا ہے جس سے پوری آبادی کی صحت کی حفاظت ہوتی ہے تو شرعی نقطۂ نظر سے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے؛ کیونکہ یہ شہریوں کا حق ہے کہ ان کی صحت کی حفاظت کا خیال رکھا جائے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

Marfat.com

آبی مسائل سے متعلق مختلف مسائل

مولانا شیر علی گجراتی ☆

(۱): اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیب وغریب ہے کہ حیوانات کو جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت ہے وہ اتنی مفت کردی لہٰذا حیوانات کی سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہوا ہے تو قدرت نے ہوا کو مفت کردیا، اسی طرح دوسرے نمبر کی زیادہ ضروری چیز حیوانات کے لئے پانی ہے تو قدرت نے پانی کو بھی مفت کردیا اور کسی کو اس پر ملکیت نہیں دی اور نہ ہی کوئی دوسرے کو پانی لینے سے روک سکتا ہے، قوله عليه السلام: "الناس شركاء في ثلث: الماء والكلاء والنار" (اخرجہ ابوداؤد) اسی بناء پر شریعت نے پانی میں افراط وتفریط سے منع فرمادیا اور اعتدال کے ساتھ پانی کے استعمال کا حکم فرمایا خصوصاً اس وقت جبکہ پانی کی قلت ہو اور احتیاج الناس کی کثرت ہو۔

(۲): ہر قسم کے خرچہ میں اعتدال ہونا چاہئے، ضرورت سے زائد خرچ کرنا جائز نہیں ہے خاص کر پانی جیسی اہم ضروری چیز میں، اس میں تو حاجت سے زائد خرچ کرنا ناجائز ہے، آپ ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیسا اسراف ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں

☆ فلاح دارین ترکیسر گجرات۔

Marfat.com

اگر چہ تم نہر جاری پر کیوں نہ ہو۔"إن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ قال: نعم وإن كنت على نهر جار" (ابن ماجہ ۱ر ۳۴)، لہٰذا کھانے کا اسراف یہ ہے کہ پیٹ بھرا ہے پھر بھی کھا رہا ہے، مکان اور تعمیر کا اسراف یہ ہے کہ ضرورت کے موافق مکان ہے پھر بھی بلاضرورت کمرہ پر کمرہ بنا رہا ہے، اسی طرح پانی کا اسراف یہ ہے کہ ضرورت سے زائد پانی بہاتا جا رہا ہے چنانچہ لوگ نل سے وضو کرتے ہیں اور عموماً پانی بہتا چھوڑ دیتے ہیں، وضو کرتے ہوئے یہ بھی اسراف ہے جو ممنوع ہے، لہٰذا اگر کوئی اپنے مملوک پانی میں اسراف کرتا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر وہ پانی وقف کا ہے مسجد کے لئے وقف ہو یا عام لوگوں کی ضرورت کے لئے ہو تو اس میں اسراف کرنا حرام ہے۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ نے "السعایہ" میں وضو میں اسراف کو حرام قرار دیا ہے (السعایہ ص ر ۱۸۴)۔

(۳): پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت نے مختلف النوع احکام دیے ہیں، کہیں حکم دیا کہ پانی میں گندگی مت ڈالو، نیز پانی کو پیشاب وغیرہ سے بچاؤ، بخاری شریف کی روایت ہے: "لا يبولن أحدكم في الماء الدائم" (بخاری ر ۱ر ۳۷) اور کہیں کہا کہ نیند سے بیدار ہو کر پانی میں سیدھے ہاتھ مت ڈال دو جب تک کہ ہاتھ نہ دھولو: "إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يدخل يده في الإناء حتى يغسلها" (ابن ماجہ ۱ر ۳۲) اور کبھی فرمایا کہ رات کے وقت اپنے برتنوں کا منہ ڈھانک کر رکھو: "أمر النبي ﷺ أن نوكي أسقيتنا ونغطي آنيتنا" (ابن ماجہ ۱ر ۳۰) اور یہ سب احکام وجوبی ہیں نہ کہ استحبابی اور اخلاقی جیسا کہ نصوص مذکورہ سے یہ بات بالکل واضح طور پر مترشح ہو رہی ہے۔

(۴): اجزاء کیمیاوی سے جو پانی کو پاک کرتے ہیں تو پہلے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا وہ خود پاک ہیں؟ اگر وہ خود ناپاک ہیں تو وہ دوسرے کو پاک کیسے کریں گے، اور اگر وہ پاک ہیں جس کی تحقیق ماہرین سے کی جاسکتی ہے تو پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ پاک کرنے کی کیا شکل ہوتی ہے،

Marfat.com

تھوڑے تھوڑے پانی کو اس طرح پاک کیا جاتا ہے یا پورے پانی میں وہ اجزاء کیمیاوی ملا کر پاک کیا جاتا ہے، اگر تھوڑے پانی کو اس طرح پاک کیا جاتا ہے تب تو وہ پاک نہیں ہوگا اور اگر ماء کثیر ہے تو وہ نجاست بہہ جائے گی لہٰذا پانی پاک ہوگا، بہرحال سیلان پایا جانا چاہئے، "حوض صغیر تنجس مائه فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر كان الفقيه أبو جعفرؒ يقول كما سال ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض" (الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۷) نیز غدیر عظیم میں اگر نجاست گر جائے تو شیخ قدوری تو فرماتے ہیں کہ اگر ایک طرف کے پانی کو حرکت دینے سے دوسری طرف کا پانی حرکت نہ کرے تو دوسری طرف سے وضو کر سکتا ہے اور دوسرے حضرات تو فرماتے ہیں کہ اس طرف سے بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہاں نجاست کا اثر باقی نہ رہے۔ "والغدير العظيم الذى لايتحرك أحد طرفيه بتحريك. الطرف الآخر إذا وقعت فى أحد جانبيه نجاسة جاز والوضوء من الجانب الآخر لأن الظاهر أن النجاسة لاتصل إليه" (مختصر القدوری:۵) ویسے مطہرات تو بہت ہیں، علامہ حصکفیؒ نے تیس سے بھی اوپر ذکر فرمائے ہیں لیکن پانی کے بارے میں تو یہی ہے کہ یا تو ماء کثیر ہو کہ نجاست بہہ جائے یا پانی میں نجاست کی تحلیل ہو جائے، البتہ ماء قلیل کے بارے میں مجھے اس طرح کا کوئی جزئیہ نہیں ملا۔

(۵): جی ہاں! پانی کی قلت کے پیش نظر حکومت پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگانے کی مجاز ہے؛ کیونکہ حکومت مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر یہ فیصلہ نافذ کرتی ہے اور یہاں صرف شخصی مفاد ہے لہٰذا مفاد عامہ مفاد شخصیہ پر مقدم ہوگا، "إذا اجتمعت البليتان فاختر أهونهما" کے ضابطہ کے مطابق۔

(۶): انسان کی اپنی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہے وہ دوسرے کو وہاں سے پانی لینے سے روک بھی سکتا ہے، "ولو كان البئر أو العين والحوض

Marfat.com

أو النهر فی ملک رجل له أن یمنع من یرید الشفة من الدخول فی ملکه إذا کان یجد ماء آخر بقرب من هذا الماء"۔ اور اگر دوسرا پانی دستیاب نہیں ہوسکتا تو صاحب ماء سے کہا جائے گا کہ وہ اس شخص کو اپنی زمین سے پانی لینے دے، "وإن کان لا یجد یقال لصاحب النهر إما أن تعطیه الشفة أو تترکه یأخذ بنفسه" (ہدایہ ۴/۴۸۶)۔لیکن اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے منع کرے عام لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے تو شرعاً حکومت کو اس کا اختیار حاصل ہوگا، "ماء الأودیة العظام للناس فیه حق الشفة علی الإطلاق وحق سقی الأراضی بأن أحییٰ واحد أرضا میتة وکری منه نهرا لیسقیها إن کان لایضر بالعامة وإن کان یضر بالعامة فلیس له ذلک لأن دفع الضرر عنهم واجب" (ہدایہ ۴/۴۸۴)۔اب اگر کوئی شخص اپنی زمین میں بورنگ کر رہا ہے تو چوں کہ اس کی حریم ۴۰ ر ذراع تک ہوتی ہے لہٰذا چالیس ذراع کے اندر حکومت اس کو منع نہیں کرسکتی ہے، حکومت کو اس کا حق نہیں ہے، اصل مسئلہ تو یہی ہے لیکن چونکہ بورنگ کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں لائٹ کے ذریعہ پانی بہت دور سے لایا جاتا ہے تو اس میں چالیس ذراع کے آگے بھی نقصان ہوسکتا ہے اس لئے یہاں حریم والا مسئلہ نہیں رہے گا لہٰذا حکومت اس کے آگے سے بھی روک سکتی ہے۔

(۷): موجودہ دور میں پینے کا پانی ہی مشکل سے ملتا ہے اور آپ گھر میں حوض بنانے کو کہہ رہے ہو۔

(۸): حکومت کو حتی الامکان کچھ اور ان کا انتظام کرنا چاہئے، اب حکومت نہیں کرتی تو کیا کریں، اب یہاں تو ضرورت پیش آ گئی لہٰذا وہاں سے ان کو ہٹانا ہے، اور حکومت ایسا مفاد عامہ کے لئے کرتی ہے اور آج کل ایسے ہی حالات ہیں۔

(۹): ایسی صورت میں حکومت پانی دیوار کے ذریعہ یا پانی کسی اور طریقہ سے نیچے لے

Marfat.com

جا کر دونوں بستیوں کو بچالے، اور اگر حکومت نہیں کرسکتی تو ان کو دوسری جگہ منتقل کرنا پڑے گا، بہرحال یہ بستی والے باندھ تو توڑ سکتے ہیں؛ کیونکہ ان کے لئے اپنی بستی کو بچانا لازمی ہے اور دوسری بستی والے جو نشیب میں ہیں یا تو وہ خود دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو حکومت ہی ان کو دوسری جگہ منتقل کردے، جگہ کا بھی تو مسئلہ ہے۔

(۱۰): وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے لہٰذا اس میں سے پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کی تو ہر شخص کو اجازت ہے لیکن ضائع کرنا جائز نہیں ہے، نیز اس میں زمین آباد کرنا یا اس میں سے کوئی نہر نکالنے کے سلسلہ میں حکومت سے اجازت لینی پڑے گی۔

(۱۱): جو پہلے نمبر پر ہے وہ اپنی ضروریات کو اس سے پوری کرسکتا ہے، الحق للمتقدم، اس کو بیکار نہ کرے کہ بعد والوں کے لئے قابل استعمال نہ رہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص کا حضرت زبیرؓ سے مقام حرہ کی پانی کی نالی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا جس سے لوگ اپنے درختوں کو سیراب کرتے تھے، انصاری نے کہا: پانی چھوڑ دو، تو حضرت زبیرؓ نے منع کیا اور پانی نہیں چھوڑا، پھر یہ مخاصمہ حضور ﷺ تک پہنچا، آپ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا کہ پہلے تم اپنی زمین سیراب کرلو پھر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دو، تو وہ انصاری ناراض ہو گیا اور کہا کہ وہ آپ کے چچازاد بھائی ہیں اس لئے ان کے حق میں فیصلہ فرمایا تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے زبیر! اپنی زمین کو پانی پلاؤ پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ پانی جڑ تک پہنچ جائے (بخاری ۱؍۳۱۷)۔

(۱۲): جمع کر کے رکھ لے اپنے کسی برتن میں یا ٹنکی میں بھر کر رکھ لے تو اس کو اس پانی پر ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

(۱۳): اپنی ملکیت میں پانی کو جمع کرلیا تو وہ اس کا مالک بن گیا لہٰذا اس کو بیچ بھی سکتا ہے جیسے موجودہ دور میں لوگ کرتے ہیں، یہ تو عرف عام بن گیا اور "المعروف

Marfat.com

کالمنصوص" لہذا جائز ہے۔

(۱۴): حکومت کو منع کرنا چاہئے، تالاب وغیرہ نشیبی علاقوں میں آبادی بسانا درست نہیں ہے۔

(۱۵): جائز ہے، حکومت بھی تو اس کو قابل استعمال بنانے کے لئے کوشش کرتی ہے لہذا حکومت اس پانی پر کوئی ٹیکس لگائے یا معاوضہ لے تو حکومت کو اس کی اجازت ہے۔

(۱۶): جب لوگ اس سے متاثر ہو رہے ہیں تو حکومت منع کرے گی؛ کیوں کہ لوگوں کو نقصان سے بچانا حکومت کا فریضہ اور ذمہ داری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

Marfat.com

آبی وسائل-فقہی تناظر میں

مفتی ظہیر احمد کانپوری☆

۱- پانی اصلاً مباح الاستعمال ہے۔ حدیث پاک میں ہے: "الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلأ والنار" (نصب الرایۃ ۴/ ۲۹۴، اخرجہ ابوداؤد ۵/ ۳۴۳۷)۔

اسی وجہ سے سمندر، دریا، نہر اور کنوؤں اور چشموں کا پانی سبھی لوگ استعمال کر سکتے ہیں اور اپنے چوپایوں کو بھی پلا سکتے ہیں۔ اپنی کھیتی کو بھی سیراب کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس سے نہر کو یا کنوؤں و چشمے وغیرہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو ورنہ مملوک نہر خواہ حکومت کی ہو یا کسی مخصوص فرد کی ہو نقصان پہنچنے کی صورت میں "حق الشرب" حاصل نہ ہوگا۔

حق الشفۃ مملوک زمین میں کنویں یا چشمے ہونے پر بھی حاصل ہونا چاہئے، اس میں حق الشرب حاصل نہیں ہوتا ہے۔

بہر حال پانی مباح الأصل ہے، زمین، کنواں یا چشمے کے مالک ہونے کے باوجود انسان پانی کے استعمال کرنے سے نہیں روک سکتا بطور حق الشفۃ کے۔

بالجملۃ فقہاء نے پانی کی چار قسمیں کی ہیں: (۱) سمندر کا پانی، (۲) بڑی نہر اور دریا کا پانی، (۳) کنوؤں اور چشموں کا پانی، (۴) برتنوں وغیرہ کا پانی (شامی ۵/ ۳۱۱)۔

(۱) اس پانی کا استعمال عوام کو مطلقاً جائز ہے خواہ وہ اپنی ضرورت میں استعمال کرے یا

☆ جامع العلوم پٹکاپور، کانپور۔

Marfat.com

اپنے مویشیوں، جانوروں کے پلانے کے لئے یا اپنی کھیتی کے لئے جتنا چاہے اس میں حق شفہ کے ساتھ ساتھ حق الشرب بھی حاصل ہے۔

(۲) اس پانی کا استعمال اپنے لئے اور چوپایوں کے لئے مطلقاً درست ہے بطور حق الشفۃ کے، البتہ حق الشرب کے طور پر یعنی اپنی کھیتی کو بھی سیراب کرنا علی الاطلاق جائز نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ مصلحت عامہ کو ضرر رساں نہ ہو تو اس حد تک اپنی کھیتی کو بھی سیراب کر سکتے ہیں؛ لہٰذا اتنی مقدار میں کھیتی کا استعمال کرنا درست ہے جس میں دوسروں کو بھی پانی کم نہ پڑے یا اس دریا یا نہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

"ماء الأودية العظام مثل أنهار دجلة والفرات والنيل وبردى والعاصى وسيحون وجيحون ونحوها من الانهار العامة وللناس فيها حق الشفة مطلقا وحق سقى الأراضى إن لم يضر السقى لمصلحة الجماعة فإن أضر بهم فلايجوز السقى لأن دفع الضرر العام واجب" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۴۳، نیز دیکھئے: ۴۶۶۵-۴۶۶۶، تبیین الحقائق ۶/ ۳۹)۔

(۳) کنوؤں، چشموں، چھوٹی نہروں اور حوضوں کے پانی کا حکم یہ ہے کہ اس میں بھی بطور حق الشفۃ اپنے لئے اور اپنے جانوروں کے لئے اس کا استعمال درست ہے۔ کنوؤں، چھوٹی نہروں کے مالک ان کے پانی کے مالک نہیں ہوتے بلکہ پانی علی أصلہ مباح الاستعمال ہوتا ہے۔ "لقول النبی ﷺ: الناس شركاء فى ثلاث: الماء والكلأ والنار" اسی وجہ سے لوگ اس سے اپنے استعمال اور اپنے جانوروں کے استعمال کے لئے زبردستی پانی لے سکتے ہیں بشرطیکہ اس مخصوص کنویں یا نہر کے علاوہ قریب میں کسی دوسری جگہ پانی موجود نہ ہو۔

كما جاء فى الفقه الإسلامى وأدلته:

وعليه فانه يثبت فيه حق الشفة دون حق الشرب فالأول لايختص

Marfat.com

بشخص دون آخر فهو لمستحقه ولغيره من الناس يأخذون منه حاجاتهم لشربهم وشرب دوابهم واستعمالهم المنزلي فان أبى صاحبه كان للمحتاج أخذه جبراً ولو بالقوة وله أن يقاتل بسلاح لأن الماء في الماء مباح غير مملوک ولکن يشترط أن لايجد المحتاج ماء آخر قريباً منه (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۶۳ - ۴۶۶۲)۔

لیکن مالک کے لئے ایک خصوصی حق حاصل ہے، اسی وجہ سے بطور حق الشرب اپنی کھیتی وغیرہ میں پانی دینا اس کے مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، بغیر اس کی اجازت کے اپنے باغ میں یا کھیتی میں پانی دینا درست نہ ہوگا۔

حيث جاء في الفقه الإسلامي وأدلته:

وليس له أن يسقي منه زرعه وشجره إلا بإذن صاحبه فلصاحبه أن يمنع الغير من سقي الزرع والأشجار (حق الشرب) لأن له في مائه حقاً خاصاً (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۶۶۴، وکذا البدائع ۶/ ۱۸۹، تبیین الحقائق ۹)۔

(۴) وہ پانی جس کو اس نے اپنے برتن میں جمع کرلیا ہو تو وہ پانی صاحب برتن کی ملک ہو جائے گا اور وہ اس پانی کو شرعاً فروخت بھی کرسکتا ہے، اور دوسروں کے لئے اس کا استعمال بغیر اس کی اجازت کے درست نہ ہوگا الا یہ کہ کوئی مضطر ہو تو پھر وہ مضطر اس پانی کو زبردستی بالعوض یا بطور ضمان لے سکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۶۲-۴۶۶۱، ۳۸-۷ ۴۳۴، وکذا فی بدائع الصنائع ۶/ ۱۸۸، تبیین الحقائق ۵/ ۱۵-۲۱۱)۔

۲- ہر صورت میں پانی کا استعمال اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے ہے زیادہ سے زیادہ تحسینی وتزئینی درجہ تک پانی کا استعمال درست ہے اس کے بعد پھر اسراف کا درجہ ہے۔ اسراف کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

تحسینی اور تزئینی درجہ سے اوپر فضول خرچی میں آجائے گا، اسی وجہ سے وضو اور غسل

Marfat.com

میں تین مرتبہ سے زائد فضول خرچی اور اسراف میں آجائے گا، الا یہ کہ سخت گرمی کے موسم میں کچھ زائد پانی جسمانی تراوٹ حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا ہے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

آپ ﷺ نے پانی کے زائد استعمال سے منع فرمایا ہے کہ چاہے تم دریا کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔

۳- پانی اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے۔ خصوصاً اس دور میں پانی کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے چونکہ آج کل پانی کی سطح (Water Level) کافی نیچے جا چکا ہے اور پانی کی شدید قلت پیدا ہوجانے کا اندیشہ لاحق ہوگیا۔ اور مستقبل میں پانی پر جنگیں تک ہوجانے کے خدشات ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ ہندوستان میں مختلف ریاستوں کے درمیان دریاؤں کے پانی کے بارے میں نزاعات منظر عام پر آچکے ہیں، معاملات عدالت عالیہ تک پہنچ چکے ہیں۔

اس لئے اس نعمت کی حفاظت ہم انسانوں پر لازم اور واجب ہے؛ لہٰذا اس کو عمداً آلودہ رکھنا حرام ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لایبولن أحدکم فی الماء الدائم وفی روایة فی الماء الراکد" کہ جمع شدہ اور رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرو؛ کیونکہ اس سے پانی آلودہ اور خراب ہوجائے گا۔

پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کے احکام مختلف اوقات میں مختلف ہوسکتے ہیں۔ کبھی فرض کفایہ تو کبھی فرض عین بھی ہوسکتا ہے۔

اپنے ضروری استعمال کے لئے پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض عین کے درجہ میں ہے جیسے کھانا پکانے کے لئے، اسی طرح وضو غسل اور کپڑوں کے پاک کرنے اور دھولنے کے لئے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض کفایہ ہے۔

پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا حفظ نفس (جیسے پینے اور کھانے پکانے کے لئے وغیرہ)

Marfat.com

اور حفظ دین (جیسے وضو غسل اور کپڑوں کو پاک کرنا وغیرہ) سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے اس کا عمداً فاسد کرنا حرام ہوگا، لقوله ﷺ: لايبولهن أحدكم فى الماء الدائم أو الراكد أو كما قال ﷺ۔

۴- اسی طرح کیمیاوی طریقہ پر صاف کیا ہوا پانی پاک تصور کیا جائے گا کہ حقائق کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ اس موضوع پر باضابطہ سمینار بھی منعقد ہو چکا ہے یعنی حقیقتوں کی تبدیلی سے ان اشیاء کا حکم بھی بدل جائے گا۔

۵- ضرورت سے زائد استعمال اسراف اور فضول خرچی ہے، اس پر حکومت پابندی بھی لگا سکتی ہے، بغیر پابندی کے بھی شرعاً اسراف حرام ہے اور پانی کی قلت کی صورت میں بھی حکومت بعض صورتوں کو ممنوع قرار دے سکتی ہے۔

حيث جاء فى الفقه الاسلامي:

وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذا لم يضر الفعل بالنهر وبالغير أى بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطرق أو المرافق العامة۔

"فإذا أضر فلكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمين وإباحة التصرف فى حقه مشروطة بانتفاء الضرر كالانتفاع بالمرافق العامة إذ لاضرر ولاضرار" (الفقہ الاسلامی ٦/٤٦٦٥)۔

٦- سوال نمبر ا کے جواب کے تحت گزر چکا ہے کہ انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی ہوتا ہے انسان اس پانی کا مالک نہیں ہوتا یعنی زمین کے مالک ہونے سے پانی کا مالک نہیں ہو جائے گا؛ بلکہ پانی علی حالہ اپنی اصل کے مطابق مباح الاستعمال رہے گا اور اس میں تمام لوگوں کا حق ہوگا، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: الناس شركاء فى ثلاث: الماء والكلأ

Marfat.com

والنار (نصب الرایۃ ۴/ ۲۹۴)۔اوراس صورت میں حکومت بورنگ کرانے کو منع بھی کرسکتی ہے، اور شرعاً اس کی تعمیل بھی واجب ہوگی۔لقول اللہ عزوجل: یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم الخ۔

وکما جاء فی الفقه الاسلامی وأدلته:

فإذا أضر فکل واحد من المسلمین منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمین وإباحة التصرف فی حقه مشروطة بانتفاء الضرر کالانتفاع بالمرافق العامة إذ لاضرر ولاضرار (الفقه الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۶۶۵)۔

۷- اگر پانی کی تنگی اور پریشانی ہو یا اس کے مزید کم ہوجانے کا غالب گمان اور قوی امکان ہو تو پھر ایسی صورتوں میں پیشگی تدابیر کے طور پر ایسی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جن سے ان احوال پر کنٹرول حاصل کیا جاسکے۔

ایسی صورت میں حکومت اس طرح احکامات دے سکتی ہے اور ان کی تعمیل بھی شرعاً لازم اور ضروری ہوگی؛ تاکہ لوگ تنگی اور پریشانی میں نہ پڑ جائیں۔

پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے مگر افراد ہی سے حکومت بنا کرتی ہے؛اس لئے ایسی صورتوں میں حکومت کے احکامات کی تعمیل کرکے حکومت کا تعاون کرنا چاہئے۔

۸- مفاد عامہ کے تحت ایسا کرنا شرعاً درست ہوگا جبکہ پانی کی اس علاقہ میں اس حد تک ضرورت ہو اور اصحاب زمین کو مناسب معاوضہ دلایا جائے؛ لیکن اگر اصحاب زمین اور کھیتی کے مالکان کو مناسب معاوضہ نہیں دیا جاتا تو پھر ان کی آبادی کو اور زمین کو منتقل کرنا شرعاً درست نہ ہوگا کہ غریبوں کو اجاڑ کر امیروں کے مفاد کو تحفظ فراہم کیا جائے جیسا کہ آئے دن دیکھنے کو مل رہا ہے۔اس صورت میں اس کی شرعاً ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

۹- خود کو بچانے کے لئے دوسروں کو غرق کردینے کی شرعاً اجازت نہیں۔ جب اگلی

Marfat.com

نشیبی بستی میں زیادہ نقصان کا ہوجانے کا اندیشہ ہے اور اس کے غرق ہوجانے کا قوی امکان ہے تو پھر ایسی صورت میں باندھ Dam (ڈیم) کو کاٹنے کی شرعاً قطعاً اجازت نہ ہوگی، بلکہ پہلی بستی والوں کو ہی منتقل کردیا جانا چاہئے۔ الضرر العام يزال بالضرر الأخف البتہ اگر باندھ اور ڈیم کے کاٹنے سے نشیبی علاقہ کی بستی کو کوئی نقصان لاحق نہ ہو تو پھر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۱۰- سمندر اور بڑے دریاؤں سے عوام کو ہر طرح سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ وہ پانی کا استعمال اپنے لئے، اپنے چوپایوں کے لئے، اسی طرح اپنی کھیتی کے لئے جتنا چاہیں کریں اس میں کوئی مانع نہیں، وہ اس سے چھوٹی نہر بھی نکال کر لے جاسکتے ہیں؛ البتہ اگر ان کے دریا سے سیراب کرنے میں نہر وغیرہ کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو تو پھر اس سے روکا جائے گا ورنہ نہیں، ان کو حق الشفہ اور حق الشرب دونوں حاصل ہوں گے۔ کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب وغیرہ میں حق الشفہ کے طور پر اپنے اور اپنے جانوروں کو پلانے وغیرہ کے لئے درست ہے مگر حق الشرب کا استعمال یعنی کھیتی وغیرہ کو پانی دینے کے لئے مالک سے اجازت لینا ہوگی۔ اگر وہ اجازت دے دیتا ہے تو درست ہوگا ورنہ نہیں؛ چونکہ حق ملکیت کی وجہ سے اس کو ایک خصوصی حق حاصل ہے۔

لیکن برتنوں وغیرہ کے پانی میں حق الشفۃ بلا حاصل نہیں بلکہ اس میں بھی اجازت مالک سے لینی ہوگی، اگر وہ اس کی اجازت دے دیتا ہے تو درست ہوگا ورنہ نہیں۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۸-۶-۳۶۷۳، البدائع ۱۸۹/۶)۔

۱۱- بقدر ضرورت اپنے کھیت اور اپنی دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس نہر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ آپ کی اپنی کھیتی کو سیراب کرنے سے پانی میں زیادہ قلت نہ ہوجائے یا اس نہر کو نقصان نہ پہنچے۔

حيث مر في الفقه الاسلامي وأدلته:

ليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذا لم يضر الفعل

Marfat.com

بالنهر أو بالغير أى بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطرق أو المرافق العامة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٦/ ٤٦٥)۔

١٢- اگر اس نے پانی پر کنٹرول حاصل کرلیا ہو، اپنے قبضہ میں لے کر جسے اپنے برتنوں میں بھرلیا ہوتو پھراس کو پانی پر ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

شیخ وہبۃ الزحیلی کی رائے میں تو کمپنیوں کو بھی پانی پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے جو علاقہ میں اپنا پلانٹ نصب کرتی ہیں، اس طرح ان کو حکومت کی جانب سے اس پانی پر استیلاء حاصل ہوجاتا ہے اور پھر وہ اس پانی کو اپنی بوتلوں میں پیک کرکے پانی کو سپلائی کرتی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"ومنه مياه الشركات فى المدن المتخصصة لتأمين ماء الدور وهذا الماء ملك خاص لمن أحرزه بالاستيلاء عليه ككل مباح يمتلك بإحرازه فليس لأحد حق الانتفاع به إلا بإذن صاحبه (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٦/ ٤٦٦)۔

لیکن حکومتوں کا کمپنیوں کو اس طرح مالک بنادینے میں اگر عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو یا پانی کے کم ہوجانے کا قوی اندیشہ ہوتو پھر اس طرح کمپنیوں کو مالک بنادینا شرعاً درست نہ ہوگا۔

١٣- ہمارے یہاں بلکہ جمہور علماء کے یہاں جن صورتوں میں اس کو ملکیت حاصل ہوجاتی ہے ان صورتوں میں پانی کی تجارت کرنا بھی جائز ہے، سوائے ظاہریہ کے کہ ان کے یہاں درست نہیں۔

حیث جاء فی الفقہ الاسلامی وادلتہ:

قال جمهور العلماء يجوز بيع غير المباح للناس جميعاً كماء البئر والعين والمحرز فى الأوانى ونحوها لصاحبه أن ينتفع به لنفسه ويمنع غيره من الانتفاع فله أن يمنع صاحب الحق فى الشفة من الدخول فى ملكه إذا كان يجد ماء بقربه فإن لم يجد يقال لصاحب البئر ونحوه إما أن تخرج الماء إليه أو

Marfat.com

تتر که لیأخذ الماء (الفقه الاسلامی وادلته ۵/۴۳۳۸، أنظر أیضا: البدائع ۶/۱۴۶، رد المحتار علی الدر المختار ۵/۱۲-۳۱۱)۔

لیکن اگر پانی کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے سے کسی جگہ پانی میں قلت پیدا ہوجانے کا قوی امکان، غالب گمان ہو یا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں یہ تجارت دشواری پیدا کرنے کا سبب بنے تو پھر حکومت کو اس پر پابندی کا بھی حق ہوگا۔ (انظر: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۶/۴۶۶۵)۔

خصوصاً اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ پانی حقیقۃً مباح الأصل ہے، اس پر ملکیت احراز کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے ورنہ وہ تمام لوگوں کی استعمال کے لئے ہے، اسی وجہ سے بعض دوسری روایات میں پانی کے بیچنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

حیث قال النبی ﷺ: لایباع لفضل الماء لیباع به الکلأ (نیل الاوطار ۵/۳۰۳، ناقلاً عن الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۴۰ ۳)۔

ونهی رسول الله ﷺ عن بیع فضل الماء (نیل الاوطار ۵/۱۴۵)۔

وهو الفاضل عن کفایة صاحبه سواء أکان فی أرض مباحة أم فی أرض مملوکة وسواء أکان للشرب أم لغیره (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۴۰ ۳)۔

اسی وجہ سے پانی کی ضرورت ہونے پر اس کو قتال کر کے بھی لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔

کما جاء فی الفقه الاسلامی وأدلته:

یجوز للمضطر أن یقاتل بالسلاح مالک الماء فی الحوض أو البئر أو النهر الذی فی ملکه لأنه قصد إتلافه بمنع حقه وهو الشفة والماء فی البئر مباح غیر مملوک (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۳۸ ۳، نیز دیکھئے: ۶/۴۶۶۳)۔

کیونکہ یہ کمپنیاں عموماً اپنا پلانٹ کسی نہر، دریا وغیرہ پر ہی لگاتی ہیں، وہیں پر ان کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے، تو ان کے احراز کرنے سے پہلے پہلے وہ پانی مباح الاستعمال ہے۔ اسی

Marfat.com

وجہ سے محتاج شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس کو قتال بالسلاح کے ساتھ بھی حاصل کرسکتا ہے۔

جب محتاج کو اجازت ہے تو مضطر کو بدرجہ اولی یہ اجازت ہوگی۔

اور ایسی صورت میں حکومت کو ایسی کمپنیوں پر پابندی عائد کرنے کا پورا حق حاصل ہوگا، اور ان کا لائسنس رد کرنے کا حق ہوگا جیسا کہ اسکوالاٹ کرنے کی اجازت دینے کا حق تھا؛ کیونکہ ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ مملوکہ زمین میں پانی کے پائے جانی جیسی ہوگی اور مملوکہ زمین کے پانی کی ملکیت حاصل نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ مالک زمین کو ایک خصوصی حق حاصل ہوتا ہے، پانی پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی؛ البتہ پانی کو پیک کرنے کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہوجائے گی۔

لہٰذا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اگر کمپنیوں کے پلانٹ ضرر رساں ہوں تو حکومت کو ان کے پرمٹ کو منسوخ کردینا لازم ہوگا۔

حیث جاء: فاذا أضر فلكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمين وإباحة التصرف فی حقهم مشروطة بانتفاء الضرر كالانتفاع بالمرافق العامة إذ لاضرر ولاضرار (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/ ۴۶۶۵)۔

۱۴- اگر تالابوں میں آبادیاں بسانا پانی کی قلت کا سبب بن جائے اور اس جگہ کی ضرورت بھی ہو تو پھر ایسا کرنا شرعاً درست نہ ہوگا۔ تالابوں کو تو پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کو ختم کرکے آبادی بسانا غیر دانشمندانہ قدم ہوگا۔ پھر مزید یہ کہ یہ قلت پانی کا سبب بن جائے تو اس کی شرعاً قطعی طور پر اجازت نہ ہوگی، البتہ اگر کسی جگہ پر رہنے کی تنگی ہے اور پانی کافی مقدار میں موجود ہے، تالابوں میں بستیاں بسانے سے کوئی قلت پیدا نہیں ہوگی تو اس جگہ اجازت دی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

اگر حکومت نے قلت پانی کی وجہ سے منع کیا ہے اور رہنے سہنے کی دوسری جگہ موجود ہے، تالابوں کے پانی کی ضرورت بھی ہے تو اس صورت میں حکومت کے احکام شرع کے حکم کے مطابق ہوں گے اور حکومت کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

البتہ اگر اس جگہ پانی سے زیادہ رہائش کی دقت ہے اور پانی وافر مقدار میں موجود ہے تو ایسی صورت میں حکومتی حکم نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

۱۵- یقیناً آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق بھی ہے، اب حکومت کو اس کے انتظامات میں اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومت اس پر کچھ ٹیکس کی شکل میں اجرت متعین کر سکتی ہے۔ اس میں شرعاً کچھ حرج نہیں اور حکومت کو اس کا عوض لینا شرعاً درست ہوگا، یہ حفظ نفس سے متعلق ہے۔

۱۶- پانی کی نکاسی کا نظم بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ حفظان صحت اور حفظ نفس سے متعلق ہے اور کبھی یہ حفظ دین سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ اور حکومت کو حفظان صحت کا نظم کرنا بھی لازم اور ضروری ہے؛ کیونکہ یہ اس کے فرائض میں سے ہے۔ اور ہر شہری کا حق بھی ہے تاہم اس کے نظم میں اخراجات کے لئے حکومت اگر کچھ اجرت وغیرہ لیتی ہے ٹیکس کی شکل میں یا بل کی شکل میں تو اس کی بھی شرعاً اجازت ہوگی (انظر: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۶۷۶) واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

Marfat.com

چوتھا باب

مناقشہ

Marfat.com

Marfat.com

مناقشہ:

آبی وسائل اوران سے متعلق شرعی احکام

مولانا عبیداللہ سلیم (امریکہ):

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم أما بعد۔

مجھے کوئی رائے دینا تو مقصد نہیں ہے، میں صرف کچھ وضاحتی چیزیں کہنا چاہ رہا تھا۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے عرض کے بعد ان مسئلوں پر ایک عمومی نظر ڈالی ہے اور اس پر توجہ دلائی کہ ان مسائل پر اس حیثیت سے بھی غور کیا جائے، صرف علاقائی جو احوال ہیں ان کی روشنی ہی میں صرف ان مسائل کو حل نہ کیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ یہ مسائل اور کہاں کہاں کن کن ملکوں میں پیش آتے ہیں۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں پر حکومتوں پر اعتماد بہت کم ہوتا ہے، کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں پر حکومتوں پر اعتماد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک حقوق عامہ اور ایک ایسے حقوق جو افراد کے ساتھ خاص ہیں، تو ایسے حقوق جو خالی انفرادی نوعیت کے ہیں، اس میں اگر اکیڈمی یا اس میں جو شرکاء ہیں وہ حضرات اپنی رائے اس طرح دیں کہ یہ افراد کے حدود ہیں اور اس میں وہ اس طرح کے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں یا اگر وہ حقوق ان کو نہ مل رہے ہوں تو حکومت سے وہ مطالبہ کر سکتے ہیں، لیکن جو حقوق عامہ ہیں ان میں اگر یہ طرز اختیار کیا جائے کہ حکومت ذمہ داران حقوق کی تحدید کریں اور پھر ان حقوق کو پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت کی ہے، اس طرح مسائل واضح ہو کر سامنے آسکتے ہیں، مثلاً پانی سے متعلق اٹھارہ سوالات کچھ ایسے ہیں جن میں واضح طور

Marfat.com

پر ہم دیکھ رہے ہیں کہ انفرادی حقوق سے متعلق بات ہو رہی ہے، کچھ ایسے ہیں جن میں اجتماعی حقوق سے متعلق بات ہو رہی ہے مثلاً ڈیم، تو ڈیم میں محسوس یہی ہوتا ہے کہ اس میں عوامی حقوق کا عنصر غالب ہے تو اس میں حکومت ہی کی ذمہ داری قرار دی جائے کہ اس میں وہ کیا موقف اختیار کرے، اور مختلف احوال میں احکام بھی بدل سکتے ہیں، کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ڈیم تعمیر نہ کیا جائے اور کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کیا جائے، تو مطلب واضح نہیں ہوتا، اس اضطراری پوزیشن میں کاٹنے کا مقصد آگے کی بستی کو نقصان پہنچانا نہیں ہوتا۔ ہمارے علاقے میں پانچ سات سال پہلے سیلاب آیا، گورکھپور کے علاقے میں ایک باندھ کاٹا گیا اس کی وجہ سے گورکھپور پورا شہر بچ گیا اور قریب، پاس کی آبادیوں میں پانی پھیل گیا، جانی نقصان بالکل نہیں ہوا یا بہت معمولی ہوا، لیکن تین سال پہلے نیپال بارڈر پر جو باندھ کاٹا گیا اس کی وجہ سے قریب، پاس کے علاقے تو بچ گئے مگر نشیبی علاقوں میں پانی دور تک پھیل گیا اور نقصانات اس کے ہوئے تو یہ اضطراری پوزیشن ہوتی ہے، اس لیے پہلے سے اس سلسلہ میں مستقبل کے نقصان کا اور آئندہ کے نقصان کا کچھ کلیئر حکم نہیں بیان کیا جا سکتا، اس لیے اس اضطراری پوزیشن میں نقصان سے بچانے کے لیے کاٹنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ٦ میں یہ عرض کرنا ہے کہ مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے اگر چہ وہ زمین آدمی کی مملوک ہے مگر پانی کی سطح اندر پوری ملی ہوئی ہے، اس لیے ایک آدمی اپنی زمین میں جو پانی پا رہا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اندر کے سارے پانی کا مالک ہو، سوال میں یہ ہے کہ انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً حکومت اگر مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے تا کہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔ تو اپنی زمین کا جو پانی ، آدمی کی ملکیت ہے لیکن پانی کی سطح اندر ملی ہوئی ہے اس لیے اندر کے پانی کا وہ

Marfat.com

زمین والا مکمل مالک نہیں ہے۔

مولانا فاروق بارڈولی:

ایک مظنہ تھا وہ دفع ہوگیا۔ اصل یہ تھا کہ تالاب کے سلسلہ میں تفصیل نہیں آئی تھی کہ مملوکہ تالاب ہے یا غیر مملوکہ؟ لیکن پھر بعد میں ہمارا یہ سوال رفع ہوگیا۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی:

میرے دو سوال ہیں، ایک سوال تو یہ ہے کہ ناپاک اور گندے پانی کو فلٹر کرنے کا طریقہ کار کیا ہو؟ کیا اس کی وجہ سے پانی کی حقیقت و ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے، جیسا کہ شراب سرکہ بن جاتا ہے یا صرف اس کی وجہ سے پانی کے جراثیم اور بدبو کو دور کردیا جاتا ہے اور پانی کی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر صرف گندے اور ناپاک پانی سے رنگ، بو و مزہ کے زائل ہونے پر اس کو اگر پاک قرار دیا جائے تو پھر اگر ایک بکٹ میں چند پیشاب کے قطرے ڈال دیئے جائیں تو اس میں نہ رنگ ظاہر ہے نہ بو نہ مزہ، تو کیا پھر اس کو بھی خاص حالات میں جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

یہ جو مسئلہ ہے پانی کے فلٹر کرنے کا، ناپاک پانی کو فلٹر کیا گیا اور کیمیاوی طریقے سے اس کو قابل استعمال بنایا جارہا ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں اس موضوع پر کچھ ماہرین کی رائے چاہیے تھی کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے۔ میں یہ اظہار کرتا ہوں کہ اس موضوع پر کم از کم کچھ ماہرین یہاں ہوتے جو ہمیں سمجھاتے کہ یہ عمل ہوتا کیا ہے؟ کن مرحلوں سے گزرتا ہے؟ اور میں سمجھتا ہوں کہ ماہرین کی رائے کے بغیر ہم کچھ فیصلہ کریں گے تو شاید صحیح نہ ہو۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ

Marfat.com

اگرچہ آپ حضرات محسوس کرتے ہیں کہ اس میں ہمیں مزید کچھ تفصیلات درکار ہیں اس لیے اس جز کوملتوی کرکے اگلے کسی سمینار میں لائیں، اس لیے کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے؟ کیا اس کا طریقہ کار ہوتا ہے؟ کیا تبدیلیاں اس میں پیدا ہوتی ہیں؟ یہ چیزیں ایسی ہیں جو ابھی ہماری واقفیت میں نہیں ہیں اس لیے اگر کسی کی واقفیت میں کچھ ہو تو بیان کردیں لیکن جب تک کہ ماہرین کی رائے ہمارے سامنے نہ ہو اس وقت تک ہم کسی فیصلہ کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

مولانا عبدالمتین ندوی:

ملکیت کی بات چل رہی تھی کہ ملکیت کتنے میں متعین ہوگی...... اگر کسی کی ملکیت ہے تو حکومت کو اجازت نہیں کہ اس میں تصرف کرسکے تو کیا ملکیت کی کوئی تعیین ہے کہ کوئی برتن ہو یا مطلق، جیسا کہ ہم نے کہا کہ کوئی کنواں کھودتا ہے اپنی زمین میں تو کیا اس پانی کو روک کرکے بیچ سکتا ہے؟ مطلق بات کہی جارہی ہے، اگر ملکیت ہے تو ملکیت میں اس کو تصرف کا حق ہے اور وہ پانی بیچ سکتا ہے، تو کیا برتن کی کوئی قید ہے یا زمین میں کنواں کھود کرکے اگر اس کو بیچتا ہے تو وہ بھی اس میں شامل ہے؟

مولانا زاہد علی خاں (علی گڑھ):

سوال نمبر ۸ سے متعلق مجھے عرض کرنا ہے کہ جو ڈیم بنانے کی بات کہی گئی اس میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ہندوستان میں بڑے ڈیم بنائے جارہے ہیں، جب کہ سائنسدانوں نے بڑے ڈیم بنانے کو زلزلہ وغیرہ کا سبب بنانا ہے اور ساری دنیا میں لگ بھگ بڑے ڈیم بنانا بند ہوچکے ہیں یہاں چوں کہ طبقاتی نظام قائم ہے اور محروموں اور کمزوروں کے علاقے میں یہ ڈیم بنائے جاتے ہیں چنانچہ 55 / فیصد قبائلی آبادی کو جبراً اپنے علاقوں سے نکال کر انہیں باہر کردیا گیا اور معاوضہ کے نام پر انہیں صرف چند ہزار روپئے دیئے گئے، اتنی کم رقم دی گئی کہ جس سے وہ ایک کمرہ کا

Marfat.com

مکان بھی نہیں بنا سکتے۔ بہر حال اس کے علاوہ وہ روزگار سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیے گئے، دنیا میں اجاڑنے کا اور مالداروں کو بہت بڑا فائدہ پہنچانے کا جو نظام قائم ہے اس میں ہمارا ملک بھی شامل ہے، لہٰذا بھرپور معاوضہ اور روزگار کی گارنٹی ہونی چاہیے، اور اجاڑنے اور ڈیم بنانے سے صرف مالداروں کو اور ان مخصوص خاندانوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے جن کا باضابطہ سپریم کورٹ پر قبضہ ہے، ہائی کورٹ پر بھی قبضہ ہے، فوج میں بھی قبضہ ہے اور تمام سیاسی پارٹیاں بھی ان ہی کی ہیں اور جو تمام وسائل ہیں وہ ان ہی کے قبضہ میں ہیں، لہٰذا اس پہلو کو نظر انداز کر دینا سخت خطرے کا سبب ہے، یہ ڈیم ہمارے ملک میں اور پڑوسی ملک میں بھی اسی طرح سے بنائے جارہے ہیں کہ محروموں کو بالکل محروم کر دیا جائے اور مالداروں کو اور غاصبوں اور قاتلوں اور جوان کے خون چوسنے والے ہیں ان کو کھلی چھوٹ دیدی جائے، اس کا عوامی مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے باضابطہ پوری دنیا میں یہ طے ہو چکا ہے کہ چھوٹے ڈیم بنائے جائیں پانی روکنے کے لیے، بڑے ڈیم ہرگز نہ بنائے جائیں، اس کی خلاف ورزی مسلسل ہو رہی ہے اور اس کو ملکی مفاد کا نام دیا جاتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں غور کرتے وقت اس پہلو کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔ شکریہ۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی:

مجھے سوال نمبر ۹ کے بارے میں عرض کرنا ہے، ابھی حضرت مولانا خورشید انور صاحب ارشاد فرما رہے تھے اور عرض مسئلہ میں بھی یہ بات آئی ہے کہ اگر کسی علاقے میں تباہ کن سیلاب آیا ہوا ہو تو اس علاقے کے لوگ اپنے تحفظ کے لیے باندھ کو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں، ابھی مولانا نے جو ارشاد فرمایا کہ اس سے جو آگے کے نقصانات ہیں وہ موہوم ہیں یا ابھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔ تو فقہاء نے اس سلسلہ میں جو وضاحتیں کی ہیں جس میں نہر کے منہ کھولنے کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے جو

Marfat.com

سیلاب کے علاوہ کی صورت حال ہے، اس ذیل میں فقہاء نے یہ بات لکھی ہے، فتاوی ہندیہ وغیرہ میں وضاحت ہے اور تلخیص میں بھی وہ عبارت موجود ہے اور عرض میں بھی شاید آئی تھی کہ اگر اتنا حصہ کھولا جائے کہ جس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے تو اس کی گنجائش ہے، اگر اتنا حصہ کھول دے جو عرف میں اور عادت میں نقصان پہنچاتا ہو تو اس پر ضمان کی بھی بات آئی ہے یہ تو وضاحت ہے۔ سیلاب کے زمانے میں ظاہر ہے کہ بہت بڑے حصہ کو، ذخیرۂ آب کو کھول دینے سے جو نقصانات ہوتے ہیں وہ بہار میں یا جو سیلابی علاقے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے اس سلسلہ میں فتاوی ہندیہ میں جو عبارت ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کو اپنے تحفظ کے لیے باندھ کاٹنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ جو عبارتیں ان حضرات نے پیش کی ہیں اس میں ہے کہ انسان اپنے تحفظ کے لیے کوئی ظلم ہو رہا ہو تو اپنے بچاؤ کے لیے کوشش کرے، دوسرے پر کیا ہوگا اس کو نہ دیکھے۔ وہ ایسے مسائل ہیں جن میں دوسرے کے نقصان کا اندازہ نہ ہو، موہوم ہو کہ اس پر کیا ہوگا جیسے سانپ ہم پر گرا، ہم پھینک دیں، وہ سانپ کس پر جا کر گرے گا وہ ہم کو معلوم نہیں ہے۔ جو موہوم ہے اس کے بارے میں فقہاء نے صاف طور پر لکھا ہے کہ اس میں اپنے بچاؤ کی فکر کرے، لیکن جب معلوم ہے کہ جب یہ باندھ کاٹا جائے گا تو اس کے اتنے نقصانات ہوں گے، اتنی بستیاں غرقاب ہو جائیں گی، تو وہاں پر ہمیں مشاہدہ ہے کہ اس کا بڑا نقصان ہونے والا ہے، اس لیے عبارتوں میں تضاد نہیں، فقہاء کے یہاں عبارتیں دونوں طرح کی موجود ہیں اور اس کو سامنے رکھ کر کے ہمیں کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔

مولانا توقیر بدر قاسمی:

مجھے بھی سوال نمبر ۹ سے ہی متعلق عرض کرنا ہے، سوال میں یہ ہے کہ بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے، سب سے پہلے ہمیں بحیثیت مسلمان یہ ماننا پڑے گا کہ تباہ کن سیلاب یہ

Marfat.com

عذاب خداوندی ہے اور عذاب خداوندی کے پیش نظر دیکھا یہ جائے کہ حدیثوں میں ان صورتوں میں کیا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ طاعون کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ایک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ نے کہا کہ بنی اسرائیل میں اس کو مسلط کیا گیا ہے، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو جہاں تک یہ وبا پھیلے تم اس حلقے سے ہٹنا مت، اور اگر کہیں پر ایسی وباء ہو تو وہاں پر جانا مت۔ ان تمام کے پیش نظر اگر دیکھا جائے تو تباہ کن سیلاب کا آنا یہ بھی ایک عذاب خداوندی ہی ہے۔ اور اس صورت میں ہم یہ سوچیں کہ سامنے والے کا کیا ہوگا، نہیں ہوگا؟ فی الحال ہمیں خود بچنا چاہیے، تو اپنے بچنے کے سلسلہ میں بھی ایک دوسری حدیث ہے جہاں پر یہ آیا ہے کہ فلاں شہید، فلاں شہید، وہیں پر مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ پر یہ بھی ہے کہ "الغریق شہید"، مان لیا کہ ہم نہ بچ سکیں، ڈوب جائیں تو ہمیں شہادت کا درجہ ملے گا تو بجائے اس کے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچائیں جیسا کہ مولانا نے بتایا کہ بہار کے اندر یہ مشاہدہ ہے اور اس کو ہر ایک محسوس کرسکتا ہے تو وہاں پر بجائے دوسروں کو ڈوبانے کے خود شہادت کا درجہ لے لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث سے صاف واضح ہے۔

مفتی ارشد فاروقی:

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ خاص طور پر جو گفتگو باندھ کو کاٹنے اور توڑنے اور پانی کو بہانے کے سلسلہ میں ہو رہی ہے، بہر حال پانی ایک قیمتی چیز ہے اس کی قدر کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ یہ جو خاص مسئلہ ہے عام طور سے اس کا تعلق عوام سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حکومتوں سے ہے، حکومتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر سیلاب کہیں آتا ہے تو ایسے وقت میں کون سے باندھ کو توڑا جائے اور کون سے باندھ کو نہ توڑا جائے، پھر اگلی آبادیوں کو توڑنے سے پہلے اطلاع دی جائے، ان کو وہاں سے ہٹایا جائے، جہاں سیلاب آچکا ہے اور وہاں مرنا یا ڈوبنا یقینی ہو چکا ہے تو ان

Marfat.com

لوگوں کو بچا کر اگلی آبادیوں کو اطلاع دینا، ان سے آبادی کو خالی کرالینا، یہ وہ ذرائع ہیں جن سے کہ دونوں طرف تحفظ ہوسکتا ہے تو ایسے وقت عوام کا یا ذاتی طور پر کوئی اقدام نہ کارگر ہوگا نہ مفید ہوگا، اس میں حکومتی سطح سے جو انتظامات ہوں انہیں طلب کیا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں کہ دونوں طرف تحفظ ہوسکے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

یہ آبی وسائل کے جو مسائل ہیں آپ کے سامنے، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بیشتر اجزاء وہ تھے جو اتفاقی ہیں، متفق علیہ ہیں، بہت کم مسائل میں آپ کا اختلاف ہوا ہے، ایک جو بہت اہم مسئلہ تھا پانی کی صفائی کا جو آج کے دور میں فلٹر کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کہ کیا وہ پانی پاک ہوجائے گا اس عمل کے بعد یا وہ پانی ناپاک ہی رہے گا، اس میں دو رائیں ہمارے سامنے آئی ہیں، اور بھی مجامع فقہیہ نے اس پر گفتگو کی ہے اور میری بھی رائے یہ ہے اور مولانا خالد صاحب کی بھی رائے یہ ہے کہ ابھی چوں کہ ماہرین کی رائے ہم نے نہیں پڑھی ہے ان سے استفادہ نہیں کیا ہے کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے۔ اس لیے اس جز کو انشاء اللہ آئندہ کے لیے ملتوی کیا جاتا ہے۔

باقی اور جو مسائل ہیں ان میں زیادہ بڑے اختلافات نہیں ہیں۔ اب یہ باندھ کاٹنے کی بات ہے نہ کاٹنے کی بات ہے، ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں بھی اختلاف کوئی اتنا بنیادی نہیں ہے، اور اصل تو حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے ایسے حالات میں کہ وہ آبادی کے تحفظ کے لیے کہاں کہاں اقدام کرتی ہے، اپنے طور سے اگر ہر گاؤں کے لوگ، ہر علاقے کے لوگ یہ کام کرنے لگیں گے تو بڑی تباہی پھیلے گی، اس کے لیے ظاہر بات ہے کہ نظام حکومت کا ہے اور کوتاہیاں بھی حکومت سے ہوتی ہیں، یہ ایک پہلو ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر حکومتیں ذمہ دار ہوں واقعی، مفاد عامہ کا خیال کرنے والی ہوں جیسے بہت سے ملکوں میں ہیں، تو گویا پھر یہ مباحث آتے

Marfat.com

ہی نہیں۔ ان سوالات کو اٹھانے کا موقع ہی نہیں آتا، لیکن پھر بھی مجموعی لحاظ سے اگر ہر آبادی کو ہر گاؤں والے کو اس کی اجازت دیدی جائے کہ جہاں اس کو خطرہ محسوس ہو، اس کو کاٹ دے تو اس سے بڑی تباہی پھیلے گی اور اس سے بڑے خطرات پیدا ہوں گے۔ بہر حال اس میں بھی انشاء اللہ جب آپ تجویز مرتب کریں گے تو کوئی ایسی متبادل تجویز ہوگی جو سب کے لیے قابل قبول ہوگی۔

جہاں تک پانی پر ٹیکس وغیرہ عائد کرنے کی بات ہے، ہم اس دنیا میں رہتے ہیں، اس ملک میں رہتے ہیں، پانی کا پورا ایک نظام ہے، شہروں میں خاص طور سے، دیہاتوں میں تو اب بھی وہ قوانین نافذ نہیں ہیں اور عمل بھی اس پر نہیں ہوتا، لیکن شہروں میں تو پورا سسٹم ہے پورا نظام ہے۔ اب حکومت جو ٹیکس عائد کرتی ہے، ہاؤس ٹیکس ہے یا پانی کا ٹیکس بھی عائد کرتی ہے، سالانہ ادا کرنا ہوتا ہے، ظاہر بات ہے کہ اس نظام کے لیے اس کو لمبا عملہ رکھنا پڑتا ہے، تمام انتظامات کرنے پڑتے ہیں اور وہ ٹیکس عائد کرتی ہے، ظاہر بات ہے کہ اس مسئلہ کو زیادہ زیر بحث لا کر کے ہم کوئی ایسی تجویز لائیں جس سے گویا یہ پیغام لوگوں کو دینے کا موقع ملے ہمارے مخالفین کو، گویا کہ ہم اس طرح کے جو ٹیکس ہیں جس کو پارلیمنٹ طے کر رہی ہے جس کو حکومت طے کر رہی ہے گویا اس کے خلاف ہم فیصلہ کر رہے ہیں یہ تأثر بھی ہم کو دینا نہیں ہے، ایک نظام چل رہا ہے اور مفاد عامہ کے تحت ہے، تو ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی جزئیات میں ہم جا کر کے میڈیا کو یہ موقع نہیں فراہم کرنا چاہتے ہیں کہ اس طرح کی چیزوں کو زیادہ ہوا دے کر کے ایسی کوئی چیز سامنے لائیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان سارے موضوعات کو سمیٹ کر آپ کی جو کمیٹی بیٹھے گی جس میں مختلف نقطہائے نظر کے لوگ ہوں گے انشاء اللہ، تو اس موضوع پر ایسی گویا تجویزیں مرتب ہو جائیں گی جو سب کے لیے قابل قبول ہوں گی۔

الحمد للہ جس ماحول میں آپ حضرات نے اس موضوع کو لیا ہے اور جس طرح سے گفتگو کی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ اور لوگ بھی تبادلۂ خیال کریں۔ بہت سے پہلو ہیں پانی کے

Marfat.com

مسئلے کے، پانی کا مسئلہ ایک عالمی مسئلہ ہے، بعض پہلوؤں کو ہم نے چھیڑا ہی نہیں ہے، بات یہ ہے کہ پانی کی وجہ سے عالمی جنگیں ہونے کا خطرہ ہے، یہ سارے امکانات ہیں، یہ بڑے بڑے مسئلے ہیں جن کو ان میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ کچھ بات یہ بھی ہوتی ہے کہ ہمارے جو سائنسداں ہیں، تجزیہ نگار ہیں، آئندہ کی پیشین گوئی کرنے والے ہیں بعض دفعہ بھیانک شکل پیش کر دیتے ہیں، ایسے اوہامات، ایسے امکانات پیش کرتے ہیں کہ لوگ پریشان ہو جائیں۔ انسانوں کی آبادی کے تعلق سے بھی کہ بھائی آبادی اتنی بڑھ رہی ہے اور یہ مسئلے پیدا ہونے والے ہیں، فیملی پلاننگ کا جو مسئلہ تھا وہ اسی بنیاد پر تھا، تو آبی وسائل کے تعلق سے بھی کچھ تو مسائل ہیں، پانی کے تلویث وتلوث کے مسائل، اس میں احتیاط جو چاہیے وہ نہیں کی جارہی ہے، لیکن اس کو کچھ زیادہ بڑھا کر کے اس طرح پیش کیا جاتا ہے، جیسا کہ بہت بڑا گویا خطرہ پوری انسانیت کے لیے پیدا ہو گیا ہے۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ وقت آپ کے پاس ہے اور اس موضوع کے علاوہ کسی اور مسئلہ پر بھی گفتگو آپ فرمانا چاہیں تو اظہار خیال فرمائیں۔

جناب عبدالقدیر خاں:

میں صرف یہ دریافت کرنا چاہوں گا، پہلے پانی سے متعلق میرا سوال ہے کہ پانی کی پاکی اور ناپاکی سے متعلق یہ حوض کا پانی یہ کس حکم میں آتا ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک ہے؟ اس لیے کہ ٹھہرے ہوئے پانی پر پابندی عائد کی گئی ہے کہ اس سے وضو نہیں کیا جاسکتا، اس کے بارے میں بتلائیں، حوض کا پانی اور تالاب کا پانی یہ کس حکم میں آتا ہے؟

مفتی عبیداللہ الاسعدی:

پانی کی پاکی یا ناپاکی وغیرہ کی نسبت سے تو کتابوں میں یہ بات معروف ہے، باقی مسائل تو تجاویز میں آنے ہی والے ہیں۔ ہمارے یہاں جو تعبیر معروف ہے پانی کی قلت

Marfat.com

وکثرت کے اعتبار سے، جب پانی بہت تھوڑی مقدار میں ہو، بہت چھوٹا سا حوض ہو، ایسی صورت میں ظاہر ہے کوئی نجاست اس میں گرتی ہے جیسے چھوٹے گڑھے وغیرہ ہوتے ہیں تو پانی ناپاک شمار ہوتا ہے کثرت کا معیار مثلاً فقہ حنفی کے معروف مسئلہ کے مطابق یہ ہے کہ دہ دردہ (پندرہ مربع فٹ) یعنی کل رقبہ ساٹھ فٹ کا اگر ہو چوکور تو یہ دہ دردہ کا مصداق ہوتا ہے، اس پانی کو زیادہ سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ بھی اس صورت میں زائد ہوگا جب کہ گرنے والی نجاست بہت معمولی مقدار میں ہو، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک حوض بڑا ہو، معلوم ہوا کہ محلہ بھر کی یا گھر کی ساری گندگی اسی میں پڑ رہی ہے، آج کل یہ سب جو بن رہے ہیں طرح طرح کے ٹینک وہ مرادنہیں ہیں۔ عام پانی کا صاف ستھرا'' معروف سی چیز باقی باتیں آجائیں گی وقت پر۔

جناب جاوید کوثر (پٹنہ):

مجھے جو خلجان ذہن میں تھا وہ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی دامت برکاتہم کی تقریر کے بعد دور ہوگیا، اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔

مفتی اشرف عباس سعادتی:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جو باتیں آئی ہیں شروع میں بھی آئیں اور ابھی حضرت مولانا نے بھی فرمایا کہ باندھ کو کاٹنا چاہیے یانہیں، اس سلسلہ میں حکومت کے مشوروں کالحاظ رکھنا چاہیے اوراپنے طور سے لوگ اس طرح شروع کردیتے ہیں تو اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں یقیناً عام حالات میں یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن عملاً جو صورت حال واقعاتی دنیا میں پیش آرہی ہے وہ بہت سی مرتبہ اس سے مختلف ہوتی ہے، چھوٹے چھوٹے گاؤں ہوتے ہیں، چھوٹے چھوٹے دیہات، اوروہ سیلاب کی زد میں آتے ہیں، شام سے پانی بھرنا شروع ہوتا ہے اور گاؤں والوں کو بعض اوقات اسی وقت اپنی صوابدید پر فیصلہ لینا ہوتا ہے، حکومت کے افراد جو ضلع میں ہیں

Marfat.com

یا بلاک میں ہیں یا تحصیل میں ہیں وہ عموماً ایسے مواقع پر دستیاب نہیں ہوتے ہیں، تو اس لیے یہ تو صحیح ہے کہ عام حالات میں اس کا انحصار حکومت پر ہونا چاہیے؛ لیکن بہت سی مرتبہ یعنی دیانت کے اعتبار سے اور اخلاقی اعتبار سے اضطراری احوال جب پیش آئیں تو اس سلسلہ میں کچھ گنجائش نکلتی ہے یا نہیں اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، صرف اس کو یہ سمجھ کر کے یہ حکومتوں سے متعلق مسئلہ ہے میرا خیال ہے کہ اسی پر نہ چھوڑا جائے۔

مولانا خالد حسین نیموی:

سوال نمبر ۴ کے حوالہ سے مخدوم مکرم مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے فرمایا کہ ماہرین کی رائے سے استفادہ کرنے کے بعد اس سلسلہ میں فیصلہ کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ماہرین کیمیا کی رائے کیا ہے اور یہ تجزیاتی عمل کیسے ہوتا ہے، دوسری چیز جو ہمارے غور کرنے کی ہے کہ پہلے ہم خود بحث کر کے مطمئن ہو جائیں، پھر ہم ان فنی پہلوؤں کو جاننے کے لیے ان کی آراء کو جانیں، ان کی آراء سے ہم استفادہ کریں۔ اس سلسلہ میں ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو، اس کی آلودگی دور ہو جاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا، پاک ہونا اور چیز ہے اور طیب ہونا یہ دوسری چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: "أحل لکم الطیبات وحرم علیکم الخبائث" پانی پاک ہو جائے کیمیاوی عمل سے گزارنے کے بعد، کشید یا فلٹر کرنے کا جو عمل ہوتا ہے یہ ممکن ہے لیکن وہ پانی طیب بھی ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا ہے، میں سمجھتا ہوں ایسا نہیں ہے، پاک ہونے کے بعد اس کا بیرونی ہم استعمال کر سکتے ہیں، مثلاً کپڑا صاف کرنا، گندگیوں کو دور کرنا یا اور جو دوسرے استعمالات ہیں جس کو خارجی استعمال کہتے ہیں، ظاہری استعمال اس کا کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں تک باطنی استعمال کی بات ہے کہ پینے کے لیے اس کا

Marfat.com

استعمال کرنا تو بہر حال اس کی جو خبائث ہیں جیسے پیشاب کے اندر جو خباثتیں ہیں، شراب کے اندر، خون کے اندر جو خباثتیں ہیں وہ ختم ہو جائیں گی ایسا نہیں ہے، وہ خبائث برقرار رہیں گی اور انسانی جسم میں وہ پانی پہنچنے کے بعد وہ اپنے خبث کا مظاہرہ کرے گا اور خبث کے اثرات بھی جسم میں پھیلیں گے، اس لیے میرے خیال سے اس حوالہ سے بھی اس پر نظر ڈالیں اور اس پر غور کیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ مولانا خالد نیموی صاحب نے اس وقت فرمایا کہ اس کے فنی پہلو پر ماہرین کے مشورہ سے اس پر غور کیا جائے اور اس کے فقہی پہلو پر اگر اس وقت غور کرلیا جائے تو بہتر ہے، میں نے ایسا سمجھا ہے، اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ ملیح آباد میں جو سمینار ہوا تھا جس میں الکحل اور جلاٹین کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا اور اس وقت ماہرین بھی وہاں آئے تھے، تو تحویل حقیقت کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا، اس پر اصولی بحث اس وقت ہم لوگ کر چکے ہیں، لیکن اس مسئلہ پر اس کی تطبیق درست ہوگی یا نہیں ہوگی، یہ جب تک ماہرین سے، ان کی گفتگو سے آپ فائدہ نہیں اٹھائیں، صحیح طور پر آپ اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کرسکیں گے۔ رہ گیا دوسرا مسئلہ جو آپ نے حلال اور طیب کے بارے میں فرمایا ہے، ایک تو بہت سی جگہ مفسرین نے طیب کا ترجمہ ہی حلال سے کیا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ کے نزدیک تحویل حقیقت کے بعد اب وہ ماء خالص ہوگیا ہے تو ماء خالص سے حکم طہارت کا بھی متعلق ہے اور حلت کا بھی متعلق ہے۔ تو طبعی طور پر کسی چیز کا پسند نہ کرنا الگ بات ہے، لیکن حکم شرعی میں دونوں میں کیسے فرق کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ہماری بھی رائے وہی ہے جو مولانا عتیق صاحب نے فرمائی کہ اس مسئلہ پر شریعت کے مسائل بڑے نازک اور اہم ہیں اور جب تک اس کی تمام جہتیں ہمارے سامنے نہ آجائیں، کوئی آخری فیصلہ ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ اگلی نشست میں یہ ضروری نہیں ہے کہ پھر سے

Marfat.com

سوالنامہ جاری ہو، پھر سے مقالات لکھے جائیں لیکن ماہرین کی گفتگو کر کے اور اس وقت مقالات میں جو باتیں آئی ہیں اس کو سامنے رکھ کر اس وقت انشاء اللہ بحث ہوگی اور پھر اس پر تجویز مرتب کی جائے گی۔

مولانا قمر عالم قاسمی:

میرا سوال جو ہے سوال نمبر ۷ سے متعلق ہے کہ لوگوں اور عام شہریوں کو حکومت اس بات کا مکلّف بنا سکتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لیے مخصوص کریں، اس عمل میں غیر مسلم تو فراخ دل ہیں مگر مسلمانوں کے پاس جو عموماً غریب ہوتے ہیں اور ان کے پاس مکان یا دکان کے لیے زمینیں کم ہوتی ہیں وہ اس زمین کے ایک ایک انچ کو اپنی دوکان یا مکان بنانے میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اس لیے ہمارے خیال میں مسلمانوں کو بھی مکلّف بنایا جائے، خاص طور پر جو لوگ شہروں میں یا ایسے علاقوں میں بستے ہیں، جہاں پانی کی سطح کافی نیچے جا چکی ہے کہ وہ مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لیے مخصوص کریں جیسا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے عرض کیا، اور خود میں جہاں رہتا ہوں رانچی کے علاقے میں پانی کی سطح کافی نیچے ہے تقریباً چار سو ساڑھے چار سو فٹ نیچے پانی کی سطح جا چکی ہے اور پانی کی شدید قلت ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ پر کم از کم سارے علماء کرام، چوں کہ یہ پیغام ہمارا ساری دنیا میں جائے گا اور سب لوگ اس مسئلہ پر اتفاق کر لیں کم از کم مسلمان چاہے جتنی زمین ہو ان کے پاس، اسی میں سے دو فٹ تین فٹ چار فٹ جگہ چھوڑ کر کے اپنا مکان بنائیں تا کہ بارش کا پانی وہاں محفوظ ہو سکے اور پانی کی سطح اوپر آ سکے۔

مفتی زاہد علی خان (علی گڑھ):

اس کا پہلو ایک یہ ہے کہ جہاں پانی زیادہ دستیاب نہیں ہوتا وہاں ایک طریقہ یہ نکالا

Marfat.com

ہے جیسے دہلی گورنمنٹ کا قانون ہے کہ وہ جو بارش کا پانی چھت پر برستا ہے اس کے لیے پائپ تعمیر میں زمین کے اندر ڈال دیا جاتا ہے اور وہاں ایسا انتظام کیا جاتا ہے روڑے اور بہت سی چیزیں ڈال کر دس یا بارہ فٹ یا پندرہ فٹ نیچے لے جاتے ہیں، وہ لازمی ہو گیا ہے، نقشہ کے پاس کرانے کے لیے، تو زمین کے چھوڑنے کے بجائے جو اصل مسئلہ ہے وہ برقرار رہتا ہے، زمین چھوڑنا ضروری نہیں صرف ایک پائپ کی جگہ زمین کے اندر لے جائی جاتی ہے اور وہ مسئلہ اپنے آپ حل ہو جاتا ہے اور سارا بارش کا پانی اسی جگہ زمین کے اندر چلا جاتا ہے، یہ اس کا ایک الگ سا پہلو ہے، آپ کے لیے انشاء اللہ مفید ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

IFA PUBLICATIONS

IFA Publications

161 - F, Basement, Joga Bai, Post Box No -

Jamia Nagar, New Delhi - 110025

Tel : 26981327 Email:ifapublication@gmail

Marfat.com